مقالاتِ شارحِ بخاری

شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف [illegible]

سوم

دائرۃ البرکات گھوسی ضلع مئو

نام کتاب : مقالات شارح بخاری (جلد سوم)

تصنیف : شارح بخاری، علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی، قدس سرہ العزیز

مرتبین : مولانا ارشاد احمد رضوی، مولانا حافظ عبد الحق رضوی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ

کمپوزنگ : یزدانی کمپیوٹر متصل مدرسہ شمس العلوم گھوسی مئو (فون: ۲۲۲۳-۲۲۳)
(M.9935847333)

باہتمام : ڈاکٹر محب الحق قادری، گھوسی، مئو

ناشر : دائرۃ البرکات کریم الدین پور گھوسی، مئو اترپردیش، ہند

صفحات : ۳۶۷

تعداد : ۱۱۰۰

قیمت :

ملنے کے پتے

۱۔ دائرۃ البرکات کریم الدین پور گھوسی مئو یوپی، ہند

۲۔ المجمع الاسلامی مبارکپور ضلع اعظم گڑھ، یوپی، ہند

۳۔ المجمع المصباحی مبارکپور ضلع اعظم گڑھ، یوپی، ہند

۴۔ رضوی کتاب گھر ٹیامحل جامع مسجد دہلی۔۶

۴۔ کتب خانہ امجدیہ ٹیامحل جامع مسجد دہلی۔۶

۵۔ یزدانی بک ڈپو متصل مدرسہ شمس العلوم گھوسی مئو

مقالات شارح بخاری

(جلد سوم)

اس میں شارح بخاری کے اپنے اسلاف، اساتذہ، مشائخ کرام پر
قلبی تاثرات، فقہی و شخصی علمبرداروں کے خطبات، اہم کتابوں پر
تقریظات و تصدیقات شامل ہیں ہر ایک مضمون
علم و عرفان کا گنجینہ ہے۔

مرتبین

مولانا حافظ عبدالحق رضوی مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ

و

مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی
سابق استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ

باہتمام

ڈاکٹر محب الحق قادری

ناشر

دائرۃ البرکات کریم الدین پور گھوسی، ضلع مئو، یوپی، ہند

فہرست مضامین مقالات شارح بخاری

(جلد سوم)

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"مقالات شارح بخاری، جلد سوم ۳ر ابواب پر مشتمل ہے۔
اول شخصیات، دوم خطبات، سوم تقریظات وتصدیقات۔

باب اول: شخصیات: اس میں شارح بخاری قدس سرہ العزیز نے اپنے اسلاف ومشائخ اور اساتذہ کرام کی بارگاہ میں موقع بموقع، برجستہ خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ شارح بخاری کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے بزرگوں سے گہری عقیدت ومحبت رکھتے تھے اور اس کا برملا اظہار اپنی نشستوں، خانقاہوں، جلسوں اور خاص طور سے اعراس کی تقریروں میں کرتے تھے۔ کبھی کبھی تو ان تقریروں میں عقیدت کے تاثرات وجذبات کا سیلاب امنڈ پڑتا تھا، کاش وہ سب تقریریں محفوظ ہوتیں تو انہیں شخصیات پر عظیم دستاویز کی حیثیت حاصل ہوتی۔ شخصیات پر اتنی معلومات افزا خالص علمی وروحانی تقریریں اب تک میں نے نہیں سنیں، خاص بات یہ تھی کہ ہر سال اسی شخصیت پر ایک نئے زاویہ علم وفضل سے جذبات وعقیدت سے لبریز تقریر فرماتے، جو انہیں کا حق تھا، انہیں کا حصہ تھا، یہی وجہ تھی کہ عرس قاسمی مارہرہ مطہرہ شریف کے وہ مستقل مدعو مقرر تھے۔ میں نے ۱۹۶۲ء کی ڈائری دیکھی اس میں ابا حضور نے عرس نوری میں شرکت کی تاریخ نوٹ فرمائی۔ ۱۹۶۳ء کی ڈائری دیکھی اس میں عرس قاسمی ۲۳ر ۱۹۶۳ء ۲۳ر جمادی الثانی ۱۳۸۳ھ تاریخ نوٹ ہے۔ ۱۹۶۸ء میں جامعہ انوار القرآن میں ابا حضور کے زیر تعلیم وتربیت تھا، اس وقت ابا حضور کے پاس حضور احسن العلماء سید حیدر حسن میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عرس قاسمی میں شرکت کے لیے خط آتا اور ابا حضور پابندی سے شرکت فرماتے، اس وقت ابا حضور نہ تو بہت مشہور مفتی تھے نہ شعلہ بار مقرر اور نہ ہی شارح بخاری، اور نہ ہی خانقاہ برکاتیہ کے اعراس میں وہ ہجوم نظر آتا جو اب ہوتا ہے۔ روحانیت کی جلوہ گری علماء وخواص میں تو اس وقت بھی تھی اور آج بھی ہے۔ مگر عوامی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ چند گنے چنے مریدین ومعتقدین حاضر ہوتے اور خانقاہ شریف کے صحن میں عرس کی ساری تقریبات ہو جاتیں۔ اور اب تو الحمد للہ حضرات سیدین کریمین رحمہما اللہ تعالیٰ اور ان کے صاحبزادگان والا تبار کا فیضان ہے کہ عرس کے موقع پر مارہرہ مطہرہ کے کوچہ وبازار میں تل رکھنے کی جگہ نہیں ملتی۔ اب صرف مریدین ومتوسلین ہی نہیں خانقاہوں کے مشائخ طریقت، مدارس

کے علاوہ طلبہ، نیز عام ارادت مند وہاں حاضری دینا باعث اعزاز و افتخار تصور کرتے ہیں۔ عالم یہ ہے کہ ؎

کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے

شارح بخاری کو در جاناں سے ایسی وارفتگی و شیفتگی ہو گئی کہ کیسے ہی حالات ہوتے عرس مارہرہ میں ضرور شرکت فرماتے۔

گر پڑ کے یہاں پہونچا مر مر کے اسے پایا
چھوٹے نہ الٰہی اب سنگ درِ جانانہ

والی کیفیت تھی۔ شارح بخاری نے صاحب برکات کا در پکڑ لیا، خانوادہ برکات نے اس گوہر آبدار کو چن لیا، بریلی نے مفتی مان لیا، اور فقیہ اعظم ہند کا خطاب دیا۔ عرس مارہرہ مطہرہ ہو یا عرس رضوی، عرس صدر الشریعہ ہو یا عرس حافظ ملت، محفل قل حاصل عرس تقریر ہوتی۔ حاضرین و زائرین اتنے محظوظ ہوتے کہ عقیدت و محبت کا سیلاب ٹھاٹھیں مارتا، جذبات امل آتے، آنکھیں اشک بار ہو جاتیں، اب ان موقعوں پر ویسی تقریروں کے لیے دل ترستا ہے، آنکھیں ترستی ہیں۔ ؎

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ مرے دھوم مچانے والے

ان کی ظاہری زبان تو خاموش ہو گئی مگر روحانی اور تحریری زبان بول رہی ہے اور بولتی رہے گی، جب تک ان مقالات اور تصنیفات کو لوگ پڑھتے اور سنتے رہیں گے۔

باب دوم: خطبات پر مشتمل ہے، یہ فقہیات و شخصیات پر سیمیناروں میں شارح بخاری نے پڑھے۔ ان خطبات میں اس اختلاف و انتشار کا درد و کرب نمایاں ہے جو ملت کے اندر انہوں نے اپنے دور میں دیکھا اور محسوس کیا، اسی طرح ان مسائل کے حل کے لیے علماء، فقہا، اصحاب رائے، اہل تحقیق و تشخیص سے مثبت سوچ، یکسوئی، وجاں کاہی اتحاد و اتفاق کے لیے استمداد و عاجزی و انکساری کے عناصر بھی ان میں نمایاں ہیں۔

باب سوم: اہم کتابوں پر تقریظات و تصدیقات ہیں۔ کتاب و صاحب کتاب کی اہمیت اپنی جگہ ہے مگر ان تقریظات و تصدیقات کی حقیقت انگوٹھی میں نگینہ کی ہوگی، وہ سب ایک وقیع و مستند دستاویز بن گئے اور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم۔ وہ سب قلم برداشتہ و برجستہ تحریر فرمائے یا املا کروائے گئے۔ ان میں شارح بخاری کی مختلف علوم و فنون پر دسترس اور علمی استحضار کا سیل رواں نظر

آتا ہے۔ ان کو پڑھنے کے بعد بے ساختہ دل پکار اٹھتا ہے۔

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

اکابر ومشائخ کا ادب واحترام تو ہر شخص اپنے ظرف ووسعت کے مطابق کرتا ہے۔ مگر اصاغر کے علم وفضل کا انشراح صدر کے ساتھ اعتراف اور ان کی حوصلہ افزائی وپذیرائی بہت کم یاب جوہر ہے۔ مگر شارح بخاری کی بارگاہ میں بڑی فراوانی کے ساتھ دست یاب ہے۔ ان تقریظات میں اس کے جلوے آپ کو جگہ جگہ نظر آئیں گے۔ اس باب میں وہ اپنے استاذ گرامی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا پرتو معلوم ہوتے ہیں۔

احقر طفل مکتب۔ ان مقالات پر اپنی بساط سے آگے بڑھ کر لکھنے کی جسارت کر ڈالی اس میں کوئی کوتاہی اور ترتیب واشاعت میں کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اصلاح کا طالب ہوں۔ میں بے حد ممنون کرم ہوں گا ان حضرات کا جو میری کمیوں کی نشاندہی فرمادیں گے۔

دیرینہ رفیقان گرامی مولانا الحاج شفیق احمد، مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، مولانا سیف الدین مولانا خلیق احمد، مولانا نسیم احمد، مولانا عبد الرحمن، مفتی شمشاد احمد، مولانا رضوان احمد شریفی صاحبان کا شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے مختلف مواقع پر اپنے مخلصانہ تعاون اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔ رب کریم ہم سب کو دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین

امتنان وتشکر: مقالات شارح بخاری جلد اول پریس جا چکی تھی کہ مخلص گرامی مولانا ارشاد احمد صاحب نے برادران گرامی وقار حضرت پروفیسر سید محمد امین صاحب واشرف ملت حضرت سید محمد اشرف صاحب مدظلہما العالی کے گرانقدر کلمات حسنات لاکر پریس پہنچا گئے۔ خوشی کی بات ہے کہ وہ زینت مقالات بھی ہو گئے۔

دراصل حضرت سے احقر نے پہلے ہی عرض کیا تھا اور مجھے چاہیے تھا کہ حاضر بارگاہ ہو کر ان تبرکات کو حاصل کرتا مگر اپنی تساہلی کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا۔ مولانا موصوف بالخصوص حضرات مخدومین کریمین کا صمیم قلب سے ممنون ومشکور ہوں۔ ایجاز واختصار کے باوجود تاثرات جامعیت حسن فکر وقلم کا مرقع ہیں۔ فبارک اللہ احسن الخالقین۔

محمد محب الحق قادری

خادم دائرۃ البرکات، گھوسی، مئو

۲۳ رمحرم الحرام ۱۴۳۷ھ

سوانح شارح بخاری

(بقلم خود)

انٹرویو۔ حضرت اشرف ملت

حضرت اشرف ملت سید محمد اشرف میاں صاحب قبلہ برکاتی شہزادہ حضور احسن العلماء قدس سرہ نے حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں سے متعلق چند سوالات روانہ فرمائے تھے، جن کے جوابات حضرت شارح بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان نے بڑی برجستگی کے ساتھ املا کرائے ہیں۔ وہ جوابات بجائے خود بڑے ہی معلومات افزا ہیں۔ بغرض افادہ نذر قارئین کیے جا رہے ہیں۔ (مرتب)

نام	محمد شریف الحق
تاریخ پیدائش	۱۳۴۰ھ دن اور مہینہ معلوم نہیں
مقام پیدائش	محلہ کریم الدین پور گھوسی ضلع مئو مشرقی یوپی انڈیا
والد کا نام	عبد الصمد لال صاحب مرحوم
تعلیمی لیاقت	فاضل درس نظامی قدیم
والدہ کا نام	بیگن مرحومہ

(۱) ان کی کوئی نصیحت، دادا، چچا، ماموں کی نصیحت؟

والدہ کا وصال شعور پختہ ہونے سے پہلے ہی ہو چکا تھا، اور دادا صاحب کا وصال میری پیدائش سے پہلے۔ چچا اور ماموں کا زمانہ پایا مگر ان لوگوں کی کوئی نصیحت یاد نہیں۔

(۲) ننھیال، ددھیال، یا سسرال میں کوئی عالم یا صوفی ہوئے ہیں تو ان کے نام اور ضروری معلومات۔

میری چوتھی پشت میں اوپر حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ گزرے

ہیں جو عالم ظاہر و باطن عارف باللہ تھے۔ ذاکر شاغل تہجد گزار بزرگ تھے، بلا ناغہ مسجد میں جا کر تہجد پڑھتے، پھر ذکر و مراقبہ کرتے فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کے بعد بھی اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ نماز اشراق پڑھ کر گھر واپس آتے انہیں کی نسل سے صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مصنف بہار شریعت) بھی ہیں۔

(۳) تعلیم؟

درجہ چہار تک پرائمری قدیم فارسی نصاب سکندر نامہ تک قراءت بروایت حفص، درس نظامی قدیم مکمل بشمول امور عامہ، مسلم الثبوت، شمس بازغہ، اقلیدس، افتاء۔

(۴) اساتذہ کے نام ابتدا سے اخیر تک؟

مولوی غلام یٰسین، مولوی محمد شریف، ماسٹر علیم اللہ، مولوی حکیم احمد علی صاحب (گھوسی کے اساتذہ) مبارک پور کے اساتذہ۔ مولانا سید شمس الحق، مولانا غلام محی الدین بلیاوی، مولانا ثناء اللہ صاحب مئوی، مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری، استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ عبد العزیز صاحب حافظ ملت بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (مراد آباد) حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب (میرٹھ)، جناب مولانا غلام یزدانی صاحب اعظمی (بریلی) حضرت مولانا سردار احمد صاحب محدث اعظم پاکستان، حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب، حضرت صدر الشریعہ ابو العلا مولانا امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت۔ اخیر کے دو بزرگوں سے کچھ احادیث بھی پڑھی ہیں مزید افتا کی تعلیم و تمرین انہیں دونوں بزرگوں سے حاصل کی ہے۔

(۵) آپ کو کن اساتذہ نے متاثر کیا وہ اساتذہ کن علوم میں ماہر تھے ان سے متعلق یادیں؟

اساتذہ میں سے جس نے مجھ کو سب سے زیادہ متاثر کیا ان میں استاذ العلماء حضرت مولانا عبد العزیز صاحب قدس سرہ سرفہرست ہیں۔ ان کی کسی خاص فن میں امتیازی شہرت نہیں۔ میں نے ان سے نحو، تفسیر، حدیث، منطق، فلسفہ، عقائد پڑھا۔ میں نے ان کو ان

تمام علوم میں، بحر بیکراں پایا۔ دوسرے محدث اعظم مولانا سردار احمد صاحب ہیں۔ میں نے ان سے صرف دورۂ حدیث پڑھا ہے، اور میں بلا خوف و تردد کہہ سکتا ہوں کہ یہ علم حدیث میں اپنے وقت کے ابن حجر عسقلانی اور بدرالدین محمود عینی تھے۔ ان کی خدمت میں حمد اللہ کے سبق میں بھی بیٹھ جاتا، ان کو منطق کا بھی ماہر پایا۔ ان کی خدمت میں فتح کل توسکی کی ابتدا کی تھی، میں نے ان کو فقہ اور عقائد کا بھی امام وقت پایا۔ حضرت صدر الشریعہ، حضرت مفتی اعظم ہند قدست اسرارہما کے بارے میں کچھ کہنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

حضرت صدرالشریعہ کی جامعیت اور عبقریت سب کو معلوم ہے کہ آج پوری دنیا میں اہل سنت کے علما و فضلا خطبا اور مشائخ کی اکثریت حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ ہی کے بواسطہ یا بلا واسطہ فیضیاب ہیں۔

حضرت مفتی اعظم ہند نے چوں کہ درس و تدریس کا سلسلہ جاری نہیں رکھا اس لیے ان کی شہرت فقہ اور عقائد کے علاوہ دوسرے علوم میں نہیں ہوئی، لیکن میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ بھی جملہ علوم معقول و منقول کے امام تھے۔ ایک بار دارالعلوم منظر اسلام کے ایک مدرس جو حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے کچھ کدورت بھی رکھتے تھے، فلسفہ کے ایک مسئلہ پر بحث کرنے آگئے وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضرت مفتی اعظم ہند نے کبھی فلسفہ پڑھا ہوگا، اب جوں کہ الجھنوں گے انہوں نے جب بحث شروع کی، میں بھی حاضر تھا مجھے بھی وسوسہ گزرا اور میں نے چاہا کہ ان کو بحث نہ کرنے دوں۔ غالبا حضرت مفتی اعظم ہند میرے اس خطرے پر مطلع ہو گئے اور کچھ جلال کے ساتھ فرمایا: یہ مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں، آپ کیوں بیچ میں بول رہے ہیں۔ بہر حال انھوں نے اپنا سوال پیش کیا اور حضرت مفتی اعظم ہند نے ایسا محقق مدلل مسکت جواب دیا کہ وہ دم بخود رہ گئے، اپنی ملائی کے باعث کچھ نہ کچھ بولتے ضرور رہے لیکن بے جان باتیں۔ میں تو دنیا سے مخاطب ہو کر اپنے اساتذہ کے بارے میں یہ کہتا ہوں:

اولئک ساداتی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

(۶) آپ کو علم کی کس شاخ میں دلچسپی تھی تفسیر، حدیث، فقہ یا کوئی اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ عصری علوم کا مطالعہ بھی ضروری ہے؟

میرے خیال میں نہیں بلکہ اپنے تجربہ کی روشنی میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ علماء خصوصاً مبلغین اور مفتی صاحبان عصری علوم کو ضرور حاصل کریں۔ اس کے بغیر جدید پیدا ہونے والے مسائل کا حل ممکن نہیں، نیز معاندین اسلام کے اوہام و شبہات کا ازالہ بھی ممکن نہیں۔

(۷) آپ کو دستار فضیلت کس نے پیش کی؟

گستاخی معاف ...... پیش کی؟ ...... پیش کی نہیں ...... عطا فرمائی۔

بحمدہ و تبارک و تعالیٰ مجھے میرے مرشد برحق حضور صدر الشریعہ قدس سرہ اور مسند وقت حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ اور حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہ اور حضرت محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا ابوالفضل سردار احمد صاحب اور استاذ العلماء حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے میرے سر پر دستار فضیلت باندھا۔ چودہ شعبان المعظم ۱۳۶۳ھ میں دار العلوم مظہر اسلام کے جلسہ دستار بندی میں۔

(۸) آپ کا کیا مشغلہ ہے؟

اس وقت بائیس سال سے فتویٰ نویسی اور تبلیغ دین کی خدمت انجام دے رہا ہوں۔ اس کے قبل تدریس بھی میرے ذمہ تھی۔ والد صاحب کا مشغلہ بہت چھوٹی موٹی تجارت تھی۔

(۹) کہاں کہاں ملازمت کی؟

مدرسہ بحر العلوم مئو، مدرسہ خیر الاسلام حسین آباد جیلہ ضلع پالاموں، مدرسہ حنفیہ مالیگاؤں، مدرسہ عین العلوم گیا، شمس العلوم گھوسی، فضل رحمانیہ پچپڑوا ضلع بلرام پور، دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف، جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور، مدرسہ ندائے حق جلال پور، جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

موجودہ ملازمت: جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڈھ

موجودہ پتہ: ۱۰ شوال لغایت ۱۱ر شعبان جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڈھ یوپی

کوڈ نمبر: ۲۷۶۴۰۴

۱۲ر شعبان لغایت ۸ر شوال برکات نگر، کریم الدین پور، گھوسی ضلع مئو یوپی - پن

کوڈ: ۲۷۵۳۰۴

(۱۰) بیعت و خلافت؟

۱۳۶۹ھ میں حضرت صدر الشریعہ مولانا ابو العلا محمد امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں مرید ہوا۔ میں نے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ میں علم ظاہر و باطن، تصلب فی الدین، اتباع شریعت زیادہ پایا اس لیے ان سے بیعت ہوا۔

نیز حضرت ہی نے ۲۷ر ۱۳[illegible]ھ میں شوال میں سلسلہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت عطا فرمائی۔ نیز حضرت مفتی اعظم ہند نے بتاریخ ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ کو سلسلہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت کے ساتھ ساتھ رسالہ مبارکہ "النور والبہاء فی اسانید الحدیث وسلاسل الاولیاء" میں مندرجہ تمام سلاسل حدیث و طریقت کی اجازت عطا فرمائی۔ نیز ۱۴۰۳ھ میں عرس قاسمی کے موقع پر ... کے وقت احسن العلماء زین الاصفیاء سرکار حضرت مولانا شاہ حافظ حسن میاں صاحب مارہروی برکاتی قدس سرہ العالی تاجدار مسند غوثیہ برکاتیہ مطہرہ نے اپنے خاندان عالیشان کے تمام سلاسل جلیلہ کی اجازت عطا فرمائی اور دستار بندی فرمائی۔ نیز حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے سلسلہ عالیہ قادریہ منوریہ فضیلیہ کی اجازت عطا فرمائی، جو سلسلہ برکاتیہ کے علاوہ اور طریقے سے ہے۔

(۱۱) حضور تاج العلماء، سید العلماء، احسن العلماء رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کس کو آپ نے برتا؟

حضرت تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے اور ملاقات سے میں مشرف نہیں ہو سکا۔ میری تالیف "اشک رواں" حضرت کی خدمت میں پیش ہوئی، حضرت نے اسے بہت پسند فرمایا اور میرے حق میں دعا فرمائی، اور بہت سی جگہوں پر حضرت نے اس کتاب کو بھیجوایا۔

حضرت سید العلماء و احسن العلماء رحمۃ اللہ علیہما سے بارہا ملاقاتیں بھی ہوئیں اور ان کے ساتھ کئی کئی دن تک رہنے کا اتفاق بھی ہوا، دونوں بزرگوں کی کرم نوازی اور ذرہ پروری آج بھی یاد آتی رہتی ہے۔ ان حضرات سے میرے تاثر کا سبب ان حضرات کے عقیدے کی پختگی اور ان کا تصلب فی الدین، استقامت علی الحق، حق گوئی اور اس بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور دنیوی سود و زیاں کی پرواہ نہ کرنا ہے۔

(۱۲) جب آپ کے شیخ طریقت نے آپ کی خلافت کا اعلان کیا تو کون کون علماء و مشائخ محفل میں موجود تھے؟

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے رات میں تنہائی میں خلافت عطا فرمائی تھی، تہجد کے وقت۔ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے جب خلافت عطا فرمائی تو علماء کا کثیر مجمع تھا، جن میں سے صرف حضرت مولانا بدر الدین احمد صاحب رضوی یاد ہیں۔ حضرت احسن العلماء قدس سرہ نے عرس قاسمی کے قل والی مجلس میں قل سے پہلے اعلان فرمایا تھا۔ سبھی حضرات شہزادگان موجود تھے۔ علماء میں صرف حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی یاد ہیں، اور احباب میں جناب مولوی بشیر احمد صاحب اورئی والے۔ ویسے کثیر علماء موجود تھے۔

(۱۳) آپ کو اس وقت کیا محسوس ہوا تھا؟

ع: میں کیا جانوں رات کی بات

زبان پر قفل لگا ہوا ہے۔ یہ کیسی ساقی تھی جو پلائے جائے پیتے چلے جائیں پی کر بہکنے والے نہیں کہ میخانے کی بات میخانے سے باہر ہو سکے میاں آپ کیا چاہتے ہیں۔ دار الافتاء میں بیٹھے رہنے دیں گے یا نہیں؟

(۱۴) خلیفہ بننے سے پہلے کیا محسوس کرتے تھے اور بعد میں کیا محسوس کرتے ہیں؟

خلیفہ بننے سے پہلے میں اپنے آپ کو عام رعایا میں محسوس کرتا تھا اور خلیفہ بننے کے بعد با اختیار منصب دار ہو گیا۔

(۱۵) خلافت کس جگہ اور کس تاریخ کو عطا ہوئی؟

گزر چکا کہ حضرت احسن العلماء قدس سرہ نے ۱۴۰۱ھ کے عرس قاسمی میں خانقاہ برکاتیہ کے اندر قل کے وقت عرس کے منبر پر عطا فرمائی تھی، چوں کہ عرس قاسمی کی تاریخیں معین نہیں اور اتفاق سے اس سال کی تاریخیں یاد بھی نہیں۔

(۱۶) خلافت ملنے کے بعد آپ کی اپنے شیخ طریقت سے جو پہلی گفتگو تھی وہ کیا تھی؟

چوں کہ احسن العلماء قدس سرہ نے صرف سلاسل جدیدہ کی اجازت دی تھی اور یہ بلا طلب تھی، خلافت ملنے کے بعد میری پہلی گفتگو حضرت سے یہی ہوئی۔ میں نے عرض کیا حضور سلاسل قدیمہ کی بھی اجازت عطا فرمائیں۔ فرمایا: پھر دیکھا جائے گا۔

(۱۷) کیا آپ کے شیخ طریقت نے آپ کو خطوط لکھے اور ان کی نقل ہے؟ اور آپ نے جواب لکھا اگر اس کی نقل ہو تو ارسال کریں؟

سرکار احسن العلماء قدس سرہ سے میری کافی خط و کتابت تھی، لیکن وہ خطوط ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں ضائع ہو گئے، یا کہیں ایسی جگہ دب گئے کہ مل نہیں رہے ہیں۔ مخصوص خطوط کا ایک بکس جس میں اور بھی نوادر تھے مثلاً اس مخصوص حزب یمانی کا وہ نسخہ جسے حضرت مفتی اعظم ہند نے پڑھ کر سنایا تھا وہ کوئی سارق اٹھالے گیا، میں کوشش کروں گا اگر کچھ خطوط مل گئے تو ان کی نقل آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا۔

(۱۸) آپ نے شیخ طریقت سے دنیاوی امور یا دینی امور میں جو گفتگو وقتاً فوقتاً کی اسے نقل فرما دیجیے؟

میری حضرت احسن العلماء قدس سرہ سے بہت کافی دنیوی امور پر بھی اور دینی امور پر بھی بات چیت ہوئی ہے۔ کبھی کبھی دو دو تین تین گھنٹے تک ہوئی ہے، لیکن وہ باتیں اچھی طرح یاد نہیں، اور جب اچھی طرح یاد نہیں تو ان کو نقل کرنے میں کچھ ردو بدل ہو سکتا ہے۔ اس لیے معذرت خواہ ہوں۔ اس وقت میں بے حد مصروف ہوں فرصت ملنے پر سوچوں گا۔ اور

قطعی طور پر جو باتیں یاد آجائیں گی ان کو لکھ کر حاضر کردوں گا۔

(۱۹) آپ کے شیخ طریقت آپ کو کیا کہہ کر مخاطب کرتے تھے؟

مفتی صاحب، ہمارے مفتی صاحب!

(۲۰) آپ کو اپنے شیخ کی سیرت کے کس پہلو نے بہت زیادہ متاثر کیا، دیگر پہلو کا بھی ذکر کیجیے؟

مجھے حضرت احسن العلماء قدس سرہ کی سیرت کے اس زریں پہلو نے سب سے زیادہ متاثر کیا کہ آپ مذہب حقہ اہل سنت وجماعت خصوصا مسلک اعلیٰ حضرت کے اعلیٰ درجے کے پابند تھے۔ اور اس میں اتنا تصلب تھا کہ کم بینوں کو تعصب کا دھوکہ ہوتا تھا۔ مسلک اعلیٰ حضرت میں نہ ادنیٰ سی مداہنت خود فرماتے تھے، اور نہ اس کو برداشت فرماتے تھے۔ اگر کسی اپنے مرید یا متعلق کو مسلک اعلیٰ حضرت سے ذرا بھی متجاوز دیکھتے تو برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی نیازمند ظاہر کرے۔ قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتے تھے۔ الاستقامۃ فوق الکرامۃ کی مکمل تصویر تھے۔ ایک بہت مشہور سلسلے کے افراد ہیں جن کا تعلق تاج العرفاء حضور اچھے میاں صاحب کے عہد پاک سے ہے۔ اس خاندان کے بہت سے افراد بعض مشائخ برکاتیہ کے استاذ بھی ہیں۔ اور یہ لوگ ظاہری نیازمندی اور عقیدت ظاہر کرنے میں سب سے آگے بھی ہیں اور یہ لوگ جب بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے احسن العلماء ان کی شایان شان ان کی آؤ بھگت فرماتے مگر جب انہوں نے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ایک فتویٰ پر کچھ نازیبا جملے استعمال کردیئے تو حضور احسن العلماء قدس سرہ نے ان لوگوں سے بالکلیہ تعلقات منقطع فرمادیے۔ ہندوستان کے ایک بہت بڑے سنی خطیب ہیں اور وہ حقیقت میں سنی صحیح العقیدہ ہیں عقیدے کے معاملے میں ان کے اندر ذرا بھی لچک نہیں مگر سیاسی ماحول میں پھنس کر بدمذہبوں کے ساتھ کبھی کبھار کھاپی لیتے، ان کے ساتھ اسٹیج پر تقریر بھی کرلیتے۔ ایک دفعہ کچھ لوگوں نے گزارش کی احسن العلماء سے عرس قاسمی میں انہیں بھی مدعو فرمائیں، جلال آگیا فرمایا وہ بدمذہبوں سے ملتے جلتے ہیں، ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں ان کو مدعو کروں گا یاد رکھیے وہ بھی از خود آگئے تو منبر پر بیٹھنے کی

اجازت نہیں دوں گا۔ تقریر تو دور کی بات ہے۔ رہ گئے احسن العلماء کی سیرت کے دوسرے پہلو، ان کو میں نے ماہنامہ اشرفیہ کے سیدین نمبر کے لیے جو مضمون احسن العلماء پر لکھا ہے وہ حضور کے یہاں نظر ثانی کے لئے موجود ہے، تکلیف فرما کر اسے ملاحظہ کرلیں۔ میں ان کے کس کس پہلو کا ذکر کروں، علم، فضل، زہد وورع، اخلاق، کرم، علماء نوازی، بلکہ علماء کا اعزاز واکرام، کشف وکرامت، تصرف، استجابت دعا، کن کن باتوں کو ذکر کروں۔ ان سب کے باوجود تواضع، فروتنی ایسی کی ہم جیسے لوگ شرم سے پانی پانی ہو جاتے۔ عرس کے ایام میں کثیر بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے، عوام ہیں کہ گرے پڑتے ہیں باہر نکلنا تو الگ حویلی کے اندر سجادے پر بیٹھنا مشکل ہے، لیکن عادت کریمہ تھی کہ قل کے روز اس بوڑھے غلام کی قیام گاہ پر ایک بار ضرور تشریف لاتے۔

ع: چپ ہو رہا ہوں کہہ کے کہ کیا کیا کہوں تجھے

(۳۱) کیا آپ نے خلافت ملنے کے بعد سلسلہ کا اجرا کیا؟

اللہ کے فضل سے تھوڑا بہت کیا ہے۔

(۳۲) آپ نے خانقاہ برکاتیہ کا ذکر کس عمر میں سنا؟

یہ یاد نہیں۔ اتنا یاد ہے کہ شعور پختہ ہونے کے بعد ہی سے خانقاہ برکاتیہ سے متعارف ہوا، اور اس کا سبب حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی ذات گرامی تھی۔

(۳۳) آپ کو خانقاہ برکاتیہ آنے کا شوق کیوں پیدا ہوا؟

اس کا بنیادی داعیہ یہ ہوا کہ جد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ خانقاہ برکاتیہ ہی سے مرید تھے، ذہن میں پہلا نقش یہی ثبت ہوا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ جس خانقاہ کے مرید ہیں وہ خانقاہ سب سے بڑی خانقاہ ہوگی۔

(۳۴) اعراس جو خانقاہ میں منعقد ہوتے ہیں ان کی نوعیت آپ کو کیسی لگتی ہے؟

بہت عمدہ اور بہت اچھی۔

(۲۵) درگاہ خانقاہ کے انتظامات آپ کو کیسے لگتے ہیں؟

بہت اچھے اور مناسب۔

(۲۶) خانقاہ برکاتیہ کے علمی وروحانی وقار کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ہندوستان کی جن خانقاہوں کو میں جانتا ہوں، ان سب میں خانقاہ برکاتیہ بہت باوقار ہے۔ علمی اعتبار سے بھی اور روحانی اعتبار سے بھی۔ اگرچہ بظاہر خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشین نے باقاعدہ کسی مدرسہ میں دینی نصاب نہیں پڑھا ہے لیکن ان حضرات کو دینی معلومات عقائد کی بھی اور اعمال کی بھی اتنی زیادہ ہے کہ اس دور میں ننانوے فیصد مدرسے کے فارغین میں نہیں۔ اس کا سبب بزرگوں کی دینی ماحول میں تربیت اور مسلسل تعلیم وتلقین اور کثرت مطالعہ اور روحانی فیض ہے۔

(۲۷) خانقاہ برکاتیہ کا امتیاز کیا ہے؟

خانقاہ برکاتیہ کے امتیازات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) یہ حضرات تحقیقی طور پر سید ہیں۔ جس میں نہ کہیں داغ ہے اور نہ کہیں لوچ اور اس کی دلیل اس خانقاہ کے افراد کے وہ اخلاق ہیں جو اخلاق نبوی کے مانند ہیں۔

(۲) صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہیں، اور مسلک اعلیٰ حضرت کے پورے طور سے پابند، جس میں کوئی مداہنت اور پلپلا پن نہیں۔

(۳) ان کا سلسلہ بلاشبہ متصل اور بیعت وارشاد کے اصول کے عین مطابق ہے جس میں کہیں کوئی خلا نہیں، ان کا سلسلہ سلسلۃ الذہب ہے۔

(۴) شریعت کے کماحقہ متبع ہیں۔ خلاف شرع کسی بات کو گوارہ نہیں کرتے۔

(۵) استقامت علی الحق اور حق کی اعانت ونصرت اور ہر باطل کا رد وتردید ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

(۶) علمائے کرام کا کماحقہ اعزاز واکرام کرتے ہیں۔ "ماانتم الا عبید لآبائی" کے غرور میں آکر یا جلب منفعت کی امید میں مالداروں اور سیٹھوں کو ان پر ترجیح نہیں دیتے۔

(۷) مریدین سے کوئی طمع نہیں رکھتے۔ بلکہ عند الضرورت اپنے مریدین کی کافی امداد و اعانت کرتے ہیں۔ میرے علم میں ہے کہ حضرت احسن العلماء قدس سرہ نے ایک عالم کو علاج کے لیے پچیس ہزار روپے نقد یک مشت عطا فرمایا تھا اور اپنی بارگاہ کے اس بوڑھے ناکارہ غلام پر ایک بار نہیں متعدد بار کرم فرمایا۔

(۸) عرس کی تقریبات میں کوئی رسم خلاف شرع یہاں رائج نہیں۔ سارے مراسم عرس شریعت کے دائرے میں ادا ہوتے ہیں، ایام عرس میں پابندی کے ساتھ پنج وقتہ وقت معینہ پر اذان ہوتی ہے اور باجماعت نماز پڑھتے ہیں۔

(۲۸) اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت مولانا احمد رضا خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کی نسبت کے تعلق سے کیا شیخ طریقت نے آپ کو کوئی تحفہ دیا کیا وہ محفوظ ہے؟

نہیں عطا فرمایا۔

(۲۹) اہل سنت کی آواز قدیم واہلسنت کی آواز جدید کے بارے میں آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

"اہل سنت کی آواز" قدیم کا بالاستیعاب میں نے مطالعہ کیا، جس کی روشنی میں میں کہہ سکتا ہوں کہ اس رسالہ مبارکہ نے مذہب حق اہل سنت وجماعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ایسے وقت میں ترجمانی اور نشر و اشاعت کی ہے جب کہ ہر طرف سکوت طاری تھا بلکہ جس وقت کہ مذہب اہل سنت کے معتقدات و اسلامی احکام کی صریح خلاف ورزی ہو رہی تھی، ہندوستان کے جرائد و رسائل میں اہل سنت کی آواز قدیم کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے بلا خوف لومۃ لائم حق ظاہر فرمایا اور اعلانیہ یہ شائع فرمایا۔ یہ رسالہ جن نامساعد حالات میں نکلتا تھا خود ایک بہت اہم معاملہ ہے۔ جنگ عظیم کے اثرات سے ان دنوں نہ آسانی سے کاغذ مل رہا تھا اور نہ کسی رسالے کے لیے پرمیشن مل رہا تھا، یہ حضرت تاج العلماء قدس سرہ کی کرامت ہی تھی کہ رسالہ نکل رہا تھا۔ اسی رسالہ نے اس رسالے کے مدیر حضرت سید العلماء قدس سرہ کی علمی ادبی عظمت میرے دل میں بٹھائی اور میں یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ عام طور پر

خانقاہیں ع شمشیر وسنان اول طاؤس ورباب آخر کی مصداق ہیں۔ لیکن یہ متبرک مقدس خانقاہ ہمیشہ اول بھی آخر بھی طاؤس ورباب سے دور رہی بلکہ طاؤس ورباب شکن رہی اور اول بھی شمشیر وسنان کی مالک رہی اور آج بھی، فرق اتنا ہے کہ جب آہنی شمشیر وسنان کا زمانہ تھا تو اس کے بھی دھنی تھے اور آج جب کہ قلمی سیف وسنان کا زمانہ ہے اس کے بھی یہ لوگ دھنی ہیں۔

(۳۰) کیا آپ سمجھتے ہیں کہ خانقاہ کے موجودہ مشائخ اور شاہزادگان قدیم روایت خانقاہ کی حفاظت کر رہے ہیں؟ اور کیا دوسرے تقاضوں سے واقف ہیں؟

جی ہاں! خانقاہ برکاتیہ کے موجودہ مشائخ اور شہزادگان قدیم روایت کی حفاظت بھی فرما رہے ہیں اور جدید تقاضوں سے بھی واقف ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ قدیم برکاتی شراب کو جدید عمدہ سے عمدہ اچھے سے اچھے ظروف میں بھر کر دنیا کو پلا رہے ہیں۔ جس کی دلیل دن بدن عرس مبارک کے مجمع کی زیادتی ہے۔ مجمع کی زیادتی اس عظیم تناسب سے ہو رہی ہے کہ ہم جیسے بوڑھوں کو سوچنا پڑتا ہے کہ اس میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ اس لیے کہ علما نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ حجر اسود کا بوسہ لینے کے لیے نہ کسی کو دباؤ اور نہ دبو نہ کچلو نہ کچلاؤ۔

رسے ست کہ مالکان تحریر　　آزاد کنند بندۂ پیر

مگر یہ جذبہ صرف سوچنے کی حد تک ہے، ورنہ جب عرس قریب آتا ہے تو:

ع: دیدنت دشوار نا دیدن ازاں دشوار تر

کشاں کشاں لیے ہوئے پہنچا ہی دیتی ہے۔

(۳۱) ان کی دینی و تبلیغی کاوشوں کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے؟

اس خانقاہ کی دینی تبلیغی کاوش قابل صد ستائش ہے۔ البتہ خواہش مند حاجت مندوں کی درخواستوں کے قبول کرنے کا تناسب اور بڑھا دینا چاہئے۔ اگر اس پر عمل ہو گیا تو انشاء اللہ تعالیٰ دنیا چشم سر سے دیکھ لے گی کہ "اذا جاء نهر الله بطل النهر الباطل"

(۳۲) کیا آپ نے ادارہ برکات کے بارے میں سنا؟

جی ہاں! سنا اور بانی ادارہ کی زبانی سنا۔ اور بہت کچھ سنا۔ یہ وقت کی سب سے اہم

اور مفید ضرورت ہے۔ خدا کرے جلد اس کی تکمیل ہو جائے۔ میں اب بوڑھا از کار رفتہ ہو چکا ہوں، سوائے دعا کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو جلد مکمل کرائے، اور اس کے فیض کو پوری دنیا میں پہنچائے۔ میری آرزو ہے کہ میں وہ دن دیکھوں اور ادارے میں حاضر ہو کر دنیا کو سناؤں:

جو ابر یہاں سے اٹھا ہے وہ سارے جہاں پر برسا ہے
جو ابر یہاں سے اٹھے گا وہ سارے جہاں پر برسے گا

قال بفمه وامر برقمه

محمد شریف الحق امجدی

خادم الافتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور

یکم رجب ۱۴۲۰ھ/۱۰/اکتوبر ۱۹۹۹ء

☆☆☆

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کے زریں کارنامے

"اس عنوان پر حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ نے بہت مفصل اور بیش قیمت مقالہ سپرد قلم فرمایا تھا جو ماہنامہ نوری کرن بریلی شریف کے ۱۹۵۹ء و۱۹۶۰ء کے متعدد شماروں میں قسط وار شائع ہوا تھا، مگر افسوس اس مضمون کی صرف یہی آخری قسط دست یاب ہو سکی، اولین قسطوں تک رسائی نہ ہو سکی" (مرتب)

قریش کو اصل عداوت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تھی، اس لیے ظاہر ہے کہ جنگ کے موقع پر آں حضور پر قابو پانے کی ہر امکانی جدوجہد کرتے، اس کٹھن وقت میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کا کام کتنی جی داری کا کام تھا، پوشیدہ نہیں۔ غزوہ بدر کے موقع پر صحابہ کرام نے حضور کے لیے ایک عریش (جھونپڑی) تیار کی تھی، عریش میں حضور کے ساتھ رہنے کے لیے کوئی آمادہ نہ ہوا لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لے کے عریش (جھونپڑی) کے پاس اس وقت تک مستعد رہے جب تک جنگ کا فیصلہ نہ ہو گیا۔ غزوہ احد کے موقع پر اصحاب درہ کی لغزش سے جب قریش نے دو طرفہ حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ اس حملہ سے حضور کے ارد گرد کی باقی ماندہ جماعت بھی پراگندہ ہو گئی۔ حضور زخمی ہو کر ایک گڑھے میں جا پڑے، اس سخت وقت میں بھی جو جانثار آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر نہ ہٹے ان میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تھے بنی طے کے مشہور سخی حاتم کی فرضی اور واقعی داستانوں کو فراموش کر دینے والے ہزاروں صحیح واقعات تاریخ اسلام میں موجود ہیں، مگر تاریخ عالم تو تاریخ عالم، تاریخ اسلام بھی صدیق اکبر کے اس ایثار کی داستان پیش کرنے سے عاجز ہے کہ انہوں نے ایک بار اپنا کل مال راہ خدا میں صدقہ کر دیا تھا۔ غزوۂ تبوک کے لئے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو صدقہ

کے لئے ابھارا، ہر شخص نے اپنی حیثیت سے زائد صدقہ پیش کیا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں میں ان دنوں بہت خوش حال تھا، میں نے جی میں سوچا کہ اگر کسی دن ابو بکر سے بڑھ سکتا ہوں تو آج کا دن ہے۔ گھر گئے اور اپنے سارے اموال کے دو حصے کئے۔ ایک حصہ لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان دنوں تنگ دست تھے، گھر گئے تو کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جسے بارگاہ رسالت میں پیش کرتے، گھر کے سارے سامان کو سمیٹا، ان کی پوٹلی باندھ کر حاضر بارگاہ ہو کر پیش خدمت کر دیا، حضور نے حضرت عمر سے پوچھا کیا لائے ہو، کیا بال بچوں کے لیے چھوڑا؟ عرض کیا آدھا لایا ہوں، آدھا گھر چھوڑ آیا ہوں۔ یہی سوال حضور نے صدیق اکبر سے بھی کیا۔ عرض کیا جتنی پونجی تھی وہ حاضر خدمت کر دیا اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: گھر اہل وعیال کے لیے اللہ ورسول ہیں۔ یہ وہ ایثار وقربانی تھی جس سے متاثر ہو کر حضور نے ارشاد فرمایا:

مَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَبِيْ بَكْرٍ

ابو بکر کے مال نے جو نفع مجھے پہنچایا کسی کے مال نے نہیں پہنچایا۔

یہ سن کر صدیق اکبر آبدیدہ ہو گئے، عرض کیا:

هل انا ومالي الا لك يا رسول الله.

یارسول اللہ! میں اور میرا مال حضور ہی کے لیے ہے۔

دوسرے موقع پر حضور نے ارشاد فرمایا: ہر شخص کے احسان کا بدلہ میں نے دے دیا مگر ابو بکر کا احسان ایسا ہے کہ جس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ عزوجل دے گا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کی خبر سن کر منافقین بہت خوش ہوئے، ان خبثا نے یہ سمجھ لیا تھا کہ بانی اسلام کے ساتھ ساتھ اسلام بھی دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ اس واہمہ پر حضور کے وصال کی خبر بڑی تیزی سے پھیلانے لگے۔ ضعفائے مومنین کچھ متاثر بھی ہو چلے تھے۔ اس فتنہ کو اٹھتے ہوئے دیکھ کر حضرت عمر نے اعلان کر دیا کہ جو یہ کہے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اسے قتل کر دوں گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور کے وصال کے وقت عوالی مدینہ "سخ" میں گئے ہوئے تھے، وہاں آپ کا ایک مکان تھا، وصال کی

خبر سنتے ہی واپس آئے، سارے حالات کا جائزہ لیا، اور حجرہ عائشہ میں داخل ہو کر حضور کی طرف متوجہ ہوئے اور حضور حبرہ کی چادر سے ڈھکے ہوئے تھے، تو انہوں نے رخ انور سے چادر ہٹا کر فرط محبت میں پیشانی کا بوسہ لے کر عرض کیا:

"طبت حیا ومیتا. نیز فرمایا: لا یجمع اللہ علیک موتتین"

حیات ظاہری میں بھی طیب اور حیات ظاہری کے بعد بھی طیب، آپ پر اللہ دو وفاتیں جمع نہ فرمائے گا۔

مسجد نبوی میں آئے، لوگ چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے، منبر رسول پر تشریف لے گئے۔ حضرت عمر کچھ کہنا چاہتے تھے، انہیں روک دیا، اور خود یہ خطبہ دیا جو فصاحت و بلاغت میں اپنی نظیر آپ ہے۔ حضرت ابو بکر نے شہادت کے بعد کہا کہ جو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا تو وہ سن لے، وہ دنیا سے تشریف لے گئے، اور جو اللہ عزوجل کی پرستش کرتا تھا، وہ سن لے، اللہ زندہ ہے، وہ کبھی نہیں مرے گا، پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

اور محمد تو ایک رسول ہیں، (اللہ نہیں) ان سے پہلے اور رسول ہو چکے، تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں، یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو الٹے پاؤں پھرے گا، اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر والوں کو صلہ دے گا۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ابو بکر کا خطبہ سنتے ہی آنکھوں سے پردے ہٹے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت ابھی اتری ہے، لوگوں کے دل مطمئن ہو گئے، اور یہ فتنہ دب گیا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس فتنہ کو دبا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ اطلاع ملی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار خلیفہ کے انتخاب کے لیے جمع ہیں۔ حضرت عمر اور یہ دونوں وہاں پہنچے دیکھا کہ ایک صاحب ان کے بیچ میں کمبل میں لپٹے ہوئے ہیں۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ حضرت سعد ہیں،

کچھ علیل ہیں اس لیے کپڑا لپیٹے ہوئے ہیں۔ ان حضرات کے پہنچنے پر انصار کے خطیب نے کھڑے ہو کر اپنا استحقاق ثابت کیا۔ حضرت عمر نے اس موقع پر بولنے کے لیے کچھ سوچ رکھا تھا، اور سمجھے ہوئے تھے کہ اس موضوع پر مجھ سے اچھا کوئی نہ بول سکے گا۔ اس لیے انہوں نے چاہا کہ کھڑے ہو کر خطبہ دوں کہ حضرت ابو بکر نے انہیں روک دیا۔ جتنی باتیں انہوں نے سوچی تھیں وہ سب کہہ ڈالیں اور ان سے اچھی طرح کہیں۔ انہوں نے اپنے خطبہ میں یہ بھی کہ اے انصار! تمہارے فضل سے ہمیں انکار نہیں۔ لیکن اہل عرب اہل قریش کے سوا کسی دوسرے کی خلافت قبول نہ کریں گے۔ وہ سارے عرب سے نسبت میں بڑھ کر ہیں۔ میں عمر اور ابو عبیدہ بن جراح کو منتخب کرتا ہوں ان میں کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ اس کے بعد پھر ایک انصاری کھڑے ہوئے انہوں نے یہ رائے پیش کی کہ ایک امیر تم میں سے اور ایک ہم میں سے۔ تقریباً تمام انصار کرام نے اس کی تائید کی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت سعد کو مخاطب کر کے فرمایا: اے سعد! تمہارے سامنے حضور نے فرمایا تھا کہ قریش ہی اس کے والی ہیں، نیک لوگ ان کے نیکوں کے تابع اور بدکار ان کے بد کے تابع ہیں۔ حضرت سعد نے تصدیق کی کہ تم امیر ہو اور ہم وزیر ہیں۔ مہاجرین و انصار میں بہت ردو قدح ہوتا رہا یہاں تک کہ شور و غوغا بلند ہو گیا۔ حضرت ابو بکر کو خطرہ ہوا کہ کہیں لڑائی نہ ہو جائے لہٰذا معاملہ کو جلد طے کرنے کے لیے ایک تدبیر کی، حضرت عمر سے کہا تم ہاتھ بڑھاؤ میں بیعت کرتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ مجھ سے افضل ہیں۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا: تم مجھ سے زیادہ قوی ہو۔ یہی سوال و جواب کئی بار ہوا۔ آخر میں عمر نے کہا: میری قوت آپ کے ساتھ ہے۔ اب حضرت ابو بکر نے ہاتھ بڑھا دیا، پہلے حضرت عمر نے بیعت کی پھر بقیہ مہاجرین نے پھر سارے انصار نے اور اس طرح وقت کا سب سے اہم مسئلہ آسانی سے طے ہو گیا۔ دوسرے دن مسجد نبوی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے، منبر پر جہاں حضور کے قدم پاک رہتے تھے، بیٹھے۔ حضرت عمر کھڑے ہوئے، حمد و ثنا کے بعد کہا: لوگو! اللہ نے تم سب سے بہتر اور اپنے رسول کے رفیق و یار حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنائے جانے پر تمہاری رائے جمع فرما دی۔ کھڑے ہو اور بیعت کرو۔ یہ سن کر سب لوگوں نے بیعت

عامہ کی، پھر حضرت ابو بکر نے خطبہ پڑھا۔ مجمع میں حضرت علی و حضرت زبیر کو نہیں دیکھا۔ انہیں بلوایا، فرمایا: آپ لوگ خانوادۂ نبوت میں سے ہو کر کیا مسلمانوں کی قوت پاش پاش کرنا چاہتے ہیں؟ باللہ العظیم! میں نہ خلافت کا حریص تھا نہ میں نے کبھی رغبت کی، نہ کبھی اللہ سے اس کا سوال کیا۔ میں نے فتنے سے بچتے ہوئے اسے قبول کیا ہے اور نہ اس میں میرے لئے کوئی راحت ہے، بغیر تائید ایزدی اس کے عمل کی مجھ میں طاقت نہیں۔ ان حضرات نے جواب دیا: ہمیں صرف یہ بات ناگوار ہوئی کہ مشورہ میں ہمیں کیوں نہیں شریک کیا گیا، ہم خلافت کا سب سے زیادہ حق دار آپ ہی کو پاتے ہیں۔ آپ حضور کے رفیق غار ہیں۔ آپ کی بزرگی و برتری کو ہم جانتے ہیں۔ حضور نے اپنی زندگی میں آپ کو امام بنایا۔ پھر ان حضرات نے بھی بیعت کر لی۔

حضور کے وصال کے بعد انتخاب خلیفہ کا مسئلہ کتنا اہم تھا اس کی توضیح کے لیے کافی وقت چاہئے۔ آپ حضرات آنے والے مسائل سے اندازہ لگالیں کہ اگر سوائے حضرت صدیق اکبر کے کوئی دوسرا خلیفہ منتخب ہوتا تو اسلام کی حالت یہی ہوتی جو آج ہے یا کچھ اور ہوتی۔ لیکن یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حلم و وقار، علم و فضل بیداری و فراست ہی کا نتیجہ ہے کہ انتخاب وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچ کر صحیح انتخاب کرالینا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اسلام و مسلمین پر بہت بڑا احسان ہے۔ مسئلہ خلافت طے ہوجانے کے بعد پہلا مسئلہ یہ درپیش ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے۔ اس مسئلہ میں بھی بڑے شدومد سے مختلف رائیں ہوئیں۔ لیکن فیصلہ کن بات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی نے بتائی کہ حضور نے فرمایا ہے کہ اللہ کا نبی جہاں وصال پائے اسے وہیں دفن کیا جائے۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال سے چند روز قبل حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر شام کی طرف روانہ فرمایا تھا، وہ ابھی مقام ذی خشب تک پہنچا تھا کہ حضور کا وصال ہوگیا۔

وصال کی خبر سن کر لشکر وہیں رک گیا، حضور کے کفن و دفن سے فراغت کے بعد ارد گرد سے اطلاعات ملیں کہ اعراب مرتد ہوتے جارہے ہیں۔ دشواری یہ آن پڑی کہ اگر

حضرت اسامہ کو شام نہیں بھیجتے تو حضور کی نافرمانی ہوتی ہے، بھیج دیتے ہیں تو خطرہ یہ ہے کہ مرتدین کہیں مدینہ پر حملہ نہ کریں۔ لشکر کی عدم موجودگی میں مقابلہ کیسے ہوگا۔ تمام اہل رائے حضرات کی رائے یہی تھی کہ لشکر روک لیا جائے، خود حضرت اسامہ نے بھی یہی عرض کیا، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نگاہ دور بین کچھ اور دیکھ رہی تھی، فرمایا: اگر بالفرض مجھے چڑیاں اچک لے جائیں، ازواج مطہرات کو کتے کھینچ لے جائیں، پھر بھی میں اس لشکر کو واپس نہ کروں گا، جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا ہے آپ نے حکم دے دیا کہ اسامہ لشکر لے کر شام جائیں، اعراب نے اتنا بڑا لشکر دنیا کی سب سے بڑی طاقت سے ٹکرانے کے لیے جاتا ہوا دیکھا تو سہم گئے، دل میں کہا کہ اگر مسلمانوں کو قوت نہ ہوتی تو اتنا بڑا لشکر ہرقل روم سے لڑنے کیسے جاتا، اچھا انہیں چھوڑ دو، دیکھیں اہل روم سے لڑنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ حضرت اسامہ رومیوں کے مقابلے میں مظفر و منصور ہو کر واپس آئے، یہ ان اعراب کے اسلام پر ثابت قدم رہنے کا سبب ہوا، کمال جرأت و دور اندیشی کی اس سے بہتر مثال تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی ہے، اسی حسن تدبر سے متاثر ہو کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ جس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی قسم اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو اللہ کی پرستش نہ ہوتی۔

حضور کے وصال کی خبر جب عرب کے اطراف و جوانب میں مشہور ہوئی تو بہت سے بادیہ نشیں مرتد ہو گئے انہوں نے کہا کہ ہم نماز پڑھیں گے، زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان سے قتال کے لیے آمادہ ہو گئے، حضرت عمر اور دوسرے ارباب حل وعقد نے مخالفت کی، حضرت عمر نے عرض کیا، ان کے ساتھ نرمی کیجیے، مانوس کرنے کی کوشش کیجیے۔ یہ وحشی جانوروں کی طرح ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جلال آ گیا۔ فرمایا: مجھے تم سے مدد کی امید تھی تم ایسی باتیں کرتے ہو؟ جاہلیت میں بڑے جری تھے، اسلام میں ست ہو گئے ہو؟ میں انہیں کس چیز سے مانوس کروں، شعر سے یا جادو سے۔ افسوس، افسوس! حضور دنیا سے تشریف لے گئے، وحی منقطع ہو گئی یہ لوگ حضور کے زمانے میں زکوٰۃ میں جوری دیتے تھے اگر اس کے بھی دینے سے انکار کریں گے تو باللہ العظیم! جب تک میرے

ہاتھ میں تلوار رہے گی، میں ان سے لڑوں گا۔ حضرت عمر نے یہ حدیث اپنی تائید میں پیش کی، جس نے کلمہ پڑھ لیا اس کی جان و مال محفوظ ہے، مگر کسی حق کی وجہ سے۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا: جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا اس سے لڑوں گا۔ زکوٰۃ حق مال ہے۔ حضور نے "الا بحقہ" بھی تو فرمایا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: اب میری سمجھ میں آگیا کہ قتل کا حکم من جانب اللہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں القا ہوا ہے، اور یہی حق ہے اور ثابت ہو گیا کہ وہ مجھ سے زیادہ دور اندیش، معاملہ فہم و نکتہ رس ہیں۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سرکردگی میں فوج لے کر نجد کی طرف بڑھے مرتد قبائل بال بچوں سمیت بھاگے۔

مقام نقع پر پہنچ کے بعد لوگوں نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ مدینہ واپس جائیں، پہلے آپ نے انکار کیا لیکن لوگوں کے اصرار پر حد سے زیادہ مجبور ہو کر حضرت سیف اللہ خالد بن ولید کو سالار لشکر بنا کر واپس لوٹ آئے، اس کے علاوہ ابو العلا حضرمی، عکرمہ بن ابی جہل، زیاد بن لبید وغیرہ کو مختلف اطراف میں روانہ فرما دیا۔ ان حضرات کی مجاہدانہ کارگزاریوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ چھ ماہ کی قلیل مدت میں فتنہ ارتداد سے عرب پاک ہو گیا۔ مرتدین سے قتال کے انجام سے جب اسلام کی ترقی کا فتح باب ہوا تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں، لوگوں کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل و کمال کا ان الفاظ میں اعتراف کرنا پڑا، حضرت عبد اللہ بن مسعود کا ارشاد ہے:

لقد قام ابوبكر يوم الردة مقام نبي من الانبياء

یوم ردت ابو بکر نے نبی کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔

مرتدین کے قتال سے فراغت کے بعد ان مدعیان نبوت کا سر کچلنا ضروری تھا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے بہت سر ابھار رہے تھے، جن میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے اپنی قوت بہت بڑھالی تھی۔ حضرت خالد کو طلیحہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ حضرت خالد نے طلیحہ کا مقابلہ کر کے اس کے معاونین کو قتل کر ڈالا۔ اس کے دست راست عیینہ بن حصین کو ایک سو تیس آدمیوں کے ساتھ گرفتار کر کے پا بجولاں بارگاہ خلافت میں پیش کیا گیا۔

طلیحہ سے فارغ ہو کر حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمک کے لیے یمامہ کی طرف بڑھے، راستہ میں مجاعہ سے مڈبھیڑ ہو گئی، اسے شکست دے کر گرفتار کر کے یمامہ پہنچے۔

حضرت شرحبیل بن حسنہ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی پر مامور ہوئے تھے، اس کے ساتھ اسود عنسی کے مل جانے سے اس کی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔ یمامہ میں مجاہدین اسلام کے ساتھ ان کی ٹکر ہوئی۔ مگر مجاہدین اسلام کے سامنے ان کی ایک بھی نہ چلی، اور سخت خونریز قتال کے بعد مسیلمہ کذاب حضرت وحشی کے ہاتھوں مارا گیا، اور اس کی امت میدان چھوڑ کر بھاگی۔ اس طرح یہ فتنہ عظیم جو اسلام کی ترقی میں بہت مارج تھا، بالکلیہ ختم ہو گیا۔ جنگ یمامہ میں بہت سے اعیان صحابہ شہید ہو گئے، جن میں حفاظ کی کثیر تعداد تھی، اس لیے حضرت عمر نے مشورہ دیا کہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کر لیا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمام حفاظ شہید ہو جائیں اور قرآن کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غور وخوض کے بعد منظور فرمایا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ قرآن مجید کو ایک مصحف میں اکٹھا کریں۔ زمانہ رسالت میں قرآن کریم متفرق طور پر کپڑے، چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کی چھال، شانہ کی ہڈیوں پر لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بڑی محنت وجانفشانی سے سب کو یکجا کیا۔ اعلان عام تھا کہ جس شخص کے پاس قرآن عظیم کا جو حصہ ہو، حضرت زید کے پاس لائے۔ چنانچہ لوگ لے کے آنے لگے۔ حضرت زید اپنی یادداشت کے علاوہ جب تک دو ثقہ عادل شخص کی گواہی نہ لے لیتے اس حصہ کو شامل نہ کرتے۔ آیت رجم حضرت عمر لائے، مگر اسے صرف اس وجہ سے شامل نہیں کیا کہ دوسری گواہی نہ مل سکی۔ سورۂ توبہ کی اخیر دو آیتیں صرف حضرت خزیمہ کی تنہا شہادت پر شامل کر لیں اس وجہ سے کہ حضور نے ان کی تنہا شہادت کو دو کے برابر کر دیا تھا۔

یہ مصحف خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت عمر کے پاس آیا۔ ان کے وصال کے بعد حضرت حفصہ کے پاس رہا۔ حضرت عثمان نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کی نقلیں کرا کے تمام بلاد اسلامیہ کو بھجوائیں، جب پورا

عرب، مرتدین وکذابین کے فتنوں سے پاک ہوگیا، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اندرونی سازشوں سے اطمینان کلی ہوگیا تو آپ نے حضرت خالد بن ولید کو عراق کی طرف روانہ فرمایا، عراق کسریٰ کے زیر نگیں تھا، کسریٰ کی طاقت اس وقت دنیا کے دوسرے نمبر پر تھی، اس پر عرب جیسے بظاہر کمزور ناتواں ملک کا حملہ کرنا اس قدر حیرت انگیز تھا کہ شاہ ایران کو کہنا پڑا۔

زشیر شتر خوردن سوسمار　　عرب را بجائے رسیدہ ست کار
کہ تاج کیاں را کنند آرزو　　تفو بر توائے چرخ گردوں تفو

اونٹ کا دودھ پیتے پیتے گوہ کھاتے کھاتے عرب کا اتنا حوصلہ بڑھ گیا ہے کہ تاج کیانی (چھیننے کی) آرزو رکھتے ہیں، اے آسمان اتجھ پر تف ہے تف۔

اس بدنصیب کو کیا خبر کہ یہ عرب وہ گوہ کھانے والے عرب نہیں بلکہ مالک الملک وحدہ لاشریک کی امانت کبریٰ کے حامل ہیں، جن کے جلو میں رحمت خداوندی چلتی ہے۔

وہاں مثنیٰ بن حارث شیبانی پہلے ہی سے ایرانیوں سے نبرد آزما تھے۔ حضرت خالد بناج میں جاکران سے مل گئے۔ بانقیا بارمواء، کاظمہ، مذار کسکر ملیس، حیرہ انبار، عین التمر کو فتح کرلیا اس کے بعد عیاض بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد کے لیے دومۃ الجندل پہنچے اسے فتح کرکے حصید وخنافس رضاب فتح کرڈالا۔

ایران کے ساتھ ہی ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام پر بھی فوج کشی کر دی تھی، شام پر ہرقل روم فرماں روائی کرتا تھا یہ ایشیا کا اس وقت سب سے بڑا بادشاہ تھا، لیکن قوت ایمانی نے مسلمانوں میں کچھ ایسا جوش پیدا کردیا تھا کہ وہ بلا خطر شام پر ٹوٹ پڑے۔ ابتداء مجاہدین اسلام کی مختلف ٹولیاں بھیجی گئی تھیں، چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو حمص پر، عمرو بن عاص کو فلسطین پر، شرحبیل بن حسنہ کو اردن پر، یزید بن ابوسفیان کو دمشق پر متعین فرمایا۔ ہدایت فرمادی کہ اگر کسی موقع پر سب اکٹھا ہوں تو عبیدہ سپہ سالار اعظم ہوں گے۔ جب یہ لوگ عرب کی سرحد عبور کرکے شام میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ رومیوں نے مجاہدین کے مقابلہ کے لیے کثیر تعداد میں فوج اکٹھا کرلیا ہے۔ نیز دربار خلافت سے مزید

امداد چاہی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد کو عراق کے مورچے سے شام منتقل فرمادیا۔ حضرت خالد عراق کی مہم حضرت مثنیٰ کے سپرد کر کے راستہ میں حدود ارارک، سوی، مرج رہط فتح کرتے ہوئے بصریٰ پر حضرت ابوعبیدہ سے مل گئے۔ اسلامی افواج بصریٰ فتح کر کے فارغ ہوئی ہی تھیں کہ اطلاع ملی کہ فلسطین کے قریب ہرقل نے تذارق وقیقلا کی ماتحتی میں ایک ٹڈی دل لشکر اتار دیا ہے۔ لہذا لشکر اسلام وہاں پہنچا۔ ۱۳ھ میں وہاں معرکہ ہوا۔ تذارق قیقلا مارے گئے، رومی فوج بری طرح پسپا ہوئی۔ اجنادین کی فتح سے فارغ ہوکر اسلامی فوج نے دمشق کا محاصرہ کیا، اسی اثنا میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوگیا، عین عالم سکرات میں اجنادین کی فتح کا مژدہ پہنچا تھا۔

عراق وشام پر فوج کشی اور اس کی فتوحات ہی دیباچہ ہیں، ان تمام ترقی وعروج کا جو آج تک اسلام کو کفر کے مقابلے میں حاصل ہوئیں۔ اس طرح قیامت تک ہونے والی فتوحات رہین منت ہیں سیاست صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔

فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء

(نوری کرن بریلی شریف جنوری ۱۹۶۰ء ص ۳۲ تا ۳۵)

☆☆☆

حضرت امام نجم الدین کبریٰ قدس سرہ

امام نجم الدین کبریٰ (متوفی ۶۱۸ھ) ساتویں صدی کے ان اجلۂ اولیائے کرام میں ہیں جو علم ظاہری وباطنی کے مجمع البحرین ہیں۔ جن کے حضور اس وقت کے اکابر علمائے ملت اور اولیائے امت نے گردنیں خم کی ہیں۔ امام فخر الدین رازی جیسے امام وقت ان کے سلسلۂ ارادت میں داخل ہیں۔

ان کا نام نامی احمد ہے۔ والد ماجد کا نام عمر الخیوتی ہے۔ کنیت ابوالجناب اور لقب کبریٰ ہے۔

اتنے قادر الکلام، حاضر جواب، زود رس، دقیق بیں عالم تھے کہ جو بھی مقابلہ پر آتا اسے لاجواب کر دیتے۔ اس بنا پر لوگوں نے آپ کا نام الطامۃ الکبریٰ رکھ دیا۔ الطامۃ الکبری کے معنی بہت بڑی مصیبت۔ یعنی مخالفین کے لیے بہت بڑی مصیبت تھے، کثرت استعمال کی وجہ سے بنظر تخفیف الطامۃ حذف ہو گیا، کبریٰ باقی رہ گیا۔

ابوالجناب وہ کنیت ہے جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی۔ حضرت امام، اسکندریہ علم حدیث کی تحصیل کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ واپسی کے وقت راستہ میں زیارت اقدس سے مشرف ہوئے۔ عرض کی کوئی کنیت عطا ہو۔ ارشاد ہوا: ابو الجناب۔ دریافت کیا: نون کی تخفیف کے ساتھ یا تشدید کے ساتھ؟ ارشاد فرمایا: تشدید کے ساتھ۔ امام نے علم دین کی تحصیل کے لیے متعدد مقامات کے سفر کیے۔ تبریز، ہمدان، اسکندریہ، مصر کے مشاہیر فقہا ومحدثین سے علوم اخذ کیے۔ تبریز میں امام محی الدین کے کسی تلمیذ کے یہاں حدیث کی مشہور ومعروف کتاب شرح السنہ پڑھ رہے تھے۔ ایک دن اثنائے درس میں تبریز کے مشہور مجذوب بابا فرج تشریف لائے۔ حضرت امام ان کو پہچانتے نہیں تھے، مگر ان کو دیکھتے ہی حضرت امام پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ پڑھنے کی قوت نہ رہی۔ پوچھا تو

لوگوں نے بتایا کہ یہ بابا فرج ہیں۔ رات بھر بے چینی رہی۔ نیند آنکھوں سے اڑ گئی۔ صبح استاذ کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور بابا فرج کی زیارت کو چلیں۔ ان کے استاذ نے منظور کرلیا، مع جملہ تلامذہ کے بابا فرج کی خانقاہ میں پہنچے، خانقاہ کے دروازے پر بابا شاداں کھڑے تھے، ان کے ذمہ دربانی کی خدمت تھی، ان کو اندر بھیجا کہ حاضری کی اجازت لے آئیں۔ بابا شاداں نے جب جا کر اذن طلب کیا تو فرمایا: جیسے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ویسے حاضر ہونا چاہیں تو آسکتے ہیں۔ یہ لوگ مع جبہ ودستار ظاہری کروفر سے گئے تھے، ان کا اشارہ ان ظاہری طمطراق کے نشان کو اتارنے کا تھا۔ یہ لوگ سچے اعتقاد سے حاضر ہوئے تھے۔ لہذا ان سامان نمائش کو اتار دیا اور اندر پہنچے۔ چہرۂ مبارک آفتاب کے مثل درخشاں ہوگیا۔ بدن کے کپڑے پھٹ گئے، رعب وہیبت سے یہ لوگ دم بخود ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد جب بابا فرج کی یہ کیفیت فرو ہوئی تو امام کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا: تیرا دفتر پڑھنے کا وقت نہیں، وقت آگیا ہے کہ ساری دنیا کا سر دفتر ہو، اور اپنا وہ پہنا ہوا کپڑا ان کو پہنا دیا۔ حضرت امام فرماتے ہیں: اب میری دنیا ہی بدل گئی، ماسوا اللہ دل سے نکل گیا۔

واپسی کے بعد استاذ نے فرمایا کہ ''شرح السنۃ'' تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ دو تین دن میں ختم ہوجائے گی، اسے پوری کرلو۔ پھر تمہیں اختیار ہے۔ جب حضرت امام پڑھنے بیٹھے تو دیکھا فرج بابا سامنے تشریف فرما ہیں اور کہہ رہے ہیں: کل علم الیقین کی ہزار منزلیں طے کرچکا اور پھر پڑھنے بیٹھا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت امام نے کتاب بند کردی اور خلوت نشین ہوگئے۔ جب علوم لدنی اور واردات غیبیہ کا انکشاف ہونے لگا تو حضرت امام نے خیال فرمایا اگر یہ باتیں قلم بند ہوجائیں تو اچھا ہے۔ ورنہ اگر یہ ضائع ہوجائیں گی تو نقصان عظیم ہوگا۔ لکھنا شروع کیا تو پھر بابا فرج آگئے اور فرمایا: شیطان پھر تجھے پریشان کررہا ہے۔ ان باتوں کو مت لکھ۔ انہوں نے قلم دوات پھینک دی اور سارے علائق سے منقطع ہوکر اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہوگئے۔

مرشد کی تلاش میں نکلے تو چوں کہ زبردست تبحر عالم تھے کوئی نہ جچتا تھا، نہ دل میں اترتا تھا، تلاش وجستجو کرتے کرتے خوزستان پہنچے۔ وہاں جا کر بیمار پڑ گئے، کہیں قیام کی جگہ نہ

ملی، عاجز آ کر ایک شخص سے کہا: یہاں کوئی مسلمان نہیں جو ایک بیمار کو تھوڑی جگہ دے۔ اس نے جواب دیا: یہاں ایک بزرگ شیخ اسماعیل قیصری ہیں، ان کی خانقاہ میں جائیے۔ یہ خانقاہ میں پہنچے، ان کو ایسے چبوترے پر ٹھہرایا جو فقیروں کے چبوترے کے مقابل تھا، بیماری کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوگیا۔ فرماتے ہیں کہ مجھے بیماری سے اتنی تکلیف نہیں پہنچتی تھی، جتنی سماع کی آواز سے، مگر کرتا بھی تو کیا کرتا۔ بیماری کی وجہ سے کہیں جا بھی نہیں سکتا تھا، چاروناچار سب کچھ برداشت کرنا پڑتا۔

ایک رات ایسا ہوا کہ سماع کی مجلس شباب پر تھی کہ شیخ اسماعیل قیصری میرے سرہانے تشریف لائے اور فرمایا کہ اٹھنا چاہتا ہے میں نے عرض کیا ہاں! میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ گود میں لیا اور مجلس سماع میں لے جا کر خوب گھمایا، پھر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا۔ میں ڈرا کہ کہیں گر نہ پڑوں، مگر جب یہ سماع ختم ہوئی تو میں نے اپنے آپ کو تندرست پایا۔ اب مجھے شیخ اسماعیل سے عقیدت پیدا ہوگئی، اور ان سے مرید ہوگیا۔ مدت تک سلوک میں مصروف رہا، حتی کہ وہ وقت آن پہنچا کہ اسرار باطن مجھ پر منکشف ہوگئے۔

کچھ دنوں کے بعد میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ علم باطن مجھ پر منکشف ہوگئے ہیں، علم ظاہر میں شیخ سے بڑھا ہوا ہوں اسی صبح کو شیخ نے مجھے بلایا اور حکم دیا کہ تم عمار یاسر کے پاس جاؤ۔ اس وقت مجھے تنبہ ہوا کہ شیخ میرے دل کے خطرے پر واقف ہوگئے ہیں، مگر میں نے کوئی صفائی نہ دی اور عمار یاسر کی خدمت میں روانہ ہوگیا، وہاں جا کر زمانہ تک اپنے کام میں مصروف رہا، لیکن ایک زمانہ کے بعد پھر وہی خطرہ پیدا ہوا۔ پھر عمار یاسر نے صبح کو بلایا اور حکم دیا کہ اب تم مصر حضرت روزبہان کی خدمت میں حاضر ہو وہی سیلی مار کر تمہارے دماغ سے یہ پندار نکالیں گے۔

فرماتے ہیں کہ جب میں مصر روزبہان کی خدمت میں پہنچا تو حضرت خانقاہ میں نہیں تھے۔ مریدین مراقبہ میں مستغرق تھے۔ کسی نے میری طرف توجہ نہ کی۔ ایک غیر متعلق شخص سے پوچھا: شیخ کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ باہر وضو کر رہے ہیں، باہر آ کے دیکھا کہ شیخ اتنے کم پانی سے وضو کر رہے ہیں، کہ اتنے پانی میں میری دانست میں وضو نہیں ہوسکتا۔ میں

نے دل میں کہا: شیخ جب یہ بھی نہیں جانتے کہ اتنے کم پانی میں وضو نہیں ہو سکتا تو یہ پیری کیا کرتے ہیں۔ شیخ نے وضو کرنے کے بعد ہاتھ میرے منہ پر جھاڑا، غسالہ کے چھینٹے میرے منہ پر پڑے تو میں از خود رفتہ ہو گیا۔ شیخ خانقاہ میں آ کر تحیۃ الوضو میں مصروف ہو گئے، میں کھڑا کھڑا انتظار کرتا رہا کہ نماز سے فارغ ہوں تو انہیں سلام کروں، اتنے میں مجھ پر خواب کی کیفیت طاری ہو گئی، کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت قائم ہے، جہنم سامنے ہے۔ فرشتے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر جہنم میں ڈال رہے ہیں، راستہ میں ایک ٹیلہ ہے، اس ٹیلے پر کوئی بزرگ موجود ہیں، جو یہ کہتا ہے کہ میرا ان سے تعلق ہے، اسے چھوڑ دیتے ہیں، مجھے بھی پکڑ کر لوگ جہنم میں لے چلے، میں نے جب یہ کہا کہ میں ان سے متعلق ہوں تو لوگوں نے چھوڑ دیا، میں نے ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا کہ یہ بزرگ شیخ روزبہان ہیں۔ دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑا۔ انہوں نے بڑے زور کا ہاتھ میری گدی پر مارا جس کے صدمے سے میں زمین پر گر پڑا، اور انہوں نے فرمایا: اب اہل حق کا انکار مت کرنا۔

جب میں ہوش میں آیا تو دیکھا شیخ نماز سے فارغ ہو چکے ہیں، دوڑ کر ان کے قدموں پر گر پڑا، اس وقت بھی ویسے ہی ہاتھ مارا اور وہی فرمایا اور میری باطنی بیماری (پندار علم) زائل ہو گئی۔

اس کے بعد پھر مجھے حضرت عمار یاسر کے پاس واپس کر دیا۔ ان کو ایک خط لکھا: تم نے تانبے کو بھیجا تھا کہ کندن بنا دوں، پھر تمہارے ہی پاس واپس کرتا ہوں۔

اس واقعہ کے بعد حضرت امام نجم الدین کبریٰ نے ایک مدت دراز تک یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ حضرت عمار یاسر کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کیں، جب تکمیل ہوئی تو ان کو خوارزم کی ولایت تفویض کی۔

امام نجم الدین کبریٰ نے خوارزم جا کر زمانہ دراز تک علم و عرفان کے دریا بہائے۔ طالبان مولیٰ ہر چہار طرف سے جوق در جوق آ کر جمع ہوتے گئے۔ ہزارہا بندگان خدا فیضیاب ہوتے۔ آپ کی نظر ایسی تیز تھی کہ جس پر پڑتی اس کی دنیا بدل جاتی۔ آن کی آن میں ولی ہی نہیں ولی گر ہو جاتا۔

ایک دفعہ ایک سوداگر خانقاہ کے دروازے پر گھومتا ہوا آ گیا، حضرت امام کی نظر اس پر پڑ گئی، اس کا حال بدل گیا، اس سے دریافت فرمایا کہ کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے اپنا وطن بتایا۔ وہاں کی ولایت کی سند دے دی۔

ایک دفعہ خانقاہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے، فضا میں ایک باز ممولے کا پیچھا کر رہا تھا، حضرت امام نے ممولے پر نگاہ ڈالی، اس میں اتنی قوت و جرأت پیدا ہوگئی کہ پلٹ کر باز پر جھپٹ پڑا اور اسے دبوچ کر حضرت امام کے سامنے لا کر ڈال دیا۔

آپ کی توجہ مریدین کی طرف ہر وقت رہا کرتی۔ مشکلات میں ان کی دستگیری فرماتے۔ حضرت امام فخر الدین رازی جس دبدبے کے عالم ہیں سب کو معلوم ہے، توحید باری پر تین سو ساٹھ دلیلیں سوچ کر محفوظ کر لی تھیں کہ حالت نزع میں جب شیطان بہکانے آئے گا تو اس سے مناظرہ کروں گا۔ جب وہ وقت آیا تو شیطان نے سب دلیلوں کو رد کر دیا۔ وقت نازک تھا، جواب الجواب کا نہ موقع تھا نہ قوت۔ وہ خبیث فاتحانہ انداز میں للکار کر بولا۔ اب کیا کہتے ہو؟ حضرت امام خوازم میں اس وقت وضو فرما رہے تھے۔ پانی کا چھینٹا وہیں سے مارا اور فرمایا: رازی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ میں نے بلا دلیل خدا کو ایک مانا ہے، یہ چھینٹے ان کے منہ پر پڑے، چونک پڑے، شیخ کی تلقین سنی اور وہی فرمایا: وہ ملعون خائب و خاسر ہو کر بھاگا۔

آپ کی شہادت کا واقعہ بہت ہی عبرت آموز ہے۔ آپ کے ایک باکمال مشہور و معروف مرید حضرت مجد الدین بغدادی تھے۔ یہ بڑے زبردست عالم اور شعلہ نوا واعظ تھے، ان کے مواعظ خوارزم میں ہمیشہ ہوا کرتے تھے۔ شاہ خوازم محمد کی والدہ ان کی بہت معتقد تھی۔ ان کے وعظ میں آیا کرتی، کبھی کبھی زیارت کے لیے بھی حاضر ہوتی۔ یہ ملکہ حسن و جمال میں یکتا تھی۔ مولانا کے پاس آمد و رفت سے مولانا کے دشمنوں کو بہت اچھا موقع مل گیا۔ تاک میں تھے، ایک رات جب کہ بادشاہ شراب پی کر بدمست ہو رہا تھا، نمک مرچ لگا کر بادشاہ سے جڑا کہ آپ کی والدہ ملکہ جہاں سے مولانا مجد الدین نے نکاح کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی بادشاہ آگ بگولا ہو گیا۔ حکم ہوا کہ مولانا کو دریا میں پھینک دیا جائے، کار پردازان سلطنت نے مولانا کو لے جا کر بیچ دریا میں ڈال دیا، مولانا غرق ہو کر شہید ہو گئے۔

یہ خبر امام کو ملی تو انتہائی جلال کے ساتھ فرمایا: میں نے اللہ عزوجل سے درخواست کی ہے کہ مجد الدین کے خوں بہا میں شاہ خوارزم سے ملک چھین لیا جائے۔ یہ درخواست قبول ہوگئی۔ یہ اطلاع جب بادشاہ کو ملی تو اگرچہ وہ عالم نشہ میں دیوانہ ہوکر وہ حکم دے بیٹھا تھا مگر اہل اللہ کا عقیدت مند تھا، سمجھ گیا کہ اب خیر نہیں۔ ایک طشت اشرفیوں کا بھر کر اس پر کفن اور ننگی تلوار رکھا، ننگے سر یہ طشت سر پر رکھے ہوئے حضرت امام کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: اگر مولانا کا قصاص مطلوب ہو تو یہ سر اور تلوار حاضر ہے، اور اگر خوں بہا چاہئے تو نقد موجود ہے، فرمایا: مجد الدین کا خون اتنا سستا نہیں کہ تیرا سر اس کا قصاص ہوسکے۔ اور یہ ٹھیکرے اس کا خوں بہا۔ اس کا خوں بہاں تیرا پورا ملک ہے، اور ہم بھی ساتھ ہیں۔ وَکَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتَابِ مَسْطُوْرًا۔ اور یہ نوشتۂ تقدیر ہے۔ بادشاہ مایوس ہوکر چلا آیا۔

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد انسانیت کے دشمن اعظم چنگیز خاں نے حملہ کردیا۔ سلطان کو ہر محاذ پر شکست ہوتی گئی، یہ خونخوار درندہ اس کا تعاقب کرتا ہوا خوارزم تک آپہنچا۔

امام نے کچھ دنوں پہلے اپنے مریدین سے فرمادیا تھا کہ مشرق سے ایک آگ بڑھ رہی ہے جو مغرب تک جائے گی۔ اس کا کوئی علاج نہیں تم لوگ کہیں اور چلے جاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا: دعا فرمائیں کہ یہ بلا دفع ہوجائے۔ فرمایا: یہ قضائے مبرم ہے۔ لوگوں نے درخواست کی: سواریاں تیار ہیں، آپ تشریف لے چلیں۔ فرمایا: مجھے اجازت نہیں، میں یہیں شہید ہوں گا۔ کچھ مریدین خراسان چلے گئے۔ جس دن چنگیز نے خوارزم پر حملہ کیا۔ اس کی صبح کو اپنے باقی ماندہ ساتھیوں سے فرمایا: قوموا علی اسم اللہ نقاتل فی سبیل اللہ چلو اللہ کے نام پر اللہ کے راستے میں جہاد کریں۔ اندر تشریف لے گئے، خرقہ پہنا، کمر میں پٹکا باندھا، خرقہ کی بغل میں دونوں طرف پتھر بھرے، نیزہ ہاتھ میں لیا اور ساتھیوں کو ہمراہ لے کر میدان میں آکر ڈٹ گئے۔ اور تاتاریوں پر پتھر پھینکنے لگے۔ وہ درندے ان پر تیر برسانے لگے۔ ایک تیر سینہ مبارک میں آکر ترازو ہوگیا۔ آپ گر پڑے، جب تیر نکالا گیا تو جاں بحق ہوگئے۔ یہ واقعہ ۶۱۸ھ میں ہوا۔

یہ عقدہ آج تک لاینحل ہے کہ شہادت کے وقت کافروں کا پرچم دست مبارک میں

تھا۔ بعد شہادت لوگوں نے پرچم ہاتھ سے نکالنا چاہا مگر ہاتھ سے نہیں چھوٹا، بالآخر کاٹا گیا، حضرت مولانا روم نے اپنی غزلیات میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا:

ماز اں محتشمانیم کہ ساغر گیرند ۔۔۔ نہ ازاں مفلسکاں کان بُزِ لاغر گیرند
بیکے دست مے خالص ایماں گیرند ۔۔۔ بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند

ترجمہ: ہم وہ حشمت والے ہیں کہ ساغر لیتے ہیں، وہ قلاش نہیں کہ کمزور بکری کا کان پکڑیں۔ ایک ہاتھ سے خالص ایمان کی شراب پیتے ہیں، دوسرے ہاتھ میں کافر کا پرچم لیتے ہیں۔

آپ کا سلسلہ طریقت حضرت شیخ عبدالقاہر نجیب الدین سہروردی سے ہے۔ جو شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے چچا اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر ہیں۔

☆☆☆

حضرت ملا فخر الدین عراقی قدس سرہ

وصال ۶۸۸ھ / ۱۲۸۹ء

ساز طرب عشق کہ داند چہ ساز است
کز زخمہ او نہ فلک اندر تگ و تاز است

آپ کا نام نامی "ابراہیم" ہے۔ فخر الدین خطاب اور عراقی تخلص ہے۔ ان کی شہرت بحیثیت شاعر زیادہ ہے۔ دنیا ان کو فارسی کا ممتاز شاعر ہی جانتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ اولیائے کرام کی صف میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اس کا اندازہ اسی سے لگایئے کہ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی قدس سرہ نے جو ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ کے امام ہیں ان کو اپنا سجادہ نشین بنایا تھا۔

آپ حافظ قرآن اور جید عالم تھے، البتہ حسن پرستی، عشق بازی سرشت میں غالب تھی، مگر آج کی عشق بازی و حسن پرستی نہیں بلکہ وہ عشق بازی جس کے لیے انسانی تخلیق ہوئی، وہ حسن پرستی جو انسان کو انسانیت کے اوج کمال تک پہنچاتی ہے، ان کا مذہب تھا:

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست
کہ او بہر حقیقی کار سازیست

آپ کی ولادت عراق کے مشہور شہر "ہمدان" میں ہوئی، اسی لیے عراقی مشہور ہوئے کم سنی ہی میں قرآن مجید حفظ کیا، آواز بہت مترنم تھی، جب قرآن مجید پڑھتے تو سننے والے مست و بے خود ہو جاتے۔ خوش آوازی کی وجہ سے پورا ہمدان ان پر شیدا تھا۔

سترہ سال کی عمر تک علم دین کی تحصیل ہمدان کے مشہور مدرسہ میں کرتے رہے، مگر عشق خانہ خراب نے تکمیل نہیں کرنے دی۔ ہوا یہ کہ قلندروں کی ایک جماعت ہمدان میں

آئی، ان کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا تھا، ان کی نظر اس لڑکے پر پڑی تو اسی کے ہو رہے۔

نہ محراب حرم جانے نہ جانے طاق میخانہ
جہاں دیکھی تجلی ہو گیا قربان پروانہ

پڑھنا لکھنا چھوڑ کر قلندروں میں رہنے لگے اور اپنے محبوب سے دل بہلانے لگے۔ جب تک قلندروں کا گروہ ہمدان میں رہا یہ ہر وقت انہیں میں رہتے، کچھ دنوں کے بعد قلندروں کا گروہ ہندوستان چلا آیا، محبوب کی جدائی نے بے چین کر دیا۔ راتوں کی نیند، دن کا قرار رخصت ہو گیا، نہ کھانا نہ پینا دیوانوں کی طرح گلی گلی کا چکر کاٹنا اور محبوب کی قیام گاہ پر سر دھننا، آہ و بکا کرنا مشغلہ رہ گیا۔ کچھ دن یوں ہی گزرے مگر جب کسی طرح قرار نہیں آیا تو تن بہ تقدیر ہندوستان چل پڑے۔ منزل بہ منزل چل کر ان قلندروں میں آملے اور چہار ابرو کا صفایا کر کے کفن پہن کے قلندر بن گئے۔ انہیں کے ساتھ شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ گھومتے ہوئے ملتان پہنچے۔

بہ شرارۂ قلندر بزن، ار حریف مائی
کہ نہ ماند بیش مارا، سر زہد دپارسائی

ان دنوں ملتان میں حضرت شیخ زکریا قدس سرہ کی خانقاہ مرجع عالم تھی، آپ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کے خلفا میں سے ہیں۔ علوم ظاہر و باطن میں یگانۂ عصر تھے۔ بیک وقت آپ کی خانقاہ میں علم ظاہر و باطن دونوں کے طلب گاروں کا جمگھٹ رہتا تھا۔ قلندر آپ کی خانقاہ میں آئے، اور قلندروں کی جماعت چند دن رہ کر چلی گئی، ان کے ساتھ وہ فتنۂ روزگار بھی رخصت ہو گیا۔ حضرت بہاء الدین زکریا قدس سرہ کی روحانیت نے شیخ عراقی پر ایسا تصرف کیا کہ اس لڑکے کا خیال دل سے نکل گیا، اور یہ خانقاہ شریف میں رک گئے، ایک دن جذبہ روحانی نے یہ گل کھلایا کہ عراقی حاضر خدمت ہوئے اور سر، حضرت شیخ کے قدم پر رکھ دیا۔ جب حضرت شیخ نے دیکھا کہ لوہا نرم ہو گیا تو انہیں چلے کے لیے ایک کوٹھری میں بند کر دیا۔

چلہ میں بیٹھے ہوئے ابھی ایک دو ہفتہ نہیں گذرا تھا کہ ان پر کیف و وجد طاری ہو گیا،

ذکر وفکر چھوڑ کر اپنی مشہور ومعروف غزل:

نخستیں بادہ کاندر جام کردند
زچشم مست ساقی وام کردند

باواز بلند گانے لگے، اور ساتھ ہی ساتھ گریہ وزاری بھی شروع کردی۔ حضرت شیخ کے طریقے میں صرف ذکر جہر اور مراقبہ تھا، گانا، رونا دھونا اور جوش ومستی ان کا طریقہ نہیں تھا۔ دوسرے طالبوں نے یہ سنا تو جاکر حضرت شیخ سے شکایت کی۔ عراقی بجائے ذکر اور مراقبے کے گارہے ہیں، حضرت شیخ نے فرمایا: یہ تمہیں منع ہے، انہیں منع نہیں۔

بقدر ظرف پلائی گئی ہر اک کو شراب
نگاہ مست بڑی ہوشیار ہے ساقی

اس سے حیرت ناک بات یہ ہوئی کہ ''عراقی'' خلوت کدے میں بند تھے، مگر ان کی یہ نظم پورے شہر کے خرابات میں پہنچ گئی۔ رندان قدح خوار شراب کی ترنگ میں چنگ ورباب پر مزے لے لے کر گاتے۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند
زچشم مست ساقی وام کردند
برائے نقل مستاں از لب وچشم
مہیا شکر وبادام کردند

شیخ کے بعض مریدین کا گزر ایک دن خرابات پر ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ پورا خرابات ان کی نظم سے گونج رہا ہے، اور بدمست شرابی اس کی لے پر جھوم رہے ہیں۔ اب ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور واپس آکر شیخ کو خرابات کا پورا حال سنایا اور کہا کہ اب پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے، ویسے حضرت حاکم ہیں۔

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

مگر شیخ عارف کامل تھے، انہوں نے ان مریدین سے فرمایا: پوری نظم سناؤ ان

مریدین نے جب اخیر کے یہ دو شعر سنائے:

نہاں با محرمے رازے بگفتند
جہانے را ازاں اعلام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش
عراقی را چرا بد نام کردند

حضرت شیخ بھی وجد میں آ گئے، اور فرمایا: عراقی منزل پر پہنچ گیا۔ اس کا کام پورا ہو گیا۔ مسند سے اٹھے اور ان کی کوٹھری کے دروازے پر تشریف لائے اور فرمایا:

عراقی! خراباتی میں مناجات کرنے لگے، اٹھو! باہر آؤ۔

یہ سنتے ہی عراقی دیوانہ وار باہر نکلے اور بے تابانہ اپنا سر حضرت شیخ کے قدم پر رکھ دیا۔ غایت شفقت کی بنا پر حضرت شیخ نے اپنے ہاتھوں سے ان کے سر کو پکڑ کر اٹھایا اور سینے سے لگایا۔ اپنا خرقہ اتار کر اسی وقت ان کو پہنا دیا، اور پھر چلّے میں انہیں بٹھا دیا۔

اسی پر بس نہیں ہوا۔ اپنی صاحبزادی کا ان سے نکاح کر دیا۔ رند خراباتی عراقی اب اتنے ہوش مند ہو گئے کہ بہت خوشگوار زندگی بسر کرنے لگے، اور ایک صاحبزادہ بھی ہوئے جن کا کبیر الدین لقب رکھا گیا۔ پچیس سال تک شیخ کی خدمت میں رہے۔

جب حضرت بہاء الدین زکریا قدس سرہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو عراقی کو اپنا خلیفہ بنایا۔ عراقی بہت کچھ سدھر گئے تھے، مگر پھر بھی طبیعت کی سرمستی اکثر اوقات رنگ بھرتی۔ جوانان خوبرو کے ساتھ اکثر رہتے اور جوش و مستی میں اپنی واردات قلبی کو اشعار کا جامہ پہنا کر مزے لے لے کر گاتے۔ ادھر حضرت شیخ کے دوسرے مریدین کو یہ بات ناگوار گزرتی اور کچھ حسد بھی تھا، شیخ نے ایک پردیسی نیم مجنون کو اتنا نوازا کہ داماد بنایا اور جانشین کر دیا۔

انہوں نے حاکم ملتان سے شکایت کی، ایسا رند مشرب ایسے باوقار سجادہ کے لائق نہیں۔ جب عراقی کو یہ معلوم ہوا تو ملتان چھوڑ دیا۔ حج و زیارت کے لیے چلے گئے۔

اپنے پیر بھائیوں کی انہیں حرکتوں پر جل کر عراقی نے کہا:

قمار خانه رفتم همه پاکباز دیدم
چوں بصومعه گزشتم همه یافتم دغائی

حج وزیارت سے فارغ ہو کر روم چلے گئے، وہاں حضرت شیخ صدر الدین قونوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے فیض صحبت سے بہرہ مند ہوتے رہے۔ وہاں ایک جماعت حضرت شیخ اکبر کی فصوص الحکم حضرت شیخ سے پڑھتی تھی۔ یہ بھی اس میں شریک ہو گئے، اسی اثنا میں اپنی تصوف کی مشہور ومعروف کتاب "لمعات" تصنیف کی۔ کتاب مکمل کر کے شیخ کو سنایا۔ شیخ نے بہت پسند فرمایا اور داد دی۔ روم کے امرا میں معین الدین پروانہ شیخ عراقی کا مرید ہو گیا۔ اس نے ان کے لیے توقات میں ایک خانقاہ بنوائی۔ اور روزانہ بلا ناغہ خدمت میں حاضر ہوتا۔ ایک دن آیا تو اشرفیوں کی تھیلیاں ساتھ لایا، اور پوری نیاز مندی سے پیش کیا، اور عرض کیا: میری طرف کوئی توجہ نہیں فرماتے، اور مجھ سے کوئی کام نہیں لیتے۔

عراقی نے اور فرمایا: مجھ کو روپیوں پر لبھاتا ہے۔ میں روپیوں، اشرفیوں پر نہیں ریجھ سکتا۔ کسی کو بھیج کر حسن قوال کو بلایا۔ حسن قوال ایک بانکا خوبصورت جوان تھا، آواز ایسی دل کش تھی، جس کا جواب نہ تھا۔ پورا شہر اس پر جان دیتا تھا۔ معین الدین کے آدمی گئے اور حسن قوال کو بدقت تمام لائے۔ حسن قوال کی آمد پر مطلع ہوتے ہی عراقی امیر واکابر کے ساتھ اس کے استقبال کے لیے گئے۔ جب حسن قوال نظر آیا تو عراقی نے بڑھ کر اسے سلام کیا اور گود میں لیا۔ اپنے ہاتھ سے اس کو اور اس کے ہمراہیوں کو شربت پلایا، اور بڑے چاہ و پیار کے ساتھ خانقاہ میں لے کے آیا تھا۔

حسن قوال گاتا، اور شیخ مع اپنے مریدوں کے وجد وکیف میں وارفتہ رہتے۔ اور عالم وارفتگی میں جو بولتے وہ موتیوں سے زیادہ قیمتی اشعار ہوتے۔ اسی کیف ومستی میں کہی ہوئی وہ مشہور نظم ہے، جس کا مطلع ہے:

ساز طرب عشق که داند که ساز است
کز زخمهٔ او نه فلک اندر رنگ وناز است

ایک دن معین الدین میدان میں بغرض تفریح گیا تو دیکھا کہ اس کے مرشد برحق

بچوں کے ساتھ چوگان لیے کھڑے ہیں۔ امیر نے عراقی سے پوچھا: میں کس طرف رہوں؟ راستے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ادھر وہ بے چارہ چلا گیا۔

امیر معین الدین کی وفات کے بعد عراقی مصر تشریف لائے، سلطان مصر ان کا مرید ہوگیا، اور ان کو مصر کا شیخ الشیوخ بنادیا۔ اس جلیل عہدے پر فائز ہونے کے باوجود عراقی کا لاابالی پن نہ گیا۔ بے تکلف بازاروں میں گھومتے، ہنگاموں میں در آتے، گھومتے گھومتے ایک دن موچیوں کے محلے میں گزرے۔ ایک موچی کے لڑکے کو دیکھا کہ حسن وخوبی میں یگانہ، نازوادا میں یکتا ہے۔ اس کی دوکان پر پہنچے، اس لڑکے کو سلام کیا۔ اس کے ہونٹوں کی طرف اشارہ کر کے اس لڑکے کے باپ سے کہا: یہ ظلم نہیں کہ ایسے ہونٹ گدھے کے چمڑے کو پکڑیں۔ باپ نے عرض کی: اگر یہ گدھے کا چمڑہ ہونٹ سے نہیں پکڑے گا تو روٹی کہاں سے ملے گی۔ عراقی نے پوچھا یہ روزانہ کتنے کا کام کرتا ہے؟ اس کے باپ نے بتایا، چار درم کا۔ فرمایا: میں روزانہ آٹھ درم دوں گا، آئندہ یہ لڑکا یہ کام نہیں کرے گا۔ اب عراقی کا روز کا یہ مشغلہ ہوگیا کہ اپنے مریدین کے ساتھ اس موچی کی دوکان پر جاتے اور جی بھر کر محبوب کی زیارت کرتے، دردانگیز اشعار پڑھتے اور روتے، وجد کرتے۔ چغل خوروں نے سلطان مصر سے شکایت کی۔ عراقی ایک موچی زادے پر فریفتہ ہیں اور ان کا یہ حال ہے۔ سلطان نے پوچھا: کیا شیخ اس لڑکے کو کسی وقت دن میں یا رات میں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں یا اس لڑکے کے ساتھ دوکان ہی میں کہیں خلوت کرتے ہیں؟ چغل خوروں نے کہا: نہیں۔ سلطان سمجھ گیا کہ عشق صادق و پاک ہے۔ آب و گل پر نہیں بلکہ آب و گل کے پیکر کو یہ دل کشی دینے والے حسن حقیقی کے شیفتہ ہیں۔ دوات وقلم منگایا۔ شیخ کے اخراجات کے لیے پانچ دینار یومیہ کا اضافہ کیا، یعنی آج کل کے حساب سے بارہ تیرہ سو روپے یومیہ، یہ اضافہ تھا۔ جو پہلے سے مقرر تھا، الگ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے زائد ہی رہا ہوگا۔

دوسرے دن جب بادشاہ سلام کے لیے حاضر ہوا، تو عرض کیا: ایسا سنا ہے کہ حضرت کی نظر کسی موچی کے لڑکے پر پڑ گئی ہے۔ خادم نے اخراجات کے لیے ایک رقم مقرر کر دی ہے۔ حضور ایسا کریں کہ اس لڑکے کو خانقاہ میں لائیں، فرمایا: میں اس کا تابع ہوں وہ میرا تابع

نہیں، کہ میں اس پر عمل کروں۔

کچھ دنوں بعد عراقی شام کے لیے نکل پڑے۔ سلطان مصر نے شام کے ملک الامراء کو لکھا:

میرے مرشد جا رہے ہیں، تمام اعیان و اکابر شہر کے ساتھ ان کا استقبال کرو، اور خاطر خواہ خدمت کرو۔

شام کے ملک الامراء نے ایسا ہی کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ملک الامراء کا ایک لڑکا بہت ہی خوبصورت تھا، جب عراقی کی نظر اس لڑکے پر پڑی۔ بے تابانہ بڑھ کر اس کے قدم پر سر رکھ دیا۔ لڑکے اور اس کے باپ نے حضرت شیخ کے قدم پر سر رکھ دیا۔

یہ دیکھ کر دمشق کے لوگوں کے دل سے عراقی کا وقار ختم ہو گیا، مگر چوں کہ بادشاہ کے پیر تھے، کس کی مجال تھی کہ دم مارتا۔ چھ مہینے دمشق میں قیام رہا۔ یہیں ان کے صاحبزادے کبیر الدین بھی آ گئے۔ اخیر وقت میں انہیں بھی باپ کی زیارت اور خدمت میسر آ گئی۔ چھ ماہ دمشق میں قیام کو گزرا تھا کہ بیمار ہوئے اور محبوب حقیقی کے وصال سے شاد کام ہوئے۔ آپ وہیں دمشق کے محلہ صالحیہ میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے مزار پاک کے پیچھے دفن ہوئے۔ آپ کی تاریخ وصال ۱۸ ذوقعدہ ۶۸۸ھ ہے، اخیر رباعی یہ کہی تھی۔

در سابقہ چوں قرار عالم دادند
مانا کہ نہ بر مراد آدم دادند
زاں قاعدہ و قرار کاں روز افتاد
نہ بیش بکس قسمت و نہ کم دادند

صاحبزادے مدت العمر دمشق ہی رہے۔ وہیں رحلت فرمائی، باپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

بڑی مشکل سے دل کی بے قراری کو قرار آیا۔

☆☆☆

قطب الکاملین

سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ

ولادت: ۹۱۵ھ / وصال: ۱۰۱۷ھ

گزشتہ رجب میں میرے نام کسی نا معلوم شخص نے ایک رسالہ بھیجا تھا۔ جس کا نام سیف مدار ہے۔ یہ رسالہ کسی بقلم خود پیر طریقت حضرت علامہ مولانا السید سجادہ نشین ذوالفقار علی کا لکھا ہوا ہے۔ آپ حضرات انہیں ذوالفقار علی بھٹو نہ سمجھیں یہ مکن پور کے کوئی صاحب ہیں۔

اس رسالہ میں ایسا بازاری اور جاہلانہ لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے کہ اس کے کما حقہ جواب کے لیے کسی نیچے سے نیچے آدمی کو بھی اپنی سطح سے بہت نیچے اترنا پڑے گا۔ لیکن اس میں سند الواصلین قطب الکاملین سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ پر ایسا جیتا جاگتا افترا کیا ہے کہ وہ ان کے متوسلین ہی نہیں، ہر شریف انسان کے لیے ناقابل برداشت ہے، اور دنیا کے ہر تمدن میں ناقابل عفو جرم ہے۔ اس لیے اس کی صفائی کے لیے یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔

تعارف:

حضور سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مشائخ کرام کے مورث اعلیٰ اور ان مشائخ کے سلسلۂ قدیمہ کے شیخ ہیں۔ یہ اپنے وقت کے عالم وفاضل ہونے کے ساتھ ساتھ عارف کامل اور ولی تھے۔ ان کے ہم عصر اور بعد کے علما ومشائخ بالاتفاق انہیں شریعت وطریقت کا جامع اور ظاہری وباطنی علم کا ماہر مانتے آئے ہیں۔

حضرت ممدوح ۱۶۔ ۹۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ قصبہ سنا دیپ باری علاقہ قنوج میں

ولادت ہوئی۔ حضرت کے آبا و اجداد واسطہ سے آکر بلگرام میں متوطن تھے مگر پھر بعض وجوہ سے بلگرام سے منتقل ہو کر سنادیپ چلے گئے، اور وہیں رہنے لگے تھے۔ قصبہ ہاڑی بطور جاگیر ان حضرات کو ملا، یہیں حضرت کی ولادت ہوئی، پھر حضرت بلگرام تشریف لائے۔

حضرت کے آبائے کرام سب با فضل و کمال اور ظاہری و باطنی محاسن سے آراستہ تھے۔ ان صاحبان خدا کی گود میں حضرت کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اللہ والوں کی گود میں جو بچہ پلے گا، وہ کس پائے کا ہوگا، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

حضرت مخدوم صفی قدس سرہ سے آپ بیعت ہوئے، اور حضرت مخدوم صفی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے خلیفۂ خاص حضرت مخدوم شیخ حسین سکندر آبادی سے منازل سلوک طے فرمائے۔ حضرت جہاں ایک عارف کامل باخدا درویش تھے، وہیں علوم ظاہر کے بھی علامہ تھے۔ جس پر آپ کی تصنیفات شاہد ہیں، اور انہیں سے خلافت بھی حاصل فرمائی۔

ملا عبدالقادر بدایونی جو حضرت کے معاصرین میں سے تھے، اپنی مشہور کتاب منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں، شیخ عبدالواحد بہت صاحب فضائل و کمالات و ریاضت و عبادت ہیں۔ عمدہ اخلاق اور پسندیدہ عادات رکھتے ہیں۔ اس زمانے میں اپنے کو سب سے آگے بڑھالیا ہے۔ ۹۷۷ھ میں فقیر لکھنؤ سے بلگرام پہنچا۔ ایک رات عبادت کے لیے تشریف لائے، یہ ملاقات پہلی بار تھی، جس نے مرہم کا حکم رکھا۔ یہ سب عشق کے پھول ہیں۔ مخدومی شیخ عبداللہ بدایونی بھی اتفاقاً رجال الغیب کی طرح بدایوں سے وہاں تشریف لائے، یقین ہوا کہ اگر شب قدر کسی نے پائی ہوگی تو وہ رات یہ ہوگی۔

میر علاء الدولۃ بن یحیٰی سیفی قزوینی نے نفائس المعاصرین میں لکھا ہے کہ "میر عبدالواحد قنوج کے اکابر میں سے ہیں، فقر و درویشی کے نشہ سے خالی نہیں ہیں، فقر کا سلیقہ خوب رکھتے ہیں"۔

شیخ محمد غوث مندوری نے گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ "سید عبدالواحد بن سید ابراہیم قنوجی مجاہدہ مشاہدہ والے، صحیح حال و قال والے ہیں"۔

شیخ بدرالدین بن شیخ ابراہیم نے صلوٰۃ الاتقیاء میں لکھا۔ "یہ کتاب ۱۰۲۷ھ میں لکھی

گئی ہے۔ سید عبدالواحد بن سید ابراہیم رضی اللہ عنہ عارف ربانی، محرم حریم سبحانی، صاحب کرامات وخوارق عادات، علوم ظاہری وباطنی کے جامع تھے۔ اصل ان کی حسینی واسطی سادات سے ہے۔ مذہب حنفی، مشرب چشتی رکھتے تھے۔ حقائق ومعارف میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ اپنے زمانے میں مخلوقات کے معتقد فیہ تھے۔ نواب مرتضی خاں اور نواب صدر جہاں خاں ان کے مرید تھے"۔

حضرت خواجہ خرد بن خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہما کے مرید سید کمال محمد نقشبندی واسطی سنبھلی اپنی کتاب اسراریہ میں لکھتے ہیں:

شیخ جمال بلگرامی وے مشائخ بسیار را دریافتہ وبا میر سید عبدالواحد بلگرامی صحبت داشتہ مرزوق شدہ۔ سید مشائخ کبار بود، اہل ذوق ووجد اور صاحب سخن"۔

شیخ جمال بلگرامی نے بہت سے مشائخ کی صحبت پائی۔ اور میر سید عبدالواحد بلگرامی کے ساتھ صحبت رکھتے تھے، اور سید عبدالواحد مشائخ کبار سے تھے۔ اہل ذوق ووجد اور شاعر۔ یہ کتاب ۱۰۶۸ھ میں لکھی گئی ہے۔ سید امر بلگرامی نے تبصرۃ الناظر تاریخ بلگرام میں لکھا ہے:

"میر عبدالواحد بن سید ابراہیم بن قطب بزد اللہ مضاجعہم ونور اللہ مراقدہم۔ بلگرام کے اعیان سادات اور بزرگوں میں سے تھے۔ درویش کامل، صاحب حال اور فضیلت باکمال رکھتے تھے۔ کرامات وخوارق عادات ان سے بہت ظاہر ہوئیں"

مولانا سید غلام علی آزاد ماثر الکرام میں لکھتے ہیں: میر عبدالواحد بن سید ابراہیم بن قطب الدین بن سید ماہر و بن سید شاہ بڈھن قدست اسرارہم قطب فلک ولایت اور مرکز دائرۂ ہدایت تھے۔ صاحب آیات ظاہرہ وکرامات باہرہ۔

یہی اپنی مشہور کتاب سرو آزاد میں لکھتے ہیں:

لمبی عمر تک مسند ارشاد کو اپنے جلوس میمنت مانوس سے زینت بخشی اور حق پرستی کے بہت سے سالکوں کو کبریا جل وعلا کی بارگاہ تک پہنچایا۔

اور شجرۂ طیبہ میں لکھتے ہیں:

وہ اپنے وقت کے یگانہ تھے، صاحب کرامات وعلامات باہرہ اور علوم ظاہر و باطن کے جامع، وادی طلب میں حیران ہونے والوں کو منزل مقصود تک پہنچایا۔

ناظرین غور کریں! یہ سب حضرات وہ ہیں جو خود عارف کامل، علوم شریعت وطریقت کے جامع، ظاہر و باطن سے آراستہ، ہر شخص کے اندرونی و بیرونی احوال سے واقف، صاحبان کشف بزرگ ہیں۔ ان میں سے اکثر حضرات میر سید عبدالواحد قدس سرہ کے معاصر یا قریب عہد کے ہیں۔ معاصرین کا کسی کے فضل وکمال کا اعتراف کرنا اس کی دلیل ہے کہ حضرت کی ذات بلاشبہ اپنے زمانے میں مرکز عقیدت تھی۔ ان حضرات نے اعتراف کیا ہے کہ یہ اکابر سادات سے ہیں، صاحب مجاہدہ ومشاہدہ ہیں۔ ان کا حال وقال سب صحیح ہے۔ یہ علوم ظاہری وباطنی کے جامع ہیں، اپنے عہد کے یگانہ ویکتا ہیں۔ صاحب کرامت بزرگ ہیں۔ مرجع عوام وخواص ہیں۔ اتنے بافیض بزرگ ہیں کہ کتنے سالکوں کو منزل مقصود تک پہنچایا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے مورخین نے بھی حضرت کے فضائل ومناقب کا شاندار الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ مولوی رحمٰن علی ”تذکرہ علمائے ہند“ میں لکھتے ہیں:

صاحب فضائل وکمالات وریاضت وعبادات تھے۔ پسندیدہ اخلاق اور عمدہ عادات رکھتے تھے۔

بارگاہِ رسالت میں مقبول کتاب سبع سنابل شریف

حضرت میر کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سب سے زیادہ مقبول سبع سنابل شریف ہے۔ اس کتاب میں ابتدا میں اہل سنت وجماعت کے عقائد مذکور ہیں۔ اس کے بعد تصوف کے مختلف مسائل پر بہت جامعیت اور اختصار کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے۔ جگہ جگہ بزرگان دین کی دل آویز حکایات درج ہیں۔ جس سے اس کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔ یہ کتاب ایسی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہو کر مقبول ہو چکی ہے، جس کی بنا پر سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مصنف کو خصوصیت سے نوازا ہے۔

میر غلام علی آزاد ماثر الکرام میں لکھتے ہیں:

''۱۱۳۵ھ کے رمضان المبارک میں دار الخلافہ شاہ جہاں آباد (دہلی) شاہ کلیم اللہ چشتی قدس سرہ کی مولف اوراق (غلام علی آزاد) نے زیارت کی۔ میر عبدالواحد چشتی کا ذکر درمیان میں آ گیا۔ حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی نے ان کے مناقب دیر تک بیان کیے۔ فرمایا کہ ایک رات مدینہ منورہ میں میں نے خواب دیکھا کہ میں اور میر صبغۃ اللہ بروجی ساتھ ساتھ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں باریاب ہوئے۔ صحابہ کرام اور اولیائے عظام کی جماعت بھی حاضر ہے، ان میں ایک صاحب ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ساتھ مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہے ہیں، اور ان کی جانب پورا التفات فرما رہے ہیں، جب مجلس ختم ہوئی، میں نے سید صبغۃ اللہ سے پوچھا یہ صاحب کون ہیں کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی جانب اس درجہ التفات رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا یہ میر عبدالواحد بلگرامی ہیں اور ان کی عزت افزائی کا سبب ان کی تصنیف سبع سنابل ہے، جو بارگاہ اقدس میں مقبول ہوگئی''۔

واضح ہو کہ حضرت شاہ کلیم اللہ نہ تو حضرت میر سید عبدالواحد کے مرید ہیں نہ تلمیذ۔ ان کا سلسلہ تلمذ و ارادت دوسرا ہے۔ وہ مسلم الثبوت عارف ہیں، ان کی شہادت بلاشبہ بہت ہی وقیع ہے۔ انہوں نے جو کچھ بیان فرمایا اسے خاندانی یا سلسلے کی بے جا عصبیت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی شہادت کہ سیدنا میر عبدالواحد قدس سرہ کی بارگاہ رسالت میں یہ عزت و عظمت ہے، جو انہیں سبع سنابل کی تصنیف کی بدولت نصیب ہوئی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کتاب سبع سنابل شریف اور اس کے مصنف دونوں قابل اعتماد ہیں۔

بنائے مخاصمت:

اصل بنائے مخاصمت حسد ہے۔ مداریوں نے ہزاروں خرافات گڑھیں، قصے گڑھے اور رات و دن ڈگڈگی بجاتے پھرے کہ حضرت مدار انبیا کے بعد ساری امت سے افضل ہیں، مگر سوائے چند جاہل بے پڑھے لکھے گنواروں کے کوئی ان کے جال میں نہ پھنسا۔ اور ادھر سلسلہ قادریہ کو اللہ عزوجل نے وہ قبول عام عطا فرمایا کہ گھر گھر اس کا فیض پہنچا، کہاں بغداد، کہاں ہندوستان۔ مگر ہندوستان کے چپے چپے میں قادریت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ ماضی قریب

اور اس وقت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ کے خانوادے کی بدولت یہ سلسلہ سیل رواں کی طرح بڑھ رہا ہے۔ اور تو جانے دیجیے حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفےٰ رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلا واسطہ مریدین کی تعداد لاکھوں ہے۔ صرف ہندوستان ہی نہیں، عرب و عجم، یوروپ و ایشیا ہر جگہ حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین موجود ہیں۔ وہ بھی بے پڑھے لکھے نہیں بلکہ اجلۂ علمائے کرام، صف اول کے علمائے اہل سنت، مشائخ طریقت۔ یہ بے چارے مداری حسد میں جلتے رہتے ہیں۔ انگاروں پر لوٹتے ہیں، کچھ نہیں کر سکتے تو جھوٹ افترا بہتان، دجل وفریب سے کام لے کر سلسلۂ برکاتیہ کی جڑ پر کلہاڑی مارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر ناظرین دیکھیں گے کہ ساری کلہاڑی انہیں کے قدموں کو کاٹ کر رکھ دے گی۔

مشہور ہے کہ "خوے بدرا بہانہ بسیار" انہیں بہانہ یہ مل گیا کہ حضرت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ نے سبع سنابل کے صفحہ: ۴۳، ۴۰ پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

حضرت شاہ مدار قدس سرہ نے کسی کو خلافت نہیں دیا، اور اپنے کشف سے یہ معلوم کر کے میرے بعد میرے متعلقین پیری و مریدی کا دھندا شروع کر دیں گے۔ مختلف دیار و امصار میں خطوط لکھ کر روانہ فرمادیے کہ میں نے کسی کو خلافت نہیں دی ہے۔ یہ خطوط جن بزرگوں کو بھیجے، ان کے وارثین کے پاس محفوظ بھی رہے۔ ان میں ایک والا نامہ حضرت مخدوم سعد الدین خیر آبادی کے پاس محفوظ رہا۔ نیز یہ بھی تحریر فرما دیا ہے کہ حضرت شیخ سعد، حضرت شیخ صفی، حضرت شیخ محمد مکی، حضرت شیخ مخدوم نظام الدین قدست اسرارہم کے دست حق پرست پر بہت سے وہ لوگ جو غلط فہمی کی بنا پر مداریوں سے مرید ہو گئے تھے، حقیقت حال پر مطلع ہو کر دوسرے سے مرید ہوئے، اس واقعہ کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت سیدنا شاہ مدار کالپی شریف میں مقیم تھے تو وہاں کا حاکم قادر بیگ ان کی خدمت میں زیارت کے لیے بار بار حاضر ہوا، مگر حضرت مدار قدس سرہ نے باریاب نہیں فرمایا۔ ایک دن اس نے جھانک کر دیکھا کہ وہ ایک جوگی کے ساتھ بات کر رہے ہیں، اس پر اس کو سخت صدمہ ہوا کہ میں زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہوں، تو مجھے محروم رکھتے ہیں اور ایک بے دین جوگی کے ساتھ

یہ لطف و عنایت! اس پر اس نے مشتعل ہو کر یہ حکم دے دیا کہ شاہ مدار کالپی سے چلے جائیں۔ اس کے حکم کے بعد شاہ مدار کالپی سے فوراً کوچ کر گئے، اور دریائے جمنا پار کر کے مقیم ہو گئے، اور اپنے ایک مرید کو کالپی شریف چھوڑ دیا کہ تین دن رہ کر انتظار کرو، اور اس کا حال ہم سے بیان کرو۔ قادر شاہ کے جسم پر آبلے پیدا ہو گئے۔ اس کی گرمی سے وہ بے قرار ہو کر اپنے پیر حضرت شیخ سراج الدین سوختہ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے اپنا پیراہن اس کو پہنا دیا، جس سے وہ صحت یاب ہو گیا۔ حضرت شاہ مدار کے خادم نے جو کچھ دیکھا حضرت شاہ مدار کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کر دیا۔

حضرت سیدنا عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ نے یہ تحریر فرمایا کہ جب رات ہوئی تو حضرت شاہ مدار قدس سرہ تلوار کھینچے ہوئے ظاہر ہوئے، اور چاہا کہ قادر شاہ کو مار ڈالیں، شیخ سراج درمیان میں آ گئے کہ یہ میرا مرید بے گناہ ہے، اس کو کیوں مار رہے ہیں۔ شاہ مدار نے فرمایا کہ اس نے مجھ کو بہت رنج پہنچایا ہے۔ دونوں بزرگوں میں اختلاف بڑھا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور شاہ مدار کو منع فرمایا کہ اس کو بے گناہ مار ڈالنا چاہتے ہو؟ یہ کیا فقیری ہے؟ اس پر شاہ مدار نے عرض کیا، یا رسول اللہ! فقیر جب تلوار نیام سے کھینچ لیتا ہے تو کسی چیز پر ضرور مارتا ہے۔ اب میں نے تلوار نیام سے کھینچ لی، کس کو ماروں؟ شیخ سراج نے فرمایا: آپ اس تلوار کو میں اپنے اوپر لیتا ہوں، لیکن اپنے مرید کو ضرر پہنچانا روا نہیں رکھتا۔ شاہ مدار نے فرمایا: میں نے تم کو جلا دیا، اس پر شیخ سراج نے فرمایا: ہم نے تمہارے مریدوں کو گمراہ کر دیا۔ شاہ مدار نے فرمایا: میں نے چند لوگوں کو مرید کیا ہے اس تاریخ کے بعد کسی کو مرید نہیں کروں گا، اور خلافت کسی کو نہیں دیا ہے، اور نہ دوں گا۔ کہتے ہیں کہ شیخ سراج کے باطن میں سوزش پیدا ہو گئی اور تمام عمر ان کا باطن جلتا رہا۔ اسی وجہ سے ان کو شیخ سراج سوختہ کہتے ہیں۔

شاہ مدار کے ان چند مریدوں نے شاہ مدار کی اجازت وخلافت کے بغیر مرید کرنا شروع کر دیا اور سلسلہ پیدا کر لیا اور خلیفہ بنانے لگے۔ ان کی گمراہی یہی ہے اور یہ سب شاہ مدار کی وفات کے بعد انہوں نے کیا۔ یہ ان کی زندگی میں نہیں تھا۔ (سبع سنابل ص ۱۴۱)

ان سب کے بارے میں میر عبدالواحد بلگرامی لکھتے ہیں:

"ایں فقیر راہر چہ باخبار صحیح تحقیق شدہ بود نوشتہ است"

ترجمہ: اس فقیر کو صحیح خبروں سے جو تحقیق ہوئی ہے لکھا ہے۔

حضرت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی کا علم وفضل، زہد واتقا، امانت و دیانت، خلوص وللہیت ہر شبہہ سے بالاتر ہے۔ اس لیے اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ کہا جاسکے کہ انہوں نے کسی عناد یا خصومت کی بنا پر یہ واقعہ طبع زاد بیان فرمادیا ہے۔ ان کا ثقہ ہونا ہر شبہہ سے بالاتر ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ قابل اعتماد لوگوں سے سن کر اور تحقیق کر کے لکھا ہے۔ اس کی گنجائش تھی اور اب بھی ہے کہ جو لوگ سلسلہ مداریہ کو متصل مانتے ہیں اس کی دلائل سے تردید کرتے، پھر فیصلہ تحقیق کرنے والوں کے لیے آسان ہوتا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ان صاحبوں نے اس کا کوئی قابل اعتبار واعتماد ثبوت نہیں فراہم کیا کہ حضرت سیدنا شاہ مدار قدس سرہ نے کسی کو اپنی حیات ظاہری میں خلافت سے نوازا ہو۔ رہ گئی بے سروپا حکایتیں وہ کسی بھی عاقل کے نزدیک کبھی بھی قابل التفات نہیں ہیں۔ لے دے کے ان کے پاس تذکرۃ المتقین ہے جو ابھی ماضی قریب میں انہیں لوگوں میں سے کسی نے طلسم ہوش ربا کے طور پر قصہ کہانی کی ایک کتاب لکھی ہے جو لغویات وخرافات کی پوٹ ہے، جس پر تفصیلی گفتگو آگے آرہی ہے۔

کسی بھی انسان کو یہ حق نہیں ہے کہ اختلاف رائے کی صورت میں اپنے حریف کے خلاف بازاری انداز میں گالی گلوج، جھوٹ، افترا، بہتان، دجل وفریب سے کام لے۔ یہی ذوالفقار صاحب سے بھی کہنا ہے کہ اگر آپ کو حضرت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ العزیز سے اختلاف تھا تو اسے دلائل کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے تھا، نہ کہ باپ دادا سے ملی ہوئی دولت کو اس فراوانی کے ساتھ لٹاتے جو آپ نے سیف مدار میں لٹائی ہے۔ ناظرین حیرت میں ہوں گے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں لیکن سب کھل جائے گا کہ ذلیل سے ذلیل وہ حرکت جو ایک آبرو باختہ انسان کرسکتا ہے، وہ ذوالفقار صاحب نے اس رسالہ میں کی ہے۔ اور ایسا کرتب دکھایا ہے، جو آج تک کسی مداری نے نہ دکھایا ہوگا۔ قصہ یہ ہے کہ ملا عبدالقادر بدایونی

مشہور مؤرخ اور منتخب التواریخ کے مصنف نے اپنا حال اپنی اسی کتاب میں لکھا ہے:

ودریں سال بر جامع منتخب واقعہ ہائلہ روئے نمود وآں مجملا ایں است کہ چوں در کانٹ گولہ بجائے گیر محمد حسین خاں بود وفقیر بر حسب تقدیر چندگاہ در صحبت او ماندہ اسم صدارت آں صوبہ وعہد خدمت فقرا داشت، وبہ تقریب زیارت مزار فائض الانوار شیخ کبار بدیع الحق والدین شاہ مدار قدس سرہ العزیز در مکن پور از نواح قنوج رسید، وچوں آدمی زاد کہ شیر خادم خوردہ بحسب شرست مرکب از غفلت جبلی کہ موجب ندامت وظلم وجہل اصل کہ باعث جسارت وخسارت است ومیراث از ابوالبشر بمار سیدہ دیدۂ عقل راپوشید، وآں راعشق نامید وبدام شہوت وآز گرفتار ساخت۔

وسرنوشت گذشتہ پیش آمد تا بے ادبے عجب ناگاہ ور آں درگاہ واقع شد، واز جا کہ ہم غیرت وہم عنایت حق سبحانہ عز شانہ بود مکافات آں جریمہ وتنبیہ برائے خطیۂ ہم دروار دنیا تا ہم از قوم معشوق چندے را مسلط ساخت ونہ زخم شمشیر پیاپے ازیں شاں بر سرودست ودوش خوردہ ہمہ پوست مال رفت۔ مگر زخم سر کہ استخواں راشکستہ بمغز رسید وتجی مغز با آوردہ، ورگ انگشت بنصر چپ اندک بریدہ شد وبشعور افتاد وآں جہاں راسیر کردہ آمد وبخیر گزشت، وامید کہ دراں نشاۃ نیز عاقبت بخیر باشد۔ (منتخب التواریخ ج ۲ ص ۱۳۰۹ مطبوعہ کلکتہ)

ترجمہ: اس سال یعنی ۹۸۲ھ میں منتخب کے جامع پر ایک واقعہ ہائلہ پیش آیا۔ مجملاً وہ واقعہ یہ ہے کہ جب یہ کانٹ گولا میں محمد حسین خاں کی جاگیر پر تھا اور فقیر حسب تقدیر کچھ دن اس کی صحبت میں رہا، اس صوبہ کی صدارت اور فقرا کی خدمت کا عہدہ رکھتا تھا۔ مزار فائض الانوار شیخ کبار بدیع الحق والدین شاہ مدار قدس سرہ العزیز کی زیارت کے لیے مکن پور جو قنوج کے توابع سے ہے پہنچا اور چوں کہ آدمی زاد نے کچھ دودھ پیا ہے، اور شرست کے مطابق ہے، جبلی غفلت سے مرکب ہے، جو ندامت اور ظلم وجہل اصلی کا موجب جسارت وخسارت کا باعث ہے، اور ابوالبشر سے میراث میں ہم تک پہنچا ہے، عقل کی آنکھ کو چھپا دیا، اس کو عشق پیدا کر دیا۔ اور شہوت ولالچ کے جال میں گرفتار کر دیا، اور گزشتہ لکھا ہوا سامنے آیا کہ اچانک عجیب بے ادبی اس درگاہ میں واقع ہوئی اور اس وجہ سے کہ حق سبحانہ عز شانہ کی غیرت بھی تھی

اور عنایت بھی تھی کہ اس جرم کی سزا بھی اور اس گناہ پر تنبیہ بھی، دار دنیا میں دیکھا کہ معشوق کی قوم سے چند لوگوں کو مسلط فرمایا، اور پے در پے تلوار کے تو زخم سر، اور ہاتھ اور کاندھے پر کھایا، سب ٹھیک ہو گئے، مگر سر کا زخم کہ ہڈی توڑ کر مغز تک پہنچ گیا تھا اور بھیجا باہر نکل پڑا تھا، اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی تھوڑی کٹ گئی تھی، بے خبر پڑا رہا، اور اس دنیا کی سیر کر کے آیا، خیر سے گزر گیا، امید ہے کہ اس دنیا میں بھی عاقبت بخیر ہوگی۔

ناظرین منتخب التواریخ کی عبارت بغور پڑھیں، وہ لکھتے ہیں کہ یہ حادثہ منتخب کے جامع پر پیش آیا، وہ لکھتے ہیں کہ فقیر جب کانت گولہ میں اس صوبہ کی صدارت اور فقرا کی خدمت کا عہدہ رکھتا تھا کمن پور حاضر ہوا اور وہ عشق اور شہوت کے جال میں گرفتار ہوا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ ملا عبدالقادر کے ساتھ ہوا، اور یہ واقعہ خاص انہیں کا ہے، لیکن مداریوں کی اصل شرست یہاں رنگ لائی، اور انتہائی دریدہ دہنی کے ساتھ افترا اور بہتان کی آخری سرحد کو بھی پار کر کے لکھتے ہیں:

لیکن حقیقی واقعہ جو آج بھی عوام وخواص میں مشہور ہے کہ میر عبدالواحد بلگرامی مع اپنے گروہ مریدین کے کمن پور تشریف لائے، موصوف کے ہمراہ قافلہ میں عورتیں بھی تھیں۔ یہ انہیں میں سے ایک عورت کے ساتھ یہ واقعہ سرزد ہوا جو پوشیدہ نہ رہ سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بقول مصنف سبع سنابل "غیرت الٰہی چند از قوم معشوق مسلط ساخت"۔

کیا دنیا میں ایسے جھوٹ وافترا کی مثال مل سکتی ہے کہ ملا عبدالقادر بدایونی خود یہ تصریح کریں کہ یہ واقعہ منتخب کے جامع پر پیش آیا۔ اور مداری لوگ یہ ڈگڈگی بجائیں کہ واقعہ فلاں کا ہے۔ جو شخص یا جو طبقہ اتنی بے حیائی پر اتر آئے، اس سے خطاب ہی بے کار ہے لیکن چوں کہ مداری اس کو اپنی نجی مجلسوں میں بیان کرتے رہتے ہیں، اور اب نئے مداری صاحب نے بڑی ہمت کر کے چھاپ بھی دیا۔ اس لیے ہم کو اصل واقعہ تحریر کرنا پڑا، اس واقعہ میں ان مداری صاحب نے کئی کرتب دکھائے ہیں۔

پہلا کرتب: واقعہ ملا عبدالقادر کا ہے، اس کو سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی پر ڈھالا گیا۔

دوسرا کرتب: اصل واقعہ منتخب التواریخ کا ہے اسے سبع سنابل میں مذکور بتایا۔

تیسرا کرتب: "چند از قوم معشوق مسلط ساخت" ملا عبدالقادر کا مقولہ ہے، اسے

مصنف نے سبع سنابل کا قول بتایا۔

چوتھا کرتب: سبع سنابل کا کوئی تتمہ دنیا میں موجود نہیں، اس کا حوالہ دیا۔

پانچواں کرتب: سبع سنابل کے اخیر میں جو حضرت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی کے حالات بطور تعارف مذکور ہیں، جو کسی نے تحریر کیے ہیں۔ (۱) اسے مصنف سبع سنابل کا ارقام کردہ بتایا۔

چھٹا کرتب: سبع سنابل شریف ۹۶۹ھ کی تصنیف ہے، اور یہ واقعہ ۹۷۰ھ کا ہے مگر اسے سبع سنابل میں مذکور بتایا۔ ذوالفقار کی شعبدہ بازی میں اس مہارت کو دیکھ کر انہیں یہ مشورہ دوں گا کہ اس سے ہزار درجہ بہتر یہی تھا کہ اپنا آبائی پیشہ اختیار کرتے تو کم از کم ایک عالم مرتاض اور عارف کامل پر تہمت لگا کر حد قذف کے موجب تو نہ ہوتے مگر کیا کیجئے ان مداریوں کی قسمت میں عہد رسالت کے منافقین کا ترکہ ہی ہے، سب کو اپنے مورثین کی میراث کا استحقاق ہے۔ ان مداریوں نے بھی اپنے مورثین سے میراث پائی ہے، ان مورثین نے حضرت صدیقہ رفیقہ حبیب خدا پر بہتان باندھا تھا اور ان مداریوں نے فرزند رسول پر بہتان باندھا۔

تشابہت قلوبھم: اس کے جواب میں ہم صرف قرآن مجید کی ایک آیت پیش کررہے ہیں: **انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون۔** بے ایمان ہی جھوٹ گڑھتے ہیں۔

نوٹ: یہ مقالہ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، دسمبر ۱۹۸۷ء اور جنوری ۱۹۸۸ء کے شماروں میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔ (مرتب)

☆☆☆

---

(۱) سبع سنابل شریف ۱۲۹۹ھ میں پہلی بار مطبع نظامی میں حضرت مولانا شاہ احمد میاں خلف الرشید وخلیفہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کی فرمائش سے چھپی ہے۔ اس کے حاشیے میں آیات واحادیث وعربی عبارات کا ترجمہ اور اخیر میں خاتمے کے عنوان سے حضرت میر عبدالواحد کے تعارف کا اضافہ بھی ساتھ میں چھپا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خاتمہ یا تو موصوف نے خود لکھا ہے، یا اپنے کسی معتمد سے لکھوایا ہے، دونوں صورتوں میں حضرت موصوف کا اس سے اتفاق ظاہر ہے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ حضرت موصوف بھی سبع سنابل شریف کے مضامین سے متفق ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سلسلۂ فضل رحمانیہ کے مشائخ بھی سلسلۂ مداریہ کو منقطع مانتے ہیں۔ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ

حضور تاج العلماء قدس سرہ

آپ کا اسم گرامی اولاد رسول ہے اور مشہور محمد میاں سے ہیں۔ آپ کا لقب تاج العلماء ہے۔ آپ حضرت سیدنا شاہ محمد اسماعیل حسن قدس سرہ کے چھوٹے صاجزادے تھے۔ آپ کی ولادت ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۰۹ھ کو تاسین گنج سیتاپور میں آپ کے دادا سید شاہ محمد صادق کے دولت کدہ پر ہوئی۔ والدہ ماجدہ کا نام سیدہ منظور فاطمہ بنت سید شاہ نور المصطفےٰ بن حضرت سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم تھا۔

اولاد رسول فخر عالم محمد نام پر عقیقہ کیا گیا۔ مشہور محمد میاں کے نام سے تھے۔ بعض بزرگ ان کو محمد عالم بھی کہتے تھے۔ اس مناسبت سے کہ آپ کے بڑے بھائی سید شاہ غلام محی الدین کو فقیر عالم کہا جاتا تھا۔

تعلیم و تربیت:

اس سلسلہ میں حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے خود تحریر فرمایا ہے:

درسیات مروجہ مختصرہ فارسی اپنے حضرت والد ماجد دامت برکاتہم العالیہ اور منشی فرزند حسن صاحب ساکن قصبہ پالی ضلع ہردوئی اور مولوی میاں جی رحمت اللہ صاحب مارہروی سے پڑھیں۔ اور انہیں تینوں اور اپنے برادر معظم سید شاہ غلام محی الدین فقیر عالم مرحوم سے مشق خط کی۔

اور درسیات مروجہ درس نظامی عربی، فقہ واصول فقہ ونحو وصرف ومعانی وبیان ومنطق وفلسفہ وعقائد وکلام وتفسیر وحدیث وغیرہ اپنے والد ماجد قبلہ وکعبہ دامت برکاتہم العالیہ ومولوی سید حیدر شاہ صاحب ومولوی شاہ غلام رحمانی صاحب ولایتی وحافظ امیر اللہ صاحب بریلوی ومولانا مولوی عبد المقتدر صاحب بدایونی سے پڑھیں اور بعض دیگرے سے بھی چند اسباق پڑھے، ان درسیات کا غالب حصہ مولوی حیدر شاہ صاحب پشاوری سے پڑھا۔

علم حدیث وغیرہ کی سند فقیر کو اپنی خاندانی مسلسل حضرت والد ماجد صاحب قبلہ وحضرت نانا(۱) صاحب سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب سے بحمدہ تعالیٰ حاصل ہے۔

قرآن مجید فقیر نے اپنے حضرت والد ماجد قبلہ اور برادر معظم سید شاہ غلام محی الدین فقیر عالم وہمشیرہ معظمہ (اعجاز فاطمہ) اہلیہ سید مہدی حسن صاحب اور جناب استاذ مکرم حافظ عبدالکریم صاحب ملک پوری مرحوم سے حفظ کیا۔ اور حافظ امیر اللہ صاحب بریلوی اور بعض دیگرے سے بھی چند سبق پڑھے اور کچھ دور کیا (تاریخ خاندان برکات: ص ۶۵،۶۶)

بیعت وخلافت:

اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

بیعت طریقہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں اور اس سلسلہ اور نیز دیگر سلاسل عالیہ نقشبندیہ ابوالعلائیہ وچشتیہ نظامیہ وسہروردیہ جدیدہ قدیمہ میں اجازت وخلافت وبعض دیگر سلاسل وجملہ اوراد واذکار واشغال واعمال ووظائف واحادیث شریفہ وقرآن مجید ومصافحات وغیرہ تبرکات کی اجازت اپنے حضرت والد ماجد قبلہ وکعبہ دامت برکاتہم العالیہ حضرت سید شاہ اسماعیل حسن صاحب اور اپنے نانا صاحب زبدۃ الواصلین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہ سے حاصل کیا۔ (تاریخ خاندان برکات: ص ۶۶،۶۷)

سجادہ نشینی:

حضرت سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن صاحب قدس سرہ کا وصال ہو گیا۔ حضرت نے اپنی حیات ہی میں اپنے سلسلہ عالیہ غلبہ کا سجادہ نشین حضرت تاج العلماء کو بنا دیا تھا۔ اس کے مطابق حضرت سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن شاہ جی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس چہلم کے موقع پر حسب دستور قدیم خاندان برکاتیہ آپ سجادہ غوثیہ برکاتیہ پر رونق افروز ہوئے۔

---

(۱) حضرت نوری میاں صاحب قبلہ قدس سرہ آپ کے حقیقی نانا نہیں تھے بلکہ ان کی والدہ ماجدہ کے ماموں تھے۔ اس لیے ان کو نانا صاحب لکھا۔ آپ کے حقیقی نانا حضرت سید شاہ نور مصطفےٰ ابن حضرت سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہما تھے۔ (تاریخ خاندان برکات: ص ۵۸،۵۹)

دورِ انحطاط:

سراج السالکین حضور سیدنا ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ کے بعد خاندان برکات پر کچھ انحطاط کا دور آیا تھا۔ تاج العلماء لکھتے ہیں:

حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول قدس سرہ کے آخر عمر شریف میں بوجہ پیرانہ سالی وضعف قویٰ معذور ہوجانے کی بنا پر خانہ نشین ہوجانے کے بعد سے جو ہمارے خاندان پر ایک دور تاریکی جہالت کا آغاز ہوگیا اور جس کے مصائب واثرات سے بچنے کے لحاظ سے حضرت خاتم الاکابر نے حضرت میاں صاحب سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں قدس سرہ کو رسم مستمرہ خاندانی کے خلاف مارہرہ مطہرہ سے باہر رہنے کی اجازت دے دی۔ اور جس نے باستداد زمانہ یہ صورت پیدا کردی تھی کہ ایک اجنبی ہمارے روز مرہ کی معاشرت واعمال وافعال سے ہمیں ایسے نامور اور برگزیدہ اسلاف کے اخلاف ماننے کے لیے مشکل سے تیار ہوتا تھا۔ (تاریخ خاندان برکات: ص ۶۰،۶۱)

اس کا احساس حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن شاہ جی میاں قدس سرہ کو بشدت ہوا۔ انہوں نے سب سے پہلے خاندان کے افراد کی اصلاح اور تعلیم وتربیت پر پوری توجہ دی۔

تاج العلماء لکھتے ہیں:

اس دور تاریکی وجہالت میں علم وعمل کی روشنی حضرت قبلہ کی ذات گرامی نے پھیلائی۔ اپنے اعزہ واقربا کو قولاً وعملاً تحصیل علم دین وتعمیل احکام شرع متین کی ترغیب دی۔ خود اپنے شوق دلی سے علم دین پڑھا اور اپنے بزرگوں کے طریقہ مرضیہ پر عمل کیا اور اپنے بھائی بندوں، آل اولاد کو پڑھایا اور اپنے بزرگوں کے طریقہ پر چلانے میں جد وجہد خود براہ راست فرمائی۔ بہتوں کو قرآن مجید حفظ کرایا، بہتوں کو علم دین پڑھایا، اور پڑھوایا۔

(تاریخ خاندان برکات: ص ۶۱)

حضرت شاہ جی میاں صاحب قدس سرہ کی ان مساعی جمیلہ سے خاندان میں بہت کچھ اصلاح اور ترقی ہوئی۔

اپنے والد ماجد قدس سرہ کی تحریک کو حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے پوری توانائیوں کے ساتھ چلایا، اور آپ کی علمی روحانی توانائیوں کی بدولت سلسلہ برکاتیہ کے وابستگان کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مرشد کا آستانہ جیسے ان کے مرشد کے عہد پاک میں مرکزی آستانہ تھا، حضرت تاج العلماء کی بدولت پھر دنیا کو اس کی مرکزیت تسلیم کرنی پڑی۔

حضرت تاج العلماء کے بعد ان کے پروردہ تربیت یافتہ حضرت سید العلماء مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ اور احسن العلماء حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں صاحب کی بدولت آج دنیا کا گوشہ گوشہ براہ راست اس آستانہ سے وابستہ ہے۔ وابستگان کی صحیح تعداد کا معلوم کرنا مشکل ہے۔

حضرت تاج العلماء کے کارنامے:

حضرت تاج العلماء کا عہد بہت پرآشوب تھا۔ ہندوستان میں نئے نئے فرقے پیدا ہو چکے تھے۔ مثلاً غیر مقلد، دیوبندی، قادیانی، نیچری، صلح کلی، جس کی وجہ سے پورے ہندوستان میں انتہائی خلفشار مچا ہوا تھا۔ پھر اسی کے ساتھ ساتھ کانگریس کی آزادی کی تحریک زوروں پر تھی اور پورا ہندوستان جنونی کیفیت کے ساتھ کانگریس کے ساتھ وابستہ تھا۔ مسلمان اندھا دھند کانگریس میں شریک ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کے تمام لیڈر اور بڑے بڑے مشہور علما کانگریس کے ساتھ تھے۔ حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، علی برادران، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، دیوبندیوں کے شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی حتی کہ مسٹر محمد علی جناح بھی کانگریس میں شریک تھے۔ کانگریس کے ہندو لیڈر سارے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانس چکے تھے۔

اسی زمانہ میں ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد جب انگریز ترکوں کو دنیا سے نیست و نابود کرنے کے لیے کمربستہ تھے، تحریک خلافت شروع ہوئی۔ یعنی یہ فرض کرکے کہ ترکوں کی حکومت خلافت اسلامیہ ہے اور ترکوں کے بادشاہ سلطان عبد المجید خاں خلیفۃ المسلمین

ہیں۔ مسلمانوں کو یہ تاثر دے کر کہ خلیفۃ المسلمین کا تقرر فرض کفایہ ہے، اور خلافت اسلامیہ کو بچانا بقدر وسعت ہر مسلمان پر فرض ہے۔

کانگریس کے چالاک لیڈر اس تحریک کے ہم نوا ہو گئے، پورے ہندوستان میں آگ لگ گئی اور مسلمانوں میں کوئی فرد ایسا نہیں تھا جو کانگریس اور خلافت کمیٹی کے خلاف ایک لفظ سن سکتا تھا۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کانگریسی لیڈروں کی چالاکیوں کو اچھی طرح بھانپ رہے تھے۔ انہوں نے کانگریس اور خلافت کمیٹی کے نقصانات سے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا۔ اس سلسلہ میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے متعدد رسالے شائع ہوئے۔ جن میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کانگریس کے ہندو لیڈروں کے خفیہ منصوبوں کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً

یہ لوگ مومن کے بارے میں دوستی اور عہد کا کوئی پاس نہیں کریں گے۔

اور فرمایا:

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ

عداوت ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں چھپی ہے بہت بڑی ہے۔

اور ارشاد ہے: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا۔

تم ایمان والوں کا سب سے زیادہ سخت دشمن یہود اور مشرکین کو پاؤ گے۔

لیکن ہندوستان کے مسلمانوں نے یہ سب ان سنی کر دی۔ ان کے لیڈروں کا حال یہ تھا کہ انہوں نے گاندھی کو نبی بالقوۃ کہا۔ مذکر من اللہ کہا۔ مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی نے صاف صاف لکھ دیا کہ میرا حال تو گاندھی کے بارے میں یہ ہے:

عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت
رفتے و نثار بت پرستے کردے

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی اس تحریک میں حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں اور حضرت تاج العلماء قدس سرہ اعلیٰ حضرت کے دوش بدوش رہے، اور انہوں نے کانگریس کی تحریک کے خلاف متعدد رسالے لکھے۔

(۱) قرآنی ارشاد اور ہندو مسلم اتحاد

(۲) کیا نان کو آپریشن شرعی ترک موالات ہے؟

(۳) خطبہ صدارت جماعت انصار الاسلام

(۴) گاندھیوں کا اعمال نامہ

(۵) لیڈروں کا کارنامہ

(۶) التحقیقات الشرعیہ فی رد الخباثات الگاندھویہ

(۷) مجموعہ مکاتبات فقیر و مولوی عبد الباری

(۸) فتنہ ارتداد اور ہندو مسلم اتحاد

(۹) رسالہ ورد مغالطات گاندھویہ

لیکن علماء اہلسنت و مشائخ اہل سنت کی ساری کوششیں تقریباً رائیگاں گئیں۔

چند ہی خدا کے ایسے بندے ملے جنہوں نے علمائے اہل سنت کی باتوں کو بغور سنا، اور سمجھا لیکن جب احمد آباد کانفرنس میں مسلمان لیڈروں کے ہزار مطالبے کے باوجود کانگریس نے جداگانہ انتخاب ختم کر کے مخلوط انتخاب پاس کردیا اور پھر مسٹر جناح کے اس مطالبے کو کہ مسلمانوں کے لئے تمام فیصد سیٹیں محفوظ کردی جائیں، انتہائی بے دردی کے ساتھ مسترد کردیا تو مسلم لیڈروں کی آنکھ کھلی، اور کانگریس سے الگ ہوگئے۔ مسٹر محمد علی جناح تو ناراض ہو کر لندن چلے گئے۔

کتنا بڑا سانحہ ہے کہ مسلمان کہلانے والے لیڈروں نے اپنے غرور ونخوت میں علماء کی بات نہیں سنی اور حد یہ ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے اللہ عزوجل کے ارشادات کو بھی پس پشت ڈال دیا اور جب کانگریسی لیڈروں نے ان لوگوں کی ہزار نیاز مندیوں کے باوجود اپنی من مانی کرلی تو آنکھ کھلی۔ اس وقت ہندوستان کے باہوش سنجیدہ طبقہ کو ماننا پڑا کہ

مجدِ اعظم اعلیٰ حضرت اور خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشین حضرات نے بروقت مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اعلیٰ حضرت اور مشائخ مارہرہ کی سیاسی برتری کو دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔

مسلم لیگ:

کانگریسیوں سے مقابلہ کے وقت مجدِ اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ حیات تھے، لیکن جب مسلم لیڈروں نے کانگریس سے مایوس ہوکر مسلم لیگ میں شریک ہوکر مسلمانوں کی الگ تنظیم کی حمایت کی تو یہ دور گاندھویوں کے دور سے بھی زیادہ پرآشوب تھا۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا وصال ہوچکا تھا، اور ان کے وارثین مسلم لیگ کے مقابلے میں خاموش تھے بلکہ خانوادے کے کچھ اطفال کھلم کھلا مسلم لیگ کے حامی تھے۔ مسلم لیگ کا جنون اتنا بڑھا کہ ان کے لیڈر شتر بے مہار ہوچکے تھے حد یہ ہے کہ مسٹر محمد علی جناح کے بارے میں یہ کہا گیا۔

تیرے رخ سے پرتو شبیر و شبر آشکار
تو سیاست کا نبی قانون کا پروردگار

مگر ساری دنیا خاموش رہی۔ حضرت تاج العلماء قدس سرہ کے دفتر فضائل کا یہ زریں ورق ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ کی بے راہ روی پر سخت دارو گیر کی۔ اور لیگ کے جنونی حامیوں کے تیر و نشتر سے حتیٰ کہ بہت سے اپنوں کے بھی طعن و تشنیع برداشت کیے مگر جبل استقامت بنے ہوئے اپنی جگہ ڈٹے رہے۔

مطالبہ پاکستان:

مسلم لیگ نے بہت کوشش کی کہ کانگریس جداگانہ انتخاب یا پھر مسلمانوں کے لئے محفوظ سیٹ کا مطالبہ منظور کرلے، لیکن کانگریس کے مغرور لیڈرس سے مس نہیں ہوئے، مایوس ہوکر مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ کردیا۔ جن صوبوں میں مسلم اکثریت ہے وہ مسلمانوں کو دے دیے جائیں اور جن صوبوں میں ہندو اکثریت ہے وہ کانگریس کو دے دیے جائیں۔

کانگریسیوں نے نظریہ پاکستان کی شدید مخالفت کی، کانگریسیوں نے جتنی شدت

سے اس کی مخالفت کی، اتنی ہی شدت سے مسلمانوں نے اس کی حمایت کی، بالآخر شملہ کانفرنس میں کانگریسیوں نے بھی نظریہ پاکستان کو تسلیم کرلیا، مگر اس میں یہ ترمیم کرادی کہ مشرقی پنجاب کے جن اضلاع میں ہندو اکثریت ہے، اسی طرح بنگال کے جن مغربی اضلاع میں ہندو اکثریت ہے وہ ہندوستان کو دیے جائیں۔ اسی کے مطابق عمل درآمد ہوا۔ لیکن جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن سرحد قائم کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے کسی نا معلوم دباؤ کی بنا پر بہت سے ایسے علاقے جہاں مسلم اکثریت تھی ہندوستان کو دے دیے، مثلاً بنگال میں دیناج پور کا غربی علاقہ اور پنجاب میں گورداس پور وغیرہ۔ شملہ قرار داد کے مطابق پورا آسام پاکستان کو ملنا چاہئے تھا، لیکن صوبہ آسام کے صرف دو اضلاع پاکستان کو ملے بقیہ سب ہندوستان کو۔

مجھے اس سے بحث نہیں کہ ہوا کیا اور کیسے ہوا مجھے سر دست مطالبۂ پاکستان کی سیاسی حیثیت پر گفتگو کرنی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو حصہ پاکستان کو ملا وہاں کے مسلمان ہندوؤں کے پنجہ استبداد سے آزاد ہو گئے لیکن وہ صوبے جات جو ہندوستان کو ملے وہاں کے مسلمان سو فیصد ہندوؤں کے بدترین غلام ہو گئے، جس کی دلیل آج ہندوستان میں مسلمانوں کا حال زار ہے۔ سیکولر اسٹیٹ کا مقتضا تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو پارلیمنٹ میں، اسمبلیوں میں آبادی کے تناسب کے لحاظ سے جگہیں ملتیں۔ اعلیٰ کاروبار اور تجارت کے لیے ان کو لائسنس ملتے، لیکن حال یہ ہے کہ یہ سب دروازے مسلمانوں کے لیے تقریباً بند ہیں آپ خیال فرمائیے کہ غیر منقسم ہندوستان میں یوپی کے مسلمان ممبروں کی تعداد باون تھی اور آج کل یوپی اسمبلی میں ۱۵ / ۱۶ مسلمان ہیں، اور یہی حال گورنمنٹ کی ملازمتوں، اعلیٰ کاروبار کرنے اور تجارتوں کے لائسنس کے بارے میں بھی ہے۔ مرکز کا حال صوبوں سے بھی بدتر ہے۔ عثمان بریگیڈیر عبدالحمید بریگیڈیئر کے پاکستان کے مقابلے میں اہم کارنامے اور پھر موت سے بھی ہندوؤں کو اعتماد نہیں ہوا آج بھی ہندوؤں کی نظر میں مسلمان ہندوستان کے غدار نظر آتے ہیں۔ پھر فسادات کے ذریعہ سے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی کتنی کوشش کی گئی وہ کسے نہیں معلوم؟ بابری مسجد کی شہادت اور وہاں رام مندر کی تعمیر کیا اس قابل ہے کہ ایک غیرت مند مسلمان یہ سب

برداشت کر سکے۔

پاکستان نے ہندوستان کے مختصر سے رقبہ کے مسلمانوں کا مسئلہ حل کیا یا نہیں؟ اس سے ہمیں سردست بحث نہیں مگر پاکستان نے ہندوستان کے بڑے رقبے کے مسلمانوں کو ہندوؤں کا غلام بنا دیا ہے۔

اس خطرے کو ہمارے اکابر میں حضرت تاج العلماء حضور حافظ ملت، حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے اسی وقت بھانپ لیا تھا، جب کہ غیر منقسم ہندوستان کے سارے مسلمان یہ نعرے لگا رہے تھے۔

"لے کے رہیں گے پاکستان۔ مر کے لیں گے پاکستان، کٹ کے لیں گے پاکستان۔

ہمارے ان اکابر نے ان سب خطرات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا لیکن چوں کہ مسلمانوں کی اکثر آبادی کی قسمت میں ہندوؤں کی غلامی لکھی تھی، اس لیے ان کی اکثریت کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔

ہونا یہ چاہیے تھا کہ مطالبہ پاکستان سے ہٹ کر جداگانہ انتخاب، یا محفوظ سیٹ کے مطالبے پر اڑ جاتے، آزادی ہندوؤں کو نہیں دینی تھی، انگریزوں کو دینی تھی۔

انگریزوں نے اپنے عہد میں جداگانہ انتخاب رکھا تھا، اگر جداگانہ انتخاب کے مطالبے پر مسلم لیگ اڑی رہتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ہندو اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

اس سلسلے میں دیوبندی علما کا رویہ سخت قابل افسوس ہو رہا۔ مولوی محمود الحسن سے لے کر مولوی حسین احمد اور حفظ الرحمٰن تک صرف کانگریس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے حتی کہ مسٹر گاندھی نے کہا کہ قوم مذہب سے نہیں ملک سے بنتی ہے۔ تو دوسرے دن مولوی حسین احمد نے کہا کہ قوم ملک سے بنتی ہے یہ قرآن مجید کی ڈیڑھ سو آیتوں سے ثابت ہے جس پر ڈاکٹر اقبال نے کہا۔

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر زمقام محمد عربی ست

دیو بندی مولویوں کی کانگریسی لیڈروں کی مسلسل ہاں میں ہاں ملانے پر اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

یہ کانگریسی ملا تم کو بتاؤں کیا ہیں
گاندھی کی پالیسی کے عربی میں ترجمہ ہیں

ایسے وقت میں جب کہ پورا ملک ایک رو میں بہہ رہا ہو، عموماً بڑے بڑے مدبرین مفکرین بھی بہہ جاتے ہیں لیکن خانقاہ برکاتیہ کا طرۂ امتیاز رہا کہ اس نے ہمیشہ اہم سے اہم موقعوں پر قوم کی رہنمائی کی اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی عام خانقاہیں بک گئیں مگر خانقاہ برکاتیہ کے بکنے کی بات بہت دور کی ہے کسی کو اس کی ہمت بھی نہ ہوئی کہ اسے خریدنے کی سوچے۔

ہندوستان پر ہندوؤں کا تسلط عام ہونے پر ہندوستان میں ہندوستان کی خانقاہوں میں کیا کیا گل کھلائے، ان سب کو بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے، جن خانقاہوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے مورث اعلیٰ نے تخت وتاج ولایت مار کر درویشی اختیار کی ہے، ان کا عالم یہ میں نے دیکھا کہ پارلیمنٹ اور اسمبلی کے ٹکٹ کے لیے ہندو لیڈروں کے پیچھے پیچھے بھاگے پھرتے ہیں، حد یہ ہے کہ اس خانقاہ کے سب سے بڑے بزرگ کا یہ جملہ خود میں نے اپنے کان سے سنا کہ ہمارے باپ دادا نے ہمارا دین بچانے کے لیے اپنا خون دیا، تم لوگ ہم کو ووٹ نہیں دو گے؟ یہ سن کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور دل میں یہ کہہ کر اسٹیج سے اتر آیا کہ یہ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی کھلی ہوئی توہین ہے اس جملے کو آپ واپس لیں، لیکن انہیں رجوع کی توفیق نہیں ہوئی۔

خانقاہ برکاتیہ کے وارثین چاہتے تو انہیں بڑے سے بڑا عہدہ مل سکتا تھا مگر انہوں نے اپنے آبائے کرام کی عظمت کو ہمیشہ باقی رکھا، اور کبھی اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اگر کانگریس میں شریک ہو کر مولوی محمود الحسن شیخ الہند کہلائے جا سکتے تھے، اور مولوی حسین احمد ٹانڈوی شیخ الاسلام کی پدوی حاصل کر سکتے تھے اگر خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشین کانگریس میں

شریک ہوجاتے تو ان کو کانگریس کے دربار سے کیا کیا خطابات اور عہدے ملتے وہ کسی پر مخفی نہیں لیکن ان اللہ والوں نے اپنے اسلاف کی روش پر قائم رہ کر دین وملت اور اسلام ومسلمین کی صحیح رہنمائی کے فریضہ کے ادا کرنے میں ان مزخرفات کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ استقامت علی الحق، تصلب فی الدین ہماری سرکاروں کا طرۂ امتیاز رہا اور اب بھی ان کے جانشین اسی روش پر قائم ہیں۔

رد بدمذہباں:

آج بلکہ پہلے بھی کچھ لوگ بدمذہبوں کے رد کو بہت معیوب سمجھتے ہیں حالانکہ یہی ترقی یافتہ لوگ اپنے نظریہ کے مخالفین کے رد میں وہ کچھ کر گذرتے ہیں جو انسانیت کے بھی منافی ہوتا ہے۔

کانگریسی مسلم لیڈران اور لیگ کے لیڈران بدمذہبوں کے رد پر کیا کیا پھبتیاں کستے تھے لیکن کانگریسی لیڈر لیگی لیڈروں اور لیگی لیڈر کانگریسی لیڈروں کو کیا کہتے تھے اور کیا کیا لکھتے تھے، جس کا جی چاہے، اخبار کی پرانی فائلوں کو اٹھا کر دیکھ لے۔ دنیوی امور میں اگر کسی کا اختلاف ہوجائے تو اس کی خیر نہیں تھی لیکن ایک انسان مذہبی طور پر کتنا ہی گمراہ ہو اس کے خلاف اگر علماء کچھ فرماتے ہیں تو علماء کو جھگڑالو، فتنہ پرور، مسلمانوں کو لڑانے والا کہنے میں انہیں عار نہیں ہوتی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کی شہ پر متعدد نئے فرقے پیدا ہوئے جن میں سب سے قدیم فرقہ وہابی ہے، جس کی بنیاد ۱۸۵۷ء سے پہلے مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان لکھ کر ڈالی تھی۔ مگر اس وقت کے دہلی کے علمائے اہل سنت کی متفقہ کوششوں اور جدو جہد سے ان کی تحریک وہابیت دب گئی۔ اگر چہ انگریزوں نے اسے زندہ رکھنے کی بھرپور کوششیں کیں جن کی بقدر ضرورت تفصیل میری کتاب ''منصفانہ جائزہ'' کے مقدمہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد جب دیوبند میں مدرسہ قائم ہوا اس کی بدولت وہابیت میں نئی جان آگئی، جس کی وجہ سے علمائے اہل سنت کو اس طرف پوری توجہ دینی پڑی مگر اس

خصوص میں جس ذات مقدس نے سب سے اہم خدمات انجام دیں وہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات گرامی ہے۔ یہ زمانہ مارہرہ مطہرہ میں سراج السالکین حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ اور حضرت مولانا سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن شاہ جی میاں قدس سرہ کا تھا۔

خانقاہ برکاتیہ سے بدمذہبوں کا رد ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔ وہابیوں سے پہلے اودھ میں نواہان اودھ کی سرپرستی کے سبب سے رافضیت اور شیعیت کا بہت زور تھا، خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشین صاحبان نے اس کا پورا شدومد کے ساتھ رد فرمایا۔ کتابیں لکھیں اور پھر جب وہابیت نے سر اٹھایا تو اس وقت کے سجادہ نشین صاحبان نے وہابیت کے رد وطرد میں کوئی کمی نہیں کی۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے خانقاہ برکاتیہ کے بزرگوں کا ایک تعلق یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت اس بارگاہ کے مرید ہی نہیں بلکہ ممتاز خلیفہ وماذون تھے، اور دوسرا تعلق اس وجہ سے بھی ہوا کہ اعلیٰ حضرت خانقاہ برکاتیہ کے مشن کے سب سے اعلیٰ عمدہ ترجمان تھے اور مسلمانوں کے لیے، معتزحریک وہابیت کے لیے شمشیر براں تھے۔

ایسا نہیں کہ خانقاہ برکاتیہ کے حضرات اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی اتباع میں اور ان سے متاثر ہوکر رد وہابیت میں ہمہ تن مصروف تھے۔ یہ حضرات بذات خود اپنے اسلاف کے طریقۂ مرضیہ اور مذہب مہذب کے لیے وہابیت کو زہر ہلاہل سمجھتے تھے، اس لیے وہ خود اپنی صواب دید کے مطابق رد وہابیہ کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عظمت اور توقیر اس لیے بھی تھی کہ اعلیٰ حضرت ان کے مشن کو بہت خوبی اور عمدگی کے ساتھ پھیلا رہے تھے اور یہ تعلق اتنا بڑھا کہ احسن العلماء فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے گھر کے بچوں کی گھٹی میں اعلیٰ حضرت کی محبت اور عظمت پلائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خانقاہ برکاتیہ کا ہر ہر فرد اعلیٰ حضرت کا گیت گاتا رہتا ہے۔ اعراس اور اجلاس میں اس مقدس خانقاہ کے سجادہ نشین ودیگر افراد اعلیٰ حضرت کے فضائل ومناقب بیان کرنے سے تھکتے نہیں۔

خانقاہ برکاتیہ کا موقف ہمیشہ سے یہی رہا کہ انہوں نے کلیات تو کلیات، اصول تو

اصول فروع میں بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فتوے پر عمل فرمایا۔ مثلاً اذان ثانی کا مسئلہ۔ بدایوں سے خانقاہ برکاتیہ کا تعلق سیدنا سرکار آل احمد اچھے میاں قدس سرہ کے بہت چہیتے خلیفہ تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مارہرہ شریف سے جو تعلق قائم ہوا وہ بھی تاج الفحول محب الرسول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ذریعہ قائم ہوا۔ وہی اعلیٰ حضرت کو مارہرہ مطہرہ لائے اور خاتم الاکابر سے مرید کرایا۔

لیکن جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ فتویٰ دیا کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے باہر ہونا سنت ہے، اور منبر کے متصل مسجد کے اندر خطیب کے سر پر سنت کے خلاف ہے۔ تو حضرت مولانا سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن شاہ جی میاں صاحب قدس سرہ خانقاہ برکاتیہ کی مسجد میں اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کے مطابق جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے باہر کہلائی شروع کی۔ حالانکہ بدایوں کے لوگ اس فتویٰ کے بشدت مخالف تھے یہ زمانہ بدایوں میں حضرت مولانا عبدالمقتدر صاحب مرحوم کا تھا، انہوں نے اعلیٰ حضرت کے رد میں کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی تھی، اور اس وقت تک مارہرہ شریف اور بدایوں کے تعلقات میں کوئی کشیدگی بھی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود کہ بدایوں سے تعلقات بہت قدیم تھے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے جدید۔ مگر چوں کہ حق اعلیٰ حضرت کے ساتھ تھا اس لیے خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشینوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فتویٰ پر عمل فرمایا اور قدیم تعلقات کی پرواہ نہیں کی۔

اس سلسلہ میں کچھ بدمزگیاں بھی ہوئیں جس کا تذکرہ برکات مارہرہ ومہمانان بدایوں میں ہے، حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حمایت میں اور بدایونی حضرات کے رد میں تین رسالے بھی لکھے۔ بدایونی مبحث الاذان، شافی جواب پر کافی ایرادات، بدایونی تحریر کے شافی جواب۔

بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ بات یہ چل رہی تھی کہ جب وہابیت نے سر اٹھایا تو خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشین حضرات نے اس کی پوری پوری سرکوبی کی۔ حضرت تاج العلماء نے رد وہابیہ میں متعدد رسالے تصنیف فرمائے جن میں (۱) القول الفصیح فی امتناع الکذب القبیح (۲) تفہیم المسائل (۳) حق کی فتح مبین وغیرہ ہیں۔

خانقاہی تبلیغ وارشاد:

خانقاہیں عام طور پر مناظرہ، مجادلہ، رد وطرد کی عادی نہیں۔ وہاں ذمہ داران اپنی نجی مجلسوں میں اپنے مریدین ومتوسلین میں زبانی طور پر اور اپنی روحانیت کے اثرات سے تزکیہ نفس کرتے ہیں۔ عقائد اور اعمال کی اصلاح کرتے ہیں۔

اس لیے مشاہیر بزرگان دین کے کارناموں میں تصنیف وتالیف تقریباً کالعدم ہے۔ حضرت غریب نواز سلطان الہند ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے دم قدم سے ہندوستان میں اسلام کی بہار قائم ہے۔ مگر ان کی کوئی تصنیف وتالیف نہیں۔

خانقاہ برکاتیہ کا بھی اصل طریقہ کار یہی تھا کہ وہ اپنے مریدین ومعتقدین میں ایسی روح پھونک دیتے تھے کہ مریدین عقیدے میں صحیح اور شریعت کے پابند ہوتے تھے۔ میں نے حضرت تاج العلماء کے مریدین کو دیکھا، حسب سنی اور پورے طور پر پابند شریعت، حق گوئی میں دلیر۔ اب بھی تاج العلماء قدس سرہ کے کچھ مریدین موجود ہیں، جس کا جی چاہے ان سے ملاقات کر کے ہماری بات کی تصدیق کر لے۔ ان کے کسی مرید کو میں نے مداہن، عقیدے میں سست نہیں پایا۔ اور اکثر کو شریعت کا کما حقہ پابند پایا۔ حالانکہ وہ لوگ پڑھے لکھے نہیں بلکہ اکثر ایسے ہیں کہ اردو پڑھنا بھی نہیں جانتے۔ یہ سب حضرت تاج العلماء قدس سرہ کی روحانی تربیت کا اثر ہے۔

تاج العلماء کا طریقہ تربیت سلف کا نمونہ تھا۔ برادرم جناب الحاج ابو بکر صاحب عرف حاجی ابو کا بیان ہے کہ حضرت تاج العلماء قدس سرہ کراچی میں مقیم تھے، میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سینما دیکھنے کے لیے نکلا۔ اتفاق سے ٹکٹ نہیں ملا تو خیال آیا کہ حضرت تاج العلماء قدس سرہ تشریف فرما ہیں چلیں ان کی زیارت کر لیں۔ ہم لوگ بوشرٹ پینٹ پہنے ہوئے تھے، ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، دست بوسی کے بعد بیٹھے۔ حضرت تاج العلماء بہت خندہ پیشانی سے ملے، خیر وعافیت پوچھی سب کا کام پوچھا اور اس سلسلہ کی چند باتیں کہاں رہتے ہو وغیرہ پوچھا۔ اس کے بعد سینما بینی کی برائیاں اس کے نقصانات بیان

فرمائے۔ اور پینٹ بوشرٹ کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا۔ حاجی ابو صاحب کا بیان ہے کہ میں پہلے تو حیرت میں پڑ گیا کہ اتنا سچا کشف ہے اور وہیں سینما دیکھنے سے توبہ کی اور پھر کبھی نہیں دیکھا۔ گھر آ کر بوشرٹ پینٹ اتارا تو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اب حاجی ابو کا رنگ یہ ہے کہ اگر کوئی اجنبی ان سے ملے تو سمجھے گا کہ کوئی تاجر نہیں کسی خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ یہ تو صرف میں نے بطور مثال ذکر کیا۔ ایسے بہت سے تاج العلماء کے مریدین ہیں جو اس قسم کے واقعات سناتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت سے تعلقات:

خانقاہوں میں یہ غرور عام ہے کہ ان کا ہر ہر فرد بے علم ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو وقت کا سب سے بڑا مفتی سمجھتا ہے، عالم سمجھتا ہے، محدث سمجھتا ہے اور اجلہ علمائے کرام کی تحقیر وتذلیل ان کا عام وظیفہ ہو گیا ہے۔ لیکن الحمد للہ تبارک وتعالیٰ خانقاہ برکاتیہ اس وبا سے پاک ہے۔ وہاں علما کا ان کے شایان شان اعزاز واکرام ہوتا ہے۔ اور یہ سب ثمرہ ہے اس تربیت کا جو اس خانقاہ کے بزرگوں نے اپنے اخلاف کو دی ہے۔

حضرت تاج العلماء قدس سرہ بہت زبردست عالم تھے۔ اور ایک عظیم مفتی، محدث، مفسر، کثیر المطالعہ بزرگ تھے۔ حافظہ قوی تھا، جو کچھ پڑھتے محفوظ رکھتے۔ انتہائی ذکی ذہین، فطین، نکتہ رس، طباع تھے جس پر ان کی تحریرات شاہد ہیں۔

اس علم وفضل کے ساتھ ساتھ خانقاہ برکاتیہ جیسی مرکزی خانقاہ کے سجادہ نشین بھی تھے۔ اس دو آتشے کی وجہ سے عام خانقاہوں کی روش کے مطابق چاہیے تو یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو بھی خاطر میں نہ لاتے۔ لیکن حضرت تاج العلماء اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے بہت متاثر تھے، اس کے باوجود کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے کچھ پڑھا نہیں تھا مگر اپنا استاذ سمجھتے تھے۔

تحریر فرماتے ہیں:

اور فقیر کو اگر چہ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا صاحب بریلوی قدس سرہ سے تلمذ ری حاصل نہیں، مگر فقیر ان کو اپنے اکثر اساتذہ سے بہتر وبرتر اپنا استاذ جانتا ہے۔ ان کی تقریرات وتحریرات سے فقیر کو بہت کثیر فوائد دینی وعلمی حاصل ہوئے۔ اور چوں کہ تحریر وتقریر میں

ان کا طریقہ بے لوث اور مواخذات صوری و معنوی شرعی و عرفی سے منزہ و مبرا ثابت و محقق ہوا۔ لہذا فقیر بھی تا بہ وسعت ان کے طریقہ کا اتباع کرنا پسند کرتا ہے۔ (خاندان برکات ص ٦٦)

اس کے باوجود کہ حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے کچھ کتابیں جناب مولانا عبد المقتدر سے بھی پڑھیں، اور مسئلہ اذان ثانی میں مرحوم ہی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلاف بدایوں میں محاذ کھولا تھا، مگر حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا اتباع کیا، نہ کہ صرف اتباع کیا بلکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حمایت میں بدایونی حضرات کا رد کیا۔

اس خصوص میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حمایت اس درجہ فرمائی کی ہاں عظمت و کمال اور سجادہ نشین ہونے کے بدایونیوں کے خلاف اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حمایت میں بدایوں کچہری میں تشریف لے گئے۔

مقدمہ بدایوں:

قصہ یہ ہوا کہ مسئلہ اذان ثانی میں بدایونی حضرات نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر ہتک عزت عرفی کا بدایوں میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اس مقدمہ میں بدایونی حضرات نے بہت کوشش کی کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ بدایوں ملزم کی حیثیت سے تشریف لائیں اور ملزم کی جگہ کٹہرہ میں کھڑے ہوں، اس کے لیے سمن گیا، اعلیٰ حضرت نے لینے سے انکار فرما دیا۔ بدایونی حضرات نے وارنٹ جاری کرایا، جو تعمیل نہ ہو سکا۔ اور سول سرجن کے اس سرٹیفکیٹ پر کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بہت ضعیف، بیمار، کمزور ہیں کچہری میں جانے کی ان میں قوت نہیں۔ اعلیٰ حضرت کو متعلقہ حاکم نے حاضری سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اور مقدمہ کی کاروائی آگے بڑھی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی طرف سے حضرت تاج العلماء قدس سرہ بھی تھے۔

بدایونی وکیل نے یہ درخواست پیش کی کہ حضرت تاج العلماء کی صفائی مدعیٰ علیہ کے حق میں قابل قبول نہیں کیوں کہ یہ ان کے پیرزادہ ہیں۔

اس کے جواب میں تاج العلماء نے فرمایا کہ مدعیان کا بھی پیرزادہ ہوں۔ اس لیے کہ ان کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا عبد المجید صاحب عین الحق رحمۃ اللہ علیہ میرے جد امجد

حضور سیدنا سید ابوالفضل آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ کے خلیفہ ہیں ۔ نیز میں مدعیوں سے بہ نسبت مدعی علیہ کے یوں بھی زیادہ قریب ہوں کہ میں نے مولانا عبد المقتدر صاحب مرحوم سے کچھ اسباق پڑھے ہیں، جس پر حاکم نے بدایونی وکیل کی درخواست مسترد کردی ۔ اور حضرت تاج العلماء کو گواہ تسلیم کرلیا۔ اس مقدمے کا فیصلہ یہ ہوا کہ بدایونی دعویٰ خارج ہوا اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ باعزت بے داغ بری ہوئے ۔ یہ خبر جب اعلیٰ حضرت کو ملی تو فرمایا ”بدایوں ہی تھا (یعنی مقدر یہی تھا)

جب بدایونیوں کی طرف سے اس پر بہت زیادہ زور صرف کیا گیا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کچہری میں ضرور تشریف لائیں تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: احمد رضا تو احمد رضا، احمد رضا کی جوتی بھی کچہری میں نہیں جائے گی ۔ انہوں نے اپنی سرکار میں میرے خلاف مقدمہ دائر کردیا ہے، میں نے بھی اپنی سرکار میں اپنا مقدمہ دائر کردیا ہے اور ہوگا وہی جو میرے سرکار چاہیں گے ۔ میں اس کا تذکرہ نہ کرتا مگر بہار کے ایک صاحب بدایوں اور بریلی کے اختلاف کو بہت غلط رنگ سے لکھ لکھ کر چھاپ رہے ہیں ۔ اگر چہ ان کا چھاپا آسمان پر تھوکنے والے کی طرح انہیں کے منہ پر آرہا ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ کچھ ناواقف غلط فہمیوں کے شکار ہوں ۔

یہاں ہر سنجیدہ متین آدمی کے لیے سوچنا یہ ہے کہ اذان ثانی کا مسئلہ ایک جزئی مسئلہ تھا، اس میں اگر حضرات بدایوں کو اختلاف تھا تو انہیں اپنی بات سنجیدگی اور متانت کے ساتھ لکھ کر چھاپنے کا حق تھا اور پھر اس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور ان کے متعلقین کو بھی یہ حق تھا کہ ان کا رد لکھتے اور انہوں نے لکھا۔ لیکن کچہری میں جا کر ایک علمی بحث میں عاجز آکر مقدمہ دائر کرنا نہ اہل علم کی شان کے لائق ہے اور نہ دین داری ہے ۔ ایک فروعی مسئلہ میں چراغ پا ہونا ہی غلط ہے ۔

رہ گیا تحریروں پر مواخذہ وہ بدایوں کے حضرات نے بھی کیا، اور بریلی کے حضرات نے بھی کیا۔ اب اگر بریلی کا مواخذہ بھاری پڑ گیا تو اس میں بریلی والوں کا کیا قصور! آپ نے ایسی بات ہی کیوں کی کہ پھنسیں ۔ میری شروع سے روش یہی رہی کہ اکابر کے کسی اختلاف کو بھول جایا جائے، اور حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ

اللہ علیہ کے عہد پاک تک بریلی اور بدایوں کے مابین جو محبت وعقیدت کے تعلقات تھے وہ پھر قائم ہو جائیں ۔ اور اب سے ایکدوسرے پر نہ کیچڑ اچھالی جائے نہ افترا، اور نہ بہتان باندھا جائے۔ مجھے یہ خبر ملی اور تصدیق بھی ہو چکی ہے کہ بدایوں کے ذمہ دار افراد اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا جب نام لیتے ہیں تو مولوی احمد رضا خاں مرحوم کہتے ہیں ۔انہیں اپنے اس رویہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

بات یہ چل رہی تھی کہ حضرت تاج العلماء قدس سرہ ہاں کمال ظاہری وباطنی وروحانی اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے کتنی عقیدت رکھتے تھے ۔ان کو اپنے اساتذہ سے بھی بہتر وبرتر جانتے تھے۔

میں نے حضرت تاج العلماء قدس سرہ کی زیارت نہیں کی ہے، حالانکہ ان کا کثیر زمانہ میں نے پایا لیکن ان کے فضل وکمال کو ان کی تصنیفات ان کے جانشین ان کے مریدین معتقدین سے سنا۔ اس لیے ان کی عظمت وعقیدت میرے دل میں اتنی زیادہ ہے کہ میں ان کو حقیقی معنوں میں تاج العلماء ہی نہیں تاج الاولیاء سمجھتا ہوں۔

☆☆☆

صدر الشریعہ
ایک جامع صفات اور ہمہ گیر شخصیت

تمام میکدہ سیراب کر دیا جس نے
نگاہ یار تھی جام شراب تھا کیا تھا؟

صدر المدرسین، شیخ المحدثین، استاذ المتکلمین صدر الشریعہ، بدر الطریقہ حضرت مولانا شاہ محمد امجد علی قدس سرہ العزیز "مصنف بہار شریعت" "شارح طحاوی کی ذات گرامی کی حیثیت ہماری جماعت میں وہی ہے جو کائنات میں آفتاب عالم تاب کی ہے۔ یہ پوری دنیا میں رنگ وروغن، نور ونکہت، توانائی وحرارت کے سرچشمہ کی ذات ہے، جو یومیہ کروروں من رنگ گری وروشنی اپنے خزانہ عامرہ سے دنیا کو بخش کر عالم رنگ وبو کی بہاروں، رعنائیوں، توانائیوں کو باقی رکھے ہوئے ہے اور صبح قیامت تک باقی رکھے رہے گا۔

ہمارے علمی مراکز، دینی اداروں، اونچی سے اونچی خانقاہوں میں جھانک کر دیکھو گے تو کہہ اٹھو گے۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

بلا واسطہ فیض یافتگان تو اب صرف دو ایک رہ گئے لیکن بواسطہ فیض یافتگان کی اگر کوئی فہرست بنائی جائے تو میرا اپنا اندازہ ہے کہ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔

دینی خدمات کے جتنے بھی مناصب ہیں ان پر فائزین کو شمار کیجئے تو باستثنا دو چار کے سبھی حضرت صدر الشریعہ کے تلامذہ کے سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔

دار الافتاء کا جائزہ لیجئے۔ تمام دار الافتاء کے مسند نشین اسی مخزن علم وحکمت کے وارث ہیں۔ مدرسین کا سروے کیجئے تو آپ کو ہر دار العلوم، ہر مدرسہ میں اسی استاذ الکل فی الکل کے تلامذہ نظر آئیں گے۔ مصنفین کا جائزہ لیجئے تو سب کے سب اسی خرمن علم کے خوشہ چیں ملیں گے۔ مقررین وخطباء پر نظر ڈالئے تو وہ سب اسی منبع فیض وبرکت کی بارگاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ مشائخ سلاسل میں جو صاحبان علم وفضل ہیں انہیں کھنگالیے تو ان سب کو علم وفضل کی دولت اسی داتا کی بارگاہ سے ملی ہے۔ اگر مضمون کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو آج کے تمام مشاہیر کا نام لے لے کر بتا دیتا اور دکھا دیتا کہ فلاں شیخ نے فلاں مدرسے میں فلاں سے پڑھا ہے اور وہ بواسطہ یا بلا واسطہ حضرت صدر الشریعہ کے تلمیذ ہیں

لیکن یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ایسے محسن اعظم کی جن کے منت کش احسان کی تعداد ہزار ہا ہزار ہے، ان کو دنیا سے گئے ہوئے نصف صدی گزر رہی ہے، لیکن جمود وتعطل اور بے حسی کا عالم یہ ہے کہ ایسے ملت کے محسن ومقتدا کی شایان شان تو بڑی بات ہے کوئی مختصر سی بھی سوانح عمری شائع نہ ہوسکی۔ کیا یہ اس محسن اعظم کے ہزار ہا منت کش احسان افراد کے لیے ایک بہت اہم سوالیہ نشان نہیں؟

جناب مولانا عبد المنان صاحب کلیمی جب گھوسی تھے تو انہیں اس کا سب سے پہلے احساس ہوا۔ انہوں نے کسی نہ کسی طرح فتاوی امجدیہ کی دو جلدیں چھپوائیں اور عالم تصور میں "دائرۃ المعارف الامجدیہ" قائم کیا، اور پھر حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے تمام وابستگان دامن سے مضامین لکھنے کی اپیلیں کیں۔ اور یہ بھی خوش آئند بات ہے کہ اہل قلم حضرات نے اپنی اپنی بساط کے مطابق مضامین بھی لکھے مگر پھر کلیمی صاحب جب گھوسی سے گئے تو ان کے ساتھ ساتھ ان کا موجود ذہنی "دائرۃ المعارف الامجدیہ" بھی چلا گیا، مگر جاتے جاتے وہ سارے مضامین عزیز سعید جناب مولانا علاء المصطفےٰ ناظم دار العلوم امجدیہ کے حوالے کر گئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ عزیز موصوف نے ان تمام مضامین کو ایک اچھے امین کی طرح محفوظ رکھا۔

سال گزشتہ عزیز موصوف نے مجھ سے کہا کہ تم ان مضامین پر نظر ثانی کرلو تو انہیں چھپوادیا جائے۔ میں اس وقت جس حال میں ہوں خدا نہ کرے کہ کوئی دشمن بھی ہو۔ کبرسنی کی

وجہ سے سارے قویٰ مضمحل اور خستہ، بینائی کمزور پھر قوت لایموت کے لئے ملازمت پر مجبور اور ملازمت بھی آج کی عموی تدریس کی نہیں کہ اپنی شہرت اور پیرانہ سالی کی دھونس سے فائدہ اٹھا کر وقت گزاری پر اکتفا کرسکوں۔ ملازمت بھی ہندوستان کے ایک ایسے دار الافتاء کی جو اس وقت پوری دنیا کا مرجع اعظم ہے، جس کا تعلق صرف ہندوستان و پاکستان ہی سے نہیں، عرب وعجم، یورپ و ایشیا، افریقہ وامریکہ سے یکساں ہے اور یہ میری کم قسمتی ہے کہ اب تک مجھے ایسا کوئی باوثوق افتا کا ماہر نہیں مل سکا جو جامعہ اشرفیہ کی اس اہم مسند پر بیٹھ سکے۔

میں فطری طور پر حساس، کمزور اعصاب کا انسان ہوں اور اب ذکاوت حس اس درجے تک پہنچ چکی ہے کہ جو لوگ مجھے برداشت کررہے ہیں ان کا مجھ پر احسان ہے میری کبھی بھی یہ عادت نہ تھی کہ مسائل کے لفافے نذر آتش کردیے جائیں یا بوریوں میں بند کرکے خزانۂ عامرہ میں داخل کیے جائیں۔ ہر سائل کے سوال کا جواب ہر ممکن عجلت کے ساتھ ضرور دیا جائے اگر چہ مختصر ہی ہو، تا کہ اسے حکم شرعی معلوم ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے فتاوی میں تائیدی عبارات کا التزام نہیں۔

پھر اس سے ہٹ کر جب ہم تنخواہ لیتے ہیں تو ادارے نے ہمارے کام کے لیے جو اوقات مقرر کیے ہیں، ان میں بیٹھے رہنا یا دوسرے کام کرنا بد دیانتی ہے۔ اس لیے دار الافتاء کے مقررہ اوقات میں، اس کے جواز کی کوئی صورت نہ تھی کہ میں ان مضامین کو دیکھتا۔

خارج اوقات میں بعد مغرب سے لے کر سونے کے وقت تک اور بعد نماز فجر سے اوقات دار الافتاء شروع ہونے تک شرح بخاری کے لیے اس طرح متعین ہیں کہ کسی کو ملاقات کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اگر ان اوقات میں حضرت ملک الموت روح قبض کرنے تشریف لائیں گے تو ان سے اگر گفتگو کا موقع مل جائے گا تو عرض کردوں گا کہ ذرا کرم کرتے ہوئے ٹھہر جائیں میں اپنا وقت پورا کرلوں۔ اگر چہ جانتا ہوں کہ وہ آتے ہیں تو لَا يَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔

لیکن عزیز موصوف کے اصرار بے حد سے مجبور ہوکر مجھے ان مضامین پر نظر ثانی کرنے کی حامی بھرنی پڑی۔ پھر انہوں نے دم بھی نہیں لیا، اور پوری فائل میرے حوالے

کردی، شاید انہوں نے یہ سوچا ہو کَلَامُ اللَّیْلِ یَمْحُوْهُ النَّهَارُ.

لیکن پانچ چھ سال کے لکھے ہوئے مضمون کی روشنائی ہلکی ہو چکی تھی ۔ بہت باریک لکھے ہوئے تھے ۔ جنہیں میں پڑھ نہ سکتا تھا۔ ضرورت ہوئی کہ کوئی سنانے والا مل جائے، وقت ایسا تھا کہ اساتذہ سب مطالعہ میں مصروف ہوتے مگر کسی نہ کسی طرح مولوی زاہد علی سلامی اور مولوی عالمگیر سلمہ راضی ہو گئے ۔ سلسلہ سماعت شروع ہوا۔ ہر صاحب قلم نے چن چن کر اپنی عقیدت کے پھول جمع کر کے اپنی دست بھر خوب سے خوب تر گلدستہ تیار کیا تھا۔ ہر مضمون اس کی دلیل ہے کہ حضرت صدر الشریعہ کی عبقری شخصیت کی عظمت سے سینے معمور ہیں۔

مگر سارے مضامین بااستثنا چند پڑھنے کے بعد ایک سوال کسی اجنبی ذہن میں اٹھ سکتا تھا کہ حضرت صدر الشریعہ کی وہ کیا انفرادی خوبیاں ہیں جنھوں نے پوری دنیا کو بندہ بے دام بنا رکھا ہے؟ صرف یہ کہہ دینے سے کہ فلاں بہت قابل تھا۔ جامع معقول و منقول تھا وغیرہ سے ایک ناواقف کی تسلی نہیں ہوتی ۔ وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس کے شواہد کیا ہیں ۔ نظائر کیا ہیں۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ ان امتیازی خصوصیات کے کچھ شواہد ذکر کر دیے جائیں، مگر افسوس ہے کہ اکثر مضامین اس سے خالی ہیں۔

لیکن منطقی طور پر ان مضامین سے یہ ضرور فائدہ ہے اور اہم فائدہ ہے کہ یہ ارباب علم و دانش جب اتنے نیاز مند ہیں تو یقیناً سراپا ناز، بلاشبہ فضل و کمال، علم و دانش، زہد و ورع کا ایسا عظیم مرقع جمیل ہوگا کہ جس کے حضور پیشانیوں کو جھکنا ہی پڑے گا۔

لیکن ماہنامہ اشرفیہ کے اس نمبر میں اتنی گنجائش نہیں کہ سب کو شائع کیا جا سکے۔ اس لیے بہت سے مضامین شامل اشاعت نہ ہو سکے۔

کچھ مضامین میں واقعات کو غیر مستند روایات پر اعتماد کر کے لکھ دیا گیا ہے۔ انہیں بھی روک دیا گیا۔

برادر خواجہ تاش حضرت علامہ مفتی محمد حسن علی رضوی خطیب جامع مسجد فریدیہ میلسی (پاکستان) نے کئی بار مجھے لکھا کہ ماہنامہ اشرفیہ صدر الشریعہ نمبر شائع کر دے۔ لیکن ماہنامہ

اشرفیہ کی مالی زبوں حالی سے میں واقف ہوں۔ یہ از اول تا ایں دم بہت کافی خسارے میں چل رہا ہے۔ نمبر شائع کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ مگر علامہ موصوف مسلسل کریدتے رہے اور میری نسبت امجدی کو غیرت دلاتے رہے، حتی کہ انہوں نے مالی تعاون کا بھی وعدہ کرلیا، لیکن اخراجات کا جو تخمینہ تھا اس کے پیش نظر میں ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ بالآخر عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کی خدمت میں میں نے حسب عادت درخواست پیش کی۔ منظور ہوئی۔ حضرت صدر الشریعہ کی سوانح مرتب کرنا شائع کرنا پوری جماعت اہل سنت پر خصوصاً مفتی صاحبان، مدرس حضرات، مصنفین کرام، خطبائے عظام اور مشائخ طریقت پر ایک بہت بڑا قرض تھا۔ الحمد للہ! یہ سعادت بھی الجامعۃ الاشرفیہ کے حصے میں تھی کہ آج پوری ملت کو اتنے بڑے قرض سے سبکدوش کررہا ہے۔ لیکن اب دشواری یہ پیش آئی کہ ایسے مضامین کیسے فراہم ہوں جو کما حقہ نہیں تو قدرے معتد بہ حصے تک حضرت صدر الشریعہ کا تعارف کراسکیں۔

کلیمی صاحب نے جو مضامین اکٹھے کئے تھے ان کا حال اوپر ذکر کیا جاچکا۔ لیکن ماہنامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر عزیز اسعد جناب مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی سلمہ پوری مستعدی کے ساتھ اہل سنت کے مشاہیر اہل قلم کے ساتھ رابطہ قائم کیے ہوئے ہیں، امید ہے کہ میری امیدوں کے مطابق یہ نمبر حضرت صدر الشریعہ کا ایک حد تک تعارف کرانے میں کامیاب ہوگا۔

ایک مبسوط اور بہت معلوماتی مقالہ حضرت علامہ مفتی حسن علی صاحب مدظلہ پاکستان کا کئی سال ہوئے آیا تھا، وہ البتہ اس کمی کو بہت حد تک پورا کرتا ہے۔

مولانا مبارک حسین صاحب نے اخیر میں فرمائش کی کہ آپ بھی ایک مبسوط اور چنیں چناں مقالہ لکھ دیں۔ وہ بھی اس خصوصیت کی بنا پر کہ حضرت صدر الشریعہ سے بلا واسطہ اکتساب فیض کرنے والے دو چار افراد میں آپ ہی ایسے ہیں ویسے ہیں۔ ان کے حسن ظن کی بنیاد ایک حد تک صحیح بھی ہے۔

كَسْرُنِيْ مَوْتُ الْكُبَرَاءِ. مگر میرا جو حال زار ہے اس کا گلہ کس سے کروں اور ان

دنوں میں جن ذہنی وروحانی کرب میں مبتلا ہوں اسے کس کے سامنے بیان کردوں۔ مزید ڈیوٹی پر ڈیوٹی، اور شرح بخاری کا کام اپنی جگہ اگر کچھ نہ لکھوں تو امجدی کہلاتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ بہر حال اس کے لئے مجھے ہاں کرنا ہی پڑا۔

ہر چند خستہ دل وناتواں شدم
ہر گاہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ خاندانی تعلق سے میرے چچا تھے۔ حضرت کے دادا خدا بخش صاحب اور میرے والد کے دادا لعل محمد صاحب حقیقی بھائی، جناب مولانا خیر الدین بابا کے فرزند تھے۔ اس رشتے کی وجہ سے حضرت صدر الشریعہ اور ہمارے گھر سے بہت ہی خصوصی برادرانہ تعلقات تھے۔ کوئی بھی تقریب ہو سب میں حقیقی بھائیوں کے مثل جانبین سے برتاؤ تھا۔ جب تک حضرت صدر الشریعہ دولت کدے پر تشریف رکھتے تو والد صاحب روزانہ بلا ناغہ حاضری دیتے۔ ہمارا غریب خانہ اسٹیشن کے راستے میں پڑتا ہے۔ حضرت صدر الشریعہ جب بھی باہر تشریف لے جاتے تو اسٹیشن جاتے ہوئے والد صاحب کو آواز دے کر بلاتے اور اسٹیشن تک ساتھ لے جاتے۔ اس خصوصی تعلق کی بنا پر ہوش میں آنے کے بعد اپنی یاد داشتوں میں سب سے زریں یاد حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا بارعب، پر وقار روئے انور ہے۔ پھر جوں جوں ہوش وشعور بڑھتا گیا۔ حضرت صدر الشریعہ کا تعارف بڑھتا گیا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ مجھے کبھی حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ پر کچھ لکھنا ہے تو شاید میری معلومات کا اتنا بڑا گنجینہ ہوتا کہ ان سب کو حیطہ تحریر میں لانا مشکل ہوتا۔ اسی طرح حیات مبارکہ کے اخیر سال میں مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی کہ میں حضرت کا کاتب رہا۔ نجی ڈاک کے علاوہ فتاوی تک لکھتا، اور اس سے جو وقت بچتا وہ فتاوی امجدیہ سنانے میں صرف ہوتا۔ مگر اس وقت بھی کبھی اپنے کو اس لائق نہیں جانا تھا کہ مجھے کبھی حضرت صدر الشریعہ کے مفصل حالات لکھنا ہے۔ آج اپنی اس بے پرواہی پر کف افسوس ملتا ہوں۔ مگر اب کیا ہوسکتا ہے، اس نمبر میں شامل مقالوں میں قدرے تفصیل کے ساتھ ابتدائی حالات حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون میں درج ہیں اس لیے میں ابتدا بریلی شریف مجدد

اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے یہاں حاضری سے کرتا ہوں۔

فرماتے تھے کہ میں جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اعلیٰ حضرت نے دریافت فرمایا: مولانا کیا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ مطب کرتا ہوں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا: مطب بھی اچھا کام ہے "العلم علمان ، علم الأدیان وعلم الأبدان" مگر مطب کرنے میں یہ خرابی ہے کہ صبح صبح قارورہ دیکھنا پڑتا ہے۔ فرماتے تھے کہ اس ارشاد کے بعد مجھے قارورہ دیکھنے سے نفرت ہوگئی۔ اور یہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا کشف تھا۔ میں امراض کی تشخیص میں قارورہ ہی سے مدد لیتا تھا، اور یہ ان کا تصرف تھا کہ قارورہ بینی سے نفرت ہوگئی۔

اس ارشاد کے بعد اعلیٰ حضرت نے مدرسہ منظر اسلام میں بیس روپے ماہانہ پر مدرس رکھ لیا۔ اس وقت کون کون حضرات مدرس تھے۔ حضرت نے بتایا تھا مگر اس وقت سب کے نام یاد نہیں۔ حضرت مولانا رحم الٰہی صاحب منگوری کا نام یاد ہے۔ ابتدا میں کون کون کتابیں زیر درس تھیں، یاد نہیں رہیں، مگر اتنا طے ہے کہ اس وقت صدر المدرسین اور کوئی صاحب تھے، غالباً مولانا رحم الٰہی صاحب ہی تھے۔ مگر پھر چند سال بعد حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ مدرسہ منظر اسلام کے مستقل صدر المدرسین بنا دیے گئے۔ حضرت نے اس مسند پر بیٹھ کر ثابت کر دیا کہ وہ صرف منظر اسلام ہی کے نہیں بلکہ علی الاطلاق صدر المدرسین ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے تلامذہ کی مکمل فہرست آج کیا شاید اس عہد میں بھی تیار نہیں ہو سکتی تھی۔ کابل سے لے کر رنگون، ملایا تک اور کشمیر سے لے کر مدراس تک کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے جواہر ریزوں کو کون اکٹھا کر سکتا ہے۔

غالباً حضرات مدرسین کی بدقسمتی اس دور کے ساتھ خاص نہیں، یہ بھی اسلاف کا ورثہ ہے کہ تلامذہ اپنے اساتذہ کو فراغت کے بعد بھول جاتے ہیں اور کوئی ربط نہیں رکھتے۔ ان کا جو بھی نیاز مندانہ تعلق ہوتا ہے وہ اپنے نامزد پیر کے ساتھ رہ جاتا ہے۔

کتنا بڑا ستم ہے کہ اساتذہ اپنا خون جگر پلاتے ہیں، طلبہ کی خوابیدہ استعداد بیدار کر کے اس کو اوج ثریا تک پہنچاتے ہیں، ان کے ناز اٹھاتے ہیں، ان کے آپس کے مناقشات خوش اسلوبی سے طے کرتے ہیں۔ طلبہ کے لیے در در بھیک مانگتے ہیں۔ اکثر

مدرسین اور اراکین سے لڑائی مول لیتے ہیں اور فراغت کے بعد انہیں برسر روزگار کردیتے ہیں، مگر انہیں فراموش کردیا جاتا ہے۔

وفا خود نبود در عالم
یا بمن کس دریں زمانہ نہ کرد

یہی سبب ہے کہ پھر وہ ایسے گمنام ہوجاتے ہیں کہ ڈھونڈنے سے ان کا پتہ نہیں ملتا۔ لیکن جو سعید طلبہ اپنے اساتذہ سے نیاز واخلاص کے روابط باقی رکھتے ہیں وہ پھلتے پھولتے ہیں اور اپنے اساتذہ کی طرح ملجا انام ہوتے ہیں۔ اس کی دلیل حضرت صدرالشریعہ کے تلامذہ کے حالات ہیں۔ ہزارہا شاگردوں میں صرف وہی حضرات آفتاب وماہتاب بن کے چمکے جنہوں نے نیاز مندانہ تعلقات باقی رکھے، جن کے اسمائے مبارکہ جابجا اس نمبر میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور ساتھ ہی ساتھ جس نے جتنا زیادہ تعلق رکھا وہ اتنا ہی زیادہ فیض بخش، مقبول عام وخاص ہوا۔ یوں تو حضرت صدرالشریعہ کے تمام مشاہیر تلامذہ حضرت کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے تھے، جس کے شواہد آپ کو اس نمبر میں ملیں گے لیکن جو خصوصی نیاز مندی جلالۃ العلم حافظ ملت اور محدث اعظم پاکستان قدست اسرارہما کی حضرت صدرالشریعہ سے تھی، اس کو آپ اس سے سمجھ لیں کہ یہ دونوں حضرات کوئی بھی کام بغیر حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ سے استصواب کے نہیں کرتے تھے اپنے چھوٹے سے چھوٹے کاموں میں بھی اجازت طلب کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں حافظ ملت اور پاکستان میں حضرت محدث اعظم پاکستان کی شخصیت ایسی مرکزی ہے کہ پوری دنیا میں ان کے تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں۔

آج تدریس کو یار لوگوں نے بہت آسان بنالیا ہے۔ علمی کاموں میں سب سے آسان تدریس کو سمجھا جانے لگا ہے۔ عالم یہ ہے کہ مدارس میں ایسے ایسے لوگ مدرس ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تدریس ایک بہت اہم اور مشکل کام ہے۔ خود کتاب کے مضامین کو کما حقہ سمجھنا اور پھر طالب علم کو اس طرح سمجھا دینا کہ وہ واقعی سمجھ لے اتنا مشکل ہے کہ اس کی تعبیر کے لیے الفاظ نہیں۔ پھر اگر طالب علم ذہین ہے تو اس کے شبہات کو اس

طرح دور کرنا کہ وہ مطمئن ہو جائے، صرف خداداد استعداد ہی سے ہو سکتا ہے۔ طالب علم جو شبہہ وارد کر رہا ہے، اس کی بنیاد کیا ہے؟ وہ ابھی قادر الکلام نہیں اپنی بات کما حقہ کہہ نہیں پاتا ہے، ایک ماہر استاذ کا کام یہ ہے کہ وہ طالب علم کے غیر مربوط جملوں سے یہ اخذ کر لے کہ اس کو کھٹک کیا ہے؟ اور یہ کہنا کیا چاہ رہا ہے؟ جس مدرس میں یہ کمال نہ ہو وہ حقیقت میں مدرس نہیں۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ اس خصوص میں ایسے ماہر تھے کہ طالب علم کے سامنے مشکل سے مشکل مسئلے کی تقریر مختصر الفاظ میں اس طرح کر دیتے کہ طلبہ کے ذہن میں اچھی طرح اتر جاتی اور طلبہ کے شبہات کو ان کے چند الفاظ سے کما حقہ، مالہ وما علیہ کے ساتھ سمجھ لیتے اور نپے تلے جملوں میں ایسا جواب ارشاد فرماتے جسے سن کر طالب علم باغ باغ ہو جاتا۔

حضرت صدر الشریعہ جب اجمیر مقدس ۱۳۴۳ھ میں مدرسہ عثمانیہ معینیہ میں صدر المدرسین ہو کر گئے تو وہاں مولانا معین الدین ٹونکی کا سکہ جما ہوا تھا۔ یہ بہت ذہین فطین، منطق و فلسفہ کے ماہر حضرت علامہ عبد الحق خیر آبادی کے تلمیذ تھے۔ صدر الشریعہ کے جانے سے پہلے حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن قدس سرہ وہاں پڑھتے تھے اور مولانا معین الدین کے بڑے گرویدہ تھے۔ ابتداءً انہیں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ سے کوئی لگاؤ نہ تھا، لیکن جب اسباق شروع ہوئے اور حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا رنگ انہوں نے دیکھا اور اس کی چاشنی چکھی تو پھر انہی کے ہو کر رہ گئے۔ واضح رہے کہ حضرت مجاہد ملت ذہین نہیں ذہانت تھے، فطین نہیں فطانت تھے، ذکی نہیں ذکاوت تھے۔ ان کا پرانے اساتذہ سے رشتہ توڑ کر حضرت صدر الشریعہ کی بارگاہ میں سر نیاز جھکانا اس کی دلیل ہے کہ حضرت صدر الشریعہ اپنے وقت کے استاذ الاساتذہ تھے اور تدریس کے شہنشاہ۔

دوران درس منتخب روزگار تلامذہ کیا کیا سوالات کرتے تھے، صدر الشریعہ اس کے کیا جواب دیتے تھے، وہ آج کہاں معلوم ہو سکتے تھے، لیکن حافظ ملت، محدث اعظم پاکستان، مجاہد ملت، صدر العلماء، حضرت شیر بیشہ اہل سنت سے اس وقت کے بہت سے افراد کما حقہ واقف ہیں، ان کے فیض یافتہ ہیں۔ ان کے تبحر علمی کا سکہ پوری دنیا پر بیٹھا ہوا ہے، ان

لوگوں نے جس بحر ذخار سے اپنی تشنگی بجھائی ہے، بلکہ اپنے کو سیراب کیا ہے وہ کتنا ناپیدا کنار تھا اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ یہ سب حضرات خود بحر ناپیدا کنار تھے جو سرچشمہ ان سب کا منبع تھا اس کی گہرائیوں کو کون ناپ سکے، اس کو آپ ایک نظیر سے سمجھے۔

اور ی ضلع اعظم گڑھ (حال مئو) میں دیوبندیوں سے مناظرہ ہو رہا تھا۔ دیوبندیوں کا مشہور مناظر مولوی منظور سنبھلی جس کی مدد کے لیے مئو کے ڈیڑھ سو دیوبندی اور غیر مقلدی مولوی موجود تھے، علم غیب کی نفی پر دیوبندی مناظر نے تابیر نخلہ کی حدیث کا یہ جملہ پیش کیا: "اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ" دیوبندی مناظر نے طنز کیا کہ مولانا آپ نے ہدایۃ النحو نہیں پڑھی ہے اور اگر پڑھی ہے تو یاد نہیں اعلم اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو مفضل، مفضل علیہ چاہتا ہے مفضل صحابہ کرام ہیں اور مفضل علیہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ تھا۔ اس پر برجستہ بلا تاخیر حضرت شیر بیشۂ سنت نے فرمایا کہ آپ مجھے ہدایۃ النحو نہ پڑھنے یا پڑھ کر یاد نہ رکھنے کا طعن کر رہے ہیں، حالانکہ آپ نے یا تو نحو میر نہیں پڑھی ہے یا پڑھ کر بھول گئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔

(۱) من کے ساتھ (۲) الف لام کے ساتھ (۳) اضافت کے ساتھ

یہاں ان میں سے کچھ نہیں، پھر یہ اسم تفضیل کیسے ہوا؟ اس پر دیوبندی مناظر کے ساتھ پانچ دس مولوی چیخ پڑے کہ یہ اسم تفضیل نہیں تو کیا ہے، افعل کے وزن پر ہے، آپ کو میزان بھی یاد نہیں یا نہیں پڑھی ہے۔ اس پر مسکرا کر شیر بیشۂ سنت نے کہا کہ ابھی تک نحو میر کا رونا تھا اب معلوم ہو گیا کہ آپ کے ساتھ ساتھ ان ڈیڑھ سو مولویوں نے پنج گنج بھی نہیں پڑھی ہے یا پڑھ کر چوپٹ کر دی ہے۔ پنج گنج میں لکھا ہوا ہے کہ افعل تین معنی کے لیے آتا ہے۔

(۱) اسم تفضیل (۲) اسم صریح (۳) صفت، یہ صفت کے لیے ہے۔

ناظرین! غور کریں، شیر بیشۂ سنت کو نحو میر، پنج گنج پڑھے ہوئے تیس سال سے کم نہیں ہوئے ہوں گے اور اس کے مسائل جسے آج کل کے علما جانتے بھی نہیں ان کے حافظے میں محفوظ تھے، جودت ذہن کا عالم یہ ہے کہ فوراً موقع کی بات یاد آ گئی۔

مجھے یہاں خاص بات یہ عرض کرنی ہے کہ دیوبندی مناظر کے سوال کا یہ اصل جواب نہ تھا، حضرت شیر بیشۂ سنت نے ان کو الجھادیا، اصل جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں علم سے مراد ملکہ ہے۔ حضرت شیر بیشۂ سنت کی ذکاوت وفطانت کا کمال تھا کہ ڈیڑھ سو دیوبندی غیر مقلد مولویوں کو ایسا الجھایا کہ وہ دم بخود رہ گئے۔ ایسے ذہین، تیز طرار، حاضر دماغ، ایسی جودت ذہن رکھنے والے طالب علم کو پڑھانا آسان کام نہیں تھا اور جس ذات نے انہیں پڑھا کر سلطان المناظرین بنایا وہ بلاشبہ سلطان المدرسین تھی۔

کہا جاتا ہے اگر طالب علم ذہین ہے تو اسے کوئی بھی استاذ پڑھائے وہ ذی استعداد ہوجائے گا۔ لیکن میرا تجربہ اس کے خلاف ہے۔ آج ہمارے ہزاروں عربی مدارس ہیں، جن میں ذہین سے ذہین طلبہ تحصیل علم کے شوق میں آتے ہیں، لیکن چونکہ اب ہمارے مدارس میں اساتذہ کی تقرری استعداد دیکھ کر نہیں ہوتی بلکہ رشتہ، سفارش، اور سیاسی اغراض کے لیے ہوتی ہے، اس لیے اکثر مدرسین بھرتی کے ہیں، جس کے نتیجہ میں ذہین سے ذہین طالب علم فراغت کے بعد بھی ناخواندہ رہتا ہے۔ منتہی طلبہ ابتدائی باتیں تک نہیں بتاپاتے وہ بھی ایسی باتیں جو ہر وقت زبان زد رہتی ہیں، اور افسوس یہ ہے کہ اساتذہ بھی اس سے ناواقف ہیں۔ دورۂ حدیث میں شریک ہونے والے ذہین طلبہ بھی یہ نہیں جانتے کہ ثانیہ، ثالثہ، رابعہ وغیرہ کیا صیغے ہیں۔ نماز میں کیا فرض ہے، کیا واجب، کیا سنت وغیرہ وغیرہ، لیکن ایک ماہر مدرس متوسط ذہن رکھنے والے طالب علم کو بھی کندن بنادیتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے تدریس کی یہی خصوصیت ہے کہ وہ طلبہ کے ذہن میں مضامین کو نقش کالحجر فرمادیتے تھے، صرف پڑھاتے ہی نہیں تھے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ گھول کر پلاتے تھے۔ میں اگرچہ اس سے محروم رہا کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ سے درس نظامی کی کوئی کتاب پڑھتا مگر یہ مجھ پر اللہ عزوجل کا بہت بڑا فضل ہے کہ مجھے سال بھر تک اس طرح حضرت کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا کہ میں ہوتا اور حضرت ہوتے، تیسرا کوئی نہیں ہوتا، کتب حدیث وفقہ وتفاسیر کے ہزاروں صفحات فتویٰ نویسی کے وقت میں پڑھ کر سناتا، ادنیٰ سی غلطی پر ٹوکتے، پھر جلد بتاتے نہیں بلکہ پوچھتے کیا صحیح ہے، اگر میں گرتے

پڑھتے صحیح بتادیتا تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہوجاتی اور اگر نہ بتا پاتا تو کبھی مسکرا کر پیار سے بتاتے، اور کبھی اتنے زور سے ڈانٹتے کہ حجرۂ مبارکہ گونج جاتا۔ میں چوں کہ مزاج آشنا تھا اس لئے سخت سے سخت ڈانٹ پر میرے اوسان خطا نہ ہوتے۔ کبھی کبھی تو یہ ہوتا کہ حضرت ڈانٹتے اور میں مسکراتا رہتا۔ افسوس ہے کہ اس قسم کی باتیں اب ذہن میں نہیں، البتہ ایک بات یاد رہ گئی ہے جو اگرچہ کتب سے متعلق نہیں مگر حضرت کے طرز تعلیم کی نشاندہی کرتی ہے۔

میں حضرت کو اخبار سنا رہا تھا۔ بغداد کے متعلق کوئی خبر تھی۔ میں نے اس کو بغداد پڑھا، فوراً ٹوک دیا، کیا پڑھا؟ میں فوراً سنبھل گیا میں نے عرض کیا بغداد، فرمایا: بغداد کیسے؟ میں نے عرض کیا، اصل میں باغ داد تھا یہ سنتے ہی مسکرا پڑے اور بہت خوش ہوئے۔

میری حاضری کا وقت مدرسہ کے صبح کے ٹائم کے بعد اور دوپہر کا ٹائم شروع ہونے کے درمیان تھا۔ ایک بار مجھے بعد مغرب بلوایا اور کہلا دیا کہ کھانا کھا کر فوراً آئے۔ نماز مغرب پڑھتے ہی کھانا کھا کر میں حاضر ہوا، اس وقت حضرت کے پاس حسب عادت حضرت کے منجھلے بھائی حکیم احمد علی صاحب مرحوم عرف دوکاندار بابا بیٹھے تھے، میں نے حاضر ہوکر سلام عرض کیا، جواب دے کر فرمایا اور کچھ تیز لہجے میں: میں نے کہا تھا کھانا کھا کر آنا تم ابھی آگئے، مقصد یہ تھا کہ کام لمبا ہے دیر تک بھوکے رہ جاؤگے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور میں کھانا کھا کر حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا: بہت جلد کھانا کھالیا، اچھا بیٹھ، میں بھی کھانا کھالوں اور عشا کی نماز پڑھ لی جائے تو ایک فتویٰ لکھوانا ہے، یہ مولانا شاہ صدیق اللہ صاحب بنارس سے آئے ہیں، اور صبح ہی ٹرین سے واپس جائیں گے۔ فتویٰ بہت طویل تھا عشا کے بعد اس کو لکھوایا پھر رجسٹر پر نقل کرنے کا حکم دیا، اس میں جاڑوں میں رات کے بارہ بج گئے۔ حضرت بہت خوش ہوئے واپسی کے وقت بہت دعائیں دیں۔ میں خوش خوش گھر واپس آیا اور یہ سوچا کہ حضرت خوش ہیں کل ڈانٹ نہیں پڑے گی، میں جب دوسرے دن حسب عادت حاضر ہوتو دیکھا کہ فتاویٰ کا رجسٹر نظر سے بہت قریب کرکے ملاحظہ فرما رہے ہیں، میں نے سلام عرض کیا تو پورے جلال میں فرمایا: یہ کیا لکھ دیا ہے وعلیکم السلام، بنارس کو نبارس لکھا ہے، کشندگراں کو مکشندگراں، اور پھر اس کے بعد مسلسل نقطوں کی نشست کی غلطی اور حروف کی صحیح شکل نہ لکھنے پر تنبیہ فرماتے رہے۔

غرض کہ اپنے دامن سے وابستگان پر اتنی نظر رکھتے اور ان کی ہر ممکن اصلاح کی کوشش فرماتے۔

حافظ ملت قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ممکن نہیں تھا کہ حضرت کے سامنے کوئی غلط تلفظ کرے اور حضرت اس پر تنبیہ نہ فرمائیں۔ اسی کا ثمرہ ہے کہ آج پورا عالم اسی منبع فیض سے سیراب ہو رہا ہے، سیراب ہوتا رہے گا، جو صاحبان ظرف پیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے۔

مجھے پینے دے کہ تیرے جام لعلیں میں
ابھی کچھ اور ہے کچھ اور ہے کچھ اور ہے ساقی

حضرت صدر الشریعہ کی روحانیت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ طالب صادق کو صرف اس کے ظرف کے مطابق ہی نہیں عطا فرماتے تھے، بلکہ فیض پر آتے تو اس کا ظرف بھر جاتا تو ظرف وسیع فرما دیتے۔ مجھے کہنے دیجئے، ہمارا ساقی بقدر ظرف ہی نہیں پلاتا تھا بلکہ تنگ ظرفوں کے ظرف کو بھی اتنا وسیع کر دیتا کہ سمندر پینے کے بعد بھی تشنہ رہتے۔ جس کی دلیل حضرت حافظ ملت، حضرت محدث اعظم پاکستان اور ان کے رفقائے درس کو دنیا نے دیکھا ہے۔

اس پیراگراف کے آخر پر یاد آگیا کہ جس زمانے میں میں حاضر خدمت رہتا تھا ۱۳۶۷ھ میں حضرت صدر الشریعہ، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور و بانی دارالعلوم امجدیہ گھوسی کو میزان و منشعب پڑھاتے تھے۔ میزان کے تمام ابحاث کے صیغوں کو مختلف مصادر سے رٹاتے تھے۔ مثلاً ضرب، نصر، سمع، کرم وغیرہ وغیرہ اور جب منشعب شروع کرائی تو ہر باب کے تحت جتنے مصادر لکھے ہوئے ہیں سب کی پوری صرف کبیر کی مشق کراتے تھے۔ اس وقت علامہ پہ کیا بیتتی تھی شاید علامہ کو اس کی لذت اب بھی یاد ہو مگر مجھ کو ترس آتا تھا۔ آج کل کے میزان و منشعب پڑھانے والوں کا حال یہ ہے کہ دس منٹ میں ترجمہ کرا کے سبق ختم کر دیتے ہیں، نہ سبق سنتے ہیں، نہ آموختہ اور نہ تمرینی سوالات کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے کے لئے آنے والے طلبہ بلائے بے درماں ہیں جنہیں جلدی سے دفع کرنا جان بچانے کے لئے ضروری ہے، اور حال یہ ہے کہ اگر کوئی اس پر ان سے باز پرس کرے یا ہدایت کرے تو اس کی جان کے دشمن ہو جاتے

ہیں۔ کتنے خدا ناترس یہ کہتے ہیں کہ سر کھپانے سے کیا فائدہ، تنخواہ تو اتنی ہی ملے گی جو مقرر ہے، اور اب بنگ منٹ کے بعد تو رہی سہی تعلیم بھی رخصت ہو رہی ہے، ہر وقت اریر، بونس، اضافہ، پنشن، مکان بھتہ کی کھچڑی پکاتے رہتے ہیں۔

بریلی شریف میں علاوہ تدریس کے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فتاویٰ کا املا بھی کرتے تھے، خود مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ فرمایا: آپ یہاں موجودین میں "ملکۂ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا"۔

نیز خطوط کے جوابات بھی املا کرتے تھے۔ املا کو لوگ بہت آسان سمجھتے ہیں اس میں کیا رکھا ہے۔ ایک صاحب نے بول دیا دوسرے نے لکھ دیا، لیکن اب مجھے جب فتاویٰ کا املا کرانے پڑ رہے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ املا سب کا کام نہیں، املا کرانے کے لطائف و ظرائف اگر میں لکھوں تو ہنستے ہنستے لوگوں کے پیٹ میں بل پڑ جائیں گے۔ لیکن اگر پھر بھی انھی ہنسنے والوں سے املا کرایا جائے تو کم لطائف و ظرائف مہیا نہ ہوں گے، پھر وہ بھی اعلیٰ حضرت کے ارشادات کا املا، اعلیٰ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ: میرے ذہن میں مضامین اس تیزی سے آتے ہیں کہ قلم ساتھ نہیں دے سکتا جب کہ اعلیٰ حضرت کا قلم اتنا تیز چلتا تھا کہ جناب سید قناعت علی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ: اعلیٰ حضرت اتنا تیز لکھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ لکھ نہیں رہے ہیں بلکہ ہاتھ میں رعشہ ہے اور بے اختیار کانپ رہا ہے۔ املا کرانے میں جب مضامین کی آمد ہو اور املا کرنے والا بولنے والے کا ساتھ نہ دے سکے تو آمد کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اس وقت جی یہ چاہتا ہے کہ یا تو خود کشی کر لیں یا املا کرانے والے کو شوٹ کر دیں، لیکن حضرت صدر الشریعہ اتنے زود نویس، اور صحیح سننے والے تھے کہ کبھی کسی مضمون کو دوبارہ پوچھنے کی حاجت نہ ہوئی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ جس روانی سے ارشاد فرماتے اسی روانی کے ساتھ صدر الشریعہ لکھتے جاتے۔

اسی کی روشنی میں قرآن مجید کے تیس پارے "کنز الایمان" کے املا کو بھی قیاس کریں۔

بحمدہ تبارک وتعالیٰ کنز الایمان کا صدر الشریعہ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا اصل مسودہ موجود ہے اسے دیکھ کر عقل حیران ہے۔

مطبع اہل سنت

ان دونوں خدمات کے ساتھ مطبع اہل سنت کی پوری ذمہ داری حضرت صدرالشریعہ کے سر تھی، کاپیوں کی تصحیح اور پروف کی تصحیح خود ایک بہت دقت طلب کام ہے، ذہین سے ذہین آدمی کی نظر چوک جاتی ہے، لیکن حضرت صدرالشریعہ کی نظر ایسی باریک بیں، صحیح بیں، صحیح خواں تھی کہ آپ کی تصحیح سے کئی ہزار صفحات چھپے مگر کسی ایک میں کہیں ایک نقطے کی غلطی آج تک نہیں مل سکی۔ خیال کیجئے فتاوی رضویہ جلد اول جس میں جہازی سائز کے ۸۸۰ر صفحات ہیں، جس کے ہر صفحہ پر باریک خط سے ۳۳ر سطریں ہیں، اور فہرست میں ۲۷ر سطریں ہیں پھر یہ فہرست ۳۲ر صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، مگر آج تک کہیں کوئی غلطی نہیں مل سکی، سطح بیں لوگ اسے کوئی کمال نہ سمجھیں لیکن جس کا تصحیح سے سابقہ پڑ چکا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ ہفت خواں طے کرنے سے کم مشکل نہیں۔

علاوہ ازیں مطبع کی ساری ضروریات مہیا کرنا حضرت صدرالشریعہ کے ذمہ تھا۔ کاتبوں کی ناز برداریاں کرنا، کاغذ، روشنائی دیگر ضروریات خریدنا پریس مین، سنگ ساز، وغیرہ عملہ کو رام کئے رہنا یہ سب حضرت صدرالشریعہ کے ذمہ تھا اور اس عہد کا اعلیٰ حضرت سے متعلق ہر شخص گواہ ہے کہ حضرت صدرالشریعہ نے مطبع اہل سنت کے کام کو جیسا انجام دیا اس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے یہی وجہ ہے کہ جب تک حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ بریلی شریف میں رہے، اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے کثیر رسائل طبع ہوئے پھر اس کے بعد دنیا جانتی ہے۔ ع آں قدح بشکست آں ساقی نماند

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فتاوی چھپوانے کا بڑا شوق تھا کہ جب اجمیر شریف جانا طے ہو گیا تو نہایت عجلت سے فتاوی رضویہ جلد دوم کی کتابت کروائی اور اسے چھپوایا۔ ٹائٹل نہ چھپوا سکے، بعد میں لوگوں نے ٹائٹل چھپوا کر لگایا۔

مناظرے

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے عہد مبارک میں رنگون کے احباب نے لکھا کہ یہاں کے چند بوہجی پچی دیوبندیوں نے مولوی اشرفعلی تھانوی کو یہاں بلایا ہے، ان کے وعظ ہو رہے ہیں، ان کی ولایت کا ڈنکا پیٹا جا رہا ہے، ہر طرف سے مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر گھیر گھیر کر گلا دبا کر حتی کہ مقروضوں کا قرض تھانوی کے مرید ہونے کی شرط پر معاف کیا جا رہا ہے۔ کسی مناظر کو بھیجے جو اس فتنے کا سد باب کرے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نگاہ انتخاب تھانوی جیسے گرگ باراں دیدہ، گرم و سرد چشیدہ کے مقابلے کے لئے ''اپنے امجد مجد کے پکے'' پر پڑی۔ حکم ہوا کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ رنگون روانہ ہو گئے، رنگون کے اہل سنت کے اطمینان کے لئے تار کر دیا گیا کہ حضرت مولانا امجد علی صاحب کو بھیج رہا ہوں۔ حضرت صدر الشریعہ بریلی شریف سے کلکتہ پہنچے وہاں سے رنگون تار کر دیا کہ میں فلاں دن فلاں جہاز سے پہنچ رہا ہوں۔ اہل سنت نے جوش مسرت میں اعلان کر دیا کہ حضرت صدر الشریعہ فلاں وقت میں تشریف لا رہے ہیں، اس خبر کے سنتے ہی تھانوی صاحب، پہلے جہاز سے رنگون سے کلکتہ بھاگ آئے۔ جب حضرت صدر الشریعہ رنگون پہنچے تو معلوم ہوا کہ کل تھانوی صاحب یہاں سے رفو چکر ہو چکے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ پہلے واپس ہونے والے جہاز سے کلکتہ آئے کہ کلکتہ میں تھانوی صاحب مل جائیں تو وہیں ان سے دو دو بات ہو جائے، لیکن شان رسالت میں گستاخ ضمیر نے تھانوی کو کلکتہ رکنے نہیں دیا اور وہ کلکتہ پہنچتے ہی پہلی گاڑی سے اپنے استھان، تھانہ بھون پہنچے۔ حضرت صدر الشریعہ جب کلکتہ واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ تھانوی صاحب یہاں سے جا چکے ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ کی مناظرانہ مہارت صرف رد وہابیہ ہی میں نہیں تھی، بلکہ ہر خارج از اسلام گروہ کے رد کی پوری مہارت رکھتے تھے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا اخیر دور تھا کہ آریوں نے بہت سر اٹھایا تھا۔ مسلمانوں کی بد قسمتی سے امرتسر میں ثناء اللہ غیر مقلد امرتسری

سے آریوں سے چار دن تک مناظرہ رہا۔ اس مناظرہ میں دیوبندیوں کے چوٹی کے مولوی اپنے برادر کلاں کے پشت پناہ تھے، لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس مناظرہ میں دیوبندی اور غیر مقلد سخت ناکام رہے، جس کی وجہ سے آریوں کی ہمت بہت بڑھ گئی تھی، ان کا ایک پنڈت رام چندر بریلی شریف آیا، یہ اپنے آپ کو پندرہ پارے کا حافظ بتاتا تھا، بہت چرب زبان بے حیا تھا اس کے مقابلے پر حضرت صدر الشریعہ کی مسلسل تقریریں بریلی شریف میں ہوتی رہیں، بالآخر ایک وقت وہ آیا کہ حضرت صدر الشریعہ، حضرت صدر الافاضل، حضرت مولانا رحم الٰہی وغیرہ نے جاکر اس کے جلسے میں اس کو لاجواب اور مبہوت کیا اور منہ کی کھاکر بریلی سے بھاگا جس کا تذکرہ ''الملفوظ'' حصہ اول میں موجود ہے۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے اپنی طبع وقاد اور فطرت سلیمہ سے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے اور وید کے غیر الہامی ہونے کا ثبوت دیا، بریلی شریف شہر کہنہ محلہ سیلانی کے چوک میں ایک تقریر فرمائی تھی، اعلیٰ حضرت قدس سرہ وہاں تشریف فرما تھے، اس تقریر کو سن کر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے صدر الشریعہ کو اپنے سینے سے لگایا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور فرمایا: مولوی صاحب آپ کے ہوتے ہوئے مجھے اب بڑھاپے کی، ضعف وناتوانی کا احساس جاتا رہا۔ حضرت صدر الشریعہ کی تقریر بہت سادہ الفاظ میں سلیس، عام فہم ہوتی تھی، گل وبلبل، قافیہ آرائی اور مترادفات کے طول لاطائل سے خالی ہوتی تھی۔ حضرت صدر الشریعہ نے یہ تقریر اپنے سادے الفاظ میں فرمائی تھی۔ حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ فرماتے تھے اس کی لذت مجھے اب تک یاد ہے۔

اسی تقریر کو صدر الشریعہ کے ایک تلمیذ ارشد نے جو ایک ممتاز مقرر تھے بارہا اپنے انداز میں ملک کے مختلف گوشوں میں کیا۔

خطابت

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا اصل کام تدریس تھا، اسی سے فطری مناسبت اور قلبی لگاؤ تھا۔ اپنے تلامذہ میں تدریس کا جذبہ پیدا فرماتے تھے۔ اگر کوئی تلمیذ اس طرح تقریر

میں مشہور ہو جاتا کہ درس کا نقصان ہوتا تو سخت خفا ہوتے۔ میں جس سال ۶۲۔ ۱۳۶۱ھ بریلی شریف دورۂ حدیث میں تھا کہ احمد آباد کے دیوبندیوں نے چیلنج مناظرہ دے دیا، وہاں سے حضرت مفتی اعظم ہند سے مناظر طلب کیا گیا حضرت محدث اعظم پاکستان کو مناظرے کے لیے بھیج دیا۔ دیوبندیوں کی طرف سے سلطان حسن مناظرے کے لئے آیا۔ علم غیب پر مناظرہ ہوا، کچھ دیر طرفین سے تقریریں ہوتی رہیں۔ اخیر میں دیوبندی مناظر نے اپنے جی سے گڑھ کر ایک حدیث پڑھی۔ مشہور مثل کے مطابق کہ ''چور بھاگتا ہے نشان قدم چھوڑ جاتا ہے'' بخاری شریف کا حوالہ دے دیا اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ ہمارا مد مقابل بخاری شریف کا حافظ ہے۔ حضرت محدث اعظم پاکستان نے صحیح نقل کا مطالبہ کیا تو وہ بخاری میں حدیث نہ دکھا سکا اس پر محدث اعظم پاکستان نے حدیث "**من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار**" کی روشنی میں مجمع کو دیوبندی مناظر کے خلاف للکارا۔ سارا مجمع مشتعل ہو گیا اور دیوبندی مناظر اور اس کے سارے حواری موالی اسٹیج چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس فتح مبین کے نتیجے میں دیوبندی کہیں منہ دکھانے کے لائق نہ رہے، اور اہل سنت باغ باغ ہو گئے، اس کے بعد جشن فتح کے اجلاس شروع ہوئے اس کا سلسلہ ایک ماہ سے زائد جاری رہا۔

اسی اثنا میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ بریلی شریف تشریف لائے اور یہ سن کر کہ حضرت محدث اعظم پاکستان ایک ماہ سے باہر ہیں سخت برہم ہوئے اور حضرت مفتی وقار الدین صاحب سے فرمایا کہ سردار احمد آجائیں تو ان سے کہہ دینا کہ کیا وعظ گوئی کا دھندہ شروع کر رکھا ہے، پڑھانا نہیں، وعظ کہنا ہے تو مدرسہ چھوڑ دیں، وعظ کہتے پھریں، ضد کرنا اچھا نہیں۔

مگر اس کے باوجود وقت ضرورت حضرت صدر الشریعہ وعظ فرمایا کرتے تھے جو سادے، سلیس، عام فہم الفاظ میں علمی حقائق و معارف پر مشتمل ہوتا تھا، اور اپنے اندر ایسی جامعیت رکھتا تھا کہ علمائے کرام جھوم جھوم اٹھتے تھے، کبھی کبھی حضرت صدر الشریعہ کے وعظ کے کسی پیراگراف پر ماہر خطیب گھنٹوں وعظ کہتا تھا۔ مبارک پور اشرفیہ کے سالانہ جلسے میں ابتدا ہی سے حضرت صدر الشریعہ اور حضرت محدث اعظم ہند ضرور شریک ہوتے تھے۔ اس

لیے کہ یہ دونوں حضرات اشرفیہ کے سرپرست تھے، اور حضرت صدر الشریعہ سالانہ امتحان بھی لیتے تھے۔ امتحان کے لئے حضرت صدر الشریعہ ایک دن پہلے آجاتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت محدث اعظم ہند شام کو ساڑھے پانچ بجے تشریف لائے اور کہیں بہت دور سے آرہے تھے اس لیے تھکے ہوئے تھے، بعد نماز عشاء کھانے پر حضرت صدر الشریعہ سے فرمایا کہ حضرت میں بہت تھکا ماندہ ہوں تقریر نہیں کرسکتا۔ آج آپ بھرپور تقریر فرمائیں۔ حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا کہ مجھے تقریر کرنی نہیں آتی۔ یہاں کے لوگ آپ کی تقریر کے مشتاق ہیں آپ خطیب ہیں، میں تھوڑی دیر بیان کروں گا پھر آپ کو تقریر کرنی ہوگی۔ حضرت محدث اعظم نے اپنی تکان کا عذر پھر دہرایا اور ارشاد فرمایا: حضرت دل کھول کر کے تقریر فرمادیں، پھر کسی کو ہوش ہی نہ رہے گا، جو میری تقریر کا نام لے۔ حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا: خیر دیکھا جائے گا۔

جلسہ کے وقت حضرت محدث اعظم ہند نے فرمایا کہ میں اگرچہ بہت تھکا ہوا ہوں سونے کے لیے مضطر ہوں مگر جلسے میں ضرور چلوں گا آج حضرت صدر الشریعہ کی تقریر سننا ہے دونوں اکابر ساتھ ساتھ جلسہ گاہ میں تشریف لائے دو کرسیاں رکھ دی گئیں، اور پھر حضرت صدر الشریعہ نے تقریر شروع فرمائی۔ تمہید میں فرمایا کہ میں نے دن بھر طلبہ کا امتحان لیا ہے، طلبہ چونکہ بہت ذہین اور ذی استعداد ہیں اس لیے ان کا امتحان لینے میں خوب جی لگ گیا۔ دوپہر میں سو بھی نہ سکا، جس سے دماغ تھکا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی تقریر کے لیے بیٹھ گیا ہوں، چونکہ تقریر میں اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا کرنی ہے جو میری روحانی غذا اور میرے ہر درد، دکھ کی دوا ہے۔ یہ ان کا کرم ہے کہ مجھ سے اپنی مدح وثنا کرا لیتے ہیں ورنہ میں کہاں اور میرا علم کہاں! یہ وہ بحر ناپیدا کنار ہے جسے کوئی طے نہیں کرسکتا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "کلمات ربی" سے مراد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا ہے۔ بات یہ ہے کہ حدود مملکت میں کوئی انمول ہیرے کی کان مل جاتی ہے تو حکومت اسے اپنا لیتی ہے۔ پھر میری

کیا بساط کہ کما حقہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا کرسکوں۔

مجھے وہ منظر اچھی طرح ذہن نشین ہے۔ اس کے بعد حضرت صدر الشریعہ نے دو گھنٹے تقریر فرمائی۔ ہزاروں ہزار کا مجمع ہمہ تن گوش تھا، اور خود حضرت محدث اعظم ہند اس محویت سے سن رہے تھے کہ کرسی پر پہلو بھی نہ بدلا، اور ٹکٹکی باندھے حضرت صدر الشریعہ کو دیکھتے رہے۔ اس وقت نہ واہ واہ کا رواج تھا نہ سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے کا اور نہ نعرۂ تکبیر ورسالت کا۔ وقار واطمینان کے ساتھ لوگ علما کی تقریریں سنتے تھے پھر بھی حضرت محدث اعظم ہند بار بار ہلکی آواز میں سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے جاتے تھے، اگر چہ ان کی ہلکی آواز پورے مجمع میں گونج اٹھتی تھی۔

اولئک ساداتی فجئنا بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

کاش وہ دن پھر لوٹ آتے اور موجودہ اکابر ملت اسی یکجہتی، محبت، خلوص کے ساتھ شانہ بشانہ نظر آتے۔

دوسرے دن حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیہ کریمہ "قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی" کو اپنی تقریر کا عنوان بنایا، اور اس نکتہ کو لے کر کہ "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا "کلمات ربی" کیسے ہے۔ دو گھنٹے انتہائی پر مغز، دل آویز، ایمان افروز، پوری خطیبانہ آن بان کے ساتھ تقریر فرمائی۔ جس کی لذت سے آج بھی روح سرشار ہے۔ حضرت محدث اعظم ہند نے اس شراب علم کو دو آتشہ بنا کر پورے مجمع کو مست و بے خود بنا دیا۔

اولئک ساداتی فجئنا بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

مختلف علوم وفنون میں یہ لوگ ہمارے پیشوا ہیں۔ اے جریر! ان کے مثل لا۔ جب ہم سب کو کسی مجمع میں اکٹھا کرے تو۔

حضرت صدر الافاضل، فخر الاماثل، استاذ العلماء علامہ نعیم الدین صاحب مرادآبادی

قدس سرہ مختلف علوم و فنون میں تبحر کے ساتھ ساتھ خطابت کے بھی بادشاہ تھے۔ گاندھیوں نے اپنی مطلب برآری کے لئے مسٹر ابوالکلام آزاد کو تقریری میدان میں بہت شہرت دی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک جادوگر مقرر تھا، لیکن حقیقت میں اپنے وقت کے ابوالکلام حضرت صدرالافاضل تھے، تقریر کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ کوثر وتسنیم کے جام چھلکار ہے ہیں، زبان ایسی شیریں، شستہ کہ معلوم ہوتا کہ دہن مبارک سے الفاظ نہیں نکل رہے ہیں رحیق مختوم کی پھوہار پڑ رہی ہے۔ آواز ایسی گرجدار اور پرکشش کہ سننے والا دم بخود رہ جاتا۔ اس کے باوجود اپنے مدرسہ جامعہ نعیمیہ کے سالانہ جلسے میں دیگر علما کے ساتھ ساتھ حضرت صدرالشریعہ کو ضرور مدعو فرماتے۔ دوسرے علما تو بدلتے رہتے مگر صدرالشریعہ لازم تھے اور پھر بہ اصرار تقریر بھی کراتے، یہی نہیں جامعہ میں حکم دے دیا تھا کہ جب حضرت صدرالشریعہ یہاں آجائیں تو نماز وہی پڑھائیں گے۔

ایک بار حضرت صدرالشریعہ سے جلسے میں شریک ہونے والے علما نے درخواست پیش کی کہ آج حضور امتناع نظیر پر تقریر فرمائیں۔ حضرت صدرالشریعہ نے حسب عادت معذرت کی۔ میں مقرر نہیں اور مسئلہ بہت دقیق ہے اسے بیان کرنا مشکل کام ہے۔ حضرت صدرالافاضل نے یہ سن کر فرمایا کہ مسئلہ دقیق ہی مگر آپ جب بیان فرمائیں گے آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گا۔ اس وقت حضرت صدرالشریعہ خاموش ہو گئے۔ علما نے سمجھا کہ قبول فرمالیا۔ حضرت صدرالشریعہ کے تعارف کے وقت حضرت صدرالافاضل نے اعلان فرمادیا کہ آج حضرت صدرالشریعہ کی تقریر کا عنوان "امتناع نظیر" ہے۔ مسئلہ اگرچہ بہت دقیق ہے مگر بیان کرنے والا وہ عبقری مدرس ہے جو جعل بسیط و مرکب، وجود رابطی، مشاۃ بالتکریر جیسے اہم و دقیق منطقی و فلسفی مسائل کو پانی پانی کر دیتا ہے۔ فلسفہ اور علم کلام کے الٰہیات کے مسائل کو بدیہی کر کے سمجھا دیتا ہے۔ حضرت محدث اعظم ہند تشریف فرما تھے یہ سنتے ہی پھڑک اٹھے اور فرمایا کہ آج استاذ الاساتذہ علامہ فضل حق خیر آبادی اور اپنے وقت کے امیر المومنین فی الحدیث محدث سورتی کے مجمع البحرین کے بحر ناپیدا کنار کے انمول موتیوں سے دامن بھر اجائے گا۔

صدر الشریعہ نے آیہ کریمہ "ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین" کو اپنی تقریر کا عنوان قرار دیا، اور حسب عادت انکساری اور تواضع کے چند کلمات کہنے کے بعد فرمایا کہ مگر جب ان نائبان رسول واساطین ملت کا حکم ہے تو اس کی تعمیل ضرور کرنی ہے یہ ان حضرات کا حسن ظن ہے کہ میں اس کا اہل ہوں مجھے اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے وہ ان جلیل القدر علما کا حسن ظن غلط نہیں ہونے دے گا۔

اصل موضوع پر آیت کریمہ "خاتم النبیین" اور آٹھ دس احادیث کریمہ سے بطور قیاس شرعی ثابت فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر محال بالذات ہے، تحت قدرت نہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثل ماننے سے ان نصوص کے انکار کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا۔ ایک گھنٹہ تک بڑی سلاست وروانی کے ساتھ اس مضمون کو بیان فرمایا۔ علمائے کرام محو حیرت اور مجمع دم بخود معلوم ہوتا تھا کہ ایک انسان نہیں بول رہا ہے بلکہ عالم قدس کا کوئی ملک مقرب، الہام ربانی کی تلاوت کر رہا ہے۔ ایک گھنٹہ وقت دیا گیا تھا، ایک گھنٹہ پورا ہونے پر جیب سے گھڑی نکالی دیکھ کر فرمایا کہ میرا وقت ختم ہوگیا میں رخصت ہو رہا ہوں۔ اس کے بعد حضرت محدث اعظم ہند کا وقت تھا، حضرت محدث اعظم ہند نے فرمایا: میں نے اپنا وقت آپ کو نذر کیا، آپ تقریر جاری رکھیں، حضرت صدر الشریعہ کا علم بھی اس وقت جوش مار رہا تھا، اور مائل بفیض بھی تھے۔ درود شریف پڑھوا کر پھر تقریر شروع کر دی۔ آیت کریمہ "خاتم النبیین" کی ایک نئے رنگ میں تفسیر فرمائی۔ پہلے بہ طریق معروف بیان فرمایا کہ خاتم اسم آلہ ہے اس کا مادہ "ختم" ہے جس کے لغوی معنی مہر کرنے کے ہیں، مگر اس کا استعمال معنی انہی میں ہے۔ پھر اس کے لغوی، عرفی، شرعی تین معنی تفصیل سے بتائے، جب معنی شرعی بتاتے وقت مسلسل احادیث بیان کرنی شروع کیں تو معلوم ہوتا تھا کہ امام بخاری احادیث سنا رہے ہیں۔ پھر ثابت فرمایا کہ خاتم کے کوئی بھی معنی لئے جائیں ہر معنی کے لحاظ سے اس سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل محال بالذات ہے۔ اتنے میں یہ گھنٹہ ختم ہوگیا۔ اس کے بعد غالباً حضرت ابوالحسنات یا حضرت ابوالبرکات الوری ثم لاہوری بانی حزب الاحناف لاہور کا وقت تھا، اب انہوں نے

فرمایا کہ حضرت میں اپنا وقت بھی نذر کرتا ہوں آپ اپنی تقریر جاری رکھیں۔ اسی اثنا میں کسی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل محال بالذات کیوں ہے۔ اگر اس کو محال بالغیر مانا جائے اور ممکن بالذات تو کیا خرابی لازم آئے گی اسے واضح فرمادیں۔ یہ سن کر پھر تبسم فرمایا اور "امتناع نظیر" کے محال بالغیر اور ممکن بالذات ہونے پر دس پندرہ استحالے قائم فرمانے کے بعد مولوی قاسم نانوتوی کی تحذیر الناس کے رد کی طرف رخ موڑا۔ وہ اس کا قائل تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل ممکن ہی نہیں واقع ہے، اور چھ مثل، زمین کے زیریں طبقات میں ہو چکے ہیں۔ پھر تو صدرالشریعہ کے بیان کا رنگ ہی کچھ اور ہو گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ عوام وخواص سب کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں سب ساکت وجامد۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ عام سامعین نے ان مضامین کو سمجھا ہوگا مگر سب بغور سنتے رہے نہ کوئی اٹھا اور نہ کوئی اونگھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ سب پر سحر حلال کر دیا گیا ہے۔ اس وقت حضرت صدرالشریعہ کی روحانی قوت کا لوہا سب نے مان لیا اور علم وفضل کا اعتراف تو پہلے ہی سے تھا۔ تیسرا گھنٹہ پورا ہونے پر صدرالشریعہ نے یہ فرما کر کہ اب بہت دیر ہو گئی آپ حضرات بیٹھے بیٹھے تھک گئے ہوں گے، سنتے سنتے اکتا گئے ہوں گے، اس لیے اب میں "**كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتخولنا بها (أي بالموعظة) مخافة السآمة علينا**" (مشکوٰۃ، فصل اول کتاب العلم) پر عمل کرتے ہوئے بس کرتا ہوں صدرالشریعہ کرسی سے اتر آئے حضرت صدرالافاضل قدس سرہ نے کھڑے ہو کر حضرت صدرالشریعہ کی اس تقریر پر ایسا شاندار تبصرہ فرمایا کہ زندگی میں کسی کی بھی تقریر پر ایسا تبصرہ نہ فرمایا تھا۔ اس کے بعد دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

دوسرے دن پورے شہر میں اس تقریر کی دھوم مچی ہوئی تھی، وہابی مدرسہ کے طلبہ بھی جن میں کچھ منتہی تھے اس تقریر کو سننے کے بعد اپنے استاذوں سے سوالات کرنے لگے مگر وہ جوابات سے عاجز رہے، یہ کہہ کر دامن چھڑا لیا کہ بریلوی بڑے منطقی ہوتے ہیں ان کی باتوں پر دھیان نہ دو۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ سال میں صرف تین تقریر فرماتے تھے۔ ایک اپنے

مرشد برحق خاتم الاکابر حضرت مولانا سیدنا آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہ کے عرس کے موقع پر قل کے وقت۔ دوسری عید میلاد النبی کے موقع پر اپنے کاشانہ مقدس میں۔ تیسری مدرسہ منظر اسلام کے سالانہ جلسے پر۔ اگر کہیں سے بھی تقریر کے لئے دعوت آتی تو حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کو بھیج دیتے۔ اعلیٰ حضرت جب مجمع میں موجود ہوتے تو کسی عالم کو تقریر کی جرأت نہ ہوتی تھی سوائے صدر الافاضل، صدر الشریعہ اور شیر بیشۂ سنت مولانا ہدایت رسول خاں صاحب رام پوری کے۔ ان تینوں حضرات میں سب سے زیادہ اعلیٰ حضرت کی موجودگی میں حضرت صدر الشریعہ نے تقریریں فرمائی ہیں۔ مگر مجھے اب تک ایسی کوئی روایت نہیں ملی کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی تقریر میں کبھی کوئی ایسی لغزش ہوئی ہو کہ جس پر اعلیٰ حضرت نے تنبیہ فرمائی ہو۔

ایسی تقریریں جو خالص علمی ہوں اور سیدھے سادھے، عام فہم الفاظ میں ہوں عوام پسند نہیں کرتے۔ عوام اب تقریروں میں بھی ہنسی مذاق، لطیفے، بذلہ سنجی ڈھونڈتے ہیں اور عوام میں وہی مقررین مقبول ہوتے ہیں جو الفاظ کے الٹ پھیر، گل وبلبل، غنچہ و بہار اور مترادفات کی کثرت زیادہ سے زیادہ کریں۔ مثلاً یہ کہا جائے ممبئی عجب نرالا شہر ہے، ہر جگہ انسان یا حیوان چلتا ہے، مگر ممبئی میں گرم چلتا ہے ٹھنڈا چلتا ہے، ہر جگہ بھک منگے مانگتے ہیں اور ممبئی میں کروڑ پتی سیٹھ بھی اپنے نوکروں سے مانگا کرتا ہے۔ بولتا ہے۔ ہم یہ نہیں مانگتا ہے، تم کیا لایا۔ اور غالباً قصاصین و واعظین نے ہمیشہ یہی باتیں کیں۔

حضرت صدر الشریعہ کی تقریر میں اس طرح واہیات، خرافات، اور لایعنی باتیں کبھی نہیں ہوتی تھیں، خالص معلوماتی تھیں۔ چوٹی کے بڑے بڑے واعظین کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ صدر الشریعہ کی ایک تقریر سے میں تین تقریر تیار کرتا ہوں مگر عوام میں تقریری حیثیت سے کوئی شہرت نہ تھی۔ لیکن پھر بھی بہت سارے دیوانے تھے جنہیں سوائے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے کسی کی تقریر پسند نہیں آتی تھی۔

اجمیر شریف کے قیام کے زمانے میں راجستھان کے مشہور صنعتی قصبے پالی جانے کا گیارہویں شریف کے موقع پر اتفاق ہوا، وہاں کی چھیپا برادری کے لوگ جماعتی سطح پر باپ

دادا کے زمانے سے بہت شان وشوکت سے گیارہویں شریف مناتے ہیں، اسی میں حضرت صدرالشریعہ کوانہوں نے مدعو کیا، اور پھر ایسے گرویدہ ہوئے کہ حضرت صدرالشریعہ کی حیات بھر کسی دوسرے واعظ کو مدعونہیں کیا۔ مجھ سے خود وہاں کے بوڑھوں نے بتایا کہ حضرت صدرالشریعہ کی تقریر کے بعد کسی کی تقریر میں وہ لذت نہیں اور یہ بات اور بہت سے لوگوں سے میں نے سنی ہے۔

دیگر کوائف

جی تو چاہتا تھا کہ بہارشریعت، فتاویٰ امجدیہ، شرح طحاوی شریف پر کچھ لکھوں مگر میرا مضمون بہت طویل ہوگیا، اندیشہ ہے کہ ہماری جماعت کے قارئین اپنی عادت کے مطابق میرے مضمون کو پڑھیں ہی نہیں اس لیے ان علمی نکتہ سنجیوں سے صرف نظر کرکے اب کچھ عادات وخصائل کا تذکرہ کرتا ہوں۔

مزاج میں حددرجہ لطافت تھی، صاف ستھرا عمدہ لباس زیب تن فرماتے، اعلیٰ کپڑوں کی شیروانی یا جبہ بنواتے، قیمتی کامدار عمامہ باندھتے، میں نے زمانہ دراز تک حضرت صدرالشریعہ کو انتہائی قیمتی لباس میں ملبوس دیکھا، مگر اخیر عمر مبارک میں یک بیک رنگ بدل گیا، اور کھدر پسند آگیا اسی کی بنیائن، اسی کا کرتہ، اسی کی چوڑی مہری کا پاجامہ، اسی کی گول ٹوپی، اسی کا عمامہ باندھتے۔

یہی حال کھانے کا تھا عام طور پر متوسط کھانا تناول فرماتے، لیکن کبھی کبھار نہایت اعلیٰ کھانے گھر پکواکر خود بھی کھاتے اور سب بچوں کو کھلاتے، پانی ہمیشہ بہت ٹھنڈا پیتے حتی کہ جاڑوں میں رات کو گھڑوں میں پانی بھروادیتے اور وہی دن بھر پیتے۔

آواز بہت بارعب گرجدار اور بلند تھی۔ مبارک پور مدرسہ اشرفیہ کے سنگ بنیاد کے موقع پر جامع مسجد راجہ مبارک شاہ میں تقریر فرمارہے تھے، ہم لوگ پرانے مدرسہ پرانی بستی میں تھے وہاں سے آواز کی گھن گرج سنتے تھے حالانکہ لاؤڈاسپیکر اس وقت ہندوستان میں آیا بھی نہیں تھا۔ فطری طور پر بہت رحم دل، شفیق، مہربان، بردبار، حلیم الطبع، سنجیدہ ومتین تھے البتہ

اگر اپنے صاحبزادگان یا تلامذہ سے کوئی غلطی ہوتی تو اس زور سے ڈانٹتے کہ لوگوں کے اوسان خطا ہو جاتے۔

صاحبزادگان پر شفقت کا جو عالم تھا وہ علامہ عبد المصطفےٰ ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مضمون میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ۶۷۔۶۶ھ میں اس خدمت اقدس میں حاضر تھا اس وقت میں نے حضرت کی شفقت اولاد پر اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ مولانا شاہ المصطفےٰ، مولانا بہاء المصطفےٰ، مولانا فداء المصطفےٰ اس وقت بہت چھوٹے بچے تھے۔ وہ گنا لے کر آتے اور کہتے ابا جی اسے ۔گنا۔ بنا دو یعنی اسے چھیل کر کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیجئے۔ حضرت بڑے پیار محبت سے گنا کر گنا چاقو ہاتھ میں لے کر اسے چھیلتے پھر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ان لوگوں کے منہ میں ڈالتے۔ رشتہ داروں کا بہت خیال کرتے، منجھلے بھائی حکیم احمد علی صاحب دوکان دار، بڑے بھائی حکیم محمد علی صاحب سے ملنے ان کے گھروں پر جاتے اور ان کا پورا احترام کرتے۔

میرے والد صاحب چوں کہ عم زاد تھے، ان پر بھی بہت مہربان تھے، اور والد صاحب روزانہ بلا ناغہ مغرب سے عشا تک حاضر ہوتے۔ اگر خاندان میں شکر رنجی ہو جاتی تو سب کو ملا دیا کرتے۔ گھر کا کام کاج کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ گھر میں ترکاریاں چھیلتے کاٹتے اور دوسرے کاموں کو بھی کر دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی مھنۃ اھلہ ٥

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر کے اندر گھر والوں کا کام کاج کیا کرتے تھے۔ (بخاری صفحہ ۸۰۸ جلد ثانی)

اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے گھر کے کام کاج سے عار محسوس نہ فرماتے بلکہ سنت پر عمل کرنے کی نیت سے ان کو بخوشی انجام دیتے۔

نماز باجماعت

آج کل علما و مشائخ میں یہ بیماری پیدا ہوگئی ہے کہ نماز اپنے کاشانوں میں پڑھ لیتے ہیں لیکن حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس پر بہت سختی سے پابند تھے کہ مسجد میں حاضر ہوکر باجماعت نماز پڑھیں، بلکہ اگر کسی وجہ سے مقررہ مؤذن وقت مقررہ پر نہیں پہنچتے تو خود اذان دیتے۔ قدیم دولت خانہ سے مسجد بالکل قریب تھی وہاں تو کوئی دقت نہیں تھی، لیکن جب نئے دولت خانہ "قادری منزل" میں رہنے لگے تھے تو اس کے پاس دو مسجدیں تھیں، ایک بازار کی مسجد، دوسرے بڑے بھائی کے مکان کے پاس جو "نوا کی مسجد" (جو اس وقت نوری مسجد سے مشہور ہے) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دونوں مسجدیں فاصلے پر تھیں اس وقت بینائی بھی کمزور ہو چکی تھی، بازار والی مسجد نسبتاً قریب تھی، مگر راستے میں بے تکی نالیاں تھیں اس لیے نوا کی مسجد میں نماز پڑھنے آتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ صبح کی نماز کے لئے جا رہے تھے، راستے میں ایک کنواں پڑتا ہے ابھی کچھ اندھیرا تھا اور راستہ بھی برابر نہ تھا، اونچا نیچا تھا۔ انداز سے کنویں پر چڑھ گئے قریب تھا کہ کنویں کے غار میں قدم رکھ دیتے۔ اتنے میں ایک عورت آگئی اور زور سے چلائی: ارے مولوی صاحب کنواں ہے، رک جاؤ، ورنہ گر پڑیو۔ یہ سن کر حضرت نے قدم روک لیا اور پھر کنویں سے اتر کر مسجد گئے، اس کے باوجود مسجد کی حاضری نہیں چھوڑی۔

سفر میں بھی کوشش یہی فرماتے کہ مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھیں۔ مبارکپور کبھی امتحان اور سالانہ جلسے میں تشریف لاتے تو گولہ بازار کی مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھتے۔

ایک بار ایسا بھی ہوا کہ مغرب کے وقت کچھ تاخیر سے پہنچے، ایک حافظ صاحب جن کو ہم لوگ حافظ جنتی کہتے تھے، نماز پڑھا رہے تھے، ان کا تلفظ صحیح نہیں تھا۔ انہوں نے "وجاء بقلب" کو "بکلب" پڑھا۔ "قلب" معنی دل اور "کلب" معنی کتا۔ اس مسجد میں مغرب کے وقت بہت بڑی جماعت ہوتی تھی۔ حضرت نے امام صاحب کے سلام پھیرتے ہی انہیں ٹوکا

اور فرمایا: نماز نہیں ہوگی۔ پھر کوئی اور صحیح خواں پڑھائیں۔ حافظ صاحب نے عرض کیا حضرت ہی آکر پڑھادیں، پھر حضرت نے نماز پڑھائی۔

لطیفہ

ان حافظ صاحب کو ہم لوگ حافظ جنتی اس لئے کہتے تھے کہ اس زمانے میں مسجد میں حل نہیں تھا کنویں سے پانی رسی ڈول سے کھینچا جاتا تھا۔ رسی عموماً بھیگی، گندی رہتی تھی۔ طلبہ کنویں سے پانی کھینچنے سے کتراتے تھے۔ یہ بے چارے حافظ جی بڑے شوق سے پانی بھر کر طلبہ کو وضو کراتے اس میں اکثر ان کی جماعت بھی چھوٹ جاتی، ان کی اس نوازش کے صلے میں ہم لوگ ان کو "حافظ جنتی" کہتے۔

نماز وروزہ کے ساتھ شغف

سفر ہو یا حضر کبھی نماز قضا نہ فرماتے۔ شدید سے شدید بیماری میں بھی نماز ادا فرماتے۔ اجمیر شریف میں ایک بار شدید بخار میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ غشی طاری ہوگئی، دوپہر سے پہلے غشی طاری ہوئی اور عصر کے وقت تک رہی۔ حافظ ملت خدمت کے لئے حاضر تھے، حضرت صدر الشریعہ کو جب ہوش آیا تو سب سے پہلے یہ دریافت فرمایا کیا وقت ہے؟ ظہر کا وقت ہے یا نہیں؟ حافظ ملت نے عرض کیا کہ اتنے بج گئے اب ظہر کا وقت نہیں۔ یہ سنتے ہی اتنی اذیت پہنچی کہ آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔ حافظ ملت نے دریافت کیا کیا حضور کو کہیں درد ہے، کہیں تکلیف ہے، فرمایا: تکلیف ہے ظہر کی نماز قضا ہوگئی۔ حافظ ملت نے عرض کیا حضور بے ہوش تھے، بے ہوشی کے عالم میں نماز قضا ہونے پر کوئی مواخذہ نہیں۔ فرمایا: آپ مواخذہ کی بات کر رہے ہیں، وقت مقررہ پر ایک حاضری سے محروم رہا۔

عرفا نے لکھا ہے کہ کچھ لوگ دوزخ کے ڈر سے فرائض وواجبات کی پابندی کرتے ہیں اور معاصی سے بچتے ہیں، کچھ لوگ جنت کی امید پر، اور کچھ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں

کہ وہ جنت و دوزخ سے بے پرواہ ہو کر صرف رضائے الٰہی کے لئے سارے اعمال حسنہ کرتے ہیں۔ان کا کہنا یہ ہے:

لو کانت الجنة بدون جماله فیا و یلاه ولو کان النار بجماله فیا شوقاه

اگر جنت میں اس کا دیدار نہ ہو تو صد افسوس اور اگر جہنم میں اس کا دیدار نصیب ہو تو خوش نصیبی۔

جنت نہ دیں، نہ دیں، تری رویت ہو خیر سے
اس گل کے آگے کس کو ہوس برگ و بر کی ہے
وہ جو صحرا میں ہوں تو صحرا بھی لالہ زار ہے
ورنہ پھر فردوس بھی میری نظر میں خار ہے

ان سے بلند وہ عارفان حق آگاہ ہیں جو دیدار کے بھی طالب نہیں وہ صرف رضائے الٰہی کے طلب گار ہیں۔

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائی

حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ عرفان کی اسی بلند منزل پر فائز تھے۔

ایک بار رمضان المبارک میں گھوسی میں جاڑے بخار کی وبا پھیل گئی وہ بھی بہت شدید۔ اس موذی مرض میں جاڑے کے بعد شدید بخار چڑھتا ہے اور اس میں پیاس اتنی شدید لگتی ہے کہنا قابل برداشت ہوتی ہے۔میں خود اس میں گرفتار ہو چکا ہوں اور اس کا مزہ چکھ چکا ہوں۔

حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں مبتلا ہو گئے اور تقریباً ایک ہفتہ تک گرفتار رہے۔ظہر بعد جاڑا آتا پھر بخار چڑھتا اس حال میں بھی ایک روزہ نہیں چھوڑا۔

زکوۃ کی پابندی

آپ زکوۃ پوری پابندی سے پورا حساب لگا کر ادا کرتے۔

میرے والد ماجد مرحوم ابتداء نوعمری میں بہت بڑے تاجر تھے،اور حساب کے

ماہران کو بلا کر پورا حساب لگواتے، زیوروں کا نقد اور مطبوعہ بہار شریعت کا پھر انہیں سے کپڑے کا تھان منگا کر عورتوں کے لائق الگ مردوں بچوں کے لائق الگ اور سب کے مناسب قطع کرا کے تقسیم فرماتے۔ کوئی سائل کبھی دروازے سے خالی واپس نہیں جاتا۔

بہت بڑے مہمان نواز تھے اور عموما مہمان آتے رہتے، سب کے شایان شان کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور آرام کا اہتمام فرماتے۔ مہمانوں کے لئے خصوصیت سے ان کی ضروریات کی چیزیں ہر وقت گھر میں رکھتے۔ کبھی کبھی کچھ لطائف وظرائف بھی ہوجاتے۔

علامہ عبد المصطفی ازہری مبارک پور اشرفیہ میں مدرس تھے، بہت مقبول ہر دل عزیز تھے ایک دفعہ یہ بعد مغرب دو مدرس اور چھ طالب علموں کو لے کر پہنچ گئے، پہلے سے کوئی اطلاع بھی نہیں تھی، اس وقت ہمارے یہاں کا بازار مغرب کے وقت بند ہوجاتا تھا اور اب بھی بعد مغرب ترکاری وغیرہ نہیں ملتی، حضرت کے یہاں مغرب کے وقت تک کھانا تیار ہو جاتا تھا۔ عشا اور مغرب کے درمیان حضرت اور گھر کے سب لوگ کھانا کھالیتے تھے۔ ازہری صاحب بعد مغرب جو مہمانوں کو فوج لے کر پہنچے، آپ خود سوچیے آپ اگر ہوتے تو کیا ہوتا۔ مہمانوں کے سامنے کچھ نہیں فرمایا اندر لے جا کر ان کو کافی تنبیہ فرمائی، تم کو پہلے سے اطلاع کرنی چاہیے تھی، اور بولو اس وقت کیا ہوسکتا ہے۔ دال روٹی پکانے میں بھی کتنی دیر ہوگی، اور پھر مہمانوں کے سامنے صرف دال روٹی لے جائیں گے تو وہ کیا کہیں گے۔ ان کو خوب ڈانٹ ڈپٹ کی، پھر حکم دیا جو کھانا پکا ہوا ہے وہ مہمانوں کو کھلا دو، اب جو کھانا پکے گا ہم لوگ کھالیں گے۔

روحانیت

عام طور پر لوگ یہی جانتے ہیں کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ ایک متبحر عالم اور فقیہ ومحدث تھے۔ باطن کا کیا حال تھا لوگ اس سے واقف نہیں۔ اس سلسلے میں میں اپنی واردات بیان کروں تو لوگوں کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ خاندانی تعلق کی بنا پر لکھ رہا ہے۔ اس لئے پہلے ایک اہم واقعہ سن لیجیے۔

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبقوں میں ایک بزرگ شاہ صدیق اللہ صاحب بنارسی بھی تھے۔ یہ بھی اجمیر شریف میں حضرت سے پڑھتے تھے، اسی زمانے میں انہوں نے تزکیہ باطن کے لئے حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے چلہ پہ جا کر ذکر بالجہر کرنا شروع کیا۔ کئی دن گزر گئے جب سبق میں حاضر نہ ہوئے تو حافظ صاحب وغیرہ ان کے ساتھی ان سے ملاقات کرنے سدا بہار پہاڑی پر غریب نواز کے چلے میں گئے وہاں جا کے دیکھا تو ان کا حال عجیب تھا بہت کمزور اور نحیف ہو گئے تھے۔ حال پوچھنے پر بتایا کہ مجھے دست آ رہے ہیں۔ حافظ ملت وغیرہ نے واپس آ کر حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کو بتایا ان کا حال سن کر حضرت صدر الشریعہ نے بھی افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ کل ہم بھی دیکھنے چلیں گے۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ محدث اعظم پاکستان اور حافظ ملت کو لے کر ان کے پاس گئے۔ شاہ صاحب اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ بچوں کی طرح ہاتھ پاؤں کے سہارے چل کر چلہ شریف پر آ کر صدر الشریعہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ صدر الشریعہ کو دیکھتے ہی شاہ صاحب زار و قطار رونے لگے۔ جب رو دھو کر ان کو کچھ سکون ہوا تو حضرت صدر الشریعہ نے پوچھا کہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے بتایا: لا الہ اللہ کا سہ ضربی ذکر بالجہر کرتا ہوں۔ صدر الشریعہ نے پوچھا کس طرح کرتے ہو۔ انہوں نے بدقت تمام بیٹھ کر بتایا۔ صدر الشریعہ نے فرمایا کہ یہ غلطی ہو رہی ہے، سر یہاں سے اٹھاؤ اور یوں جھکو اور اس طرح اتنے نیچے سر لا کر دل پر ضرب لگاؤ۔ اپنے بتائے ہوئے طریقے کی ان کو مشق کرائی۔ فرمایا: علاج یہی ہے کہ جیسے میں نے بتایا ہے اسی طرح کرو۔ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ وہ تین دن میں بالکل ٹھیک ہو گئے۔

جب پاکستان بنا اور پاکستان کے دو حصہ ہو گئے۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان اور بہت سے میمن ہندوستان چھوڑ کر پاکستان ہجرت کرنے لگے۔ پھر کچھ مغربی پاکستان میں گئے کچھ مشرقی پاکستان میں گئے۔ علاقہ کاٹھیا واڑ و دھوراجی کے مشہور تاجر حاجی عبد العزیز مرحوم کا حضرت صدر الشریعہ کی خدمت میں خط آیا کہ حضرت مجھے مشورہ دیں میں مشرقی پاکستان میں جاؤں یا مغربی پاکستان میں۔ ان کا رجحان مشرقی پاکستان کی طرف تھا۔ عادت

کریمہ یہ تھی کہ روزانہ جتنے خطوط آتے اسی دن سب کے جوابات لکھوا دیتے مگر ان کے اس اہم خط کو رکھوا دیا۔ تین دن کے بعد جواب لکھوایا کہ آپ مغربی پاکستان جائیں۔ حضرت کی ہدایت کے بموجب وہ کراچی چلے گئے۔ اللہ نے ان کو ایسی برکت دی کہ آج ان کے پوتے پاکستان کے صف اول کے تجار میں ہیں۔

اب میرا قصہ سنیے۔ ہمارے یہاں کے سارے اہل سنت شیخ المشائخ تاج الاصفیاء حضرت مولانا سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی قدس سرہ کے مرید تھے۔ والدین بھی انہی سے مرید تھے۔ والدین جب بیعت ہوئے تھے تو میں بہت چھوٹا تھا۔ صرف اتنا یاد ہے کہ اس دن ہمارے گھر بہت اچھے اچھے کھانے پکے تھے جن میں سے فیرنی مجھے اب بھی یاد ہے، حضرت اشرفی میاں قدس سرہ اس وقت کیا لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کا کیا حلیہ مبارکہ تھا۔ صرف اتنا یاد ہے کہ چمڑے کا موزہ پہنے ہوئے تھے۔ اس کے بعد حضرت کئی بار گھوسی تشریف لائے۔ ہر بار والد صاحب مجھے ان کی خدمت میں لے جاتے دعا کے لئے عرض کرتے۔

حضرت نے بارہا میرے سر پر ہاتھ پھیرا ہے اور دعائیں دی ہیں۔ دعاؤں کی برکتیں میں آج بھی محسوس کرتا ہوں۔ حضرت کے حلیہ جمال کا ہر نقش ونگار میرے دل ودماغ پر ثبت ہے۔ سبحان اللہ! وہ نورانی دلکش چہرہ، جس پر فردوس کی بہاریں قربان اور کیوں نہ ہو کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

اشرفی اے کہ رخت آئینہ حسن خوباں

اے نظر کردہ و پروردہ سہ محبوباں

جس مجلس میں تشریف رکھتے ایسا معلوم ہوتا کہ ملا قدس کا کوئی فرشتہ جلوہ گر ہے جو دیکھتا ہوش وخرد کھو بیٹھتا۔

ایک بار اجمیر مقدس شاہجہانی مسجد کے منبر پر تشریف رکھ کر چند دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے جس کا اثر یہ ہوا کہ مسجد کے سارے حاضرین مرید ہوگئے۔ حضرت کے رومال میں عمامہ باندھا گیا پھر اس عمامہ میں متعدد عمامے باندھے گئے۔ حاضرین میں علما، روسا بھی تھے۔ اسی موقع پر حافظ ملت کے تمام رفقائے درس بھی مرید ہوئے تھے۔ خود میرے دل میں

حضرت کی بہت محبت اور عظمت تھی۔ جب گھوسی تشریف لاتے اپنا پڑھنا لکھنا چھوڑ کر خدمت میں حاضر رہتا۔ جہاں جاتے پیچھے پیچھے جاتا۔ دوسری طرف حجۃ الاسلام، مقتدائے انام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب کی شخصیت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام کی حیثیت کچھ کم نہ تھی۔ اس عہد کے علما و مشائخ سر نیاز خم کرتے تھے۔ طلعت زیبا ایسی نورانی اور جاذب تھی کہ بڑوں بڑوں کو غلام بنالیا۔ صرف ان کی نورانی صورت دیکھ کر کتنے کفار مسلمان ہوئے۔ جب حضرت حجۃ الاسلام مبارکپور تشریف لائے تھے، تو حضرت کے ساتھ میری شیفتگی کا عالم یہ تھا کہ دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتا۔ کھانا کھانے بھی نہیں جاتا، رات کو بھی حضرت جب تک جاگتے رہے حاضر رہتا۔

لیکن میرا حصہ ازل سے کہیں اور تھا۔ حضرت صدر الشریعہ کا رنگ مبارک گندم گوں عنبری مائل تھا، لیکن بغیر کسی کی تحریک کے میں از خود خدمت اقدس میں حاضر ہوا جب کہ میں مبارکپور پڑھ رہا تھا۔ حضرت صدر الشریعہ جلسے میں تشریف لائے تھے، اس وقت کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ حضرت صدر الشریعہ بھی پیر ہیں، اندرونی کشش سے مغلوب ہو کر میں حاضر ہوا۔ حافظ ملت بھی موجود تھے میں نے عرض کیا: مجھے مرید کر لیجیے۔ پوچھا کہاں گھر ہے؟ میں نے بتایا، گھوسی۔ پوچھا کس کے لڑکے ہو؟ میں نے کہا عبدالصمد کے۔ فرمایا ارے میں نے پہچانا نہیں۔ تم شریف الحق ہو۔ دروازے سے روشنی آرہی ہے۔ کچھ چکا چوندی لگ رہی ہے اس لیے تمہارے چہرے کو دیکھا نہیں۔ فرمایا: مٹھائی لائے ہو۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ اتنے میں دارالعلوم اشرفیہ کے سابق ناظم حاجی محمد عمر صاحب کے صاحبزادہ مولوی نثار احمد صاحب مرحوم مٹھائی لے کر آئے اور انہوں نے بھی مرید ہونے کی درخواست کی۔ فرمایا اچھا چلو اسی میں تمہارا کام بھی چل جائے گا۔ غالباً ہم دونوں افراد حضرت صدر الشریعہ کے پہلے مرید ہیں۔

میں آج تک خود حیرت میں ہوں کہ آخر ہندوستان کے مشاہیر اور خاندانی مشائخ سے بیعت کا خیال کیوں نہیں ہوا، اور از خود حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی طرف اتنا انجذاب کیوں ہوا؟ سچ ہے۔

ہمہ شہر پر زخوباں منم وخیال ما ہے
چہ کنم کہ چشم بد خو فکند بکس نگاہے

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی باطنی جامعیت اور کمال کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سوائے حضرت صدر الشریعہ کے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے کسی کو بھی حتی کہ شہزادگان کو بھی اپنی بیعت لینے کے لیے وکیل نہیں بنایا تھا۔ حضرت شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھ سے ایسے مجمع میں جس میں حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے لوگ موجود تھے، یہ بیان فرمایا کہ ابتداء میں مدرسہ فرقانیہ میں پڑھتا تھا، اور میرے استاذ سب دیوبندی تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ والد صاحب مرحوم کی کتابیں دھوپ دکھانے کے لئے آنگن میں پھیلائی ہوئی تھیں، میں ان کتابوں کو دیکھنے لگا، اس میں سے "تمہید ایمان" اٹھائی، اور اسے پڑھنا شروع کیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ دیوبندی علما کی شان رسالت میں توہین آمیز عبارتیں پڑھنے کے بعد مجھے شدید نفرت ہوگئی، اور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا میں شیدا ہوگیا۔ پھر دوسرے دن سے دیوبندی مولویوں سے ان کفریہ عبارتوں پر سوال وجواب شروع کر دیا۔ کچھ دن تو انہوں نے بہت صبر وتحمل سے کام لیا اور بطور خود مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن میں ان کی افہام وتفہیم سے مطمئن نہ ہوسکا، جس کے نتیجہ میں پورے مدرسہ میں مبغوض ہوگیا۔ دل چاہتا تھا کہ اڑ کر بریلی شریف پہنچ جاؤں مگر مجبوریاں ایسی تھیں کہ میں جانہیں سکتا تھا۔

اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی سے الفت وتنقید کرنے کے لئے بریلی شریف کے کچھ علما تشریف لائے ہوئے ہیں، حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ مسند الامام، حجۃ الاسلام، حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب خلف اکبر اعلیٰ حضرت، صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی اور صدر الشریعہ، بدر الطریقہ حضرت مولانا محمد امجد علی صاحب قدست اسرارہم تشریف لائے ہیں۔ میں نے ان سب حضرات سے ملاقات کی اور ان سے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات میں کوئی اعلیٰ حضرت کا وکیل بالبیعۃ ہو تو میں اس کے ہاتھ پر اعلیٰ حضرت سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرت

حجۃ الاسلام نے فرمایا کہ یہ شرف ہم میں سے صرف حضرت مولانا امجد علی صاحب کو حاصل ہے۔ آپ ان کے ہاتھ پر بیعت ہو جایئے۔ میں نے بلا تاخیر حضرت صدر الشریعہ کے ہاتھ پر اعلیٰ حضرت کی بیعت کر لی۔

جب حضرت صدر الشریعہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو حضرت صدر الشریعہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ رات میں جب بعد نماز عشاء مسجد نبوی شریف خالی کرائی جاتی صرف خدام رہ جاتے۔ مجھے شریف مکہ کی خصوصی سند کی بنا پر رات میں مسجد نبوی کے اندر رہنے کی اجازت تھی، اور زمانہ قیام میں، میں ہر رات مسجد نبوی کے اندر حاضر رہتا۔ خدام نے مجھے اس کی بھی اجازت دی کہ میں روضۂ مبارکہ کے اندر جا سکوں۔ مگر میری ہمت نہ ہو سکی۔ میں کہاں! کہاں وہ مبارک خطہ، یہی کرم بہت تھا کہ دربار میں رات کی تنہائیوں میں مسلسل باریاب فرماتے رہے۔ منجھلے بھائی حکیم احمد علی صاحب نے پوچھا کہ ان راتوں کی خلوت کی حاضریوں میں کیا ہوا، مسکرا کر فرمایا یہ مت پوچھیے یہ بتانے کی بات نہیں۔

ناظرین خود سوچیں! جنم جنم کا ہجران نصیب عاشق صادق جب اپنے محبوب کی عنایت خاصہ سے محبوب کے ساتھ ایسی خلوت میں جگہ پائے جہاں وہ ہو اور محبوب ہو اور تیسرا کوئی نہ ہو تو محبوب نے کیا کیا نوازشیں کی ہوں گی، اسے کون جانے اور کون بتائے، اسے ارباب محبت ہی جان سکتے ہیں۔ ع:

نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے

ملا خسرو نے عرض کیا۔

نمی دانم چہ محفل بود شب جائے کہ من بودم
ہزاراں رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم
پری پیکر نگارے سرو قدے لالہ رخسارے
ہزاراں آفت دل بود شب جائے کہ من بودم
رقیباں گوش بر آواز او در ناز من ترساں
سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائے کہ من بودم

خدا خود میر محفل بود اندر لا مکاں خسرو
محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

جس قدسی صفات، پیکر عشق، جگر سوختہ کو زندگی کہ یہ معراج نصیب ہوگئی ہو جو ایک دن نہیں متعدد راتیں محبوب حقیقی کے ساتھ خلوت خاص میں باریاب رہا ہو، اس کی روحانیت کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت صدر الشریعہ معرفت وحقیقت کے سمندر کے سمندر پئے ہوئے تھے۔ مگر کیا مجال کہ کسی کو بو بھی محسوس ہوئی ہو۔ اپنے باطنی کمالات پر علم ظاہر کی چادر اس طرح ڈالے ہوئے تھے کہ دنیا والوں نے انہیں صرف ایک عالم سمجھا، لیکن حقیقت میں وہ اپنے عہد کے عرفا کی صف اول میں جگہ پائے ہوئے تھے۔

وصایا شریف صفحہ ۲۲ میں مذکور ہے کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنی نماز جنازہ کے بارے میں یہ وصیت فرمائی تھی:

الحجۃ المؤتمنہ میں نماز جنازہ کی جتنی دعائیں منقول ہیں اگر حامد رضا کو یاد ہوں تو وہ میری نماز جنازہ پڑھائیں ورنہ مولوی امجد علی صاحب پڑھائیں۔

حضرت حجۃ الاسلام چوں کہ ولی تھے اس لئے ان کو مقدم فرمایا، وہ بھی مشروط طور پر اور ان کے بعد اعلیٰ حضرت کی نگاہ انتخاب اپنے جنازہ کے لئے جس پر پڑی وہ بھی بلاشرط وہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی ذات تھی۔ اسی سے حضرت صدر الشریعہ کے علم ظاہر وعلم باطن کو سمجھا جاسکتا ہے۔

الملفوظ حصہ اول میں ہے کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا۔ (الملفوظ اول صفحہ ۱۰۳)

یہ ارشاد اس پر نص جلی ہے کہ حضرت صدر الشریعہ بلاشرکت غیرے اعلیٰ حضرت کی نظر میں افقہ العلماء تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کی ضرورت محسوس فرمائی کہ پورے ملک کا ایک قاضی بنائیں تو حضرت صدر الشریعہ ہی کو بنایا، جس کی تفصیل دیگر مضامین

میں موجود ہے۔

اور باطنی روحانی کمال کی بلندیوں کو دیکھنے کے لئے اپنی حیات میں وکیل بالبیعۃ بنانا اور نماز جنازہ پڑھانے کے لئے وصیت کرنا بہت واضح دلیل ہے کہ حضرت صدر الشریعہ کو اعلیٰ حضرت نے ظاہری اور باطنی دونوں طور پر کمال کی ان بلندیوں پر پہنچا دیا جہاں اس عہد میں دوسروں کی رسائی نہیں تھی۔

باوج بے کسی ما پر ہما نرسد
رسیدہ ایم بجائے کہ کس بما نرسد

حب رسول

اس پر پوری امت کا قطعی یقینی اجماع ہے اور قرآن مجید کی نصوص قطعیہ اور احادیث صریحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ایمان کی اصل حب رسول ہے۔ اعلیٰ حضرت عرض کرتے ہیں۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے کہ مری جان ہیں یہ

اس لئے جس کا ایمان جتنا قوی ہوگا اس کے اندر اسی تناسب سے حب رسول زیادہ سے زیادہ ہوگا۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی قوت ایمانی کتنی بڑھی ہوئی تھی وہ سطور بالا سے ظاہر ہے۔ اس لیے ان کے سینے میں عشق رسول کا وہ لاوا دہک رہا تھا، جس نے ما سوا کو پھونک کر خاکستر کر کے حضرت صدر الشریعہ کو فانی فی الرسول باقی بالرسول کے ذروۂ علیا پر پہنچا دیا تھا، مگر وسعت ظرف کا عالم یہ تھا کہ سوز دروں سے اگرچہ قلب وجگر کباب تھے، مگر کسی کو اس کی مہک بھی نہیں لگتی۔

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
ایں مدعیاں در طلبش بیخبرانند
کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

لیکن کبھی کبھی جب کوئی نعت خواں نعت پڑھتا تو رازِ اندروں کی غمازی چشم تر کے آبدار موتی کر دیتے۔ انسان اگر وسیع الظرف ہے تو اپنی زبان کو قابو میں رکھ سکتا ہے مگر چشم تر پر کسی کو قابو نہیں۔ ع:

نہیں قابو کسی کا کچھ ہماری دیدۂ تر پر

مثل مشہور ہے:

ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں نے بھرم کھول دیا۔

میں نے بار بار دیکھا ہے کہ جب نعت شروع ہوتی تو آنکھیں بند کر لیتے تھے، مؤدب بیٹھ جاتے، دونوں ہاتھ باندھ لیتے۔ انتہائی وقار و تمکنت کے ساتھ اس طرح پرسکون ہو جاتے کہ معلوم ہوتا کوئی پتھر کا مجسمہ ہے، نہ واہ واہ کرتے، نہ سبحان اللہ، پورے انہماک و توجہ سے سنتے۔ پھر کچھ دیر بعد آنکھوں سے سیل اشک اس طرح جاری ہو جاتے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے۔ نعت پڑھنے والا نعت پڑھ کر خاموش ہو جاتا، اس کے بعد بھی کچھ دیر تک یہی خود فراموشی طاری رہتی۔

ففاضت دموع العین منی صبابۃ
علی النحر حتی بل دمعی محملی

ریش مبارک تر ہو جاتی، لباس تر ہو جاتا، لیکن آنسو نہ تھمتا۔

لاکھ برس گئی گھٹا سوز دروں نہ کم ہوا
آگ سی ہے لگی ہوئی دیدۂ اشکبار میں

حب رسول ہی کی تڑپ تھی کہ مدت العمر سفر، حضر کہیں بھی ہوں کتنی ہی مصروفیت ہو نماز فجر کے بعد ایک پارہ کی تلاوت فرماتے، اور پھر ایک حزب دلائل الخیرات شریف

پڑھتے۔ اس میں کبھی ناغہ نہ ہوتا۔ اور ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ بلا ناغہ سو بار درود رضویہ پڑھتے حتی کہ سفر میں بھی نماز ظہر کے بعد درود رضویہ نہ چھوڑتے، چلتی ہوئی ٹرین میں کھڑے ہو کر پڑھتے، ٹرین میں جو ہندو یا ترقی یافتہ مسلمان بننے والے ہوتے اس دیوانگی پر حیرت زدہ ہوتے، انہیں کیا معلوم ع:

دیوانہ بہت سوچ کے دیوانہ بنا ہے

عشق رسول کی دیوانگی ہے، جس پر سارے جہاں کی فرزانگی قربان!

نعتیہ مشاعرے کا انعقاد

یہ عشق رسول ہی کا ثمرہ تھا کہ ہر سال "قادری منزل" کی چھت پر نعتیہ مشاعرہ کا بڑے اہتمام سے انعقاد فرماتے۔ رمضان المبارک میں علامہ عبد المصطفےٰ ازہری صاحب صاحبزادہ اور علامہ عبد المصطفےٰ اعظمی وغیرہ کو بلا کر خود مصرع طرح منتخب فرماتے، جو یا تو اعلیٰ حضرت کا کوئی مصرعہ ہوتا یا مولانا حسن رضا خان صاحب کا کوئی مصرعہ۔ مثلاً ایک مصرعہ طرح تھا ع:

جب خاک اڑے میری مدینے کی ہوا ہو

پھر ازہری صاحب کو بیٹھا کر تمام شعرا کی لسٹ بنواتے اور حکم دیتے کہ سب کو دعوت نامہ بھیج دینا۔ سارے اخراجات اپنی جیب سے کرتے عموماً یہ مشاعرہ ۱۴رشوال کو ہوتا تھا۔ بلکہ غالباً ہمیشہ اسی تاریخ میں ہوتا تھا۔ مشاعرہ کی رات عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد ہی فرش وغیرہ بچھوا کر سب سے پہلے خود آ کر بیٹھ جاتے اور اخیر وقت تک جب تک مشاعرہ ختم نہ ہو جائے بیٹھے رہتے۔ شاعروں کا حضرت کی موجودگی کی وجہ سے ہوش گم رہتا لیکن اس وقت سراپا جمال ہی جمال، کرم ہی کرم نظر آتے۔ مشاعرے کے اصول کے مطابق کبھی کبھی شاعر کے مصرعہ کو دہراتے، اور اچھے اشعار پر دل کھول کر داد دیتے۔ اس وقت استغراق بالکل نہیں ہوتا، اور اچھے سامع کی طرح پورا مشاعرہ سنتے۔ مشاعرہ ختم ہونے پر دعا فرماتے، اور شاعروں کے رخصت ہوتے وقت جن شاعروں کا کلام پسند آ جاتا ان سے فرماتے: بھائی اتم

نے بہت اچھا کہا، بہت خوب کہا، بہت عمدہ کہا۔

میں شاعر نہیں، اور نہ کبھی شعر کہنے کی طرف کوئی رجحان، مگر اس مشاعرے کے لئے ہمیشہ لکھتا اور پندرہ پندرہ شعر لکھ لیتا۔ یہ سب نظمیں میری بیاض میں درج تھیں۔ جسے ہمارے صاجزادگان نے کسی کو بخش دیا اور واپس لینا بھول گئے، اس مشاعرہ میں علامہ عبد المصطفےٰ ازہری رحمۃ اللہ علیہ کافی اشعار کہتے تھے۔ اور غیر شاعر لوگوں کو دیدیتے جو اس مشاعرے میں پڑھتے ان کی شاعری کا کمال یہ تھا کہ پڑھنے والے کی مناسبت کا پورا پورا لحاظ ہوتا۔ مثلاً عالی جناب بھائی قاری رضاء المصطفےٰ صاحب خطیب میمن مسجد کراچی ان دنوں بہت کم عمر تھے، مگر بہت ہی خوش آواز حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ ان کو بابو کہا کرتے تھے۔ اس لئے وہ بابو کہلائے جاتے۔ ہم سب لوگ انہیں بابو ہی کہا کرتے۔

ایک سال مصرع طرح تھا۔ ع:

سرور آنکھوں میں آیا، جان دل میں، نور ایماں میں

اس پر ازہری صاحب نے ان کو پڑھنے کے لئے جو نظم دی اس میں تضمین یہ تھی۔

تعالی اللہ کیا اچھی طرح دے دی میرے ابا نے

سرور آنکھوں میں آیا، جان دل میں، نور ایماں میں

اسی طرح حضرت صدر الشریعہ کے بھتیجے حکیم احمد علی صاحب کے صاجزادے حکیم غلام مصطفےٰ مرحوم تھے۔ یہ بھی بہت خوش آواز تھے اور بہت عمدہ طرز سے پڑھتے تھے۔ ان کی خوش آواز سے متاثر ہو کر ایک دفعہ علامہ اعظمی صاحب نے یہ کہا، حکیم صاحب آپ کی آواز تو ایسی سریلی دلکش ہے کہ اگر پردے کے پیچھے پڑھیں تو شبہہ ہو جائے۔ اس پر میں نے یہ گرہ لگائی، نہیں صاحب! سامنے پڑھنے پر بھی شبہہ ہوتا ہے اگر پردے کے پیچھے پڑھیں تو یقین ہو جائے گا۔

ان کو ازہری صاحب نے جو نظم لکھ کر دی اس کے ہر ہر شعر میں طبی مصطلحات کا لحاظ کرتے ہوئے نعت کہی تھی۔ اس میں کا صرف ایک مصرعہ یاد ہے ع:

کروں پاشویہ اے آقا تمہارا دیدۂ تر سے

پاشویہ ایک علاج ہے، درد سر اور بہت سی بیماریوں میں مناسب دوائیں پانی میں ابال کر اس کے نیم گرم جوشاندہ کو پنڈلیوں پر ڈالا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ پنڈلیوں کے زم حصے کو گھٹنے کی طرف سے انگلیوں سے ہلکے ہلکے سونتتے ہوئے نیچے لایا جاتا ہے۔ اب آپ اس مصرعہ کا مزہ لیجئے۔

غرض کہ اس مشاعرے کی بڑی دھوم رہتی، مشاعرے کے بعد اس کے چرچے ہوتے رہتے۔ یہ سب کیا تھا اسی عشق رسول کی جلوہ سامانی۔ ایک سوختہ جان عاشق صادق اپنے سینے میں دہکتے ہوئے شعلوں پر ذکر محبوب کے ٹھنڈے ٹھنڈے چھینٹے ڈالنے کے لئے بہانہ بنایا کرتا۔

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ
ھو المسک ما کررتہ یتضوع

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے سینۂ مبارکہ میں عشق رسول اتنا شعلہ زن تھا کہ بالآخر اسی میں جسم ظاہری کو پھونک کر حیات ابدی کی نیند سو گئے۔ آخر صبر ضبط کب تک رہتا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ جیسے میر کارواں عشق نے بھی ایک بار یہ کہہ ہی دیا۔

اے دل یہ سلگنا کیا جلنا ہے تو جل بھی اٹھ
دم گھٹنے لگا ظالم کیا دھونی رمائی ہے

بالآخر سلگتے سلگتے دل جل اٹھا اور
مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں
قدم رکھنے کی بھی نوبت نہ آئی تھی سفینے میں

یہ ایمان افروز نظارہ رئیس التحریر، سیاح عالم علامہ ارشد القادری صاحب کی زبانی اسی (صدر الشریعہ) نمبر میں ملاحظہ فرمائیں۔ میں چند چشم دید باتیں تحریر کردے رہا ہوں۔

سفر حرمین یا سفر آخرت

گزر چکا کہ حضرت صدر الشریعہ نے ۱۳۳۷ھ میں پہلی بار اللہ کے گھر اور اس کے حبیب کے در پر حاضری دی تھی۔ یہ حاضری بھی اسی اندرونی بے تابی کا ثمرہ تھا۔ ہمارے

ہندوستان میں عام رواج یہ ہے کہ جب ایک شخص اپنے تمام بچوں کی شادیوں سے فارغ ہو لیتا ہے اور سب کے رہنے کے لئے مکان بنوا لیتا ہے، پھر حج کرتا ہے۔ لیکن حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا کہ میں حج و زیارت کے لئے شب و روز بے تاب رہتا، جب حج کے لئے قافلہ نکلتا تو میرا دل مسوس کر رہ جاتا۔ میرے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہو پاتا کہ میں حج و زیارت کر سکوں مگر کچھ نہ کچھ اس کے لئے پس انداز کرتا رہا۔ ابھی پوری رقم جمع نہ ہو پائی تھی کہ بے تابی برداشت کی منزلوں سے آگے بڑھ گئی۔ اس زمانے میں حج کے سفر میں کم از کم تین مہینے ضرور صرف ہوتے تھے۔ عموماً چار مہینے لگ جاتے تھے، چار ماہ کے لئے بچوں کے نان و نفقہ کے واسطے گھر چھوڑنا، پھر حج کے اخراجات کے لئے رقم ہونا بڑا مشکل نظر آ رہا تھا، لیکن جب بے تابی بہت زیادہ بڑھ گئی تو میں نے کچھ قرض لئے اور حج کے لئے گیا۔ آپ کو دھوم دھام سے بچوں کی شادی کرنے کے لئے قرض لینے والوں کی فہرست بہت لمبی ملے گی، مگر حج کے لئے قرض لینے والوں کی سوائے حضرت صدر الشریعہ کے شاید ہی کوئی مثال ہو۔

۱۳۶۷ھ میں حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے حج کا قصد فرمایا۔ یہ اطلاع جب حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کو ملی، تو آپ نے بھی عزم مصمم کر لیا کہ میں بھی حاضری دوں، حالانکہ ان دنوں گلاکوما، سنبل بائی کی وجہ سے بصارت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اتنی کہ خطوط اور فتاویٰ املا کراتے تھے۔ خود پڑھ نہیں سکتے تھے۔ فتاویٰ کے لئے تائیدی عبارتیں دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے، مگر عشق رسول نے جو آپ کے سینے میں لگا رکھی تھی، اس نے اس عذر کی بھی پرواہ نہ کرنے دی اور بے خطر حج و زیارت کے لئے درخواست بھیج دی۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل تھی محو تماشائے لب بام ابھی

پروگرام یہ طے ہوا کہ دولت کدے سے پہلے بریلی شریف حاضری دیں اور پھر وہاں سے حضرت مفتی اعظم ہند کے ہمراہ ممبئی جائیں۔

۲۶ر شوال ۱۳۶۷ھ کو گھوسی سے روانگی طے ہوئی، اس کی اطلاع مبارک پور حضور

حافظ ملت کو بھی کر دی گئی تھی۔ حضور حافظ ملت اور اشرفیہ کے دیگر مدرسین ۲۵ رشوال کی شام کو دولت کدے پر حاضر ہو گئے۔ بعد عشا میں بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، جب حضرت چارپائی پر لیٹ گئے تو میں نے اور حافظ ملت نے پیر دبانا شروع کیا، اسی اثنا میں حضرت صدر الشریعہ کی زبان پر یہ مشہور شعر جاری ہوا۔

مدینہ جاؤں پھر آؤں مدینہ پھر جاؤں
اسی میں عمر الٰہی ! تمام ہوجائے

حافظ ملت نے عرض کیا کہ اب بھی جب قافلہ مدینے کی طرف چلتا ہے تو زائرین بڑے ذوق وشوق سے اس شعر کو پڑھا کرتے ہیں۔ فرمایا پڑھتے ہوں گے۔ مولوی سبحان اللہ کو بلاؤ۔ مولوی سبحان اللہ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ حضرت جامی کی وہ نظم پڑھو:

احسن شوقا الیٰ دیار لقیت فیھا جمال سلمیٰ
کہ می رساند ازاں نواحی پیام وصلت بجانب ما

ترجمہ: ان دیار کے شوق میں رو رہا ہوں جن میں میں نے محبوب کا جمال دیکھا تھا کہ اس طرف سے وصل کا پیغام ہماری جانب پہنچ رہا ہے۔

حریم کوئے تو کعبۂ دل جمال روئے تو قبلۂ جاں
فان سجدنا الیک نسجد وان سعینا الیک نسعیٰ

ترجمہ: تیری گلی دل کا کعبہ ہے اور تیرا جمال جان کا قبلہ، اگر ہم سجدہ کرتے ہیں تو تیری طرف سجدہ کرتے ہیں اور سعی کرتے ہیں تو تیری طرف سعی کرتے ہیں۔

بناز گفتی فلاں کجائی چہ بود حالت دریں جدائی
مرضت شوقا ومت ھجرا فکیف اشکو الیک شکویٰ

ترجمہ: تونے ناز سے پوچھا، اے فلاں! تو کہاں تھا، جدائی میں تیری حالت کیسی تھی؟ (میں نے عرض کیا) شوق میں بیمار ہوا، ہجر میں مرگیا، تمہاری کیا شکایت کروں۔

جب مولانا سبحان اللہ نے اخیر کا شعر پڑھا تو حضرت صدر الشریعہ ماہی بے آب کی طرف تڑپنے لگے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بار بار اسی شعر کی تکرار کراتے رہے اور

تڑپتے رہے۔

ہم نے کسی سوختہ جگر عاشق کو تڑپتے ہوئے کبھی نہ دیکھا تھا، مگر اس رات محبوب خدا کے ایک دیوانے کو تڑپتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا۔ حافظ ملت اور میں خود دم بخود بہت دیر تک یہی کیفیت رہی ۔ حافظ ملت نے جب دیکھا کہ حضرت صدر الشریعہ کا حال غیر ہوتا جا رہا ہے، تو مولانا سبحان اللہ کو حکم دیا کہ دوسری نظم شروع کرو۔ انہوں نے اسی پر عمل کیا آج اچھی طرح یاد نہیں وہ کون سی نظم تھی ۔ بہر حال! اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کچھ دیر بعد حضرت کو افاقہ ہو گیا۔

افاقہ کے بعد گھڑی دیکھی گئی تو بارہ بج چکا تھا۔ فرمایا: جب لوگ سو رہو۔ مجھ سے فرمایا صبح کو جلدی آجانا، آٹھ بجے گھر سے نکل جائیں گے۔ جب کہ گھر سے اسٹیشن کا فاصلہ بمشکل دس منٹ کا ہے میں حسب الحکم جس قدر جلد ہو سکا حاضر ہوا تو دیکھا حضرت بالکل تیار بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس درمیان ہم لوگوں کو پوچھا بھی تھا۔ مولوی شریف الحق، مولوی غلام یزدانی، مولوی غلام جیلانی آئے کہ نہیں اور کچھ خفگی بھی ظاہر فرمائی میں نے کہہ دیا تھا جلدی آنا مگر یہ لوگ ابھی تک نہیں آئے ۔ بہر حال وداع کہنے والوں کے جم غفیر کے ساتھ حضرت اسٹیشن روانہ ہوئے اور نعت خوانی کا سلسلہ شروع ہوا، نعت خوانی کا سلسلہ شروع ہوتے ہی حضرت پر خود فراموشی کا عالم طاری ہو گیا، قدم لڑکھڑانے لگے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ۔ میں نے جب یہ حال دیکھا تو حضرت کا بازو پکڑ لیا، دوسری طرف مولانا سبحان اللہ صاحب نے بازو تھام لیا اسی عالم کیف و مستی میں اسٹیشن روانہ ہوئے ۔ ابتدا حضرت کی فرمائش کے مطابق اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی مشہور نعت پڑھی گئی۔

شکر خدا کی آج گھڑی اس سفر کی ہے

جس پر نثار جان فلاح وظفر کی ہے

کچھ دیر کے بعد حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب کی وداعی نظم پڑھی جانے لگی جس کے مطلع کا صرف ایک ہی مصرع یاد ہے۔ ع:

چلا بیت الحرم کو کارواں صدر شریعت کا

جب یہ نظم شروع کی گئی تو حضرت کو جو حال تھا وہ تھا ہی پورا مجمع کیف و مستی میں دیوانہ ہو رہا تھا۔

استغراق کا عالم یہ تھا کہ حضرت کے بچپن کے ساتھی اور بے تکلف دوست جناب عبدالحی خاں صاحب رضوی تھے، یہ راستے میں آکر ملے، مگر حضرت نے کوئی توجہ ان کی طرف نہیں کی۔ ہمیشہ حال یہ تھا کہ جب کبھی خاں صاحب موصوف ملتے تو خوشی سے حضرت کی باچھیں کھل جاتیں، اور بے تکلفی کی باتیں شروع ہو جاتیں لیکن اس وقت فانی فی الرسول، باقی بالرسول استغراق کی ان گہرائیوں میں تھا کہ دوست واحباب تو کیا چیز ہیں شاید اپنی خبر نہ رہی ہو۔

شروع راہ محبت ارے معاذ اللہ

یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

اسٹیشن پہنچے تو گاڑی آنے میں کچھ دیر تھی، اسٹیشن کے پورب جانب پہلے آموں کا باغ تھا۔ ایک گھنے درخت کے نیچے فرش بچھا دیا گیا۔ حضرت نے جب الوداع کہنے والوں کو بٹھایا اور وداعی تقریر فرمائی۔ آج نہ وہ مضمون یاد ہے اور نہ وہ الفاظ۔ لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم سب کو ہمیشہ کے لئے وداع فرما رہے ہیں پھر بیٹھ گئے، آنکھیں بند کرلیں، پھر استغراقی حال طاری ہو گیا۔ اتنا کہ سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا فداء المصطفےٰ آئے۔ اس وقت بہت چھوٹے بچے تھے۔ ان پر والدین کی عارضی جدائی کے احساس سے بہت پژمردگی طاری تھی۔ میں نے ان کو لا کر حضرت کے سامنے پیش کیا، عرض کیا حضور یہ فداء المصطفےٰ ہیں۔ ایک بار کی گزارش پر کوئی توجہ نہیں کی۔ تو میں نے دوبارہ کچھ بلند آواز سے عرض کیا تو آنکھیں کھلیں اور ان پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا: سب کو خدا کے سپرد کیا، اتنے میں گاڑی آگئی۔

جب مئو پہونچے تو وہاں مبارک پور سے قاری محمد یحییٰ صاحب وغیرہ آگئے تھے۔ حضرت نے یا حافظ ملت نے قاری صاحب موصوف سے کہا کوئی نعت پڑھئے۔ وہ قاری صاحب کی جوانی کا وقت تھا، ان کی آواز بہت دلکش مترنم تھی۔ انہوں نے جو نعت پڑھی، تو پھر وہی کیف و مستی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی روانی شروع ہو گئی۔ نعت ختم ہونے کے بعد بہت دیر کے بعد وہ عالم بدلا۔ گاڑی جب مبارک پور کے اسٹیشن جہانا گنج روڈ پر پہنچی جسے ہماری

حکومت نے سیکولر ہونے کے ثبوت میں شہیاؤں کا نام دے دیا ہے، تو مبارک پور کے ہزاروں افراد اسٹیشن پر حاضر تھے۔ مبارک پور کے اس زمانے کے مشہور شاعر زماں صاحب نے حضرت جامی کے مشہور شعر:

بہ سفر رفتنت مبارک باد

بہ سلامت روی وباز آئی

پر وہ ایک نظم کہی تھی جسے اس زمانے کے مشہور نعت خواں عبد الخالق صاحب نے پورے جوش وعقیدت کے ساتھ پڑھا تھا۔

غالباً چھ بجے یا سات بجے گاڑی شاہ گنج اسٹیشن پر پہنچی، اوری، گھوسی کے بہت سے احباب شاہ گنج گئے ہوئے تھے۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر حضرت نے فرمایا: یہاں شاہ گنج میں چوری بہت ہوتی ہے۔ چار آدمی تیار ہوجائیں۔ دو آدمی ۱۲ر بجے تک جاگیں اور دو آدمی ۱۲ر بجے سے صبح تک۔ بارہ بجے تک جاگنے والے بہت سے تیار ہوئے، بارہ بجے کے بعد سے جاگنے والوں میں میں نے اپنا نام خود پیش کیا اور دو اوری کے آدمی بھی تیار ہوئے۔ ہم لوگوں کو حکم ہوا کہ تم لوگ سوجاؤ۔ ہم لوگ لیٹ گئے، لیکن مجھے نیند نہ آئی، اب میں نے رات سے حضرت کی جو کیفیت دیکھی تھی اس پر غور کرنے لگا تو میری چھٹی حس نے یہ بتایا کہ شاید حضرت اب واپس نہ آئیں۔ اس پر دو بہت بڑے قرینے میرے ذہن میں آئے۔

اول: جب ملا جامی کا یہ شعر:

بنالو گفتی فلاں کجائی چہ بود حالت دریں جدائی

مرضت شوقاومت هجرا فكيف اشكو اليک شکوی

پڑھا گیا تو یک بیک حضرت مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے تھے۔

دوم: زماں صاحب نے ملا جامی کے جن اشعار پر تضمین کی تھی۔ وہ اصل میں دو مصرعے الگ الگ ہیں، اور ان کے ساتھ انتہائی ایمان افروز واقعہ منسلک ہے۔ عارف باللہ ملا نور الدین، عبد الرحمٰن جامی جب مدینہ طیبہ سے واپسی کا قصد کرتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مواجہ اقدس میں حاضر ہوکر اجازت طلب کرتے عرض کرتے:

بہ سفر می روم چہ فرمائی

تو حجرۂ مبارکہ سے آواز آئی:

بہ سلامت روی وباز آئی

حضرت جامی اس جاں نواز ارشاد پر وجد کرتے ہوئے وطن واپس ہوتے، اور پورے اطمینان سے فرماتے کہ پھر حاضری ہوگی، لیکن اخیر بار جب واپسی کی اجازت لینے کے لیے عرض کیا تو جواب یہ ملا:

بہ سفر رفتت مبارک باد

یہ سنتے ہی حضرت جامی پر بجلیاں گر گئیں۔ زار و قطار رونے لگے۔ لوگوں نے کہا سرکار آپ کو مبارک باد دے رہے ہیں، اور آپ رو رہے ہیں۔ یہ تو جوش و مسرت میں وجد کرنے کا مقام ہے۔ سرکار جس کو مبارک باد دیں، اس کے اوج کمال تک کس کی رسائی۔ حضرت جامی نے فرمایا کہ ہمیشہ اجازت طلب کرنے پر ارشاد ہوتا تھا۔

بہ سلامت روی وباز آئی

سلامتی کے ساتھ جاؤ اور پھر آؤ۔ یہ دوبارہ بلاوے کا نوید ہوتا تھا لیکن اب ارشاد ہوا:

بہ سفر رفتت مبارک باد

تم کو سفر میں جانا مبارک ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ حاضری نصیب نہ ہوگی۔

زماں صاحب نے اگرچہ دونوں مصرعوں کو ایک ساتھ ملا کر تضمین کی تھی، مگر مبارک باد کی کھنک میرے ذہن میں بیٹھ گئی، پھر میرا جو حال ہوا میں جانتا ہوں۔

حضرت آرام کر رہے تھے۔ اگر ان کے آرام میں خلل کا اندیشہ نہ ہوتا تو میرے نالہ وفغاں سے ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔

۱۲ ربجے پھر مجھے کسی نے آواز دی۔ میں تو جاگ ہی رہا تھا، فوراً اٹھ بیٹھا البتہ ادری کے دونوں اصحاب گہری نیند سو رہے تھے، ان کو جگایا گیا ہم لوگ بیٹھے پہرہ دیتے رہے، جی تو چاہتا تھا کہ حضرت کی خدمت کریں خصوصاً اس خیال کے بعد کہ شاید اب یہ دولت نصیب نہ

ہو لیکن حضرت کی نیند میں خلل پڑتا۔ اس لئے ہم لوگوں نے خدمت کی جرأت نہ کی۔ کچھ دیر کے بعد حضرت کو ایک چھینک آئی اور حضرت نے کروٹ بدلی، اور چشمان مبارک کھول دیں، جب ہم لوگوں نے دیکھا کہ حضرت جاگ گئے تو خدمت میں مصروف ہو گئے۔ حضرت آنکھیں بند کئے لیٹے رہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے۔ دو بجے کے قریب ہمارے ساتھی نیند کے غلبہ سے اونگھ اونگھ کر گرنے لگے، اس پر ان میں سے ایک نے کہا کہیں چائے مل جاتی تو اچھا تھا۔ اس وقت چائے کا رواج اتنا عام نہیں تھا۔ میں نے ان کو بتایا کہ ادھر دکھن طرف مسافر خانہ اور ٹکٹ گھر ہے ادھر جاؤ۔ شاید چائے مل جائے۔ وہ دونوں چلے گئے اور پھر حضرت نے آنکھیں کھولیں، اور مجھے اکیلے دیکھ کر پوچھا تم تنہا ہی ہو، اور لوگ کہاں گئے، میں نے بتایا کہ چائے پینے گئے ہیں۔ اب حضرت نے انتہائی شفقت سے پیار بھری نگاہ مجھ پر ڈالی اور جاں نواز تبسم کے ساتھ مسکرائے۔

ان کی نگاہ ناز نے سرشار کر دیا
جب تک شراب آئی کئی دور ہو گئے

میں نے یہ شفقت دیکھ کر جرأت کی اور عرض کیا حضور جا رہے ہیں۔ مجھے کچھ عنایت فرمائیں۔ یہ سن کر آنکھیں بند کر لیں۔ پھر دس پندرہ منٹ کے بعد فرمایا: میں نے تم کو سلسلہ رضویہ کی اجازت دی۔ اس دولت بے بہا کو پا کر میری مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ پاؤں کی انگلیوں میں آنکھیں ملیں اور عالم وارفتگی میں سر پاؤں کے تلوؤں سے مس کر دیا۔

عام حالات میں حضرت کسی کو پیر کا بوسہ نہیں لینے دیتے تھے۔ اگر کوئی اس کی جرأت کرتا تو اس زور سے ڈانٹتے کہ اوسان خطا کر جاتے۔ بہت دیر تک پیر کے تلوؤں پر سر رکھے رہا۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا: کیا کر رہے ہو، سر ہٹاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور پھر خدمت میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت سو گئے۔ بینی مبارک سے ہلکے ہلکے پیارے پیارے خراٹے کی آواز آ رہی تھی۔ اوری کے احباب بہت دیر کے بعد چائے لے کر آئے، اور آتے ہی ان لوگوں نے حضرت کو آواز دے کر کہا کہ حضرت چائے پی لیجئے۔ حضرت نے پوچھا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ لوگ چائے لائے ہیں۔ حضور کو پلانا چاہتے

ہیں، اور کوئی وقت ہوتا تو ان لوگوں کو شامت آجاتی کہ نیند میں خلل ڈال کر چائے پلا رہے ہیں۔ اتنی ڈانٹ پڑتی کہ چائے پلانے کا مزہ کرکرا ہو جاتا۔ لیکن اس رات حضرت سراپا رحمت ورافت تھے، اٹھ کے بیٹھ گئے، اور بڑی خوشی سے چائے نوش فرمائی۔ پھر بڑے چاؤ سے باتیں کرنے لگے، آدھے گھنٹے کے بعد پھر لیٹ گئے۔ نماز فجر کے بعد جب میں نے دست بوسی کی تو ہاتھ بہت گرم تھا۔ میں نے عرض کیا: حضور بخار بہت تیز ہے، کیسے سفر فرمائیں گے؟ فرمایا: جانا تو ہے ہی، بخار ہو یا کچھ بھی ہو۔ البتہ میرے ساتھ ایک آدمی اور بریلی تک چلے۔ بریلی سے تو پورا قافلہ ہی رہے گا۔ پھر فرمایا: تم تو گھر کے اکیلے ہو، مولوی مجیب الاسلام چلے چلیں، انہیں کیا عذر ہو سکتا ہے۔

ناشتہ کے لئے عرض کیا گیا تو فرمایا کہ کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا ہے، صرف چائے پلادو۔ اس وقت سیالدہ جمو ایکسپریس سیالدہ سے دلی جایا کرتا تھا، اور اس کا وقت چھ بجے صبح کو تھا۔ گاڑی آئی، حضرت کو، اور حضرت کی اہلیہ کو گاڑی پر بیٹھایا گیا، مولانا مفتی مجیب الاسلام اور دی ہمراہ گئے۔ ہم لوگ بادیدۂ نم رخ انور پر آخری نظر ڈال کر گھر واپس آگئے۔

گھر واپس آنے کے بعد میں نے یہ دیکھا کہ جیسے گھوسی سونا ہو گیا ہے۔ سب لوگ تو اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے، مگر میرے جگر میں ایک خلش بار بار دماغ کو جھنجھوڑتی کہ حضرت جامی کے مصرع کا ایک جز "مرضت شوقا" صحیح ہو گیا۔ خدا نہ کرے کہ دوسرا جز بھی صادق آجائے۔ پھر بمبئی سے تار آیا کہ حضرت بہت علیل ہیں، یہ سنتے ہی مجھ پر بجلی گر گئی اور یارائے ضبط نہ رہا۔ میں نے حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب وغیرہ سے کہہ دیا کہ مجھے تو مایوسی ہی نظر آرہی ہے۔ پھر اس کے بعد وصال کا تار آیا، اور یہ کہ جنازہ گھوسی لے کر ہم لوگ آرہے ہیں۔ اس اطلاع سے پورا گھوسی ماتم کدہ بن گیا۔ کاروبار بند ہو گئے، چھوٹے بڑے، جوان، بوڑھے، مرد، عورتیں سب ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔ دن کے اجالے میں محسوس ہوتا تھا کہ گھٹا ٹوپ اندھیری چھائی ہے۔

بالآخر ۹ رستمبر یوم پنجشنبہ ۳ ربجے دن میں جنازہ مبارکہ گھوسی پہنچا۔ جنازہ کے استقبال کے لئے گھوسی، ادری، مبارکپور اور اطراف وجوانب کے ہزارہا افراد اسٹیشن پر موجود تھے۔

حافظ ملت اپنے پورے اسٹاف کے ساتھ پہنچ چکے تھے۔ گاڑی جب اسٹیشن پر پہنچی اور وہ تابوت جس میں جنازۂ مبارکہ رکھا ہوا تھا، نظر آیا تو حاضرین کی چیخیں نکل گئیں۔ گریہ وزاری، آہ وبکا سے پوری فضا گونج اٹھی۔ ہر آنکھ اشک بار، ہر دل فگار، ٹرین کے رکتے ہی لوگ تابوت کی طرف اس طرح لپکے جیسے ہجراں نصیب عاشق محبوب کو دیکھ کر لپکتا ہے۔ اسی سوگوار ماحول میں جنازہ مبارکہ دولت خانہ میں لاکر آنگن میں رکھا گیا۔ چوں کہ وہ مکمل پیک تھا۔ علامہ ارشد القادری ہمراہ تھے جو علالت کی خبر پا کر ناگپور سے ممبئی پہنچ گئے تھے۔ ان کی ہدایت کے بموجب تابوت کھولا گیا۔ جب چہرۂ اقدس سے کفن سرکایا گیا، تو لبوں پر جاں نواز تبسم اور چہرے پر مسرت کی تابانی مہر نیم روز کی طرح درخشاں تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایک عاشق سوختہ جاں اپنے محبوب کو دیکھ کر خوشی میں پھولا نہیں سمارہا ہے۔ حضرت آسی نے سچ کہا ہے۔

اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
ہے شب گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات

یہ میں شب گور کی بات نہیں کررہا ہوں، شب گور سے پہلے کی بات کررہا ہوں۔ میں نے زندگی میں کبھی چہرۂ اقدس پر اس قسم کے مسرت کے آثار اور ایسا جاں نواز تبسم نہیں دیکھا تھا۔

چوں ازیں خوب تر چہ باشد کار
یار خندہ رود بجانب یار

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

اس جاں نواز منظر کو دیکھ کر آنسو بہاتی ہوئی آنکھیں تھم گئیں۔ سینے کے بھڑکتے ہوئے شعلے ٹھنڈے پڑ گئے۔ کچھ دیر میرا بھی یہی حال رہا۔ مگر جب چہرۂ اقدس کفن سے ڈھک دیا گیا تو اندرونی زخم کے انگور پھٹ پڑے، اور ٹھنڈے ہوتے ہوئے شعلے پھر پہلے سے زیادہ بھڑک اٹھے، اور سوکھی ہوئی آنکھیں ساون بھادوں برسانے لگیں، یکایک حضرت میر خسرو کا یہ دوہا یاد آگیا جو انہوں نے اپنے مرشد برحق نظام الشریعۃ والحقیقۃ والدین محبوب

الٰہی قدس سرہ کے وصال پر کہا تھا۔

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپ نے کہ سانجھ بھئے چوندیس

مگر مجھ حرماں نصیب کو اب تک گھر جانا نصیب نہ ہوسکا۔ کاش! اپنے گھر جانا اپنے اختیار میں ہوتا۔ تابوت سے جنازہ مبارکہ نکال کر چارپائی پر رکھا گیا، پھر جنازہ قبرستان چلا لوگ عجب کیفیت میں مبتلا تھے، کچھ لوگ خاموش ساکت، کچھ لوگ حق ہو الا اللہ کی ضرب لگا رہے تھے، اور میں اپنے آپ حضرت سعدی کی یہ نظم پڑھ رہا تھا۔

سرو سیمینا بصحرا می روی
نیک بدعہدی کہ بے ما می روی

نماز عصر کے بعد نماز جنازہ ہوئی۔ حافظ ملت قدس سرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور پھر اس گنجینۂ علم وحکمت کو قبر میں اتارا گیا۔ اور ٹھیک اس وقت کہ آفتاب ڈوب رہا تھا، آفتاب علم کی قبر کو ہم نے برابر کیا۔

بین کرامت

نماز مغرب کے بعد بارش شروع ہوگئی، وہ بھی موسلا دھار لگاتار ایک دم تھمنے کا نام نہیں لیتی تھی، رات بھر بارش ہوتی رہی۔ صبح جاکر دیکھا گیا کہ کثرت بارش سے پانی مزار اقدس کے چاروں طرف پھیل گیا ہے۔ قبر پر چٹائی ڈال دی گئی اور قبر انور کے اردگرد مینڈھ باندھ دی گئی۔ لیکن بارش پھر بھی نہیں تھمی، تین دن تک کچھ نہ کچھ بارش ہوتی رہی۔

ہم سب لوگوں کا ارادہ یہ ہوا کہ چہلم سے پہلے پہلے مزار اقدس کو پختہ بنوا دیا جائے۔ پندرہ روز کے بعد خدا خدا کرکے جب پانی مزار اقدس کے اردگرد سے ختم ہوا تو کام شروع ہوا۔ چبوترے کی تعمیر کے لیے نیو کھودی گئی۔ اس کے بعد مزار اقدس پر جو چٹائیاں ڈال دی گئی تھیں، وہ ہٹائی گئیں۔ تو ایسی جانفزا خوشبو کا بھبھوکا اٹھا کہ پوری فضا معطر ہوگئی۔ کام کرنے والے مزدور ہندو تھے۔ وہ کام چھوڑ کر حیرت زدہ کھڑے تھے پھر اس کی شہرت ہوئی تو ہندو،

مسلمان، شیعہ، سنی، وہابی دیوبندی سب حاضر ہوئے اور سب نے اس خوشبو کو سونگھا۔ سب حیرت زدہ رہ گئے حتی کہ ایک دیوبندی مولوی جس کا نام اختر علی تھا اس نے اعلانیہ یہ کہا کہ ”صدر صاحب نے مرنے کے بعد اپنی کرامت دکھادی“۔

یہ خوشبو مسلسل کئی دن تک اٹھتی رہتی۔ جب ڈاٹ لگا کر مزار شریف کا تعویذ بند کردیا گیا تو یہ خوشبو کا اٹھنا بند ہوا۔

مگر پھر بھی بہت سے خواص نے بعد میں بھی خوشبو کو محسوس کیا۔ حضرت کے وصال کے وقت حضرت کے بڑے صاحبزادے علامہ عبدالمصطفےٰ ازہری صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان، دارالعلوم محمدیہ بھنگ ضلع جہلم میں تھے، قریب قریب سال بھر کے بعد جب وہ گھر واپس آئے تو حافظ ملت قدس سرہ ان سے ملنے کے لئے گھوسی تشریف لائے۔ آٹھ بجے رات کو پہنچے تھے، ازہری صاحب سے ملاقات کے بعد، بعد نماز عشاء مزار اقدس پہ حاضر ہوئے۔ ساتھ میں قاری محمد یحیٰی صاحب بھی تھے، ان دونوں حضرات نے بھی یہ خوشبو مزار اقدس پر محسوس کی اس پر حافظ ملت نے فرمایا کہ یہ ”حدیث پاک کی خدمت کا صلہ ہے“۔

قریب قریب چالیس سال تک حضرت صدرالشریعہ نے مسلسل دورۂ حدیث پڑھایا ہے، یہ اس کی برکت ہے۔ (صدرالشریعہ نمبر، ماہنامہ اشرفیہ، ص ۳۶۹، تاص ۱۷)

☆☆☆

مفتی اعظم

اپنے فضل وکمال کے آئینے میں

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا الشاہ مصطفےٰ رضا قادری بریلوی قدس سرہ پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور ابھی بہت کچھ لکھا جائے گا۔ بلکہ یہ تسلسل لکھا جاتا رہے گا۔ لیکن میں یقین محکم کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو کچھ لکھا گیا یا لکھا جائے گا، وہ سب حضرت مفتی اعظم ہند کے حقیقی تعارف کے لئے ناکافی ہے اور ناکافی رہے گا۔

مجھے بحمدہ تبارک وتعالیٰ یہ شرف حاصل ہے کہ میں مسلسل گیارہ سال بلکہ کچھ ماہ زائد حضرت مفتی اعظم ہند کے دولت کدے پر قیام پذیر رہا۔ وہ بھی ان دنوں میں جو ایک انسان کی زندگی کے سب سے کامل ایام مانے جاتے ہیں، یعنی اپنی عمر کے پینتیسویں سال سے لے کر چھیالیسویں سال تک، اور اس طرح رہا کہ حضر میں بھی ساتھ رہا اور ہندوستان کے طول وعرض کے سفر میں ساتھ رہا۔ پوربندر سے لے کر بنگلہ دیش کی مغربی سرحد دیناج پور تک، کٹک اڑیسہ سے لے کر نجیب آباد تک تقریباً ہر بڑے شہر میں ہمراہ رہا۔

حضرت مفتی اعظم ہند کی حیات طیبہ کے پانچ دور ہیں۔ ایک عہد طفلی، جو سن شعور کو پہنچنے تک ہے۔ دوسرا تحصیل علم اور فراغت۔ تیسرا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات طیبہ تک۔ چوتھا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد سے لے کر سجادہ نشین ہونے تک۔ پانچواں عہد سجادہ نشینی سے اخیر عمر تک۔

یہ پانچوں دور اپنے اندر ایسی خصوصیات رکھتے ہیں جو حضرت مفتی اعظم ہند کی اپنے اقران میں ایک امتیازی شان پر دلیل ہیں۔ ان سب پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے لئے دفتر

درکار ہے۔ میں انتہائی عدیم الفرصت انسان جامعہ اشرفیہ کے عظیم دار الافتا کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ اپنی بچی کھچی توانائی نزہۃ القاری شرح بخاری میں صرف کررہا ہوں، مجھے اتنا موقعہ کہاں کہ اس بحر نا پیدا کنار کو سر کرنے کی کوشش کروں۔

لیکن رضا اکیڈمی ممبئی کے باحوصلہ ارکان نے اس صد سالہ جشن مفتی اعظم ہند میں مجھے شرکت کی دعوت دی تو مجھے شرم آئی کہ میں اپنے مربی اعظم کے جشن صد سالہ میں خالی ہاتھ حاضر ہوں، اس لئے یہ چند سطریں بطور سوغات لے کر حاضر ہوں۔

یہ ایک رسم ہوگئی ہے کہ جب بھی کوئی مشہور آدمی دنیا سے جاتا ہے تو اس کے نیاز مند، عقیدت کیش یہی لکھتے ہیں کہ وہ تمام کمالات انسانی کا جامع تھا۔ اس لئے اگر میں بھی حضرت مفتی اعظم ہند کے بارے میں یہی لکھوں تو یہ رسمی بات بھی کہی جاسکتی ہے۔ اس لئے اس ادعا کے بغیر میں حضرت مفتی اعظم ہند کی شخصیت سے متعلق چند حقائق قلم بند کردیتا ہوں جس سے ہر ذی فہم دیانت دار منصف فیصلہ کرلے گا کہ حضرت مفتی اعظم ہند کی ذات گرامی اپنے عہد مبارک میں بے مثال تھی۔

لیس علی اللہ بمستنکر   ان یجمع العالم فی واحد

جلالت علم:

مفتی ہونا آج کل بہت آسان سمجھا جانے لگا ہے۔ مشہور ہے کہ بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ دیکھ کر ہر اردو داں فتویٰ لکھ سکتا ہے، لیکن مفتی اور فقیہ ہونا کتنا مشکل ہے یہ وہی جانتے ہیں جو کسی ذمہ دار دار الافتاء کی خدمت پر مامور ہیں۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور فقیہ ہونا آخیر منزل ہے۔ اور یہ مضمون حدیث صحیح سے ماخوذ ہے۔ ارشاد ہے:

فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ (مشکوٰۃ)

بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ اسے پہنچاتے ہیں جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

حضرت امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بہت مشہور ومعروف ہے کہ

ایک بار یہ مشہور مسلم الثبوت محدث حضرت سلیمان اعمش کے یہاں تشریف فرماتے تھے۔ حضرت سلیمان اعمش سے کچھ مسائل دریافت کیے گئے۔ انہوں نے حضرت امام اعظم سے فرمایا: آپ ان مسائل میں کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے سب کے جوابات دیے۔ انہوں نے پوچھا یہ کہاں سے کہتے ہو؟ فرمایا: انہیں احادیث سے جنہیں میں نے آپ ہی سے سنا ہے۔ اور وہ سب احادیث مع سندوں کے پڑھ کر سنا دیں۔ اس پر حضرت اعمش نے فرمایا: تمہیں یہ کافی ہے۔ جو حدیثیں میں نے تم سے سو دن میں بیان کیں ان سب کو تم ایک ساعت میں بیان کر دیتے ہو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کرتے ہو۔ اے فقہا! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور تم نے تو دونوں کو حاصل کر لیا ہے۔

غور فرمائیے! حضرت سلیمان اعمش کو وہ حدیثیں یاد تھیں مگر ان سے جو مسائل حضرت امام اعظم نے اخذ فرمائے ان تک ان کی رسائی نہ ہوئی۔ یہ جلوہ ہے: "**فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه**" کا۔

یہی وجہ ہے کہ امام اجل حضرت سفیان ثوری نے حضرت امام اعظم سے فرمایا: ہر چیز کے بارے میں آپ پر وہ علوم منکشف ہوئے جن سے ہم غافل ہیں، ان کی نظیر وہ حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان عبدا خيره الله بين ان يوتيه من زهرة الدنيا ما شاء وبين ما عنده فاختار ما عنده. (مشکوۃ ص: ۵۴۶)

اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دے دیا ہے وہ چاہے تو دنیا کی ترو تازگی پسند کرے چاہے تو جو اللہ کے حضور ہے اسے اختیار کر لے۔ اس بندے نے اللہ کے حضور کو اختیار کر لیا ہے۔

یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ حاضرین صحابہ کو حیرت ہوئی کہ یہ کیوں رو رہے ہیں۔ مگر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو صحابہ کرام کو معلوم ہو گیا کہ یہ بندہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے اور "فاختار ما عنده" سے مراد وصال تھا۔ اب صحابہ کرام کو اعتراف کرنا پڑا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ

تعالیٰ عنہم میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔

آج کے مفتیان کرام اگرچہ مجتہد نہیں مگر آج بھی فتویٰ نویسی کے لیے کتنے تیقظ، بیدار مغزی، ذہانت، فطانت، معاملہ فہمی اور تبحر علمی کی ضرورت ہے، ان سب کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اس کو صرف ایک واقعہ سے سمجھ لیجے۔

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا میں نے تیرا نکاح فسخ کیا۔ ایک بہت بڑے شیخ الحدیث صاحب کے یہاں استفتا پیش کیا گیا، انہوں نے قلم برداشتہ لکھ دیا کہ اس سے ایک طلاق رجعی پڑ گئی، وہیں سے یہ استفتا میرے پاس آیا، میں نے جواب میں لکھا یہ طلاق کنائی کے کلمات میں سے ہے، اگر شوہر نے بہ نیت طلاق کہا ہے تو ایک طلاق بائن پڑ گئی، ورنہ طلاق واقع نہ ہوئی۔ میں نے اپنی تائید میں عالمگیری کا جزئیہ بھی نقل کر دیا تھا۔

میرا یہ فتویٰ ان شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں پیش ہوا تو بہت گھبرائے۔ اتفاق سے وہ بریلی تشریف لائے، تو مجھ سے مواخذہ فرمایا کہ تم نے کیسے لکھ دیا کہ یہ طلاق کنائی کا جملہ ہے۔ میں نے عرض کیا: بہار شریعت، عالمگیری میں لکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ تو صحیح ہے، مگر یہ طلاق کنائی کا جملہ کیسے ہے؟ جب کہ فسخ نکاح اور طلاق لازم وملزوم ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ طلاق اور فسخ نکاح لازم وملزوم نہیں۔ ایسی بہت سی صورتیں ہیں کہ بغیر طلاق کے بھی نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ جیسے ردت اور مصاہرت سے۔

مجھے بتانا یہ ہے کہ فتویٰ دینا دینی خدمات میں سب سے اہم، سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے، اور ایسا کام ہے جس کی کوئی نہایت نہیں۔ فقہائے کرام نے اگرچہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرما دی ہے مگر پھر بھی حوادث محدود نہیں۔ آئے دن سیکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا، یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیق بینی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کر لیتا ہے، مگر یہ کام کتنا مشکل ہے، اسے بتایا نہیں جا سکتا، جس کے سر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔

جب آپ فقاہت کی حیثیت پر ایک نظر ڈال چکے۔ تو آیئے میں آپ کو حضرت مفتی

اعظم ہند کی اس فن میں عبقریت کے جلوے دکھاؤں۔ حضرت مفتی اعظم ہند نے پہلا فتویٰ ۱۹۱۰ء میں لکھا جب کہ عمر مبارک صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ یہ فتویٰ مجدد اعظم حضرت قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس میں بغیر کسی ترمیم وتبدیلی کے ان الفاظ میں اس کی تصحیح فرمائی:

صح الجواب بعون الملک الوهاب

خوش ہوکر انعام عطا فرمایا، اور مہر بنواکر عنایت فرمائی۔

بظاہر اس میں کوئی اہمیت نظر نہیں آتی مگر مفتیوں سے پوچھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتنی حیرت ناک بات ہے کہ فتویٰ نویسی میں سب سے پہلے یہ غور کرنا ہوتا ہے کہ سائل کیا پوچھنا چاہتا ہے وہ کہاں الجھا ہوا ہے؟ اس نے مافی الضمیر کو کما حقہ ادا بھی کیا ہے یا نہیں؟ پھر ہمارے جواب پر اسے کیا شبہہ ہوسکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان سب پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد مفتی جواب لکھتا ہے تو ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر اپنے نپے تلے الفاظ سلجھے ہوئے انداز بیان، جامع مانع کلمات میں جواب لکھتا ہے، زندگی میں پہلا فتویٰ لکھنے والا ان باتوں کی رعایت کر سکے گا یا کر سکتا ہے بہت مشکل ہے۔ ذہین سے ذہین علما برسہا برس تک مشاقی کرنے اور ماہر فن مفتی سے اصلاح لینے کے بعد اس پر قادر ہوتے ہیں کہ وہ ایک مکمل فتویٰ لکھیں مگر جو بات دیگر ذہین، فطین، ذکی علما کو برسہا برس میں تنقید، اصلاح اور ہدایت کے بعد حاصل ہوتی ہے، وہ حضرت مفتی اعظم کو پہلے ہی دن حاصل تھی۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند جیسے والدہ ماجدہ کے شکم پاک سے ولی بن کر آئے تھے۔ اسی طرح مفتی اعظم بھی بن کر آئے تھے۔

السعید من سعد فی بطن امه.

تفقه فی الدین، آپ کی فطرت، جبلت، سرشت تھی۔

غور کریں! ایک اٹھارہ سال کا نوعمر، پہلا فتویٰ لکھتا ہے اور تصحیح کے لئے پیش کرتا ہے اس دقیق بین، نکتہ رس کی بارگاہ میں جس کی تیز نگاہی کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی کلمے میں ہزار معانی ہوتے تو وہ سب اول نظر ہی میں احاطے میں آجاتے۔ اور جس کے بارے میں علمائے

حرمین نے یہ فرمایا ہو کہ:

اگر انہیں ابوحنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور انہیں اپنے تلامذہ میں داخل فرما لیتے۔

مگر اس نو عمر مفتی کے پہلے فتویٰ پر اسے بھی کہیں اصلاح کی ضرورت نہیں ہوئی۔

بات یہ ہے کہ ”شیر کے بچوں کو کس نے شکار کرنا سکھایا“ حضرت مفتی اعظم ہند کی عمر مبارک کے یہی ایام تھے کہ علمائے رام پور سے مسئلہ اذان ثانی پر بحث چھڑ گئی۔ علمائے رام پور معمولی علما نہیں تھے، یہ وہ اکابر ملت تھے کہ جن کے علم و فضل کا رعب پورے ہندوستان پر چھایا ہوا تھا۔

یہ شمس العلماء مولانا عبدالحق بن علامہ فضل حق خیر آبادی جیسے اس بطل جلیل کے وارث تھے کہ بانی دیوبندیت قاسم نانوتوی صاحب رام پور آئے تو ان کی ہیبت سے اپنے کو ظاہر نہ کر سکے۔ سرائے میں قیام کیا اور اپنا نام تبدیل کر کے لکھوایا۔

علمائے رام پور نے اس مسئلہ پر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ بحث شروع کر دی۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان سے افہام و تفہیم کے لئے اپنے اس نوجوان فرزند کو حکم دیا۔ اور حضرت مفتی اعظم ہند نے ان حضرات کے ابحاث علمیہ کے ایسے مدلل، مسکت، فصیح جواب دیے کہ وہ دم بخود رہ گئے، ان پر وہ وہ گرفتیں کیں کہ وہ حضرات انگشت بدنداں رہ گئے۔ جس کا جی چاہے اس وقت کے رسائل دقایہ اہل سنت، نفی العار وغیرہ کا مطالعہ کرلے، اسے معلوم ہو جائے گا کہ مجدد اعظم کے وارث نے دنیا کو دکھا دیا، دنیا سے منوالیا کہ ”بزرگی بعقل ست نہ بسال“ حضرت مفتی اعظم ہند کے سیکڑوں ایرادات آج بھی قرض ہیں۔

انہیں ایام میں دیوبندیوں کے بقیۃ السلف حکیم الامت جناب تھانوی صاحب نے حفظ الایمان کی کفری عبارت کی رفو گری کے لئے بسط البنان لکھی، جسے مطالعہ کرنے کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند نے اس کے رد میں وقعات السنان اور ادخال السنان تالیف فرمائی۔ جسے رجسٹری کر کے تھانہ بھون بھیجا۔ مگر ان دونوں کے جواب سے نہ صرف تھانوی صاحب بلکہ ان کی پوری برادری عاجز ہے اور عاجز رہے گی۔

وقعات السنان، ادخال السنان کے زخموں کی تاب نہ لاکر بہ لباس باطنی تھانوی صاحب نے اپنے ایک نیاز مند سے کچھ سوالات کرائے۔ ان کے جوابات کے لئے بھی حضرت مفتی اعظم ہند میدان میں آئے۔ اور الموت الاحمر لکھ کر اکابر دیو بند کی تکفیر کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ اور حجت الٰہیہ ان پر تمام فرمادی۔ اور "من ھلک عن بینۃ ومن حیی حیی عن بینۃ" کا جلوہ دنیا کو دکھادیا۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حیات مبارکہ میں حضرت مفتی اعظم ہند کے وہ کارنامے ہیں جنہیں دیکھ کر عالم تصور میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شیر ہے جو تن تنہا پوری دنیا سے چوکھا لڑ رہا ہے، اور اپنے حملہ جان ستاں سے مخالفین کو نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مزہ چکھا رہا ہے۔

پھر ایک وقت وہ آیا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کی ضرورت محسوس فرمائی کہ پورے ملک کے لئے ایک دار القضاء قائم کیا جائے۔ تو چوں کہ قاضی کے لئے کافی تربیت، تفقہ اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس اعتبار سے حاضرین دربار رضوی میں سب سے زیادہ فائق حضرت صدر الشریعہ تھے۔ اس لئے انہیں قاضی بنایا۔ اور حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت برہان ملت جبل پوری کو مفتی دار القضاء کے منصب پر فائز فرمایا۔

اس دار القضاء میں اگر چہ حضرت مفتی اعظم ہند، حضرت صدر الشریعہ کے ماتحت تھے، مگر غور کر لیجئے کہ دار القضاء میں کوئی معمولی دار القضاء نہ تھا پورے متحدہ ہندوستان کا سب سے بڑا مرکزی دار القضاء تھا، جسے سپریم کورٹ کہہ لیجئے۔ اور اس دار القضاء میں مفتی کی حیثیت وہی تھی جو کسی بنچ کے چند ججوں کی ہوتی ہے۔ ایک نوعمر نوجوان کو سپریم کورٹ کی بنچ کے ججوں میں شامل کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کہنہ مشقوں کو بھی شاید باید نصب ہوتا ہے۔ اس نوعمری میں سب سے بڑے دار القضاء کا رکن بنانا ہی اس کی دلیل ہے کہ ایک دن آئے گا کہ یہ نوعمر پوری دنیا کے علما میں وہ حیثیت حاصل کرلے گا کہ اس کی حیثیت عالمی سپریم کورٹ کے اعلیٰ جج کی ہوجائے گی، اور دنیا نے اپنے چشم سر سے دیکھا کہ حضرت مفتی اعظم ہند اپنے عہد میں پوری دنیائے سنیت کے صرف قاضی القضاۃ ہی نہ تھے بلکہ روحانی شہنشاہ تھے، ان

کا جلوہ دنیا نے اس وقت دیکھا جب کہ حضرت مفتی اعظم ہند ۱۹۴۵ء مطابق ۱۳۶۴ھ میں حج وزیارت کے لئے حرمین طیبین حاضر ہوئے۔

نجدی فرعون ابن سعود نے حجاج پر حج وزیارت کا ٹیکس لگا دیا تھا۔ اس قارون صفت حریص کو نہ حلال کی پرواہ تھی نہ حرام کی۔ اس کو اپنی عیاشی کے لئے قارون کا خزانہ درکار تھا۔ مگر اس بے برگ وگیاہ ریگستان میں اسے کیا ملتا، تو اس حریص ننگ اسلام و مسلمین نے مجبور و بیکس حجاج پر یہ ظلم کیا کہ ان حاجیوں پر ڈاکے ڈالنے کے لئے ٹیکس لگا دیا اور حیرت یہ تھی کہ کتاب وسنت پر عمل کے مدعی اور داعی بننے والے نجدی علما نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔ ابن سعود اور دوسرے نجدی حکمرانوں کے جبر وتشدد کا عالم یہ تھا کہ ایک مزاح پسند ناقد نے کہا ہے کہ نجدی مملکت میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جناب میں گستاخی کرنے والوں کے لئے جگہ ہے مگر نجدی حکمراں پر صحیح تنقید کرنے والوں کی سزا موت ہے۔ علمائے حرمین طیبین رخصت پر عمل کرتے ہوئے خاموش تھے۔

لیکن جب حضرت مفتی اعظم ہند حرمین طیبین حاضر ہوئے تو اس ناخدا ترس خونخوار درندے کی قلم رو میں بیٹھ کر مکہ معظمہ میں اس نجدی ٹیکس کے حرام وگناہ ہونے پر انتہائی مدلل مفصل عربی زبان میں فتویٰ لکھا، جس کا نام "القسورة الدرية على الاوثان النجدية" جسے مطالعہ کر کے علمائے حرمین طیبین نے متفقہ طور پر فرمایا: "ان هذا الا الهام" اور متفقہ طور پر حضرت مفتی اعظم ہند کو امام وقت، شیخ الہند والحرم تسلیم فرمایا۔ بطور تبرک قرآن واحادیث وفقہ کے سلاسل کی اجازتیں لیں اور اپنے آپ کو مفتی اعظم ہند کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہونے پر فخر فرمایا۔ اسی وجہ سے میں کہتا رہتا ہوں:

اور شیخ شیخ الہند ہیں، اور ہمارے شیخ شیخ العرب والعجم ہیں۔

یہ جلوہ تھا اس اشارے کا جو والد مکرم، مجدد اعظم نے نو عمری میں دار القضاء کا رکن بنایا، اور وقت آنے پر دنیا نے چشم سر سے دیکھا کہ اپنے عہد میں پوری دنیائے سنیت کا امام بنا، سلطان بنا، سرتاج بنا۔

یہ باتیں تو وہ ہیں جو ثقہ رُواۃ کے ذریعے میں نے سنی ہیں۔ اب آیئے خود میری

آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے، اسے آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں۔

میں بریلی شریف حاضر ہوا اور حضرت مفتی اعظم ہند نے اپنے دارالقضاء کی خدمت سپرد فرمائی۔ ہوتا یہ کہ میں مسائل دن میں لکھ لیا کرتا، اور بعد عشا حضرت کو سناتا، یہ معمول مسلسل گیارہ سال تک رہا۔ میں اس میدان میں نووارد نہیں تھا، فتویٰ نویسی کا اچھا خاصا تجربہ رکھتا تھا، میں نے زمانہ طالب علمی سے فتویٰ نویسی شروع کردی تھی۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے یہاں آئے ہوئے مسائل دیتے اور میں لکھا کرتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سب سے پہلا فتویٰ میں نے بھی رضاعت ہی کا لکھا تھا۔

فراغت کے بعد جب میں اپنے گھر گھوسی مقیم تھا تو یہ میری فیروز بختی تھی کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ ان دنوں ۲۶، ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء اپنے دولت کدہ ہی پر تشریف رکھتے تھے۔ میں روزانہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضرت کے یہاں آئے ہوئے مسائل لکھا کرتا۔ اگرچہ اس کی صورت یہ ہوتی کہ حضرت املا کرواتے۔ چوں کہ ان دنوں حضرت کی بینائی کمزور تھی، اس لئے تائیدی عبارتیں میں ہی نکالا کرتا تھا۔ اس طرح فتویٰ لکھنے کی اچھی خاصی مشق ہوگئی تھی۔

میں بغور سوال پڑھ کر سائل کی منشا سمجھ کر پوری دماغی توانائی صرف کرکے دماغ حاضر کرکے جوابات لکھتا تھا۔ میں اپنے اوپر جو وثوق اس وقت بھی رکھتا تھا اس کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت کے میرے لکھے ہوئے مسائل پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا تھا۔

دوسری طرف مفتی اعظم ہند کا حال یہ تھا کہ دن میں تعویذات لکھنے میں مصروف رہتے، تعویذ کے لئے آنے والے کوئی خوش کن فرحت بخش خبر نہیں سناتے۔ بلکہ ہر تعویذ کا طلب گار اپنے دکھ درد، مصیبت اور تکلیف کی دردناک داستان سناتا تھا۔ مسلسل اذیت ناک خبریں سنتے سنتے مضبوط سے مضبوط انسان کا دل بیٹھ جاتا ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دن بھر صبر آزما، اعصاب کو مفلوج کرنے والے ماحول کی بدولت حضرت مفتی اعظم ہند ایسے تھک جاتے کہ سوائے آرام وسکون کے کسی اور کام کی طرف توجہ نہ فرماتے۔ مگر ہوتا یہ کہ بلا ناغہ بالالتزام بعد نماز عشاء کھانا تناول فرمانے کے بعد اپنی بیٹھک پر تشریف لاتے اور اس طرح

تشریف رکھتے گویا دن بھر آرام کیا ہے۔ بالکل تروتازہ، چاق وچوبند، حاضر دماغ۔ اب میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا، حضرت مفتی اعظم ہند کی حاضر دماغی، تیقظ قلبی کا عالم اس وقت بھی وہ ہوتا کہ جگہ جگہ اصلاح فرماتے، عمدہ سے عمدہ تر کی طرف رہنمائی فرماتے، زور بیان کو موثر سے موثر تر بناتے، استدلال کو قوی سے قوی تر فرماتے، عبارت کو شستہ سے شستہ تر فرماتے، اگر تائیدی عبارت میں کمی ہوتی تو دوسری زیادہ مناسب اور موزوں عبارت کی رہنمائی فرماتے۔ عبارت میں کوئی بھول چوک ہوتی تو فوراً متنبہ فرماتے اور اسے صحیح کرتے۔

چند نمونے ملاحظہ فرمایئے:۔

ایک دفعہ میں نے لکھا تھا: "تو فیہا" فرمایا: "فیہا" کے ساتھ "تو" کا کیا جوڑ؟

ایک دفعہ میں نے حدیث رفاعہ لکھی تھی مگر میں نے پڑھ دیا: **لا حتی تذوقی عسیلتک** فرمایا: کیا پڑھا؟

ہمارے اعظم گڑھ کے عرف میں مہر کو مونث استعمال کرتے ہیں، اس وجہ سے میں نے مہر کے لئے تانیث کا صیغہ استعمال کر دیا فوراً متنبہ فرمائی۔

ایک دفعہ یہ سوال آیا: ہندہ کی زید کے ساتھ نابالغی میں شادی ہوئی، بالغ ہونے کے بعد ہندہ زید کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں۔ اس مسئلہ کی دس بارہ صورتیں ہیں۔ مثلاً نکاح کے وقت ہندہ کے باپ یا دادا زندہ تھے یا مر گئے تھے۔ موجود تھے تو یہ نکاح ان کی اجازت سے ہوا یا خود انہوں نے پڑھایا تھا یا نہیں۔ اگر زندہ تھے مگر کہیں دور تھے تو یہ غیبت منقطعہ تھی یا نہیں۔ کفو میں ہوا یا غیر کفو میں۔ مہر میں غبن فاحش تھا یا نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے بڑی محنت سے دن بھر صرف کر کے اس کی تمام شقوق کی تفصیل لکھی تھی اور بہت خوش تھا کہ آج حضرت مجھے داد ضرور دیں گے، دعائے خیر سے نوازیں گے، مگر جب سنانا شروع کیا تو فرمایا:

یہ جواب سائل کو کیا مفید ہوگا۔ یہ شق در شق طولانی جواب کس کے پلے پڑے گا۔ جواب میں اپنا مبلغ علم ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عام طور پر نکاح کفو میں مہر مثل کے ساتھ ہوتا ہے اور نابالغ بچوں کا نکاح باپ دادا ہی کرتے ہیں، اور اگر باپ دادا نہیں تو سائل اس کو سوال میں لکھا کرتے ہیں، اس لئے جواب میں صرف اتنا لکھیں کہ اگر یہ نکاح

باپ دادا نے پڑھایا تھا یا ان کے اذن سے ہوا تھا، اور کفو میں مہر میں غبن فاحش کے بغیر ہوا تو صحیح نافذ ہے الخ۔ اور اگر واقعہ کی صورت کوئی دوسری ہو تو دوبارہ اس صورت کو تفصیل کے ساتھ لکھ کر بھیجیں۔ اس اصلاح کا حاصل یہ ہے کہ سائل حکم شرعی اس لئے معلوم کرتا ہے کہ اس پر عمل کرے، پیچ در پیچ شق در شق جوابات سے وہ الجھ جائے گا اور صحیح حکم کو متعین نہ کر سکے گا۔ نیز خدا ناترس لوگ ان سب شقوں میں سے اپنے پسند کی شق اختیار کر لیں گے۔ اگر چہ واقعہ کے مطابق نہ ہو اس طرح وہ حرام میں مبتلا ہوں گے، اور سہارا آپ کے فتویٰ کا لیں گے۔ اس لئے جواب اس پہلو پر دیا جائے جو ظاہر ہو اور قیود بڑھا کر دوسری شقوق کی نفی کر دی جائے اور پھر آخر میں ہدایت کر دی جائے۔

اس ہدایت سے حضرت نے رسم مفتی کے اس اہم قاعدے کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ مفتی کو اپنی طرف سے شقیں قائم کر کے جواب نہیں دینا چاہئے۔

میں نے بریلی شریف کے ایام قیام میں پچیس ہزار مسائل لکھے، جن میں دس ہزار کے لگ بھگ وہ مسائل ہیں جن پر حضرت کی اصلاح ہے۔ کاش! وہ سب محفوظ ہوتے تو ایک اہم خزانہ محفوظ ہوتا۔ پھر دنیا دیکھتی کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا تبحر علمی، دقت نظری، نکتہ رسی کس حد تک پہنچی ہوئی تھی۔

یہ مجلس عموماً دو تین گھنٹے کی ہوتی۔ کبھی چار گھنٹے کی بھی ہو جاتی۔ میں تھک جاتا، اکتا جاتا، مگر مفتی اعظم ہند پر تکان یا اکتاہٹ کا کوئی اثر نہیں نظر آتا۔ دن بھر کا تھکا ہوا انسان رات میں بھی اتنا حاضر دماغ ہو یہ انسانی قویٰ کے بس کی بات نہیں۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند ان منتخب روزگار نفوس قدسیہ میں سے تھے جن کا علم بھی لدنی ہوتا ہے اور قوائے بشری بھی لدنی اور دل و دماغ بھی لدنی، جن کا سب کچھ لدنی ہوتا ہے۔

اسی مبارک محفل کا ایک حیرت ناک واقعہ یہ ہے کہ سخت سردیوں کے دن تھے، حضرت کے لئے انگیٹھی تھی جو کچھ دیر کے بعد ٹھنڈی ہونے لگی، حقے کی آگ بھی ختم ہونے پر آئی، اچانک فرمایا: اگر کوئلہ اور ہوتا تو انگیٹھی ہی گرم ہو جاتی اور تمبا کو ابھی پورا جلا نہیں ہے، وہ بھی کام میں آجاتا۔ میں نے عرض کیا۔ اندر خادمہ کو آواز دے کر کوئلہ لوں، فرمایا: دن بھر کی

تھی ہاری بے چاری سوگئی ہوگی جانے دیجئے۔

مظفر پور کے ایک شاہ صاحب کبھی کبھی آکر آستانہ عالیہ پر قیام کرتے۔ دو دو مہینے تک رہتے، بظاہر ان کا کوئی مقصد معلوم نہیں ہوتا۔ میں نے ایک دوبار پوچھا بھی تو یہ کہا کہ صرف حضرت کی زیارت کے لئے آجاتا ہوں۔

جب تک حضرت باہر تشریف رکھتے وہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے۔ مذکورہ بالا گفتگو کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ شاہ صاحب بیرونی دروازے سے اندر آئے اور اپنے رومال میں کچھ لائے۔ اس کا بھی دھیان نہ آیا کہ دروازہ اندر سے بند ہے یہ کیسے آگئے؟ انہوں نے حاضر ہوکر عرض کیا: حضرت! یہ کوئلہ ہے اور انگیٹھی ہی میں انڈیل دیا۔ انگیٹھی میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں۔ شاہ صاحب کوئلہ ڈال کر اٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ پنکھا یا دفتی ہوتی تو اسے ہوا کر دی جاتی۔ میں اپنے کمرے میں پنکھا یا دفتی تلاش کرنے چلا گیا مگر نہ پنکھا مل سکا اور نہ دفتی۔ آنے جانے میں بمشکل ڈھائی منٹ لگے ہوں گے، واپس آکر دیکھا تو انگیٹھی اور چلم دونوں کے کوئلے دہک رہے ہیں۔ مجھے کچھ حیرت ہوئی مگر میں اپنے کام میں لگ گیا، بارہ بجے کے بعد حضرت اندر تشریف لے گئے، اور ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں جاکر سوگئے۔ شاہ صاحب نماز و جماعت کے پابند تھے، ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے تھے، مگر اس دن فجر کی نماز میں نہیں تھے، مجھے خیال تو ہوا مگر پھر ذہن سے نکل گیا۔ ناشتے کے وقت ان کی تلاش ہوئی تو غائب اور کھانے میں بھی غائب۔ تحقیق کی تو سب نے بتایا کہ وہ آئے ہی نہیں ہیں۔ اب میرے دماغ میں کھلبلی مچی کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ رات کو جب پھر مسائل سنانے بیٹھا تو پہلے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ شاہ صاحب رات میں کوئلہ لے کر آئے، پھر پتا نہیں کہاں چلے گئے؟ فرمایا: چلے گئے ہوں گے، آپ اپنا کام کریں، میرا ظن غالب ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی صورت میں کوئی جن تھے، یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حضرت کے بہ کثرت مریدین جن بھی ہیں۔

اب آیئے چند واقعات سفر کے سنیئے! حضرت مفتی اعظم کی عادت کریمہ تھی کہ ہر نماز مسجد میں حاضر ہوکر تازہ وضو سے باجماعت ادا فرماتے تھے، سفر کتنا ہی لمبا کتنا ہی دشوار

ہو گاڑی میں کتنی ہی بھیڑ ہو کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، اور کوئی فرض یا سنت بیٹھ کر ادا نہ فرمائی۔ اس سلسلے میں بھی کبھی بڑی دشواریاں پیش آئیں، مگر کوئی پرواہ نہ کی۔

ایک بار حضرت انجین سے جے پور جاتے ہوئے ناگدہ اسٹیشن پر ممبئی دہرہ دون ایکسپریس پر سوار ہوئے، سکنڈ کلاس کا ٹکٹ تھا، ڈبے میں پہنچے تو پورا ڈبہ فوجیوں سے بھرا پڑا تھا۔ فوجی کتنے بدتمیز اور عوام کے لئے ظالم ہوتے ہیں وہ سب جانتے ہیں۔ وہ وحشی سیٹوں پر ٹانگیں پھیلائے لیٹے تھے، بڑی مشکل سے بیٹھنے کی جگہ ملی۔ تھوڑی دیر بعد عصر کا وقت ہوگیا، پورا ڈبہ بھرا ہوا تھا، کہیں جگہ نہ تھی، اور گاڑی اسٹیشنوں پر بس برائے نام رکتی۔ فرمایا: نماز پڑھوں گا۔ میں پریشان ہوگیا، چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ایک فوجی سکھ کا بہت بڑا ٹرنک تھا جس پر بستر رکھا ہوا تھا، میں نے اس سے کہا کہ ہمارے حضرت نماز پڑھیں گے، اگر آپ مان جائیں تو اس ٹرنک پر سے بستر اتار دوں اور اس پر نماز پڑھ لیں۔ وہ مان گیا اور خود اسی نے بستر اٹھایا اور کھڑا رہا، گاڑی جب ایک اسٹیشن پر پہنچی تو حضرت کو اسی پر کھڑا کردیا۔ حضرت نے اس طرح نماز ادا فرمائی جب مغرب کا وقت ہوگیا تو ایک اسٹیشن پر بغیر بتائے ہوئے اتر پڑے۔ میں پیچھے پیچھے جانماز لے کر دوڑا۔ فرض کا سلام پھیرتے ہی گاڑی نے سیٹی دے دی، میں جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھا، اور حضرت نے سنت کی نیت باندھ لی، اور گاڑی سیٹی پر سیٹی دیتی رہی، اس وقت میری پریشانیوں کا عالم کیا تھا، وہ میں ہی جانتا ہوں، سامان گاڑی پر اور حضرت پلیٹ فارم پر۔ اگر گاڑی چلی جائے تو کیا کروں گا، اسی کش مکش میں نظر انجن کی طرف گئی تو دیکھا کہ ڈرائیور حضرت کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اب کچھ اطمینان ہوا، بالآخر جب حضرت نماز سے فارغ ہو کر ڈبے میں تشریف لائے تو گاڑی چلی، اس قسم کے موقع پر قوی سے قوی اعصاب والے انسان کے ہوش وحواس بے قابو ہوجاتے ہیں مگر مفتی اعظم ہند پر کوئی اثر نہ پڑا، اور باطمینان خاطر نماز میں مصروف رہے۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا معاملہ خدائے عزوجل سے اتنا قوی تھا کہ کوئی چیز بھی اس میں مخل نہ ہوسکتی تھی۔ حالانکہ ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔

ایک بار کلکتہ جاتے ہوئے مغل سرائے میں بنارس کے کچھ عقل کل افراد کی حرکتوں کی

بدولت عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے گاڑی چھوٹ چکی تھی، اور بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر اس کے باوجود نماز کو اپنے اوقات میں پڑھنے سے کوئی چیز حارج نہیں ہو سکتی تھی۔

اسی سفر میں یہ قصہ در پیش ہوا کہ فوجی آپس میں مذہبی گفتگو کرنے لگے کہ ایک کم عمر فوجی نے باتوں باتوں میں حضرت سیدہ مریم عذرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس میں وہ بکواس کردی جو یہودی اور قادیانی بکتے ہیں۔ سخت جلال بھرے انداز میں اس فوجی کو ڈانٹا کہ کیا بکتا ہے۔ یہ جھوٹ ہے، افترا ہے۔ وہ بھونچکا رہ گیا۔ کہنے لگا میں نے محمد صاحب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یا ان کی والدہ کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں پھر آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں؟ فرمایا: ہم لوگ ہر پیغمبر کا ادب واحترام اسی طرح کرتے ہیں جیسے اپنے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا۔ میں تو ڈرا تھا کہ یہ وحشی درندے ہیں، کہیں بدتمیزی کا برتاؤ نہ کریں، مگر ایک مرد حق آگاہ کی ڈانٹ نے انہیں سہا دیا، اور مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ یہی نہیں اٹھ کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد حضرت کے ساتھ مؤدب رہنے لگے۔

نماز کی پابندی کے سلسلے میں ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا تھا۔

حضرت دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور کے سالانہ جلسے سے گھر واپس آرہے تھے۔ جودھ پور کے احباب نے اوپر کی سیٹ پر حضرت کا بستر لگا دیا تھا، عشاء پڑھ کر حضرت اس پر آرام سے سو گئے، سردی شباب پر تھی، جب گاڑی دہلی کے قریب گوڑگاؤں پہنچی تو میں نے اٹھایا اٹھنے کے بعد استنجا خانہ تشریف لے گئے، مگر وہاں بہت لمبی قطار تھی، وہ بھی عورتوں کی۔ حضرت بے چینی کے ساتھ استنجا خانہ کے خالی ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ میں بستر باندھنے میں مشغول تھا۔ جب گاڑی دہلی کے پلیٹ فارم پر پہنچ گئی تب کہیں جا کر استنجا خانہ خالی ہوا، اور حضرت تشریف لے گئے۔ جب حضرت استنجا سے فارغ ہو گئے تو مراد آباد جانے والی گاڑی جس پلیٹ فارم پر لگی تھی وہاں تشریف لے گئے جب سامان گاڑی میں رکھا جا چکا تو فرمایا: کپڑے نکال دیں میں نے حکم کی تعمیل کی، کپڑے نکال کر حضرت کو دیے اور میں بکس بند کرنے میں مصروف رہا، بکس بند کر کے دیکھا تو حضرت کپڑے لے کر بڑی تیزی سے پلیٹ فارم کے پل کی طرف جا رہے ہیں میں متحیر ہو گیا کہ یا اللہ! حضرت کہاں جا رہے ہیں؟

مگر میں کرتا کیا گاڑی میں سامان چھوڑ کر حضرت کے پیچھے بھی نہیں جاسکتا تھا، بے چینی اضطراب کے عالم میں کسی طرح وضو کیا، نماز پڑھی، اور ریل گاڑی کے ڈبے سے سر نکالے ہوئے باہر جھانکتا رہا، نہ وقت کٹتا نہ حضرت تشریف لاتے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد حضرت واپس ہوئے، جاڑے سے کانپ رہے تھے، قدم برابر نہیں پڑ رہے تھے۔ میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ڈبے سے باہر نکل کر اندر لایا، ڈبے میں چڑھانے کے لئے ہاتھ پکڑا تو برف کی مانند سرد۔ اب میرا حال زار اور بدتر ہوگیا۔ فرمایا: بستر کھولئے، میں نے بستر کھولا تو فوراً لیٹ گئے اور بڑی تیزی سے لحاف اوڑھ لیا۔ اب میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے تھے، کانپتی ہوئی آواز میں فرمایا: وہ خبیثات پاخانے کے دروازے پر کھڑی تھیں، مجھے استنجا کی شدید حاجت تھی، کپڑے ناپاک ہوگئے، سوچا کہ کسی مسجد میں جاکر غسل کرکے کپڑے بدل لوں۔ رکشہ کرکے ایک مسجد میں گیا وہاں نہانے کا بندوبست نہ تھا، تو پھر دوسری مسجد میں گیا وہاں گرم پانی بھی تھا اور نہانے کا بندوبست بھی۔ غسل کرکے کپڑے بدلے، نماز پڑھی، اور واپس آیا۔ رکشے پر ہوا لگنے سے جاڑا معلوم ہونے لگا۔ دہلی میں سردی بہت پڑتی ہے۔ یہ سنتے ہی قدموں پر گر گیا کہ انہیں اللہ والوں کے وجود باجود کے صدقے میں زمین وآسمان قائم ہیں۔ اب میں باہر نکلا کہ حضرت کو گرم گرم چائے پلاؤں۔ دشواری یہ تھی کہ حضرت کسی غیر مسلم کی چائے تک نہ پیتے تھے۔ میں خود اس کا خیال رکھتا تھا، لیکن اس دن سوچا کہ اس وقت حضرت کو چائے کی اشد ضرورت ہے، بغیر تحقیق کے قریبی اسٹال سے دو آنے پیسے دے کر خوب گرم اور عمدہ چائے بنواکر لایا، چائے نوشی فرمائی تو ارشاد فرمایا: کہیں سے آگ مل جاتی تو چلم بھری جاتی۔ میں ناشتہ دان کے ڈبے میں چند کوئلے لے کر اسی چائے والے کی دوکان پر گیا اور اسی کے چولہے سے کوئلے دہکایا اور چلم بھر کر تیار کردی۔ اب حکم ہوا کہ پانی گندہ ہوگیا ہے بدل دیں میں نے یہ بھی کیا۔ اس کے بعد حضرت حقہ پینے میں مشغول ہوگئے۔ اب میں نے عرض کیا: حضور! پہلے ہی بتا دیے ہوتے کہ غسل کرنا ہے، ویٹنگ روم میں نہانے کا انتظام ہے، گرم پانی بھی رہتا ہے، اگر حضور نے پہلے ہی بتایا ہوتا تو اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔

کیا اس دور میں عزیمت پر اس حد تک عمل کرنے کی اور کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟

تعویذ نویسی:

اخیر دور میں جن لوگوں نے حضرت مفتی اعظم ہند کی زیارت کی، انہوں نے تعویذ لکھتے ہی دیکھا ہے۔ ابتدا میں ہم لوگوں کو بھی اس پر تعجب ہوا اور حیرت بھی۔ اس شغل میں حضرت کو محنت بھی بہت کرنی پڑتی۔ اور سارا وقت اس میں صرف ہو جاتا۔ پھر خود بھی فرماتے: تعویذ والوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے، کسی کام کا نہیں رکھا۔ آنے والے جانے والوں سے بات چیت بھی نہیں کر سکتا۔ مہمانوں کے پاس بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ کبھی تعویذ والے دیر میں بارہ بجے ایک بجے دن میں آتے تو فرماتے: یہ کوئی وقت تعویذ لینے کا ہے، حاجت مند عرض کرتے کہ فلاں کام میں پھنسا تھا، عورتیں عرض کرتیں: چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، کھانا پکا کر انہیں کھلا کر آئی ہوں۔ اس پر ارشاد فرماتے: اور جس کے پاس آئی ہو وہ بھوت ہے یا فرشتہ کہ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ نہ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ کبھی بھیڑ زیادہ ہو جاتی، بچے شور مچاتے تو جلال میں فرماتے کہ پیر بھوڑا کا میلہ بنا رکھا ہے، جب دیکھو چلے آرہے ہیں، چلے آرہے ہیں۔ گرمیوں میں آٹھ بجے بیٹھک میں تشریف لاتے اور کبھی کبھی دو بجے جاتے، مگر جب تک تمام حاضرین کو اپنی عادت کے مطابق پورا تعویذ عنایت نہ فرما لیتے، دوپہر کا کھانا تناول نہ فرماتے۔ خادمہ آکر بار بار عرض کرتی کھانا کھالیں مگر جب تک تمام حاجت مندوں کو تعویذ نہ دے لیتے کھانا تناول نہ فرماتے۔

پھر حال یہ تھا کہ تین تعویذ سے کم کسی کو عنایت نہیں فرماتے۔ ایک عمر بھر پہنے رہنے کا، ایک بھوت پریت آسیب وغیرہ اتارنے کا۔ ایک خاص اس مرض کا۔ مقدمے والا آتا تو ایک ٹوپی کا، ایک گلا کا، ایک حاکم کے سامنے جائے تو چٹکی میں دبانے کا۔

کس میں ہمت تھی کہ اس میں دخل دیتا؟ لیکن ہوتا یہ کہ حضرت ہیں تو تعویذ والوں کا مجمع ہے، ورنہ میدان صاف۔ رات میں حضرت کہیں باہر تشریف لے گئے تو صبح کو سناٹا اور پھر رات میں واپس آگئے تو پھر وہی مجمع۔ اس کو ہم حاضرین نے بار بار دیکھا۔ حیرت میں رہتے

کہ کس نے حاجت مندوں سے کہہ دیا کہ حضرت باہر ہیں اور رات میں آئے تو کس نے بتا دیا کہ آ گئے۔ اب ہم لوگوں کو یقین ہوگیا کہ یہ من جانب اللہ ہے۔ اس نکتے پر آ کر ہم لوگ بالکل خاموش ہوگئے۔

خود ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کچھ اللہ والے اپنی کرامتوں کو دوا اور تعویذ میں چھپاتے ہیں۔ اس سلسلے میں سرکار سید حمزہ مارہروی قدس سرہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مریض دعا کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت نے اسے ایک دوا کا نسخہ عنایت فرمایا۔ مدت کا مریض ایک خوراک میں ٹھیک ہوگیا۔ حضرت نے اپنی کرامت دوا میں چھپالی۔ یہی حال حضرت مفتی اعظم ہند کا تھا کہ وہ اپنی کرامتوں کو تعویذ کے پردے میں چھپائے ہوئے تھے۔ جس کی دلیل یہی ہے کہ یہی تعویذات بہت سے لوگ لکھتے ہیں مگر فائدہ نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ ہم سب نے ہمت کر کے عرض کیا کہ حضور والا پریس کے پیلے کاغذ پر اپنے دست مبارک سے تعویذ لکھ دیں اسے چھپوالیا کریں تو کچھ زحمت کم ہو جائے گی۔ فرمایا کون میرے لئے روشنائی لائے گا کاغذ لائے گا، پھر مجھے فرصت کہاں کہ سب تعویذیں اس کاغذ پر لکھوں۔

کچھ دنوں کے بعد پیلی بھیت جناب حافظ عمران اپنی گیارہویں شریف کی مجلس کی دعوت کے لئے حاضر ہوئے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میرا یہ پروگرام ہے کہ پیلے کاغذ پر تعویذات حضرت سے لکھوا کر چھپوائے جائیں۔ یہاں بریلی شریف میں موقع ملنا مشکل ہے۔ آپ پیلی بھیت میں ایسا انتظام کریں کہ بھیڑ جمع نہ ہو، حضرت کو تنہائی نصیب ہو جائے۔ انہوں نے بڑی خوشی سے اس کو منظور کیا۔

پیلی بھیت جانے سے پہلے جناب اشہر کاتب صاحب سے کاغذ بنوالیا اور روشنائی اور قلم لیا اور ساتھ میں سب کچھ لے کر پیلی بھیت گئے۔ دوسرے دن ایک صاحب کے مکان میں حضرت کو ٹھہرایا گیا۔ میں نے کاغذ اور قلم پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور آج یہاں تنہائی رہے گی، کوئی نہیں آئے گا، سب تعویذ اس پر تحریر فرمادیں تاکہ چھپوالئے جائیں۔ فرمایا: رکھ دیجئے۔ صبح سے عصر کے وقت تک قیام رہا۔ مگر کوئی تعویذ اس پر نہیں لکھا۔ صاحب خانہ سے

گزارش کردی گئی تھی کہ آپ کسی تعویذ کا سوال نہ کریں انہوں نے اس کی حامی بھی بھرلی۔

مگر حضرت ان سے باتیں کرنے لگے، اور ایسی دلچسپ اور طویل کہ دوپہر کے کھانیکا وقت آگیا۔ حضرت استنجا کے لئے تشریف لے گئے تو صاحب خانہ نے مجھ سے کہا: مجھے چند تعویذوں کی شدید ضرورت تھی، مگر آپ کے منع کرنے سے میں نے کچھ نہیں کہا۔ حضرت نے اس کاغذ پر بھی تعویذ نہیں لکھے۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اب آپ کو جو ضرورت ہو عرض کریں۔ میں اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

پھر تعویذ کی طلب صرف جاننے پہچاننے والے ہی نہ کرتے۔ بسا اوقات اجنبی انسان بلا کسی تحریک کے تعویذ مانگ بیٹھتا۔

ایک دفعہ پورنیہ سے واپسی پر حاجی پور اسٹیشن پر ایک ہندو اسی ڈبے میں سوار ہوا، اس نے حضرت کو دیکھا تو دیکھتا رہ گیا، بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر قدم چوما اور عرض کیا: میرا بیٹا بیمار ہے، ایک تعویذ لکھ دیجئے۔ فرمایا: چلتی ٹرین میں کیسے لکھوں، چلو سون پور میں لکھ دوں گا۔ پھر سون پور اسٹیشن پر گاڑی کی تو اسے تعویذ لکھ کر دیا۔

پھر تعویذ کے اثرات عجیب عجیب طرح مرتب ہوتے، جو سمجھ سے باہر تھے۔

ایک دن ایک بس کا کنڈیکٹر آیا، حضرت باہر تشریف لے گئے تھے۔ اس نے مجھ سے کہا میں معطل ہو گیا ہوں، دوبارہ بحالی کے لئے حضرت سے تعویذ لے گیا تھا۔ اور آج فیصلے کی تاریخ ہے اور رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے، اس کی تعبیر حضرت سے پوچھنے آیا تھا۔ اب حضرت نہیں تو آپ ہی تعبیر بتا دیجئے۔ بغیر کسی وقفے کے اس نے کہنا شروع کیا کہ:

میں نے خواب دیکھا کہ ایک اجلاس ہے، جس کے حاکم حضرت مفتی اعظم ہیں۔ پیش کار مقدمات کی مسلیں پیش کرتا جاتا ہے۔ حضرت سب پر حکم لکھتے جاتے ہیں۔ پیش کار نے جب میری مسل پیش کی تو حضرت نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور حکم لکھے بغیر مسل رکھ دی۔

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ حضرت نہیں ہیں آپ ہی بتائیے۔ میرا اپنا یہ حال ہے کہ تعبیر بتانا تو دور کی بات

ہے خواب سننے ہی سے وحشت ہوتی ہے میں نے معذرت کردی کہ میں تعبیر نہیں جانتا۔ اس پر اس نے کہا میرے ذہن میں ایک تعبیر یہ آئی ہے۔ آج اس کورٹ سے میری سزا ہوگی مگر اپیل میں بے داغ بری ہو جاؤں گا۔

اس نے بعد مغرب آکر بتایا کہ ہوا یہی کہ حاکم نے سزا کردی ہے۔ میں ضمانت پر ہوں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اپیل میں باعزت بے داغ بری ہوں گا۔ یہ کنڈیکٹر برابر آتا جاتا تھا۔ دو سال کے بعد اپیل کا فیصلہ ہوا وہ باعزت بے داغ بری بھی ہوا۔ ملازمت بھی بحال رہی، اور تعطل کے ایام کے مشاہرے کا بھی اس کا حق ملا۔

اسی طرح اندور میں گونڈل کے حضرات کی ایک دوکان تھی جو تقسیم ہند سے پہلے خوب چلتی تھی، تقسیم ہند کے بعد جب تعصب کا دور دورہ ہوا تو دوکان بالکل بند ہوگئی۔ حتی کہ مال خراب ہونے لگا۔ سامان پر پھپھوند جم گئی۔ گھبرا کر مالک نے دوکان بیچنے کا تہیہ کرلیا۔ اور گاہکوں سے بات چیت بھی شروع کردی تھی۔ اسی اثنا میں حضرت مفتی اعظم اندور تشریف لے گئے۔ وہ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت نے خیریت دریافت کی تو انہوں نے سارا ماجرا عرض کردیا۔ ان کی سرگزشت سن کر حضرت کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا: دوکان آپ ہرگز نہ بیچیں، میں کل آپ کی دوکان میں چلوں گا۔ حسب ارشاد ان کی دوکان پر تشریف لے گئے، وہاں نماز پڑھی، کچھ وظیفہ پڑھا، پانی پر دم کرکے پوری دوکان میں چھڑکوایا۔ اور ایک بہت خوبصورت کئی تعویذوں کا مجموعہ دوکان میں لگانے کے لئے دیا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد ان کی دوکان پہلے کی طرح چلنے لگی۔ یہ سب تفصیلات مالک دوکان نے خود مجھ سے بلا واسطہ بیان کی ہیں۔ تعویذوں کے فوائد کے واقعات جمع کئے جائیں، تو صرف ان سے دفتر تیار ہو جائے گا۔

میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ان سب غور کرتا رہا۔ بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ حضور مفتی اعظم ہند من جانب اللہ اس پر مامور ہیں۔ اس میں متعدد فوائد ہیں:۔

اولاً: اب عوام میں خود غرضی بڑھ گئی ہے، علم و فضل، زہد و ورع کی طرف رغبت

معدوم ہے۔ہاں! جس سے کام نکلتا ہے، اس کے لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اور عوام کے دین وایمان کی صیانت اسی میں ہے کہ وہ کسی دینی پیشوا سے متعلق رہیں۔ اس لیے تعویذوں کا سلسلہ ضروری تھا۔

ثانیاً: خدمت خلق بہت اہم عبادت ہے۔

حدیث میں فرمایا:

خیر الناس من ینفع الناس. سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

ایک اور حدیث یاد پڑتی ہے کہ فرمایا اللہ عزوجل کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو لوگوں کی حوائج کا اسے مرجع بنا دیتا ہے۔ جن جن کی مرادیں پوری ہوں گی وہ سب زندگی بھر دعائے خیر کرتے رہیں گے۔ اور مسلمانوں کی دعائے خیر بہت عظیم نعمت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

انتم شہداء اللہ فی الارض. تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔

مشہور ہے: زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔

ثالثاً: حضرت مفتی اعظم ہند کے تمام تعویذات اسمائے الٰہیہ، آیات قرآنیہ، کلمات دعائیہ پر مشتمل ہوتے۔ اس طرح تعویذ لکھنے میں ذکر الٰہی بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ **القلم احد اللسانین**، تعویذ نویسی حقیقت میں ذکر الٰہی ہے۔

ایک مغالطے کا ازالہ

حضرت مفتی اعظم ہند تہجد، اشراق، چاشت، اوابین وغیرہ نفل نمازوں کے عادی نہ تھے، نہ گھر ادا فرماتے تھے، نہ مریدوں کے گھر۔ کبھی تسبیح نہیں رکھتے، اور تسبیح پر وظائف نہ پڑھتے۔ صرف فرائض، واجبات، سنن پر اکتفا فرماتے اور ہر نماز کے بعد مختصر وظیفہ انگلیوں پر پڑھتے، جب کہ آج کل بزرگی کا معیار نوافل کی زیادہ سے زیادہ ادائیگی اور ہر وقت ہاتھ میں تسبیح لے کر ہلاتے رہنا، بلکہ گلے میں بھی دو ایک پہنے رہنا ہے۔

اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ مغربی دیناج پور اسلام پور کے علاقے میں ایک شخص

نے حضرت کو مدعو کیا، اور بہت اہتمام کیا جب حضرت آرام کے لئے لیٹے وہ شخص رات بھر جاگتا رہا۔ حضرت نے وہاں بھی تہجد نہیں پڑھا۔ اذان فجر کے بعد جب میں نے حسب دستور حاضر ہو کر جگایا تو اٹھے اور اپنی عادت کے مطابق اسفار کے بعد باجماعت نماز فجر پڑھی۔ ناشتے کے بعد ہم لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے، سننے میں آیا کہ اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ بہت مشہور تھا کہ بہت بڑے بزرگ ہیں، میں نے تو ان میں بزرگی کی کوئی بات نہ دیکھی انہوں نے تہجد تک نہیں پڑھا۔ وہ عتاب کا شکار ہوا، اس کے گھر میں آگ لگ گئی، سارا گھر اور سامان مال ومتاع جل گیا۔ ہزاروں کے نوٹ گھر میں تھے جل کر راکھ ہو گئے۔ صرف بدن کے کپڑے بچے۔ اس تباہی سے وہ نیم پاگل ہو گیا۔ اطراف کے علما نے اسے تنبیہ کی کہ تو نے ایک عارف کامل کی شان میں گستاخی کی ہے، اسی کی سزا ہے، اب اسے ہوش آیا مگر کیا کرتا، دل ہی دل میں توبہ کی، عاجزی وزاری کی۔

اتفاق کہ سال بھر کے بعد پھر حضرت مفتی اعظم ہند اس اطراف میں تشریف لے گئے۔ تو اس نے حاضر ہو کر معافی مانگی اور حضرت کو پھر اپنے گھر لے گیا، اور مرید ہوا۔ اب وہ ایک خوش حال فرد ہے۔

اس قسم کے اور بھی واقعات ہوئے۔

اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ ناظرین ذہن نشین کر لیں۔ نوافل تہجد، اشراق وغیرہ پڑھنے والے اور ہر وقت تسبیح ہاتھ میں لے کر وظیفہ کرنے والوں کو اکثر خود بھی یہ خبط سوار ہو جاتا ہے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں، اور دیکھنے والے بھی بہت جلد یقین کر لیتے ہیں کہ یہ تہجد گزار، اشراق کا پابند، ہر وقت اللہ اللہ کرنے والا پہنچا ہوا ولی ہے۔

لیکن جو لوگ حضرت مفتی اعظم ہند کی طرح فرائض وواجبات، سنن ومستحبات کے ہر معاملے میں پابند اور نواہی سے بالکلیہ محترز رہتے ہیں، اور غیر محسوس طریقے پر یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں، خود بھی عجب کے شکار ہو کر اس فریب میں گرفتار نہیں ہوتے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں، اور دوسروں کو بھی دھوکا نہیں ہوتا۔

اور وصول الی اللہ میں سب سے بڑا حجاب عجب، ریا، تکبر نفس ہے۔ عوام کا فریب کم

قائل ہے۔ اسی لئے ہمارے مشائخ قادریہ نے اس دوسرے طریقے کو اپنایا کیوں کہ اسی میں سلامتی اور منزل تک رسائی یقینی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تہجد واشراق ذکر واذکار کو اہمیت نہیں دیتا۔ یا ان کے فضائل کا منکر ہوں، میں وصول الی اللہ کے دو طریقوں میں سے افضل، احسن، اسلم طریقے کی بات کر رہا ہوں۔

اس کو یوں حل کیجئے۔ میں تمام یاران نکتہ داں سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت مفتی اعظم ہند نے جو طریقہ اپنایا کہ فرائض وواجبات، سنن ومستحبات پر ہر معاملے میں پابندی، محرمات بلکہ مکروہات سے بالکلیہ اجتناب اور پورے وقت مخلوق کی حاجت روائی اور ذکر الہی اور فتویٰ نویسی اور مفتیوں کی اصلاح وتربیت اور امر بالمعروف نہی عن المنکر میں زندگی بسر فرمائی، یہ افضل ہے یا فرائض وواجبات سنن میں تساہل، محرمات ومکروہات کے ارتکاب میں لا ابالی پن، مگر تہجد، اشراق، ذکر، اذکار میں مصروفیت اور خود کو ولی سمجھنا اور دوسروں کو ولی سمجھانا افضل ہے۔ اس کا فیصلہ ناظرین پر ہے۔

روحانیت:

اس سلسلے میں عوام اور خواص میں بہت سے واقعات مشہور ومعروف ہیں جن کے اعادے کی ضرورت نہیں، میں صرف دو واقعے تحریر کر رہا ہوں، جو اب تک سپرد قلم نہیں ہوئے ہیں۔

ایک سال بریلی شریف کے ایک حاجی صاحب حج سے واپس آئے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند کب حج کے لئے گئے تھے؟ اور واپس ہوئے یا نہیں؟ لوگوں نے انہیں بتایا کہ حضرت مفتی اعظم امسال حج کے لئے نہیں گئے تھے۔ انہوں نے عیدگاہ میں عید الاضحی کی نماز پڑھائی، میں نے خود پڑھی۔ سب حاضرین نے متفق اللفظ ہو کر یہی بتایا۔ انہوں نے حیرت سے کہا آپ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں نے ان کو طواف کرتے دیکھا ہے۔ مسجد حرام میں، منیٰ میں، عرفات میں، ان سے ملاقات کی ہے۔ مدینہ

منورہ، مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مواجہ اقدس میں سلام عرض کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ سن کر سارے حاضرین دم بخود رہ گئے۔ لیکن سب نے پھر یہی کہا کہ تمہیں دھوکہ ہوا ہوگا۔ حضرت تو امسال دولت کدہ ہی پر رہے، حج کے لئے نہیں گئے تھے۔ مگر انہوں نے پھر بہ تاکید کہا: دھوکہ کیسا میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان سے وہاں ملاقات کی ہے، ان کی دست بوسی کی، بات چیت کی، اور بلا کسی شبہے کے مسجد نبوی اور مواجہ اقدس میں دیکھا ہے۔ اس کا عام چرچا ہوا، سب نے ان حاجی صاحب کو یہی بتایا کہ تم جو کہتے ہو سچ ہے مگر حضرت امسال حج کے لئے نہیں گئے تھے۔ حاجی صاحب نے خود یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا اور بھی بہت سے لوگوں سے بیان کیا۔

یہ حاجی صاحب جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے انہیں بہت پیار سے دیکھا، جاں نواز انداز میں مسکرائے اور حسب عادت ان کے قدم اور آنکھوں کو بوسے دیئے۔ حاجی صاحب دم بخود بیٹھے ٹکٹکی باندھے حضرت کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ان سے مخاطب ہوئے اور حرمین طیبین کے حالات پوچھتے رہے، اور ایک بار بڑے محبت آمیز لہجے میں فرمایا۔ حاجی صاحب ہر بات بیان کرنے کی نہیں ہوتی اس کا خیال رکھئے گا۔ اس سے متاثر ہو کر یہ حاجی صاحب مرید ہوئے۔

پہلے عرس رضوی کی ساری تقریبات درگاہ رضوی کی چھت پر ادا ہوتی تھیں، جس سے اترنے کے لئے صرف ایک زینہ تھا، قل کے وقت بے پناہ اژدہام ہوتا تھا، قل ختم ہونے کے کم از کم ایک گھنٹے بعد حضرت مفتی اعظم اوپر سے اتر پاتے تھے، مگر ایک سال کے قل کے پندرہ منٹ بعد ہم میں بہت سے لوگوں نے دیکھا کہ حضرت نیچے تشریف لے آئے اور کاشانہ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔ میں مسجد رضوی کے دروازے پر کھڑا تھا کہ ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت اوپر سے تشریف لے آئے، میں نے انہیں بتایا کہ جی ہاں! دولت خانے میں تشریف لے گئے ہیں۔ وہ حضرت کی بیٹھک میں تشریف لے گئے۔ مگر بیٹھک میں حضرت تشریف فرمانہ تھے۔ انہوں نے کچھ دیر انتظار کیا مگر حضرت اندر سے تشریف نہیں لائے، پھر میرے پاس آئے کہ حضرت کہاں ہیں؟ میں نے ان سے کہا کہ اندر کسی ضرورت سے تشریف

رکھتے ہوں گے، ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یہ دیکھا گیا کہ حضرت درگاہ شریف کی چھت سے نیچے تشریف لائے، انہوں نے مجھے گھور کے دیکھا، انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہوگا، تو حضرت کے ساتھ بیٹھک میں چلے گئے اور میں سوچتا رہ گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ بہت دیر تک میں سکتے میں کھڑا رہا۔ پھر وہ لوگ جنھوں نے پہلی بار اترتے دیکھا تھا میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ ہم لوگوں کا دماغ پھٹ جائے گا، یہ معاملہ کیا ہے، میں نے ان کو سمجھانے کے لئے کہا کہ یہ سرکار غوث اعظم کا کرم ہے کہ اپنی کرامت اپنے نائب کو عطا فرمائی۔

جونا گڑھ کاٹھیاواڑ کے حاجی محمد ابراہیم نارفائی مرحوم نے بتایا کہ مجھے کسی سے مرید ہونے کا شوق زمانے سے تھا۔ پیر کی تلاش میں رہتا، جس پیر کی کاٹھیاواڑ میں آمد کی خبر سنتا ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، مگر کسی سے دل نہ بھرتا۔ ایک دفعہ سوتے وقت یہ شوق والہانہ انداز میں بیدار ہوا، اور مجھ پر رقت طاری ہوگئی، روتے روتے میں نے عرض کیا کہ الٰہی! مجھے کوئی پیر کامل عطا فرما۔ اسی حالت میں سوگیا، خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ صورت انسان دوسرے بزرگ کو دکھا کر فرماتے ہیں کہ تیرے پیر یہ ہیں، اچھی طرح دیکھ لے۔ حاجی ابراہیم نے بتایا کہ اس تنبیہ پر میں نے بہت غور سے ان بزرگ کو دیکھا اور ان کے حلیہ جمال کا ہر نقش دل پر کالحجر کرلیا۔ پھر آنکھ کھل گئی، وہ کہتے ہیں کہ اب میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بزرگ کون ہیں، کہاں کے باشندے ہیں، کیا نام ہے، کچھ پتا نہیں؟ ڈھونڈوں تو کیسے ڈھونڈوں کہاں ڈھونڈوں۔ اب میرا شوق دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا۔ اور پورے کاٹھیاواڑ سے مضبوط رابطہ قائم کرلیا کہ جو بھی پیر آئے مجھے خبر کرنا، پیر آتے رہے، جاتے رہے مگر میرا پیر کوئی نہ نظر آیا۔ اجمیر شریف حاضر ہوا، وہاں بھی پوچھ پوچھ کر ہر حاضر ہونے والے پیر کو دیکھا مگر میرا قبلہ مقصود کوئی نہ تھا۔

بالآخر یہ خبر ملی کہ حضرت مفتی اعظم ہند دھوراجی فلاں تاریخ کو آرہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ شائبہ بھی نہ تھا کہ یہی وہ بزرگ ہوں گے۔ مفتی اور پیر یہ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا تھا، لیکن چوں کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا معتقد تھا، اس لئے اس ناطے کہ چلو ان کے وارث ان کے فرزند کی زیارت کرلو۔ میں دھوراجی گیا، جب حضرت

کے روئے زیبا پر نظر پڑی تو سکتہ طاری ہو گیا۔ خواب میں جسے میرا پیر بتایا گیا تھا وہ مفتی اعظم ہند میرے سامنے جلوہ گر تھا۔ کچھ حیرت و استعجاب، فرحت و انبساط کی ملی جلی کیفیت میں دم بخود کھڑا امراۃ جمال غوث اعظم کو تکتا رہا، جب قوی قابو میں آئے تو قریب پہنچ کر قدموں میں گر پڑا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اپنے دست مبارک سے میرے سر کو پکڑ کر قدموں سے ہٹاتے رہے، فرماتے رہے یہ کیا کر رہے ہو، یہ کیا کر رہے ہو۔

جب آنسو کے ساتھ طوفان شوق تھما تو پہلی درخواست یہی پیش کی کہ مجھے مرید فرمالیں۔ جو بلا تاخیر قبول ہوئی۔ اس سفر میں علاقہ کاٹھیاواڑ میں حضرت مفتی اعظم ہند کے پہلے مرید حاجی ابراہیم مارفانی مرحوم تھے۔

قابل تنقید روایات:

غلو وافراط میں بہہ کر حضرت مفتی اعظم ہند کے حالات میں بعض غلط بلکہ قابل اعتراض روایات بھی لوگوں نے لکھ دی ہیں۔ جو کسی وقت مخالفین کی نظر میں آسکتی ہیں، اور ہمیں رسوائی ہو سکتی ہے۔ اس لئے ان کی نشاندہی کرنی ضروری ہے۔

اول: تاریخ ولادت بعض سوانح نگاروں نے ۲۵ رجمادی الاولی ۱۳۱۰ھ لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ خود حضرت مفتی اعظم ہند نے اپنی تاریخ ولادت ۲۲ رذوالحجہ ۱۳۱۰ھ بتائی ہے۔ خود حضرت مفتی اعظم ہند سے یہ سننے والے آج بھی اتنے موجود ہیں کہ ان سب کو غلط بیان نہیں کہا جا سکتا۔

ایک شہرت یہ ہے کہ مفتی اعظم ہند کا تاریخی نام محمد ہے۔ اس طرح کہ سال ولادت ۱۸۹۲ء ہے، اور بحذف صدی ۹۲ کا عدد آتا ہے مگر قواعد اس کی تائید نہیں کرتے۔ سن ہجری وعیسوی میں تطابق کے جتنے قاعدے ہیں کسی قاعدے سے تطابق نہیں ہوتا۔ ہر قاعدے سے سال عیسوی ۱۸۹۳ء آتا ہے۔ نہ معلوم کیسے اسے شہرت ہو گئی۔ بہر حال ۹۲ء درست نہیں۔ اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ الملفوظ میں اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ میرے بڑے بیٹے حامد رضا کا تاریخی نام محمد ہے۔ اس کی سال ولادت ۱۲۹۲ھ ہے۔ مقام اس کا مقتضی تھا

کہ اگر واقعۃً حضرت مفتی اعظم ہند کا نام نامی محمد بھی تاریخی ہوتا تو اس کا تذکرہ بھی ضرور فرماتے، خصوصاً جب کہ وہی جامع ملفوظات ہیں۔

ثانی: اسی طرح کسی نے یہ اڑایا کہ حضرت کی ولادت کے موقع پر حضرت مولانا رحم الٰہی صاحب منگلوری مرحوم نے یہ شعر تاریخ ولادت پر مشتمل اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض کیا:

طبیب دین احمد مجدد ابن مجدد اعظم

اس روایت کو ہمارے ذمہ دار و غیر ذمہ دار بھی افراد نے بلا تحقیق بیان کرنا شروع کر دیا۔ کسی نے یہ بھی تکلیف نہیں کی کہ اس کے اعداد ہی جوڑ لیتے۔ ناظرین کو حیرت ہوگی کہ اس کے اعداد ۱۳۰۶ ہیں۔

یہ روایت کسی مخالف نے گڑھی ہے۔ اس میں ایک طرف حضرت مفتی اعظم کے استاذ جناب مولانا رحم الٰہی صاحب پر زد پڑتی ہے تو دوسری طرف خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔ اسے کسی نے نہیں سوچا۔ بس اندھا دھند نقل کرنا شروع کر دیا۔ ۱۳۱۰ھ تک کسی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو مجدد کہا بھی نہیں تھا، چہ جائے کہ مجدد اعظم۔

ثالث: اسی طرح عام طور پر یہ مشہور کر دیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند نے پہلا حج اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ساتھ ۱۳۲۳ھ میں کیا تھا۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ہمراہ اس حج میں خلف اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ حضرت مفتی اعظم ہند پہلا حج ۱۹۴۵ء میں، دوسرا ۱۹۴۸ء میں اور تیسرا ۱۹۷۱ء میں فوٹو کی قید کے بعد بلا فوٹو کیا ہے۔

رابع: صحیح یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مرکزی دار القضاء کا قاضی صرف حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کو بنایا۔ حضرت مفتی اعظم اور برہان ملت کو ان کا معین اور مفتی بنایا تھا۔ جیسا کہ استقامت کے مفتی اعظم نمبر میں خود حضرت برہان ملت کا تفصیلی بیان مذکور ہے، مگر کچھ لوگوں نے حضرت مفتی اعظم کو قاضی لکھ دیا اور تقریروں میں بیان کرنا شروع کر دیا۔

خامس: حضرت مفتی اعظم کی بعض تصانیف کے دو دو نام ہیں۔ مثلاً الموت الاحمر کا دوسرا نام "ہشتاد بید و بند بر مکاری دیو بند" بھی ہے۔ کثرت تصانیف دکھانے کے شوق میں اسے دو کتابیں شمار کر دیں۔ اب ہم کس کا منھ پکڑیں جو یہ کہہ دے کہ حضرت مفتی اعظم کے سوانح نگار اتنے جاہل ہیں کہ انہیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں یا دو کتابیں ہیں۔

سادس: کسی نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب بھی حضرت مفتی اعظم ہند کی طرف منسوب کر دی۔ جب کہ یہ کام حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا ہے۔ حضرت صدر الشریعہ نے خود مجھ سے بیان فرمایا: جب میں اجمیر شریف جانے لگا تو کچھ کاغذ مطبع اہل سنت میں موجود تھا، میں نے جلدی جلدی فتاویٰ رضویہ جلد دوم کو مرتب کیا، اور چھپوا دیا۔ عجلت میں نہ فہرست بنا سکا، اور نہ فوائد لکھ سکا، ٹائٹل رہ گیا، جسے حضرت جیلانی میاں نے چھپوا کر اس کے ساتھ لگا دیا۔

ان لوگوں پر حیرت ہے، فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب سے کہیں اہم و اعظم فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح کی ترتیب اور اس کی فہرست اور اس کے فوائد ہیں۔ پھر کتابت و طباعت اتنی شاندار دیدہ زیب، خوش نما اور عمدہ کہ آج کی فوٹو آفسیٹ کی طباعت بھی ہیچ ہے۔ کاغذ اعلیٰ چکنا ولایتی، میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی کوئی تصنیف اتنی عمدہ اس وقت تک نہیں چھپی تھی، صحیح ایسی کہ اب تک مجھے اس میں کوئی غلطی نہیں ملی، اسے کوئی ذکر بھی نہیں کرتا۔ یہ کتنی قابل افسوس بات ہے۔

فتنۂ ارتداد:

۱۹۲۰ء بلکہ ایک دو سال پہلے سے ہندوستان سخت سیاسی کش مکش میں مبتلا تھا۔ کانگریس ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ قوت سے انگریزوں پر ضربیں لگا رہی تھی۔ خلافت کمیٹی کے کانگریس میں انضمام کے بعد کانگریس نا قابل تسخیر قوت بن چکی تھی۔ مسلمان اپنے انجام سے بے خبر کانگریس کے ساتھ دیوانہ وار شریک تھے اور مسلم لیڈران تو لیڈران، علما نے آنکھ بند کر کے کانگریسی رہنماؤں کی تقلید جامد کر لی تھی، حتیٰ کہ ایک عالم نے کانگریسی رہنما کے

بارے میں یہ تک کہہ دیا۔

عمرے کہ بآیات واحادیث گزشت
رفتی ونثار بت پرستی کردی

کسی مسلمان کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ کسی نے یہ سوچنے سمجھنے کی زحمت تک نہ کی کہ کانگریس کا مقصد کیا ہے۔ حتی کہ دیوبند کے صدر مدرس مولوی محمود حسن نے بھی کانگریس کے استھان پر اپنے تقدس کی بھینٹ چڑھادی۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے رہا نہ گیا، اور سچے نائب رسول اور وقت کے مجدد ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو کانگریس سے بچانے کی انتھک کوششیں کیں۔ جس پر اس وقت کے رسائل اور اشتہارات اور اجلاس شاہد ہیں۔ واشگاف الفاظ میں مسلمانوں کو بتایا کہ کانگریس کا مقصد تمہیں ہندوؤں کا غلام بنانا ہے، اس وقت کے رسائل اور اشتہارات پڑھیے، آپ کو واضح غیر مبہم الفاظ میں ان سب خطروں کی نشان دہی ملے گی جو آج مسلمانوں کے مقدر بن چکے ہیں۔ جو مسلسل چالیس سال سے پولس ایکشن کے ذریعے مسلمانوں کے قتل عام، اموال کی لوٹ گھسوٹ اور شہری حقوق سے مسلسل محرومی کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

میرٹھ، ملیانہ، بھاگل پور، کرنیل گنج، نجیب آباد، بنارس وغیرہ میں جو پولیس ایکشن ہوا ان سب کی آگاہی پہلے ہی دے چکے تھے۔ مسلم لیگ نے تو مطالبہ پاکستان بہت بعد میں کیا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے برسوں پہلے اس کا اشارہ کر دیا اور اس کے اثرات بیان فرمادیے۔ اس سلسلے میں حضرت مفتی اعظم ہند اپنے والد ماجد کے دوش بدوش رہے۔ اس سلسلے میں مفتی اعظم کی تصنیفات طرق الہدیٰ والارشاد وغیرہ کا مطالعہ کریں تو آپ لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

نام نہاد مسلمان اتنے اندھے بہرے ہو چکے تھے کہ ایک انتہائی بد باطن کانگریسی لیڈر کو جامع مسجد کے منبر پر بٹھایا اور اس سے بھاشن دلوایا۔ انگریز کانگریس اس زور شور کے احتجاج سے گھبرا اٹھا تھا۔ ایک بہانے سے اسی لیڈر کو گرفتار کیا، اور جیل میں لے جا کر شیشے میں

اتارا۔ اور پھر رہا کر دیا۔ اس نے جیل سے نکل کر مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شدھی سنگٹھن کی تحریک چلائی۔ ہندو پونجی پتیوں نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیئے۔ وہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے نکلا۔ عمدہ سے عمدہ باجے اچھے سے اچھے گانے والی خوبصورت پری پیکر لڑکیوں کے جھنڈ کے ساتھ گھومنے پھرنے لگا۔

اس وقت کی مسلمانوں کی ساری تنظیمیں خاموش تھیں۔ تمام خانقاہوں پر جمود طاری تھا، سارے مسلمانوں کے مقتدا بننے والے چپ سادھے تھے، مگر مجدد اعظم کے وارث علم وفضل حضرت مفتی اعظم سے رہا نہ گیا۔ تنہا چند اپنے رفقا کو لے کر اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل پڑے۔ چوں کہ اس فتنے کا زور نواح آگرہ میں بہت تھا۔ اس لئے آگرہ کو مرکز بنا کر دیہاتوں کا پیادہ پا دورہ شروع کر دیا۔ جب اطلاع ملتی کہ وہ لیڈر فلاں جگہ گیا ہے وہیں پہنچ جاتے، جگہ جگہ اس کا پیچھا کرتے اور ساتھ ہی ساتھ بہ طور حفظ ماتقدم ان دیہاتوں میں بھی تشریف لے جاتے جہاں ابھی اس کا گزر نہیں ہوا تھا۔ ایک دو دن نہیں برسہا برس اس میں مصروف رہے۔ گرمی ہو جاڑا ہو برسات ہو کسی کی پرواہ نہیں کی، ناز و نعمت میں پلا ہوا ایک رئیس شہزادہ جو کبھی چند قدم پیدل نہ چلا ہو، میلوں پیدل چل رہا ہے۔ جاڑوں کی برفیلی ہوائیں، گرمیوں کے لو کے جھکڑ سب کچھ سہتا ہے، بے پڑھے لکھے سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے جہد مسلسل میں مصروف ہے۔ پھولوں کی سیج پر سونے والا شہزادہ زمین کے فرش پر سو رہا ہے، نہ کھانے کی پرواہ، نہ آرام کا خیال، دھن ہے تو یہ ہے کہ جس طرح ہو مسلمانوں کے ایمان کو بچایا جائے۔ کیا راہ خدا میں اس قسم کے جہاد مسلسل کی اس دور میں اور کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی اعظم کا اس ہولناک فتنۂ ارتداد کے مقابلے کا کارنامہ تاریخ اسلام کا وہ زریں باب ہے جو ہمیشہ درخشاں رہے گا۔ افسوس یہ ہے کہ اس کی تفصایل آج مل نہیں سکتیں۔ ورنہ دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی۔ صرف ایک واقعہ سن لیں۔

اطلاع ملی کہ آگرہ میں بیس میل کے فاصلے پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا پاؤں جم گیا ہے اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے لئے آمادہ

ہو رہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی حضرت شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ایک اور رفیق کو لے کر آگرہ سے چلے جہاں تک ریل تھی ریل سے گئے، اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا اور کوئی سواری نہیں تھی، یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہنچے۔ جا کر دیکھا کہ ایک مجمع اکٹھا ہے، آگ جل رہی ہے، گانا دھوم سے ہو رہا ہے۔ متعدد حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں۔ اور کئی نائی استرہ قینچی لئے بیٹھے ہیں۔ ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے، معلوم ہوا کہ یہ مجمع ان مسلمانوں کا ہے جو مرتد ہونے پر راضی ہیں اور انہیں ہندو بنانے کے لئے یہ جشن ہو رہا ہے۔

یہ لوگ کسی خطرے کی پرواہ کئے بغیر مجمع کو چیرتے پھاڑتے اس فتنہ پرور کے پاس پہنچے۔ اس سے کہا کہ آؤ مناظرہ کرلو۔ اس نے صاف انکار کر دیا، اور کہا یہ لوگ شدھ ہونے پر راضی ہیں۔ اب مناظرے کی ضرورت نہیں۔ اس پر حضرت شیر بیشۂ سنت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت مفتی اعظم کی غیرت ملی جوش پر آگئی۔ شیر بیشۂ سنت سے فرمایا کہ مجمع والوں سے کہئے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو تم سب لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اپنی جلائی ہوئی آگ میں کود ے، جو آگ سے زندہ بچ کر نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کرلو۔ حضرت شیر بیشۂ سنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہنچایا۔ اس کے بعد ایک جوش و مستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: چل ہم دونوں اس آگ میں کود یں۔ ہیبت حق سے وہ تھر تھر کانپنے لگا اور مبہوت و دم بخود رہ گیا۔ حضرت مفتی اعظم نے جوش میں آکر اسے گھسیٹنا شروع کیا۔ مگر وہ بہت موٹا تھا، ٹس سے مس نہ ہوا۔ کچھ دیر تک یہی ہوتا رہا، گانے والے گانا بھول گئے، حلوائیوں نے پوریاں چھاننی چھوڑ دیں، سارا مجمع ساکت و جامد دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو مکھیا وغیرہ قسم کے تھے، تخت کے قریب آئے اور کہا: مولوی جی! اسے چھوڑ دو اب ہماری سمجھ میں آگیا کہ تمہارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل، ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا۔

اب کیا تھا حضرت شیر بیشۂ سنت نے وہیں اپنے انداز میں خطبہ پڑھا، نعت پڑھی اور تقریر فرمائی۔ اس کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی، کلمہ پڑھا اور سچے پکے مسلمان ہوگئے۔ اب مجھے کہنے دیجئے:

اولئک ساداتی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

بس رہے تھے یہیں سلجوقی بھی تورانی بھی
اہل چیں چین میں، ایران میں ایرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے؟

قبول فی الخلق:

قبول فی الخلق اللہ عزوجل کا ایک عظیم عطیہ ہے، جو وہ اپنے محبوبان بارگاہ کو عطا فرماتا ہے۔

ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا۔

(سورۂ مریم: آیت ۹۶)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے عنقریب رحمٰن ان کے لئے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا فرمادے گا۔

اس کے علاوہ ارشاد ہے:

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (سورۂ یونس: آیت ۶۴)

ان کے لئے دنیا کی زندگی اور آخرت میں بشریٰ ہے۔

حضرت امام رازی نے فرمایا کہ بشریٰ سے مراد قبول فی الخلق ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قبول فی الخلق اولیائے کرام ہی کے ساتھ خاص نہیں بہت سے عوام بلکہ فساق بلکہ کفار

مشرکین تک کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ محبوبانِ بارگاہ کو جو قبول عام عطا ہوتا ہے اس میں اور فساق وفجار کے قبول عام میں کوئی مابہ الامتیاز خط فاصل ہو۔

اہل معرفت نے فرمایا کہ قبول فی الخلق کی دو صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ عوام سے شروع ہو اور عوام ہی تک محدود رہے۔یا عوام کے بعد کچھ خواص میں بھی پیدا ہو جائے۔یہ مقبولیت عند اللہ مقبول ہونے کی قطعی دلیل نہیں۔یہی وہ مقبولیت ہے جو عوام کالانعام فساق وفجار کو بھی حاصل ہوتی ہے۔

دوسری وہ جو خواص سے شروع ہو اور پھر ان کے ذریعہ عوام تک پہنچے یہ یقیناً حتماً اللہ عزوجل کی بارگاہ قدس میں مقبول ہونے کی دلیل ہے اس کی تائید حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے۔ارشاد ہے:

اللہ عزوجل جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس سے حضرت جبرئیل کو آگاہ فرماتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تم بھی اس بندے سے محبت کرو۔پھر تمام آسمان والوں کے دل میں اس بندے کی محبت ڈال دیتا ہے۔پھر حکم دیتا ہے، زمین والوں میں ندا کردو۔یہ میرا محبوب بندہ ہے۔سب اس سے محبت کریں۔اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

ظاہر ہے باشندگان ملاء اعلیٰ اور حضرت جبرئیل خواص ہی ہیں۔علاوہ ازیں حضرت جبرئیل ملک مقرب ہیں۔اس لئے ان کی ندا سے مراد "القا فی القلوب" ہے اور جبرئیل امین کا یہ القا خواص ہی کے قلوب میں ہوگا۔

مفتی اعظم کے قبول فی الخلق کے دو منظر میں نے دیکھے۔ایک ۱۳۸۱ھ سے پہلے کا۔دوسرا اس کے بعد کا۔

یہ خادم شوال ۱۳۷۵ھ میں خدمت اقدس میں خود حضرت کے ارشاد پر آستانہ عالیہ پر دارالعلوم مظہر اسلام کی تدریسی خدمت کے لئے حاضر ہوا۔اس وقت حضرت کی مقبولیت صرف خواص تک محدود تھی۔عوام میں وہ ہر دل عزیزی نہ تھی، جو اس کے چند سالوں کے بعد پیدا ہوئی۔اور دن بدن بڑھتی چلی گئی۔رہ گئے خواص تو بلا استثنا سارے خواص حضرت مفتی

اعظم ہند کے مقتدائے انام ہونے کے دل سے معترف تھے۔ خواص کا ایک ایک فرد حضرت مفتی اعظم ہند کو وقت کا سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا مفتی، سب سے بڑا فقیہ، سب سے بڑا وارث نبی، سب سے بڑا عارف، سب سے بڑا حق آگاہ، سب سے بڑا ولی مانتا تھا۔

مگر اس کے باوجود عوام کا رابطہ بہت کم تھا۔ اسی لئے سفر برائے نام تھے۔ اور سفر میں بھی عوام کا رجحان برائے نام تھا۔ آپ لوگوں کو حیرت ہوگی کہ اس سال صرف ایک سفر فرمایا۔ بھڑوچ گجرات میں جماعت رضائے مصطفےٰ کی ایک بہت اہم تاریخی کانفرنس تھی، جس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے جبل پور عرس سلامی میں شرکت کے لئے گئے۔ اس وقت تک کے مریدین کی گنتی کی جائے تو افسوس ناک حد تک کم ہوگی۔

لیکن ۱۳۸۱ھ کے بعد خواص کے ساتھ ساتھ عوام کا رجوع عام ایسا بڑھا کہ عقل دنگ رہ گئی۔ معلوم یہ ہوتا کہ حضرت مفتی اعظم ہند ایک شمع ہیں، جس پر نثار ہونے کے لئے پوری دنیائے سنیت پروانہ وار ٹوٹی پڑتی ہے، جس کا نظارہ پوری دنیا نے بارہا کیا ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند محبوبیت عظمیٰ کے اس عظیم منصب پر مسند نشیں ہیں جن کی محبت عقیدت ہر سنی کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔ (ماہنامہ حجاز جدید دہلی جون ۱۹۹۲ء ص: ۲۰ تا ۳۶)

☆☆☆

کیا کیا کہوں تجھے!

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے ٹاٹا نگر سے آدمی بھیجا کہ میں ''رفاقت'' کا مفتی اعظم نمبر نکالنا چاہتا ہوں۔ اس لئے سب کام چھوڑ چھاڑ کر تم ضرور بالضرور کچھ لکھ دو۔ مگر قاصد اس وقت آیا کہ میں ایک دینی کام کے لئے مکن پور ضلع اٹاوہ کے لئے کمرے سے نکل چکا تھا۔ دو دن کے بعد واپس ہوا تو بھی قاصد سر پر سوار تھا۔ مگر اس کا میرے اوپر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور میں نے مصلحت انگیز خفگی کے ساتھ قاصد کو واپس کر دیا۔ بعد میں ہوش آیا کہ قاصد کو تو واپس کر دیا مگر علامہ سے بچ کر کہاں رہوں گا؟ سوچا کہ کچھ لکھوں؟ مگر جب بھی لکھنے کے لئے دماغ کو متوجہ کرتا اور حضرت مفتی اعظم کا تصور جمیل ذہن میں آتا تو نہ پھر دماغ میں سوچنے کی تاب رہتی نہ ہاتھ میں قلم پکڑنے کی۔ یا اللہ! یہ کیا ہو گیا، جس سے میری ہی نہیں، سارے اہل سنت کی زندگی تھی وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ ع:

کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

مگر کاش کی قیامت قائم ہو جاتی تو پھر کاہے کو رونا تھا، جس ناکارے غلام کو اپنی آغوش میں پالا تھا، اسے قیامت میں اپنے سے دور رکھیں گے، یہ ان کی شان کریمی سے بعید ہے، مگر قیامت یہ ہے کہ ابھی قیامت ہی نہیں قائم ہوئی۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ بار بار اس کیفیت کے طاری ہونے کے بعد جب اعصاب عادی ہو گئے تو دماغ میں یہ ہلچل برپا ہوئی کہ کیا لکھوں کیا نہ لکھوں۔ جس جامع کامل ہستی کے فضائل کے ابواب کی فہرست بھی تیار کرنی مشکل ہے اس کے حالات سپرد قلم کرنے کے لئے کہاں سے وہ الفاظ لاؤں جو سمندر کو کوزے میں بند کر سکے۔

دامانِ نگہ تنگ وگلِ حسن تو بسیار
گل چیں بہار تو زداماں گلہ دارد

اپنے احباب سے مشورہ کیا۔ سب نے اپنے ذوق کے مطابق رہنمائی کی۔ اور بات اس کش مکش میں رہ گئی۔ کل جی میں آیا کہ علامہ کو لکھ دوں، بس میری طرف سے یہ شعر شائع فرمادیں۔

کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثناخواں کی خاموشی
چپ ہو رہا ہے کہہ کے کہ کیا کیا کہوں تجھے

پھر احباب نے فہمائش کی نہیں کچھ نہ کچھ لکھنا ضرور پڑے گا۔ آخر کار یہ طے پایا کہ اس پہلو پر روشنی ڈالی جائے کہ حضرت مفتی اعظم، مفتی اعظم کیوں تھے؟ اس کا جواب بہت آسان دو جملوں میں ہی کافی تھا، جب وصال کی خبر پر تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے لاکھوں لاکھ افراد کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بریلی شریف میں امنڈ آیا تو بریلی کے ہندوؤں نے اپنے الفاظ میں کہا:

ہم لوگ جانتے تھے کہ بڑے مولوی صاحب صرف بریلی کے مولویوں میں سب سے بڑے تھے، اب معلوم ہوا کہ پورے ہندوستان کے مولویوں سے بڑے تھے۔

الفضل ما شهدت به الاعداء

مگر یہ اجمالی جواب ہے۔ تھوڑی تفصیل ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے اس زمانہ میں مفتی وہی ہے جو کتب فقہ سے مسائل کے احکام نکال سکے، کتب فقہ میں جزئیات بکثرت مذکور ہیں۔ کسی جزئیہ کو کتابوں سے نقل کر دینا کوئی اہم کام نہیں، ایسے بزرگوں سے گزارش ہے کہ دارالافتاء کا قلمدان سنبھالیں تو معلوم ہوگا کہ جسے آپ شیر مادر سمجھ رہے ہیں، یہ شیر مادر نہیں، جوئے شیر لانے سے ہزاروں درجے سخت تر کام ہے۔ پھر ہمیشہ وہی سوالات نہیں کئے جاتے، جن کے جوابات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفتی کے سامنے جدید وقائع وحوادث کے بارے میں سوالات آتے رہتے ہیں، جن کے بارے میں صراحۃً کتب فقہ میں کوئی حکم نہیں ملتا۔ مفتی وہ ہے جو ان جدید وقائع وحوادث کے بارے مین ان کے نظائر کو سامنے رکھ کر عبارات فقہ کی عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص ودیگر مدلولات سے حکم شرعی بیان کرے۔ مفتی ناقل ہوتے ہوئے مستنبط بھی ہوتا ہے

اور استنباط کتنا مشکل کام ہے، اسے وہی جانتا ہے جو یہ کام کرتا ہے۔

حضرت مفتی اعظم ہند، مفتی تھے، اور مفتی اعظم تھے، یہ ہر شبہہ سے بالاتر ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ان کو خود منصب افتاء تفویض فرمایا تھا۔ ہوا یہ کا فتاویٰ رضویہ کی قلمی جلد بیٹھک میں رکھی رہتی تھی۔ اعلیٰ حضرت کچھ مسائل وہاں حاضر رہنے والے علما کو لکھنے کے لئے دے دیتے، وہ لوگ فتاویٰ رضویہ سے دیکھ کر حکم نقل کر دیتے۔ ایک دن حضور مفتی اعظم ہند جب بیٹھک میں تشریف لے گئے تو دیکھا، ایک صاحب فتاویٰ رضویہ دیکھ رہے ہیں، اور ایک کاغذ نیچے رکھا ہے، دریافت کرنے پر بتایا کہ ایک مسئلہ لکھنا ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہند نے (ان کے ساتھ جو بے تکلفی تھی اس کے پیش نظر) ان سے فرمایا: یہ کیا کمال ہے کہ فتاویٰ رضویہ سے دیکھ کر نقل کر دیا۔ خود فقہ کی کتابوں سے اس کا حکم دیکھ کر لکھئے۔ انہوں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا، تو لیجئے آپ ہی لکھئے۔ مفتی اعظم نے سوال لیا۔ یہ رضاعت کا کوئی پیچیدہ مسئلہ تھا۔ (خود حضرت نے یہ مسئلہ مجھے بتایا تھا مگر اس وقت یاد نہیں آتا) حضرت مفتی اعظم نے وہاں جو کتابیں تھیں، ان کو دیکھ کر اس کا حکم لکھا، تائید میں عبارتیں لکھیں اور لکھ کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھجوا دیا۔ اعلیٰ حضرت نے خط پہچان لیا۔ دریافت فرمایا کس نے دیا ہے؟ لے جانے والے نے بتایا کہ چھوٹے میاں نے۔ (گھر میں لوگ آپ کو چھوٹے میاں ہی کہتے تھے) اعلیٰ حضرت نے طلب فرمایا۔ مفتی اعظم حاضر ہوئے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت باغ باغ ہیں، پیشانی اقدس پر بشاشت سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ فرمایا: اس پر دستخط کرو۔ دستخط کروانے کے بعد اعلیٰ حضرت نے الجواب صحیح یا اس جیسا اور کوئی جملہ لکھ کر اپنی دستخط ثبت فرمائی، اور پانچ روپے انعام عطا فرمائے۔ فرمایا: تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں۔ اب فتویٰ لکھا کرو۔ اپنا رجسٹر بنا لو۔ اس میں نقل بھی کیا کرو۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے دست مبارک سے مہر کا خاکہ تیار فرمایا، اور کنیت اور لقب لکھا اور مہر کن کے حوالے کیا۔ جب مہر بن کے آگئی تو بلا کر عطا فرمائی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا تھا، اور ان کے آئینہ جمال وکمال حضرت مفتی اعظم نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا۔ خاص بات یہ ہے کہ اس

پہلے فتوئی پر اعلیٰ حضرت نے ایک لفظ گھٹایا نہ ایک لفظ بڑھایا، نہ کوئی اصلاح کی ۔ پہلا فتوئی ہی حضرت مفتی اعظم نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ کہیں اس میں کوئی انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی ۔

آغاز کا جب یہ عالم ہے انجام کا عالم کیا ہوگا

اعلیٰ حضرت نے اپنی حیات طیبہ میں سیکڑوں مسائل لکھوائے ۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد آپ کے آستانہ پر آنے والے ہزار ہا ہزار مسائل لکھنے والے صرف دو تھے ۔ ایک حضرت مفتی اعظم، دوسرے حضرت صدر الشریعہ ۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ اگرچہ حضرت مفتی اعظم کے استاذ تھے اور خود زبردست مفتی تھی، مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارساد فرمادیتے ۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتوئی تحریر فرماتے، اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم آستانے پر آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے ۔ اس زمانے میں لوگ دیندار، آج کی بہ نسبت بہت زیادہ تھے ۔ ہر معاملے میں حکم شرعی دریافت کرتے تھے اور دینی مدارس وہ بھی اہل سنت کے بہت ہی کم تھے ۔ آج بحمدہ تعالیٰ بکثرت ہیں اور تقریبا ہر مدرسے میں دار الافتاء ہے ۔ اب اندازہ لگائیں کہ حضرت مفتی اعظم کتنے مسائل لکھتے رہے ہوں گے ۔ پھر فتوئی کی شان وہ تھی مفتی اعظم کا قلم ہے اور مضمون اعلیٰ حضرت کا ۔ اس وقت ملک کے طول وعرض میں بہت سے مفتی تھے ۔ کسی کے یہاں وہ جامعیت جو مفتی اعظم کے فتوئی میں تھی، نہیں ملی، اور نہ ملے گی ۔ گیارہ سال تین ماہ خدمت میں حاضر رہا ۔ اس مدت میں چوبیس ہزار مسائل لکھے ہیں، جن میں کم از کم دس ہزار وہ ہیں جن پر حضرت مفتی اعظم کی تصحیح و تصدیق ہے ۔ عام یہ ہوتا کہ دن بھر بلکہ بعد مغرب بھی دو دو گھنٹے تک حاجت مندوں کی بھیڑ رہتی ۔ یہ حاجت مند خوش خبری لے کر نہیں آتے ۔ سب اپنا اپنا دکھڑا سناتے، غم آگیں واقعات سننے کے بعد دل ودماغ کا کیا حال ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے ۔ اتنے طویل عرصے تک اس غم آفریں ماحول سے فارغ ہوکر بعد عشاء پھر تشریف رکھتے، اور میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا ۔ میں گھسا پٹا نہیں، بہت سوچ سمجھ کر جانچ تول کر مسئلہ لکھتا مگر واہ رے مفتی اعظم! اگر کہیں ذرا بھی غلطی ہے، یا لوچ ہے، یا بے ربطی ہے، یا تعبیر غیر مناسب ہے، یا سوال کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے، یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا

ذرا بھی اندیشہ ہے، فوراً اس پر تنبیہ فرمادیتے اور مناسب اصلاح۔ تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار۔ جو لکھا گیا ہے وہ نہیں ہونا چاہئے، اس کو کوئی بھی ذہین نقاد کہہ سکتا ہے مگر اس کو بدل کر کیا لکھا جائے؟ یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ مگر ستر سالہ مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرمادیتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔

کبھی ایسے جاں فزا تبسم کے ساتھ کہ قربان ہونے کا جذبہ حد اضطرار کو پہنچ جائے، کبھی ایسے جلال کے ساتھ کہ اعصاب جواب دے جائیں، مگر اس جلال کو کون سا نام دیں جس کے بعد مخاطب کی جرأت رندانہ اور بڑھ جاتی۔ کیا کیجئے گا اگر جلال سے مرعوب ہو کر چپ رہتے تو اور جلال بڑھتا رہتا، یہاں تک کہ مخاطب کو عرض و معروض کرنا ہی پڑتا۔ یہ جلال وہ جلال تھا جو اس کا مورد بنا کندن ہو گیا۔

یہ مجلس آدھی رات سے پہلے کبھی ختم نہ ہوتی۔ بارہا رات کے دو بج جاتے، اور رمضان شریف میں سحری کا وقت تو روز ہو جاتا۔

بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم دیتا، کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا، مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دارالافتاء میں نہ تھیں، زبانی لکھوا دیتے۔ میں حیران رہ جاتا۔ یا اللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں، یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں، پیچیدہ سے پیچیدہ، دقیق سے دقیق مسائل پر ایسی تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ اس پر بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ کلام بہت کم فرماتے تھے، مگر جب ضرورت ہوتی تو ایسی بحث فرماتے کہ اجلۂ علما انگشت بدنداں رہ جاتے۔ کسی مسئلہ میں فقہا کے متضاد اقوال ہیں تو سب دماغ میں ہر وقت حاضر رہتے۔ سب کے دلائل وجوہ ترجیح اور قول مختار مفتیٰ بہ پر تیقن اور ان سب اقوال پر اس کی وجہ ترجیح سب از بر۔

باب نکاح میں ایک مسئلہ ایسا ہے، جس کی بہتر صورتیں ہیں اور کثیر الوقوع بھی ہیں۔ پہلی بار جب میں نے اس کو لکھا، سوال مبہم تھا، میں نے بیس پچیس شق قائم کر کے چار ورق فل

اسکیپ کاغذ پر لکھا۔ جب سنانے بیٹھا تو فرمایا: یہ طول طویل شق در شق جواب کو سمجھ پائے گا۔ پھر اگر لوگ ناخدا ترس ہوئے تو جو شق اپنے مطلب کی ہوگی اس کے مطابق واقعہ بنالیں گے۔ آج یہاں ہندوستان میں یہ صورت رائج ہے، اسی کے مطابق حکم لکھ کر بھیج دیں۔ یہ قید لگا کر کہ آپ کے یہاں یہی صورت تھی تو حکم یہ ہے۔ یہ جواب فل اسکیپ کے آدھے سے بھی کم پر مع تائیدات آگیا۔ اس واقعہ نے بتایا کہ کتب بینی سے علم حاصل کر لینا اور بات ہے اور فتویٰ لکھنا اور بات ہے۔

نو پید جدید مسائل پر ایسی مضبوط رائے قائم فرماتے کہ بڑے سے بڑا ذہین سے ذہین عالم اس کی تغلیط کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

لاؤڈ اسپیکر پر نماز صحیح ہے یا نہیں:

جمہور علمائے اہل سنت کا فتویٰ یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز صحیح نہیں۔ اور یہی حضرت کی بھی تحقیق ہے، کچھ لوگوں نے اس سے اختلاف کیا۔ عرس مقدس پر علماء نے ایک مشترکہ مجلس رکھی، وہ لوگ حاضر ہوئے، گفتگو ہوئی، بقیہ علماء خاموش تماشائی تھے، تین حضرات ایک طرف، حضرت نے تن تنہا ان لوگوں کے استدلال و شبہات کے ایسے جواب ارشاد فرمائے کہ حاضرین علماء کو اطمینان ہو گیا اور وہ لوگ بالکل خاموش ہو گئے۔ اس گفتگو کے کچھ اقتباسات میں نے اپنے بعض فتاویٰ میں لکھے ہیں جو "المیزان" ممبئی، پھر پاسبان، الہ آباد کے کئی شماروں میں چھپ چکے ہیں۔

انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟ کچھ علما اس کے قائل ہیں کہ مطلقاً ہر انجکشن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ کچھ علما اس کے قائل ہیں، روزہ فاسد نہیں ہوتا اور کوئی کراہت بھی نہیں۔ حضرت مفتی اعظم ہند کی تحقیق یہ ہے کہ روزہ فاسد نہیں ہوتا مگر مکروہ ہے۔ یہ ایک متن ہے، اس کی شرح میرے متعدد فتاویٰ میں موجود ہے جن میں سے بعض "المیزان" وغیرہ میں چھپ چکے ہیں۔ انہیں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا تفقہ کتنا بلند تھا، نظر کتنی نکتہ رس تھی، اور فیصلہ کتنا محکم۔

اب دار الافتاء میں صرف فقہی و اعتقادی سوالات ہی نہیں آتے۔ اب تو حدیث، تفسیر، تاریخ، جغرافیہ، اسمائے رجال، اصول فقہ، حتی کہ علم معانی و بیان و بدائع بلکہ صرف و نحو حتی کہ فلسفے کے بھی آتے ہیں لیکن کوئی سوال، کسی باب کا ہو، حضرت مفتی اعظم کے یہاں کبھی سائل کو تشنگی نہ رہتی۔

کہنے کو صرف مفتی اعظم تھے، مگر حقیقت میں محدث اعظم بھی تھے۔ مفسر اعظم بھی تھے، مورخ اعظم بھی تے، مختصر یہ کہ اعظم الاعاظم تھے، حق یہ ہے کہ علم و فضل کے آفتاب عالم تاب تھے، جیسے آسمان میں صرف ایک آفتاب ہے، آسمان علم و عرفان، فضل و کمال، زہد و ورع پر صرف ایک آفتاب تھا جسے دنیا مفتی اعظم کہتی تھی۔ وہ ہدایت کے نیر اعظم تھے، اور ایسے نیر اعظم تھے کہ پوری دنیا پر بیک وقت ضوفشانی کرتے تھے۔ افسوس صد افسوس! یہ نیر اعظم غروب ہوگیا، صرف بریلی ہی نہیں، صرف ہندوستان ہی نہیں، ساری دنیا تاریک ہوگئی۔

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چوندیس

☆☆☆

شیر بیشۂ سنت کی مناظرانہ شان

صوفی اقبال احمد نے بڑی عجلت میں شیر بیشۂ سنت نمبر کے لئے مجھ سے کچھ لکھنے کو کہا۔ مجھ جیسا قلیل الفرصت انسان اتنی اہم شخصیت پر بعجلت کوئی ایسا مضمون لکھ سکے جس میں کوئی اہمیت ہو بہت مشکل ہے تاہم اس سلسلے میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے چند سطور ہدیہ ناظرین کررہا ہوں۔

حضرت شیر بیشۂ سنت قدس سرہ کو اللہ عزوجل نے ایسی جامعیت تامہ عطا فرمائی تھی جو کہیں دیکھی تو کیا جائے گی، سنی بھی کم جائے گی۔ لیکن آپ کو جس وصف میں عالمگیر شہرت حاصل ہے وہ وصف مناظرہ ہے۔ میں آپ کے چند جستہ جستہ واقعات سپرد قلم کررہا ہوں۔

ادری (ضلع اعظم گڑھ) میں دیوبندی نے بڑے طمطراق سے مناظرہ کی تیاری کی۔ اس مناظرہ کی اہمیت اس بناپر بہت ہے کہ ادری سے قریب ہی ضلع کا سب سے بڑا اور ہندوستان کا مشہور قصبہ مئوناتھ بھنجن ہے۔ یہ دیوبندونجد دونوں کے خمیر سے بنا ہے گوہ خور، زاغ خور دونوں صنف کے وہابیوں کا ایک مرکز ہے۔ بڑے بڑے قارون صفت بیوپاری بستے ہیں۔ سنیوں کی طرف سے شیر بیشۂ سنت تنہا مقابلہ پر تھے۔ حریف کی طرف ضلع کے تمام چھوٹے بڑے ڈیڑھ سو مولوی اکٹھے تھے، جن میں مولوی حبیب الرحمٰن و مولوی عبداللطیف وغیرہ بڑے بڑے نامی گرگ باراں دیدہ موجود تھے۔ دیوبندیوں نے اپنے مایہ ناز مناظر مولوی منظور سنبھلی کو اپنا نفس ناطقہ بنایا۔ موضوع مناظرہ ماکان ومایکون کا علم تھا۔ اسی مناظرہ میں وارد کئے ہوئے حضرت شیر بیشۂ سنت کے ڈیڑھ سو قاہر اعتراضات وہ ہیں جو صرف اس میدان میں نہیں بلکہ آج تک لاجواب ہیں۔ دیوبندی مناظر نے بڑی تعلی سے کہا مولانا! مجھ سے مناظرہ کرنا آسان نہیں ہے۔ آپ کو معلوم نہیں منظور ومناظر کے عدد برابر ہیں۔ حضرت شیر بیشۂ سنت نے فوراً جوابی تقریر میں فرمایا مجھے خوب معلوم ہے منظور ومناظر

کے عدد تو برابر نہیں البتہ منظور ومناظرہ کے عدد ضرور برابر ہیں۔ دیوبندی کا مقصد یہ تھا کہ منظور میں بھی پانچ حروف ہیں، مناظر میں بھی پانچ، مولانا کے جواب کا مقصد یہ تھا کہ ابجد کے قاعدے سے منظور کے گیارہ سو چھیانوے اور مناظر کے پانچ کم ہیں البتہ مناظرہ کے بھی اتنے ہی عدد ہیں تو ابجد کے قاعدہ سے منظور مناظرہ کے عدد برابر ہوئے۔ مناظرہ ظا کے کسرہ کے ساتھ باب مفاعلت سے اسم فاعل کا مونث کا صیغہ ہے، اس لطیف طنز کو سن کر دیوبندی مناظر جھینپ گیا۔ اسی مناظرہ میں دیوبندی مناظر نے تابیر نخلہ والی حدیث پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہا کہ صحابۂ کرام کو دنیوی علم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زائد تھا۔ اس نے اس کی تقریر میں یہ کہا کہ حدیث میں "انتم اعلم بامور دنیاکم" ہے۔ اعلم اسم تفضیل ہے، اسم تفضیل مفضل اور مفضل علیہ چاہتا ہے۔ مفضل علیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مفضل صحابہ کرام ہیں اس سے ثابت ہوگیا کہ صحابہ کو حضور سے یہ علم زائد تھا۔ اس نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ مولانا آپ کو ہدایۃ النحو بھی یاد نہیں، اس میں یہ لکھا ہے۔ شیر بیشہ سنت نے جوابی تقریر میں اسی وقت حریف سے مخاطب ہو کر فرمایا مجھے ہدایۃ النحو یاد نہ ہونے کے طنز دینے والے تمہیں پنج گنج اور نحو میر بھی یاد نہیں، پنج گنج میں ہے، افعل کا وزن تین معنوں کے لئے آتا ہے: ایک اسم صریح جیسے اکحل، دوسرے صفت جیسے احمر، تیسرے اسم تفضیل جیسے افضل، نحو میر میں مذکور ہے اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔ ایک مِنْ کے ساتھ ایک الف لام کے ساتھ ایک اضافت کے ساتھ۔ یہاں ان تینوں میں سے ایک بھی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا، اعلم اسم تفضیل نہیں، بلکہ صفت محض کے لئے ہے۔ صحابہ کرام کے لئے حضور سے زائد علم ثابت نہیں ہوا۔

حضرت شیر بیشہ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے مناظروں میں گیا کا مناظرہ بڑی خصوصیت رکھتا ہے۔ یہ مناظرہ تحریری تھا، اور تحذیر الناس کی عبارت پر تھا۔ عموماً مناظرے حفظ الایمان کی عبارت پر ہوئے ہیں۔ اس نئے موضوع پر مناظرہ کرنا آسان نہ تھا۔ اس لئے دیوبندی مناظر مولوی منظور سنبھلی نے اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے جان بچانے کے لئے ادھر ادھر کی لایعنی باتوں میں وقت ضائع کرنا چاہا اور یہ بحث چھیڑ دی کہ مدعی کون ہے، اور مدعی علیہ

کون ہے۔ اپنے آپ کو مدعی ثابت کرنے کے لئے یہ کہا کہ مدعی کسی چیز کو ثابت کرنے والے کو کہتے ہیں، اور مدعی علیہ انکار کرنے والے کو، اسی بنا پر مدعی علیہ کو منکر بھی کہا جاتا ہے۔ ہم لوگ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور آپ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں، لہذا ہم مدعی اور آپ لوگ مدعی علیہ ہوئے۔

حضرت شیر بیشہ سنت نے اس پر یہ معارضہ پیش فرمایا کہ اگر مدعی اور مدعی علیہ کی یہی تعریف ہے تو پھر فریقین میں سے ہر ایک مدعی اور مدعی علیہ ہو جائے گا۔

اس پر دیوبندی مناظر نے کہا کہ کتابوں میں مدعی اور مدعی علیہ کی یہی تعریف لکھی ہے، آپ کو ہمیں کافر کہنے کے علاوہ کچھ آتا نہیں تو ہم کیا کریں۔ آپ اپنے علم کو روئیں، اگر ایک شخص چند مختلف اعتبارات سے مختلف صفت سے موصوف ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟ مشہور مقولہ ہے:

لو لا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ.

شیر بیشہ سنت نے فرمایا: مولوی صاحب! "لو لا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ" یہ خدائے عزوجل و رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں نہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے۔ اس وقت موضوع بحث فلسفہ کے خرافات نہیں کہ آپ ان جاہلوں کے ہذیانات کو استدلال میں پیش کریں۔ پھر فلاسفہ کے نزدیک بھی مختلف اعتبارات سے وہی چیزیں مختلف ہوتی ہیں، جو اعتباری ہوں، شئی واقعی اعتبارات کے بدلنے سے نہیں بدلتی۔

مدعی و مدعی علیہ ہونا اعتباری بات نہیں کہ اعتبارات کے اختلافات سے مختلف ہو جائے یہ واقعی ہے۔ مدعی کے احکام الگ ہیں مدعی علیہ کے احکام الگ، ایک ہی شخص کو آپ کی بتائی ہوئی تعریف پر مدعی اور مدعی علیہ دونوں مان لیا جائے تو حدیث مشہور "البینۃ علی المدعی والیمین علیٰ من انکر" کے مطابق قضاۃ اسلام کو فیصلہ کرنا دشوار ہوگا۔ مثلاً آپ میرے اس عصا کو اپنے ہاتھ میں لے کر قاضی اسلام کے سامنے جائیں اور کہیں کہ یہ عصا میرا ہے۔ میں آپ کا خصم ہو جاؤں اور کہوں کہ یہ عصا جو مولوی منظور کے ہاتھ میں کھڑا ہے میرا ہے۔ آپ بتائیے آپ کی بتائی ہوئی تعریف کی بنا پر آپ بھی مدعی

اور میں بھی مدعی اور اس حیثیت سے کہ آپ میرا عصا ہونے سے انکار کرتے ہیں آپ منکر اور میں مدعی علیہ اور میں آپ کا عصا ہونے سے انکار کرتا ہوں۔ میں بھی منکر اور مدعی علیہ۔ اب قاضی اسلام کس سے بینہ طلب کرے گا اور کس سے قسم لے گا؟۔ اگر آپ کہیں کہ دونوں سے بینہ لے گا اور دونوں سے قسم لے گا تو چوں کہ واقع میں عصا میرا ہے لہذا میں قسم کھالوں گا۔ یہ عصا جو مولوی منظور کے ہاتھوں میں کھڑا ہے میرا ہے جسے انہوں نے زبردستی اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اور آپ کے اعتقاد کے مطابق چوں کہ خدا بھی جھوٹا ہے، لہذا آپ کو جھوٹی قسم کھانے میں کہاں باک ہوگا۔ اب بولئے قاضی اسلام کس کے حق میں فیصلہ کرے گا، آپ کہتے ہیں کہ کتابوں میں مدعی اور مدعی علیہ کی یہی تعریف لکھی ہے۔

اس تقریر پر دیوبندی مناظر کی بولتی بند ہوگئی، اور اپنی خفت مٹانے کے لئے سٹی مجسٹریٹ سے جو مناظرہ کے انتظام کے لئے موجود تھا فریاد کی۔ حضور سی، ایم صاحب میری فریاد کو پہنچیں۔ مولوی حشمت صاحب نے مجھے گالی دی ہے اپنے آپ کو میرا خصم کہا ہے، خصم کے معنی شوہر کے ہیں۔ آپ شوہر بنے ہیں، اور مجھے اپنی بیوی بنایا ہے۔ اسی بنا پر ڈنڈا ہاتھ میں ہے، اور ڈنڈا کھڑا کرنے کا بار بار ذکر کرتے ہیں ان کو تنبیہ کی جائے کہ وہ ایسے الفاظ استعمال نہ کریں، دیکھئے یہ لغات کشوری ہے اس میں دیکھئے خصم کے معنی شوہر کے لکھا ہے۔

حضرت شیر بیشہ سنت کو دیوبندی مناظر کے اس فرار پر حیرت ہوئی۔ آپ نے سٹی مجسٹریٹ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ نہ معلوم میرے مخاطب کو کیوں یہ دھوکہ ہو گیا کہ میں ان کا شوہر اور وہ میری بیوی ہیں حالانکہ وہ عورت نہیں، اور اگر بالفرض عورت ہوتے تو بھی تو انہیں معلوم ہے کہ میں سنی ہوں اور وہ دیوبندی، دیوبندی عورت کا نکاح کسی سنی سے درست نہیں۔ میں ان سے نکاح کب کر سکتا ہوں۔ اس پر سارے مجمع نے قہقہہ لگایا۔ خود سٹی مجسٹریٹ بھی کافی محظوظ ہوا۔ لیکن دیوبندی مناظر کا آنسو پوچھتے ہوئے پوچھا کہ پھر آپ نے اپنے آپ کو ان کا خصم کیوں کہا؟ خصم کے معنی شوہر کے ہیں۔ اس میں ان کی دل آزادی ہے، اس پر شیر بیشہ سنت نے فرمایا: انہیں اپنے اوپر اس قسم کے الفاظ چسپاں کرنے میں کوئی لذت محسوس ہوتی ہوگی ورنہ خصم عربی لفظ ہے اس کے معنی مدعی کے ہیں۔ عربی میں خصم بمعنی

مدعی کے مستعمل ہے یہ دیکھئے یہ فقہ کی مشہور کتاب ھدایہ ہے اس کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے، اور بڑے بڑے محققین اس کو زیر مطالعہ رکھتے ہیں۔ اس میں خصم کے معنی مذکور ہے۔ سٹی مجسٹریٹ اور سارا مجمع انگشت بدنداں تھا کہ دیو بندی مناظر نے خصم کا معنی شوہر مراد لے کر زبردستی چسپاں کرنے میں شرم بھی محسوس نہیں کی۔ اس پر سٹی مجسٹریٹ نے دیو بندی مناظر سے کہا کہ یہ (شیر بیشہ سنت) خصم کے معنی مدعی کے بتاتے ہیں اور ثبوت میں یہ کتاب پیش کرتے ہیں۔ اب آپ کو کیا اعتراض ہے۔ دیو بندی مناظر نے انتہائی دھاندلی کے ساتھ کہا کہ جب تک یہ لفظ واپس نہیں لیں گے۔ میں مناظرہ پر راضی نہیں۔ حضرت شیر بیشہ سنت نے فرمایا: یہ معقول پسندی نہیں آپ میرے استدلال کو دلائل سے رد کر دیجئے، میں اپنا لفظ واپس لے لوں گا۔ دیو بندی مناظر ہٹ کرتے ہوئے بولا میں یہ سب کچھ نہیں جانتا جب تک اپنا لفظ واپس نہ لیں گے میں ہرگز ہرگز راضی نہ ہوں گا۔

اب سٹی مجسٹریٹ نے شیر بیشہ سنت سے کہا کہ میں مجبور ہوں یا تو، آپ اپنا لفظ واپس لیں یا مناظرہ بند کریں۔ حضرت شیر بیشہ سنت نے فرمایا: جب میرے مخاطب اس قدر ضد کر رہے ہیں اور مجھے بہر حال مناظرہ کرنا ہے، لہذا میں اپنا یہ لفظ واپس لیتا ہوں۔

اب میرے مخاطب میرے اعتراضات کے جواب دیں۔ دیو بندی مناظر نے تو یہ سمجھا تھا کہ شیر بیشہ سنت اپنے لفظ کو واپس نہ لیں گے اور میری جان بچ جائے گی۔ لیکن جب کہ حضرت شیر بیشہ سنت نے اپنا لفظ واپس لے لیا اور اپنے اعتراضات کے جوابات مانگے تو دیو بندی مناظر کے پسینہ چھوٹنے لگے۔ بدحواسی کے عالم میں یہ بولا کہ میں نے مدعی کی تعریف کر دی اور میں نے اپنے مدعی ہونے کو ثابت کر دیا اس کے آگے میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر آپ کو مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف یاد ہو تو بتائیے۔ حضرت شیر بیشہ سنت نے پر جلال آواز میں فرمایا: یہ تمہاری عجیب عادت ہے کہ تعلیوں میں تو آسمان سے اوپر پرواز کی سوجھتی ہے، اور اعتراضات کے جوابات کے وقت تحت الثریٰ میں پہونچتے ہو۔ محض تعریف کرنے سے کیا ہوتا ہے اس تعریف کو صحیح بھی ثابت کرو۔ اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دو۔ اب سارے مجمع پر واضح ہو گیا کہ تمہیں مدعی و مدعی علیہ کی تعریف معلوم نہیں لہذا میں

اس بحث کو ختم کرنے کے لیے مدعی و مدعی علیہ کی تعریف کر کے ثابت کرتا ہوں کہ میں مدعی ہوں اور تم مدعی علیہ۔ سنو! ظاہر کے مطابق ثابت کرنے والے کو مدعی علیہ و منکر کہتے ہیں اور ظاہر کے خلاف ثابت کرنے والے کو مدعی کہتے ہیں۔

یہ عصا اس وقت میرے ہاتھ میں ہے، اور تم یہ کہو کہ یہ میرا ہے۔ تمہارا کہنا ظاہر کے خلاف ہے لہٰذا تم مدعی ہوئے میں کہوں کہ تمہارا نہیں ہے میرا ہے، یہ ظاہر کے مطابق ہے، لہٰذا میں مدعی علیہ ہوا۔ اس طرح جو مدعی اسلام ہو اس کے بارے میں ظاہر یہی ہے کہ وہ مسلمان ہے اب اگر کوئی یہاں کہے کہ یہ مسلمان نہیں تو اس کا یہ کہنا ظاہر کے خلاف ہے یہ مدعی ہوا وہ مدعی علیہ۔ تمہاری جماعت بھی مدعی اسلام ہے ہمارے علمائے اہل سنت کا تمہارے بارے میں فتویٰ ہے کہ تم لوگ مسلمان نہیں کافر ہو، ظاہر تمہارے مطابق ہے، لہٰذا تم لوگ مدعی علیہ اور منکر ہوئے اور ہم ظاہر کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں، لہٰذا ہم مدعی ہوئے

اس فاضلانہ تقریر سے تمام مجمع خوشی و مسرت میں واہ واہ کے نعرے لگا رہا تھا۔ دیوبندی مناظر اور اس کے پشت سوار مولوی ایسے خائب و خاسر کہ سر نہیں اٹھا سکتے تھے لیکن اپنا بھرم رکھنے کے لئے دیوبندی مناظر بولا: اچھا مولانا! آپ کو مدعی بننے کا شوق ہے، جائیے آپ ہی مدعی رہیے ہم مدعی علیہ بنتے ہیں۔ مدعی علیہ پر قسم ہے آپ ہی ہم سے قسم لے لیں کہ ہم مسلمان ہیں میں بے حلف شرعی کہتا ہوں کہ رب کعبہ کی قسم ایں مسلمان ہوں۔ چلیے بحث کا تصفیہ کر لیجئے۔ ہماری قسم پر اعتبار کر لیجیے۔ ہمیں مسلمان مان لیجئے، اختلاف ختم کیجئے۔ حضرت شیر بیشہ سنت نے فرمایا: سبحان اللہ سبحان اللہ آپ کی اس ہوشیاری کی داد نہیں دی جا سکتی۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مدعی علیہ پر یمین اس وقت ہے جب کہ مدعی بینہ پیش نہ کر سکے۔ میرے پاس تمہارے کفر پر براہین قاطعہ ہیں۔ ایسی صورت میں تمہاری قسم کو کوئی محل نہیں پھر جب کہ تمہارے نزدیک تمہارا خدا جھوٹ بول سکتا ہے بلکہ تمہارے بڑوں کے فتوے کے مطابق وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے تو تمہیں جھوٹی قسم کھانے میں کیا دریغ؟ اور تمہاری قسم کا کیا اعتبار؟

اس کے بعد دیوبندی مناظر نے مسلسل کئی گھنٹے اس میں ضائع کیے کہ موضوع

مناظرہ کون سی عبارت ہوگی ، حالانکہ جب دیوبندی مناظر نے حضرت شیر بیشہ سنت کو مدعی مان لیا تھا تو یہ اختیار حضرت شیر بیشہ سنت کو تھا کہ دیوبندیوں کے کفر پر جو دلیل چاہتے پیش فرماتے لیکن دیوبندی مناظر کو مناظرہ کرنا تو تھا نہیں۔ اس لیے وقت ٹالنے کے لیے یہ ضد کر نے لگا کہ مناظرہ تحذیر الناس کی عبارت ہی پر ہوگا۔ حضرت شیر بیشہ سنت کو مناظرہ کرنا تھا ، اس لیے یہ دیوبندی مناظر کی ضد کو بھی منظور فرمایا اور تحذیر الناس کی عبارت پر مناظرہ شروع فرمادیا۔ یہ مناظرہ اتنا کامیاب رہا کہ دیوبندی مناظر کی جوابی تقریر پر جب شیر بیشہ سنت نے اعتراضات قاہرہ وارد کر کے پیش فرمایا تو دیوبندی مناظر کی عاجزی و بے کسی اس کے چہرہ سے مجمع کے ہر ہر فرد پر عیاں تھی۔ یہ مناظرہ تحریری تھا۔ افسوس کہ جب حضرت شیر بیشہ سنت مظفر و منصور ہو کر گھر واپس ہو رہے تھے تو راستہ میں وہ ٹرنک جس میں طرفین کی دستاویز اور وہابیوں کی کتابیں تھیں غائب ہو گئیں۔

عدیم الفرصتی کی بنا پر میں نے صرف دو مناظرے کے ایک ایک واقعہ کو ذکر کیا ہے ، ورنہ اس قسم کے سینکڑوں واقعات موجود ہیں۔

ناظرین انہیں واقعات سے اندازہ لگالیں کہ حاضر جوابی کے ساتھ ساتھ حضرت شیر بیشہ سنت کو مختلف علوم و فنون اور ان کے جزئیات پر کتنا عبور تھا۔

(نوری کرن ، بریلی شریف ، اکتوبر ۱۹۶۰ء ص ۱۸ تا ۲۱)

دور حاضر کا ایک مینارۂ ہدایت

شعیب الاولیاء حضرت شاہ یار علی علیہ الرحمہ:۔

یہ دور وہ ہے کہ پیری مریدی زیادہ تر ایک تجارتی کاروبار کی شکل اختیار کر چکی ہے، جس طرح بنیے کا بیٹا بنیا ہوتا ہے اس طرح خواہ اہلیت ہو یا نہ ہو پیر کا بیٹا ضرور پیر ہوتا ہے، اور بقول بعض ابنائے زماں اس زمانہ میں اکثر و بیشتر مادر زاد پیر ہوتے ہیں اور بقول اقبال ہر خرقۂ سالوس میں ایک مہاجن چھپا ہوا ہے، اور پیر کا مقصود سوائے نذرانہ وصول کرنے، دعوتیں اڑانے کے اور کچھ نہیں رہ گیا ہے یہی وجہ ہے کہ مرید فاسق معلن ہو، بدترین سے بدترین بدکردار ہو اگر پیر صاحب کو معقول نذرانہ دیتا ہے، دل پسند دعوتیں کرتا ہے تو پیر صاحب کی نظر میں بڑا متخیر دین دار ہے، اسے پیر صاحب کی مسند پر برابری کی جگہ ملتی ہے اس کے برخلاف اگر کوئی بدقسمت مرید مفلس ہو خواہ کتنا ہی دین دار خدا ترس ہو اس کی حیثیت خانقاہ شریف کے جاروب کش و کفش بردار سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں پیر صاحب کی بزرگی مریدین کی آمدنی کے کھاتے سے ناپی جاتی ہے ہمارے حضرت اتنے بڑے بزرگ ہیں کہ فلاں سیٹھ، فلاں مہاجن، اتنے لکھ پتی مرید ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کے یہ نام نہاد پیر مریدین کی اصلاح سے عاجز و درماندہ ہیں اپنے مریدین کے نذرانوں سے ایسے دبے ہوئے ہیں کہ مرید کی منشا کے خلاف دم نہیں مار سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا مرید پیر کے مذہب پر نہیں بلکہ پیر مرید کے مذہب پر ہے۔ چنانچہ عام پیروں کو دیکھئے کہ ان میں صلح کلیت بلکہ نیچریت، یا کم از کم وہابی نوازی کی وبا عام ہے، اس کی مثال میں ہندوستان کی متعدد خانقاہیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ استقامت علی الدین وہ کٹھن منزل ہے کہ خود حدیث میں اسے فرمایا گیا کالقابض علی الجمرۃ جیسے ہاتھوں میں چنگاری پکڑنا خود اہل معاملہ عارفان خدا نے فرمایا: الاستقامۃ فوق الکرامۃ استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔

استقامت و تصلب فی الدین حضرت شاہ یار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دفتر فضائل کا سب سے درخشاں باب ہے۔ بستی اور گونڈہ یہ دونوں اضلاع دیوبندیت اور غیر

مقلدیت کے گڑھ ہیں، بڑے بڑے قارون اپنی دولت کے سہارے وہابیت کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں اور ایسے موذی کہ علمائے اہل سنت کو دیکھنا ان کے نزدیک آنکھ پھوٹ جانے سے زیادہ اذیت ناک ہے۔ لیکن مولیٰ عزوجل نے مذہب اہل سنت و جماعت کے حمایت و صیانت، نشر و اشاعت کے لیے اسی خطہ کے ایک گمنام دیہات سے اس مرد حق آگاہ کو پیدا فرمایا دیا، جس نے تنہا صرف اپنی روحانیت سے اسی علاقہ میں سنیت کو وہ قوت عطا فرمائی کہ آج پورے ہندوستان میں سب سے زائد اہل سنت کی دینی مدارس انہیں دو اضلاع میں ہیں۔ اگر حضرت شاہ صاحب قبلہ تھوڑی سی مداہنت فرماتے تو وہابی ساہوکار دولت کے ڈھیر لگا دیتے لیکن واقف کار جانتے ہیں کہ بڑی سے بڑی لالچ، شدید سے شدید ضرورت حضرت شاہ صاحب قبلہ کے قدم میں لغزش نہیں پیدا کر سکی۔ اہل سنت کے کثیر افراد ہیں جو حضرت شیر بیشہ سنت قدس سرہ کی تقریروں کی تاب نہیں لاتے اس کو جراحی سے تعبیر کرتے ہیں یہ اپنا اپنا ذوق ہے، ورنہ حقیقت میں عوام کی اصلاح کے لئے لازم ہے کہ وہابیہ کے عقائد کفریہ علانیہ بیان کیے جائیں خصوصا دیہاتیوں کے سامنے، خصوصا ناواقفوں میں۔ خود حدیث میں اس کا حکم ہے:

اذكروا الفاسق بما فيه حتى يحذروه الناس.

فاسق میں جو عیب ہے بیان کرو یہاں تک کہ لوگ اس سے دور رہیں گے۔

لیکن حضرت شاہ صاحب قبلہ کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ انہوں نے ہمیشہ کھلم کھلا رد وہابیت کو پسند فرمایا اور مہینوں حضرت شیر بیشہ سنت کو لے کر اپنے مریدین میں بستی بستی وعظ و تقریر کے اجلاس منعقد کرائے۔ یہ سلسلہ ایک دو دن، ہفتہ دو ہفتہ، مہینہ دو مہینہ، نہ رہا بلکہ برسوں قائم رہا۔ سخت سے سخت خطرناک موقع پر بھی ساتھ نہیں چھوڑا۔ ایک جگہ وہابیوں نے عاجز آکر حضرت شیر بیشہ سنت اور شاہ صاحب کو شہید کر دینے کی سازش کی، اس کے لیے ڈومریا گنج کے اس علاقے میں مناظرہ کا چیلنج دیا جو جنگلی وحشی صفت وہابیوں سے بھرا تھا، اسے سب جانتے ہیں۔ وہابیوں کے خونی عزائم کی اطلاع قبل مناظرہ ہی کسی طرح شاہ صاحب کو لگ گئی قریب پاس مریدین اہل سنت کی کوئی بستی نہ تھی لیکن پھر بھی شاہ صاحب قبلہ ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئے، نہ ارادے میں تذبذب لائے، بے خطر حضرت شیر بیشہ سنت کو لے کر میدان

مناظرہ میں پہنچ گئے، مناظرہ شروع ہوا، دیو بندیوں نے اپنی اسکیم کے مطابق فساد برپا کیا، ڈھیلے پتھر برسائے لیکن ہزاروں دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ گئے کہ ان فسادی ظالموں کے پھینکے ہوئے سارے پتھر ادھر ادھر کترا کر نکل گئے، شاہ صاحب اور اہل سنت کے اسٹیج پر بیٹھنے والوں کا بال بیکا نہ ہوا۔

ثابت ہو گیا کہ: ع

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی ترست

جب بھی کوئی وعظ و تقریر کے لیے آتا تو اسے یہی مشورہ دیتے کہ حضرت شیر بیشہ سنت کا وعظ کراؤ فرمایا کرتے کہ مجھے شیر بیشہ سنت کا وعظ اسی لیے پسند ہے کہ یہ کھل کر رد وہابیہ کرتے ہیں۔ یہی نہیں کہ صرف وعظ و تقریر ہی تک یہ محدود تھا اپنی ہر مجلس میں بد مذہبوں، بد دینوں خصوصاً وہابیہ سے منافرت کی تلقین کیا کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت شاہ صاحب کا ہر مرید متصلب و صحیح العقیدہ ہوتا ہے، عقیدے میں پختگی کی اپنی آپ مثال ہوتا ہے، تصلب فی الدین اللہ عزوجل کی وہ نعمت عظمی ہے جو بہت ہی خوش نصیب انسان کو ملتی ہے۔

استقامت علی الدین اور تصلب کے ساتھ ساتھ جو وصف شاہ صاحب میں بہت ہی ممتاز تھا وہ علمائے اہل سنت کے ساتھ محبت عقیدت تھی اس زمانہ کے پیروں کو میں نے دیکھا ہے کہ عموماً اپنے خرقہ و سجادہ کے غرور میں علما کو بہت ہی ذلیل جانتے ہیں اور علما کی بے وقعتی کی اپنے مریدین کو خاص طریقے سے تلقین کرتے ہیں اپنی شرعی بے راہ روی پر علما کے ارشادات کے جواب میں عموماً یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میاں یہ لوگ تو مولوی ظاہر بیں ہیں یہ رموز فقر کیا جانیں؟ برخلاف حضرت شاہ صاحب کے کہ وہ خود بھی علمائے کرام سے بے پناہ محبت کرتے اور اپنے متوسلین کو بھی علما کی محبت کا درس دیا کرتے۔ جب کوئی عالم ملتا تو خوشی سے کھل اٹھتے پورا اعزاز و اکرام کرتے جس کے شواہد ایک دو نہیں سیکڑوں ہیں یہ حقیقت میں اسی حدیث کی تعمیل تھی:

اغد عالما او متعلما او مستمعا او محبا ولا تکن الخامسة فتھلک۔

عالم بن یا متعلم بن یا علما کے ارشاد کا سننے والا بن یا علما سے محبت کرنے والا بن پانچواں نہ ہونا ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔

براؤں شریف جو بھی عالم پہنچ جاتا اس کا سفر خرچ مع شی مزید ضرور اس کو دیتے، جس زمانہ میں حضرت شیر بیشۂ سنت پر بھدرسہ ضلع فیض آباد کے وہابیوں نے مقدمہ دائر کر رکھا تھا یہ وقت حضرت شیر بیشۂ سنت کے لئے بہت نازک تھا۔ حضرت شاہ صاحب کا یہ ابتدائی وقت تھا لیکن جب اس مقدمہ کی اطلاع ملی تو تقریباً ایک خطیر رقم شیر بیشۂ سنت کو نذر کی۔ عام پیروں کو سراپا جہالت ہوتے ہوئے بھی امامت کی بیماری ہوتی ہے لیکن حضرت شاہ صاحب کی عادت مستمرہ تھی کہ جب کوئی سنی صحیح العقیدہ عالم موجود ہوتا تو اسی کو امامت پر مجبور کرتے۔ عموماً پیروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ شریعت کی پیروی میں کوتاہی کرتے یا تو نمازیں نہیں پڑھتے ، اگر پڑھتے ہیں تو باجماعت شاید باید، ان کی دنیا قوالی اور گانے باجے تک محدود رہتی ہے اس کے برخلاف حضرت شاہ صاحب اتباع شریعت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے مجال نہیں کہ خلاف شرع کوئی امر سرزد ہو جائے اور کسی کو خلاف شریعت کوئی کام کرتے دیکھیں تو خاموش رہ جائیں نماز نہ صرف نماز بلکہ جماعت نہ صرف جماعت بلکہ تکبیر اولی کا اتنا اہتمام کہ پینتالیس برس تک کبھی سفر وحضر میں تکبیر اولی فوت نہ ہوئی، بہت لمبے لمبے سفر بارہا کئے، حرمین طیبین کی حاضری بھی دی، بار بار ممبئی بھی گئے، بیمار بھی رہے، لیکن سفر ہو یا حضر مسافرت ہو یا اقامت ،ٹرین کا سفر ہو یا کسی اور سواری کا آپ کی کبھی نہ جماعت چھوٹی نہ تکبیر اولی فوت ہوئی۔ سفر میں خصوصاً ٹرین اور بسوں کے لئے سفر وں میں صرف نماز پڑھنا دشوار ہوتا ہے، چہ جائیکہ جماعت لیکن حضرت شاہ صاحب نے اپنے پینتالیس سالہ عمل سے ثابت کر دیا کہ اگر انسان عزم محکم رکھے، خود سستی کاہلی نہ کرے تو جماعت وتکبیر اولی کی پابندی متعذر نہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی یہ وہ خصوصیت ہے کہ اس میں وہ اس زمانے میں بلاشبہ منفرد ہیں اور یہ اتنا بڑا کمال ہے کہ اس کے مقابلے میں ہزار سالہ خلوت گزینی وچلہ کشی ہیچ ہے۔ حضور سیدنا حمزہ مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کاشف الاستار شریف میں فرمایا ہے کہ لوگ اشغال واذکار کے پیچھے رہتے ہیں سب سے بڑا ذکر مجاہدہ نماز باجماعت ہے۔ اتباع شریعت ہی کا ثمرہ تھا کہ علمائے کرام کی گردنیں آپ کے سامنے جھک گئیں موجودہ مشائخ اہل سنت میں حضرت مفتی اعظم ہند کے بعد جتنے علما شاہ صاحب کے مرید ہیں کسی اور کے نہیں پیروں کو

اپنے حلقۂ ارادت سے اپنے نذرانوں کی وصولی ہی سے سیری نہیں ہوتی کہ وہ دینی تعلیم گاہیں قائم کریں۔ نیز ان کی بے علمی بھی اس راہ میں حائل ہوتی ہے کہ لوگ پڑھ لکھ کے ہمارے جال سے نکل جائیں گے، لیکن حضرت شاہ صاحب نے جب دیکھا کہ بد مذہب اپنے مدرسوں کی وجہ سے جگہ جگہ اپنے قدم جمائے ہوئے ہیں تو انہوں نے پہلے اپنے وطن براؤں شریف میں دارالعلوم فیض الرسول کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر وترقی پر پوری توجہ دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں یہ ادارہ اہل سنت کا مرکزی ادارہ بن گیا۔ آج اس دارالعلوم میں اہل سنت کے وہ ممتاز علما خدمت درس پر مامور ہیں جو علم وفضل، ورع وتقویٰ وتصلب فی الدین میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں جس کی وجہ سے وہاں کے فارغ التحصیل علما کا ملک میں ایک خاص وقار ہے، میں کسی بزرگ میں کشف وکرامت کا متلاشی کم رہتا ہوں اتباع شریعت واستقامت اور تصلب فی الدین ہی میرے نزدیک معیار بزرگی ہے۔ اسی معیار پر جب حضرت شاہ صاحب کو دیکھتا ہوں تو بحمدہ تعالیٰ پوری طرح مطمئن ہوں کہ وہ یقیناً ایک مرتاض خاصان خدا میں تھے۔

لیکن جہاں تک کشف وکرامت کا تعلق ہے حضرت شاہ صاحب میں اس کی بھی کمی نہیں، خود میرے ساتھ ایک ایسا واقعہ گزرا ہے کہ میں اسے سوائے کرامت وتصرف کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔

ابتدائے شوال ۶۵ ۱۳ھ میں مجھے بعض ایسی بے بنیاد خبریں ملیں کہ میں نے عزم کرلیا کہ میں براؤں شریف کبھی نہیں جاؤں گا اگرچہ تحقیق کے بعد یہ خبریں بالکل غلط ثابت ہوئیں۔ اسی سال حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ نے بھی فیض الرسول کے جلسہ سالانہ میں شرکت کی دعوت منظور فرمالی تھی، جو کیم ذی قعدہ کو ہوا کرتا ہے۔ حضرت کے کلمات سے ایسا تشرح ہوا کہ حضرت اس سفر میں کفش برداری کے لئے مجھی کو لے جانا چاہتے ہیں، میں نے واقعہ عرض کر کے نہایت صفائی سے عرض کردیا کہ میں براؤں نہیں جاؤں گا۔ حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ سلطان وقت ہیں انہیں خدام کی کیا کمی۔ برادرم محمد ناصر صاحب حضرت کے ہمراہ جانے کے لئے تیار ہوگئے، لیکن عجیب بات ہوئی کہ میں نے اپنی فطری تند مزاجی کی بنا پر یہ کہہ تو دیا

تھا کہ بر اؤں نہیں جاؤں گا، لیکن جب وہ ساعت قریب آئی تو عجیب اضطراب پیدا ہو گیا، اور دل کھنچنے لگا، مگر سنی ہوئی بات کا تقاضا اور اپنی کہی ہوئی بات کا پاس کہ میں اب براؤں جانا بے غیرتی سمجھتا تھا، مگر ایک دفعہ منہ سے نکل گیا کہ میں تو نہ جاؤں گا شاہ صاحب، صاحب تصرف ہیں تو خود بلا لیں۔ حضرت کی روانگی ۲۹ رشوال کی شب میں لکھنؤ ایکسپریس سے تھی جو تین بجے صبح کو بریلی سے چھوٹتی تھی۔ ناصر میاں تیار ہو کے سامان لے کر عشاء کے وقت ہی آگئے اور اب میرے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں لیکن دو بجے روانگی کے وقت رکشا آیا سامان زیادہ تھا، اس لئے دو رکشے آئے۔ ایک میں سامان کے ساتھ ناصر میاں بیٹھ گئے، دوسرے میں تنہا حضرت مفتی اعظم بیٹھے۔ میرا اسٹیشن بھی جانے کا ارادہ نہ تھا، لیکن حضرت کو رکشے میں تنہا اسٹیشن جانا مجھے مناسب نہ معلوم ہوا۔ میں حضرت کے ہمراہ رکشہ میں بیٹھ گیا، اس نیت سے کہ گاڑی میں بیٹھا کر واپس چلا آؤں گا۔

ناصر میاں اچھے خاصے تندرست تھے، جب ہم اسٹیشن پر پہنچے، تو وہ کمر پکڑے ہوئے بے چین ہیں، معلوم ہوا کہ درد گردہ ہو رہا ہے۔ اب کیا کیا جائے۔ وقت اب اتنا نہیں کہ کسی اور کو ساتھ کیا جائے۔ مجھے خیال آیا کہ یہ اتفاقی بات نہیں بلکہ مجھے بلانے کا بہانہ ہے میں باوجود اس بے سروسامانی کے نہ بستر ہمراہ ہے اور نہ سوائے بدن کے کپڑوں کے اور کپڑے ہیں، میں حضرت کے ہمراہ براؤں گیا۔ ناصر میاں اسٹیشن ہی پر ایک صاحب کے حوالہ کر دیئے گئے کہ وہ انہیں صبح تک آرام سے رکھیں صبح کو گھر پہنچا دیں۔ صبح ہوتے ہوتے ناصر میاں کا درد کافور ہو گیا۔ بتائیے! میں اسے سوائے کرامت کے اور کیا کہوں!

میرے محب مخلص جناب مولانا مفتی قاضی عبد الرحیم صاحب بھی گھر جاتے ہوئے ساتھ ہو گئے تھے۔ وہ ان سب باتوں کے چشم دید گواہ ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر میں بلا جھجک یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحب کی ذات اس زمانہ میں کبریت احمر سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور آپ بلا شبہ مسند ارشاد و ہدایت پر اسلاف کرام کے سچے جانشین تھے۔ ان کی رحلت نے وہ کمی پیدا کر دی ہے جو پوری ہونی مشکل ہے۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ)

(مطبوعہ ماہنامہ فیض الرسول، جنوری، فروری ۱۹۸۰ء)

حضور سید العلماء کی جامع صفات شخصیت

الحمد لولیه والصلوٰة علی حبیبه وعلیٰ آله واصحابه۔

میں ربیع الاول شریف کے اجلاس کے سلسلے میں بھلواڑہ گیا ہوا تھا، وہیں عزیز سعید مولانا ابوخالد برکاتی زید مجدہم شاہ پورہ سے ملاقات کے لئے آئے۔ انہوں نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں سند الاصفیاء حضرت سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ کوائف و حالات قلم بند کردوں۔ میں اب بینائی کی کمزوری کی وجہ سے خود لکھتا پڑھتا نہیں۔ میں نے یہ پہلے عذر کیا، مگر وہ نہ مانے۔ انہوں نے کہا کہ آپ بول دیجئے میں لکھ لیتا ہوں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ جو شخص خود لکھنے کا عادی ہو اسے کوئی بات دوسرے سے لکھوانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مبارک پور واپس آیا تو ساتھ ہی ساتھ ان کے تقاضے کا خط بھی آیا۔ مجھے خود بھی حضور سید العلماء علیہ الرحمہ سے جو عقیدت ہے اور پھر جوان کا کرم اس سگ بے ہنر پر تھا، اس کے پیش نظر مجھ پر خود لازم تھا کہ حضور سید العلماء قدس سرہ کے کوائف بغیر کسی تحریک کے از خود لکھوں، لیکن یہ میری بدنصیبی تھی کہ جب لکھنے کے لائق تھا تو از خود کچھ نہیں لکھا، اور اب جب کہ ان کے ایک مرید سعید بار بار اصرار کر رہے ہیں تو اگر کچھ نہ لکھ پاؤں تو خود میرا ضمیر مجھ کو معاف نہیں کرے گا۔ اس لئے یہ چند سطریں لکھوا رہا ہوں۔ اگرچہ یہ یقین ہے کہ یہ سطور اس عظیم المرتبت ہستی کے حالات کو ظاہر کرنے میں ناکام رہیں گی مگر میرا مقصود نذرانہ عقیدت پیش کرنا ہے، اور ہر شخص اپنی بساط کے مطابق ہی نذر پیش کیا کرتا ہے۔

حضور سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ مارہرہ مطہرہ شریف ضلع ایٹہ کے اس خانوادے کے فرد ہیں جس میں ایک دو نہیں پشتہا پشت سے مسلسل یکے بعد دیگرے اجلہ اولیائے کرام پیدا ہوتے چلے آئے ہیں۔ دس بارہ پیڑھیوں تک تو سب کو معلوم ہے کہ کیسے کیسے عظیم المرتبت جلیل القدر مشہور زمانہ مرجع انام اہل اللہ ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی

جلالت شان، علوم ظاہری و باطنی پر زمانہ متفق ہے۔

آپ بلا شبہہ چودھویں صدی کے مجدد تھے، اور بلا شبہہ اللہ عزوجل کے محبوب کے محبوب تھے۔ انہوں نے جس آستانہ پر سر جھکایا اور جس بارگاہ کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالا وہ بارگاہ برکاتی ہی ہے۔ اپنے عہد میں سلسلہ برکاتیہ کے سارے سلاسل پر تفوق کی دلیل یہی ہے کہ مجدد وقت نے اس سلسلے کی غلامی قبول کی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے دوبارہ حج وزیارت کے موقع پر حرمین طیبین میں دنیا کے کثیر مشائخ سے ملاقات کیں۔ ان کی باریک بیں نگاہوں نے سب کو دیکھا بھالا مگر ان کی نگاہ انتخاب جس پر پڑی وہ سلسلہ برکاتیہ ہی کا مہر منیر تھا۔

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

ایسے عظیم الشان خانوادے کے فرد ہی نہیں بلکہ اپنے عہد کے فرد الافراد ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت سید العلماء قدس سرہ میں ذاتی فضائل وکمالات، محاسن ومعانی ایسے تھے کہ وہ کسی بھی خاندان سے ہوتے۔ اپنے زمانہ کے دُرّ التاج ہوتے۔ اس زمانہ میں عام طور پر ان خانوادوں میں جو دین کے پاسبان تھے۔ دنیوی علوم رواج پا گئے ہیں۔ لیکن حضرت سید العلماء قدس سرہ پر مولیٰ عزوجل کا یہ فضل خاص تھا کہ آپ کے لئے جو آغوش ملی وہ حضرت تاج العلماء مولانا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ملی۔ حضرت تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ بلا کسی شک وشبہہ کے بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، اپنے آبا واجداد کے علوم ظاہری و باطنی کے وارث سلسلہ عالیہ برکاتیہ کے جلیلے بحر زخار کے منہل شیریں تھے۔ بلا کسی شک وتردد کے اپنے زمانہ میں ہدایت کے منارہ تھے۔

تصلب فی الدین، استقامت علی الحق میں یگانہ عصر تھے۔ حق گوئی اور دعوت الی الحق میں بلا شبہہ "لایخافون فی اللہ لومۃ لائم" کے مصداق ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے متعلق متوسلین مریدین کی تعلیم وتربیت میں ایسے ماہر تھے کہ جو ان کے زیر سایہ چند دن رہ گیا کندن ہو گیا۔

حضرت سید العلماء بہت مزے لے لے کر حضرت تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کے واقعات بیان فرمایا کرتے تھے۔ اپنے ساتھ اٹھاتے بٹھاتے، کھلاتے پلاتے سلاتے، بات بات پر تنبیہ فرماتے، پیار و محبت سے ہر چیز کا سلیقہ سکھاتے، یہ قصہ لطیف بہت ہی دراز ہے"۔

حضرت کے بچپنے میں ایک مجذوب حضرت قمر میاں صاحب درگاہ شریف میں رہا کرتے تھے۔ وہ بھی حضرت سید العلماء پر بہت کرم فرمایا کرتے تھے۔ حضرت سید العلماء کو پیار سے للا کہا جاتا تھا وہ بھی جب ان کو دیکھتے "للا" کہہ کر اپنے پاس بلاتے۔ پیار و محبت سے باتیں کرتے۔ کھلاتے پلاتے۔ ایک دن فرمایا: "للا" میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی داڑھی موڑ کر تم کو دے دوں۔

حضرت سید العلماء نے حضرت تاج العلماء کو یہ واقعہ بتایا کہ قمر میاں ایسا کہتے تھے۔ حضرت تاج العلماء نے فرمایا "للا" اب ان کے پاس مت جانا۔ وہ تم کو مجذوب بنانے کو کہہ رہے ہیں۔

پھر حضرت سید العلماء ان کے پاس جانے سے کتراتے رہتے۔ ایک دن قمر میاں نے فرمایا: اچھا للا، اب نہیں آتے ہو تو مت آنا۔ محمد میاں نے کیا کر دیا ہے۔ اچھا انہیں کے ہو کے رہو۔ پھر حضرت سید العلماء حضرت تاج العلماء سے ایسے متعلق ہو کے رہے کہ بس انہیں کے ہو رہے۔

حضرت تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید العلماء کو حسب دستور خاندان دینی تعلیم ابتداءً خوب دلائی، حافظ کرایا اور درس نظامیہ کی تکمیل کے لئے اجمیر مقدس حضرت صدر الشریعہ مصنف "بہار شریعت" مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ علم دین کی تکمیل کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی میں طب جدید و قدیم کی تعلیم دلوائی۔ "العلم علمان: علم الادیان و علم الابدان" ان دونوں علوم کے حضرت سید العلماء مخزن تھے۔ علم باطنی کی تکمیل کب کی۔ کیسے کی؟ اس کو بتانے کی ضرورت نہیں بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے یہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔ گھر کی بات گھر میں رہی۔ یہ سیکھنے والا جانے اور سکھانے والا جانے۔ شیر کے بچے کو شکار کرنا کب سکھایا گیا۔ سب جانتے ہیں کہ یہ پوچھ گچھ تجسس کی بات نہیں، ہم

توبس اتنا جانتے ہیں کہ حضرت سید العلماء علوم باطنی میں بھی ابنائے زمانہ میں ممتاز تھے۔اس خادم کو ایک دوبار نہیں، متعدد بار، متعدد مسائل تصوف پر آپ سے گفتگو کرنے کا موقع ملا، اور دوسرے کو گفتگو کرتے سنا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ بیان فرمارہے ہیں، کتاب میں دیکھ کر نہیں بیان فرمارہے ہیں بلکہ اپنی واردات قلب بیان کررہے ہیں۔ سنے ہوئے کے بیان میں، اور دیکھے ہوئے کے بیان میں کتنا فرق ہے، وہ ہر شخص جانتا ہے۔ علوم دینیہ میں اتنی مہارت تھی کہ جب بھی کسی مسئلے پر گفتگو ہوتی تو اہل مجلس پر بھاری پڑ جاتے تھے۔ دقیق سے دقیق علمی مباحث میں وہ نکتہ سنجیاں فرماتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ اس وقت اعتراف کرنا پڑتا کہ سید العلماء کا خطاب ان کے قامت زیبا ہی کے لئے وضع ہوا ہے۔

تقریر وخطابت کے سلسلے میں دنیا ان کا لوہا مانتی تھی۔ کوئی بھی موضوع ہو، کتنا ہی خشک ہو، اس کو بلا تکلف ایسی شگفتگی کے ساتھ بیان فرماتے کہ بے پڑھے لکھے عوام پر بھی بار نہ ہوتا تھا۔

ممبئی میں محرم کے ایام میں ہندوستان کے تمام علما جمع ہوتے، لیکن ہر سال یہ ہوتا کہ حضرت سید العلماء قدس سرہ سب پر بھاری پڑتے۔ ایام محرم میں ابتداءً چھ روز تک مختلف موضوع پر حضرت سید العلماء کی تقریریں آج بھی یادگار ہیں، اور ذکر شہادت کا بیان ایسا جامع مبسوط مفصل پُر اثر ہوتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے میدان کربلا یہیں قائم ہے۔ شب عاشورہ کے بیان میں لاکھوں لاکھ کا مجمع ہوتا۔ رات رات بھر بیان فرماتے، مگر نہ تکان ہوتی اور نہ آواز میں کوئی فرق۔ ممبئی کے ایک مخلص نے بڑے مزے سے یہ بات کہی تھی کہ سب مولویوں کی آواز بھسٹ ہوگئی، ہمارا سید کیا ٹائیں بول رہا ہے۔

دینی موضوعات کے علاوہ جب آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی طرف سے اجلاس اور کانفرنسوں میں سیاسیات پر تقریر کرتے تو بڑے بڑے سیاسی نیتا انگشت بدنداں رہ جاتے۔ سیاسی تقریروں میں اکثر لوگوں سے دو غلطیوں میں سے ایک غلطی ہوجاتی۔ شرعی یا قانونی، مگر سید العلماء کا یہ کمال تھا کہ کبھی کسی تقریر میں کوئی شرعی غلطی ان سے نہ ہوئی۔ تقریروں میں بڑے بڑے گھاگھ قسم کے سی آئی ڈی گھات لگائے بیٹھے رہتے مگر ان کو کبھی کوئی قانونی

گرفت نہیں ملی جب کہ حکومت وقت اور سیاسی لیڈروں پر کڑی سے کڑی تنقید فرماتے۔ سخت سے سخت تنبیہ کرتے۔ مگر یہ ذہانت وخطابت کا کمال تھا کہ اس طرح ادا کرتے کہ جسے چوٹ پہنچائی ہوتی وہ گھائل ہونے کے بعد بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آل مصطفےٰ نے مجھے گھائل کیا۔

کرتے ہیں قتل ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اہل سنت کی مختلف تنظیمیں پہلے ہی تھیں اور اب بھی ہیں لیکن ان کی کیا حیثیت ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے منتشر سنیوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی بنیاد ڈالی۔ پورے ہندوستان کے سنی جانتے ہیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء پورے ہندوستان پر چھاگئی۔ اس کی متعدد کانفرنسیں آل انڈیا پیمانے پر ہوئیں۔ آخری کانفرنس کانپور کی اتنی عظیم اور موثر تھی کہ ہندوستان کے ہی نہیں حریف اخبار وجرائد نے اس کی عظمت کا اعتراف کیا۔ مخالفین لرز گئے، جو مقبولیت آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کو عوام وخواص میں حاصل ہوئی وہ آج تک کسی تنظیم کو میسر نہیں ہوئی۔ افسوس کہ حضرت سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی عظمت قصۂ پارینہ بن گئی۔

خلقی طور پر حضرت سید العلماء بہت ہی نازک مزاج اور لطیف الطبع واقع ہوئے تھے۔ اس پر مختلف امراض نے اور کمزور طبع بنادیا تھا۔ کبھی سفر بھی فرماتے۔ مثلاً ممبئی سے گھر آنا یا گھر سے ممبئی جانا ہوتا تو ہمیشہ فرسٹ کلاس سے سفر فرماتے۔ احباب ومتوسلین کے اصرار پر ملک کے طول وعرض میں اجلاس کی شرکت کے لئے تشریف لے جاتے تو ہمیشہ فرسٹ کلاس کا سفر فرماتے۔ مگر کبھی کسی سے نہ تو فرسٹ کلاس کا کرایہ مانگا اور نہ کچھ اور طلب فرمایا۔ اور نہ ہی کم ملنے کی کبھی کسی سے شکایت فرمائی۔ ایک جگہ بالالتزام جلسہ میں تشریف لے جاتے۔ میں نے جلسہ والوں سے پوچھا کہ حضرت سید العلماء تو فرسٹ کلاس سے سفر فرماتے ہیں آپ لوگ انہیں کیا پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے جو مجموعی رقم بتائی وہ مارہرہ شریف سے اس مقام تک کے فرسٹ کلاس کرایہ کی بھی پوری رقم نہ تھی۔ مدرسہ کے جلسوں میں بہت سی جگہ یہ دستور ہے کہ وہ جلسوں میں چندہ کرتے ہیں، میں ایسے پچاسوں جلسوں میں شریک ہوا ہوں، بایں

وجاہت شان کبھی چندے کی تحریک کو عار نہیں سمجھا، بلا جھجک اپیل فرماتے، اور بہت موثر اپیل فرماتے اور ہر تحریک کے چندہ میں سب سے پہلے خود چندہ دیتے، اور کبھی کبھی اتنی بڑی رقم دے دیتے کہ حیرت ہوتی تھی، کہیں کہیں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ جلسے کی طرف سے حضرت کی خدمت میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس سے چندے کی رقم جو حضرت نے جیب خاص سے دی ہے دونی سے بھی زیادہ ہے۔ ان ساری خوبیوں کے باوجود اپنے عقیدت مندوں اور احباب سے اس بے تکلفی اور انکسار کے ساتھ ملتے اور ایسے گھل مل کے باتیں کرتے کہ معلوم ہوتا یہ ان کے مقتدا نہیں، بلکہ بے تکلف دوست ہیں۔ ان سب ظاہری خوبیوں کے باوجود ان میں باطنی اتقا کتنا تھا اسے وہی جانے جو باطنی نظر رکھتا ہو۔ البتہ میں خود اپنی معلومات کی روشنی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت سید العلماء مستجاب الدعوات صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، خود میرے اوپر بارہا ایسی افتاد پڑی کہ میں پریشان ہو گیا۔ حضرت سید العلماء سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے دعا فرمائی۔ دعا کے بعد بشارت بھی دے دی تمہاری مصیبت ٹل گئی اور پھر ویسا ہی ہوا۔

کرامت:

بلرام پور میں دیوبندیوں نے اپنے پیسے اور حکام دہی کے بل بولتے پر مجھ پر اور میرے احباب پر ایک جھوٹا کیس دائر کر دیا تھا میں سخت پریشان تھا۔ عرس قاسمی میں حاضری ہوئی، دعا کی درخواست کی، دعا فرمائی اور فرمایا۔ مفتی صاحب جاؤ اب آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا کچھ نہ ہوگا۔ سب جانتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔

کرامت:

کالپی شریف حاجی دین محمد صاحب کے صاحبزادے خفا ہو کر گھر سے چلے گئے تھے اور کئی دن سے لاپتا تھے۔ رات کو بعد جلسہ حاجی دین محمد صاحب نے حضرت سید العلماء سے عرض کیا۔ حضرت دعا فرمائیں وہ آجائے۔ حضرت سید العلماء نے فرمایا کہ صبح کی گاڑی سے آجائے گا۔ میں اس وقت وہاں حاضر تھا، صبح کو جب گاڑی کی سیٹی ہوئی اور کئی کے مولوی بشیر

القادری صاحب موجود تھے، ان سے فرمایا: دروازہ کھولو دیکھو وہ آ گیا۔

انہوں نے دروازہ کھولا دیکھا تو صاحبزادے دروازے پر کھڑے تھے۔

اس قسم کے ایک دو نہیں، متعدد واقعات میری موجودگی کے ہیں۔ جن کے بیان کے لئے ایک طویل کتاب چاہئے۔ آج کل پیروں میں یہ عام بات پیدا ہوگئی ہے کہ وہ مالداروں کو خوب نوازتے ہیں اور غریبوں کو گھاس نہیں ڈالتے۔ مگر حضرت سید العلماء کی بارگاہ میں نے غریبوں کو زیادہ باریاب پایا۔ اور مالداروں کو اکثر ان کے جلال کا نشانہ بنتے دیکھا۔

کھڑک (ممبئی) کی ایک مسجد میں ایک کچھی سیٹھ تشریف لائے۔ عرض کیا کہ میری والدہ بیمار ہیں، ان کے شفا کے لئے دعا فرمادیں۔ فرمایا: باٹلی (بوتل) میں پانی بھر کر لاؤ۔ وہ گئے اور بوتل میں حوض کا پانی بھر کر لائے۔ اس پر دم فرمادیا۔ فرمایا: لے جاؤ اپنی والدہ کو پلاؤ۔ مگر ان کو اس سے تسکین نہ ہوئی۔ عرض کیا: ایک تعویذ بھی دے دیں۔ اس سوال پر جلال آ گیا۔ فرمایا جاؤ۔ یہ پانی حوض میں انڈیل دو اور گھر جاؤ۔ اس بدقسمت نے غصہ میں آکر بوتل کا پانی حوض میں انڈیل دیا۔ اور بوتل پھینک دی۔ مگر سید العلماء پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے برخلاف میں نے بارہا دیکھا ہے کہ غریب مفلس حاضر ہوتے۔ تعویذ مانگتے، تعویذ دیتے۔ پانی وغیرہ پر دم کر کے دیتے۔ اس پر بھی اگر وہ کہتا کہ حضور دعا کر دیں تو اس کے لئے دعا بھی فرماتے۔ طبیعت میں جلال غالب تھا۔ مگر کبھی بلا وجہ جلال نہیں فرمایا۔ اور جس پر بھی جلال کا اظہار فرمایا جب میں نے بعد میں اس کے حال کی تحقیق کی تو ظاہر ہوا کہ واقعی وہ جلال کا مستحق تھا۔

ایک دفعہ ایک جگہ کے لوگ جلسہ کے لئے درخواست لے کر آئے۔ سخت گرمی کا زمانہ تھا۔ حضرت بلڈ پریشر کے بھی مریض تھے، حضرت نے ہر چند عذر کیا مگر وہ چاپلوس آدمی نہ مانا۔ حضرت نے منظور فرمالیا۔ وہاں تشریف لے گئے۔ قیام گاہ جلسہ گاہ سے ایک کلومیٹر دور تھی۔ بعد نماز عشاء اس نے درخواست کی کہ حضور! جلسہ گاہ میں تشریف لے چلیں۔ حضرت نے دریافت کیا کہ جلسہ گاہ قریب ہے یا دور؟ اس نے عرض کیا: تھوڑی دور ہے۔ حضرت پیدل چل کھڑے ہوئے۔ گلیوں کا راستہ، آدمیوں کی بھیڑ، سخت گرمی کا موسم، تھوڑی

دور چلے تھے کہ بلڈ پریشر ہائی ہوگیا، پسینے میں شرابور ہوگئے ۔ گرتے گرتے بچے، لوگوں نے تھام لیا، بعد میں اس شخص پر بہت خفا ہوئے ۔ کچھ لوگوں کو ناگوار بھی ہوا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص سخن فروش اور چاپلوس قسم کا انسان ہے، اور بزرگوں کو یوں ہی پریشان کیا کرتا ہے۔

اللہ عزوجل نے وسعت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دی ہے ۔ اور نہ دیتا ہے جو حضرات تندرست طاقت ور ہیں ان کی بات دوسری ہے ۔ مگر کمزور اور بیماروں پر یہ واجب نہیں ہے کہ گاؤں گاؤں جا کر تقریر کیا کریں ۔ مگر کچھ بے وقوف یہی سمجھتے ہیں کہ عالم دین بوڑھا ہو، کمزور ہو مگر اس پر واجب ہے کہ اپنی جان پر کھیل کر پیدل گاؤں گاؤں مارا پھرے ۔

ان سب خوبیوں کے باوجود حضرت سید العلماء کا جو جوہر سب سے نمایاں تھا وہ تصلب فی الدین واستقامت علی الحق تھا ۔ نازک سے نازک موقع پر اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہ ہمارے ساتھ کون ہے کون نہیں، کون ہمارا ساتھ دیتا ہے کون نہیں، کوئی ہمارا حامی ہے یا نہیں ۔ حق بات بلا کسی جھجک کے صاف صاف واضح، غیر مبہم الفاظ میں فرمادیا کرتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ ملمع ساز دنیا داران سے خوش نہیں رہتے تھے ۔ لیکن حضرت سید العلماء نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی ۔ اور حقیقت یہی ہے کہ الاستقامة فوق الکرامة اور سچ تو یہ ہے کہ مشائخ سلاسل برکاتیہ کا یہی وہ امتیاز ہے جس نے اس سلسلہ کو سلسلۃ الذہب بنادیا ۔ یہی جوہر حضرت سید العلماء کو اپنے آبائے کرام سے ورثہ میں ملا تھا۔

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابل میراث پدر کیوں کر ہو

☆☆☆

حضرت سید العلماء مولانا آل مصطفےٰ مارہروی علیہ الرحمہ

آپ کا پورا نام آل مصطفےٰ اولادِ حیدر ہے، عرفیت سید میاں اور لقب سید العلماء ہے۔

ولادت:

۲۵ ررجب ۱۳۳۳ھ چہار شنبہ کی رات میں مارہرہ مطہرہ میں ہوئی، بعض دروغ باف اب یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ ان کی ولادت کچھوچھہ میں ہوئی۔ یہ سراسر جھوٹ ہی نہیں کھلی ہوئی شرارت ہے، اور حسد کی پیداوار۔ جن لوگوں کے بزرگوں کے پاس کچھ نہیں، وہ جھوٹ گڑھ گڑھ کر اپنے بزرگوں کو وقت کا ہیرو بنانے کی کوشش کر رہے ہیں مگر اس میں انشاء اللہ کامیابی نہیں ہوگی۔

حضرت سید العلماء کے والد ماجد کا نام سید حیات النبی آل عبا بشیر حیدر تھا۔ مشہور آل عبا سے تھے۔

والدہ ماجدہ کا نام اکرام فاطمہ شہر بانو تھا۔ یہ سیدنا مولانا حاجی ابوالقاسم اسماعیل حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی صاحبزادی تھیں اور حضرت تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی بہن۔ آپ کا پورا سلسلۂ نسب حضرت مولانا سید شاہ آل رسول حسنین میاں صاحب سجادہ نشین سلسلہ نوریہ کے قلم سے اسی صحیفہ میں کہیں مذکور ہے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت خانقاہ برکاتیہ ہی میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ان کو اجمیر مقدس مدرسہ معینیہ عثمانیہ میں بھیجا گیا، اس وقت حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت وشرح معانی الآثار وہاں مدرسہ معینیہ عثمانیہ کے صدر المدرسین تھے۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے صرف حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ ہی کی وجہ سے ان کو

اجمیر مقدس بھیجا گیا تھا۔

حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے پہلے حضرت صدر الشریعہ کے وہاں مفاوضہ عالیہ امضا فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے بھانجے سید آل مصطفےٰ سلمہ کو آپ کی خدمت میں تعلیم کے لئے بھیجوں۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے بخوشی بلکہ بصد خوشی اسے منظور فرمایا۔ عریضہ میں تحریر فرمایا کہ صاجزادے صاحب تشریف لائیں۔ میرے پاس جو کچھ ہے سب ان کے جد امجد کا عطیہ ہے۔ یہ ان کی امانت ہے، تشریف لاکر اپنی امانت مجھ سے واپس لے لیں ۔حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے پھر مفاوضہ عالیہ امضا فرمایا کہ سید آل مصطفےٰ فلاں ٹرین سے فلاں وقت اجمیر شریف پہنچ رہے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ بہ نفس نفیس مع چند تلامذہ کے حضرت سید العلماء کو اسٹیشن لینے تشریف لے گئے، اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ ان کو لائے اور ان کے طعام کا بندوبست اپنے گھر کیا، تین دن کے بعد حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے حضرت سید العلماء سے دریافت فرمایا۔ صاجزادے! آپ کس لئے تشریف لائے ہیں؟ فرمایا: پڑھنے کے لئے آئے ہیں۔ فرمایا: اب جب کہ آپ پڑھنے کے لئے تشریف لائے ہیں، طالب علموں کی طرح رہنا ہوگا۔ اس قیمتی لباس کے بجائے معمولی سادہ لباس پہننا ہوگا، اور شہزادگی کا تصور ختم کر کے ایک طالب علم کا ذہن بنانا ہوگا۔

حضرت صدر الشریعہ خود بازار تشریف لے گئے، معمولی کپڑا خریدا اور سلوایا، پہنایا اور پھر تعلیم شروع کی، پہلی بار جب حضرت صدر الشریعہ کی درس گاہ میں تشریف لے گئے کھڑے نہیں ہوئے جب کہ اس سے قبل جب حضرت سید العلماء تشریف لاتے، ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے، دست بوسی فرماتے۔ اپنی جگہ بٹھاتے۔ حضرت سید العلماء جب پہلی بار درسگاہ میں آئے تو حضرت صدر الشریعہ تعظیم کے لئے کھڑے کیا ہوتے ہلے بھی نہیں اور طلبہ کی صف میں بیٹھنے کا اشارہ کیا، حضرت سید العلماء طلبہ کے ساتھ بیٹھ گئے، مگر چہرے پر کچھ دوسرے آثار تھے، حضرت صدر الشریعہ بھانپ گئے اور فرمایا: صاجزادے! تعلیم اور اخذ فیض کے لئے ضروری ہے کہ آپ طالب علم اور متعلم کی طرح رہیں اور جب تک آپ کی تعلیم جاری ہے ایک طالب علم کا مزاج رکھتے ہوئے محنت سے پڑھیں۔ حضرت سید العلماء

رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سنا اور جب تک زیر تعلیم رہے ایک نیاز مند طالب علم کی طرح زندگی گزاردی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ سید العلماء ہوئے۔

اس واقعہ سے پیرزادگان خصوصاً سید زادگان کو عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ جو اپنی سیادت کے غرور میں اس کی تمنا رکھتے ہیں کہ اساتذہ ان کو اپنے برابر اپنی مسند پر بٹھا کر پڑھائیں اور اساتذہ کو اپنا استاذ نہیں جانتے بلکہ اپنا غلام جانتے ہیں۔ سیادت کی فضیلت اپنی جگہ، لیکن ایک عالم اور استاذ کی فضیلت کہیں بڑھ کر ہے۔ سیادت کی فضیلت ایک جزئی فضیلت ہے لیکن علم کی فضیلت کلی ہے، اسی لئے امت کا اس پر اجماع ہے، ایک غیر سید عالم ایک سید غیر عالم سے افضل ہے۔

تنویر الابصار، درمختار، ردالمحتار میں ہے:

للشاب العالم ان یتقدم علی الشیخ الجاھل ولو قریشیا لانه افضل منه.

جوان عالم کو یہ حق ہے کہ بوڑھے جاہل سے آگے رہے، اگرچہ بوڑھا جاہل قرشی ہو اس لیے کہ عالم اس سے افضل ہے۔

یہاں تک کہ علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح فرمائی کہ اگر کوئی غیر عالم اگرچہ قرشی ہو عالم سے آگے بڑھے تو اسے سزا دی جائے گی اس لیے کہ اس نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ غالبا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

من علمنی حرفا فقد صیرنی عبدا.

جس نے مجھے ایک حرف سکھایا اس نے مجھ کو غلام بنالیا۔

اس کے برخلاف اب پیرزادگان اور سید زادگان کا عمل یہ ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کو بھی اپنا غلام سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پیرزادگان اور سادات کرام سے علم اٹھ گیا۔

لیکن اللہ کا شکر ہے کہ خانقاہ برکاتیہ اب بھی غرور سیادت اور غرور پیرزادگی سے ملوث نہیں۔ ہندوستان کی خانقاہوں میں صرف یہی ایک خانقاہ ایسی ہے جہاں علما کا ان کے شایان شان کما حقہ احترام کیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہاں قدیم سے یہ دستور ہے کہ علما منبر پر ہوتے ہیں اور حضرت سجادہ نشین سے لے کر پیرزادے نیچے بیٹھتے ہیں۔ کروڑ پتی مریدین کی طرف

کوئی خاص توجہ نہیں ہوتی ۔لیکن علما کو ان کے شایان شان ہر قسم کا اعزاز دیا جاتا ہے ۔اللہ عزوجل اس میخانۂ معرفت کو صبح قیامت تک یوں ہی آباد رکھے ،اور انشاء اللہ تعالیٰ آباد رہے گا۔

طب کی تحصیل:

درس نظامیہ سے فراغت کے بعد حضرت سید العلماء نے علی گڑھ یونیورسٹی میں جاکر علم طب حاصل کیا ،اور طب کی تحصیل کے بعد مارہرہ شریف جاکر مطب کرتے رہے۔خانقاہ شریف کے سامنے سڑک پر جو بڑا گیٹ ہے اس کے اوپر آپ کا مطب تھا۔

حضرت سید العلماء قدس سرہ بہترین معالج تھے۔مرض کی تشخیص اور دواؤں کی تجویز میں یکتا تھے اور آپ کے علاج کے حیرت انگیز کارنامے بہت مشہور ہیں۔میرا بیٹا ڈاکٹر محب الحق سلمہ بچپنے میں سوئے ہضم کا شکار تھا ،مسلسل علاج ہوتا مگر افاقہ نہ ہوتا ،میں جس زمانہ میں بلرام پور تھا اور حضرت سید العلماء وہاں جلسہ میں تشریف لائے تھے ،انھیں دکھایا گیا ،فرمایا: علاج غلط ہورہا ہے۔ان کا معدہ کمزور ہے ،ان کو ایسی دواؤں کی ضرورت ہے جو معدہ کی قوت ہضم کو قوی کریں ،حضرت نے دوا تجویز فرمائی۔حکم دیا کہ چھ مہینہ مسلسل یہ دوا دی جائے ،اس سے پورا فائدہ ہوا۔

بمبئی میں ورود:

کامیاب مطب کے باوجود حضرت سید العلماء ،مسجد کھڑک کے ٹرسٹیوں کی استدعا پر بمبئی تشریف لے گئے ۔اللہ عزوجل نے حضرت سید العلماء قدس سرہ کو اس لیے نہیں پیدا فرمایا تھا کہ وہ ایک چھوٹے سے قصبہ میں بیٹھ کر مطب کریں بلکہ اللہ عزوجل نے انھیں پورے ہندوستان کے سنیوں کی قیادت کے لیئے پیدا فرمایا تھا ،اسی سبب بمبئی میں ورود ہوا۔

اس وقت سنیوں کا حال زار:

بمبئی عظمیٰ اہل سنت کا بہت بڑا مرکز تھا۔وہابیوں کا وہاں گزر مشکل تھا ،دیوبندیوں کے بڑے بڑے سرغنہ وہاں گئے اور جب سے شیر بیشہ سنت ابوالفتح مولانا حشمت علی صاحب

رحمۃ اللہ علیہ بمبئی پہنچے تو سنیت عروج پر پہنچ گئی۔ لیکن جب مسلم لیگ کا زور ہوا اور ہندوستان کے بے عقل مسلمانوں نے مطالبہ پاکستان کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی جس کی رو سے وہابی سنی امتیاز ختم ہو گا، اور علماے اہل سنت کی گرفت عوام سے ڈھیلی ہو گئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل سنت کی مرکزی مساجد میں وہابی امام ہو گئے وہابیوں کی ہمت یہاں تک بڑھی کہ غازی ملت حضرت مولانا محبوب علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کو مدنپورہ کی بڑی مسجد سے بالجبر امامت سے الگ کرنے کے لئے ان پر مسلح طور پر حملہ کر دیا، لیکن اللہ کی مدد اہل سنت کی شامل حال تھی، وہابیوں کا سرغنہ حاجی جیوا مارا گیا اور سارے دیوبندیوں کو اہل سنت کے چند جیالو نوجوان مجاہدین کے مقابلہ میں دم دبا کر بھاگنا پڑا۔

اس کے بعد دیوبندی مہاجنوں نے اپنی حرام کی کمائیوں کے بل بوتے پر غازی ملت پر بھی قتل کا مقدمہ قائم کر دیا، پولیس نے رشوت لے کر دیوبندیوں کی جھوٹا ایف آئی آر درج کیا، اور غازی ملت کو قتل کی ملزم ٹھہرا کر حراست میں لے لیا۔ یہ وقت بمبئی میں اہل سنت پر بہت ہی سخت تھا، بمبئی کے سارے دیوبندی طے کر چکے تھے کہ خواہ کتنا ہی روپیہ صرف ہو ڈی ایم کو خریدنا پڑے تو خرید لیا جائے مگر غازی ملت کو پھانسی کی سزا دلوائی جائے۔

سخت کس مپرسی کا عالم تھا، حضرت شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ اپنے بھائی کی مدد کے لئے پہنچے، لیکن چونکہ شیر بیشۂ سنت نے مسلم لیگ کی شدید مخالفت کی تھی، اس لئے ان کی آواز موثر نہ ہو سکی۔

حضرت سید العلماء قدس سرہ بمبئی میں ابھی نئے نئے تھے۔ پورا تعارف بھی نہیں تھا بمبئی کے عوام جانتے بھی نہ تھے کہ کھڑک کے مسجد کا امام کون ہے، اس کے باوجود حضرت سید العلماء غازی ملت اور ان کے ساتھ ماخود مظلوم غرباے اہل سنت کو امداد کے لئے میدان میں کود پڑے اور اپنی پوری ذہنی و روحانی توانائیوں سے کام لے کر غازی ملت اور ان کے ہم راہیوں کا بھرپور تعاون فرمایا۔ غافل سنیوں کو بتایا کہ اس کیس کے مضمرات کیا ہیں؟ اگر خدانخواستہ غازی ملت کو سزا ہو گئی تو بمبئی میں اہل سنت ائمہ کا رہنا دوبھر ہو جائے گا۔ قارون کے وارث دیوبندی دو چار بے وقوف جوشیلے دیوبندیوں کو بھینٹ چڑھا کر سنی ائمہ مساجد کا

بمبئی میں قیام مشکل کر دیں گے۔ اللہ کر شکر ہے کہ حضرت سید العلماء قدس سرہ کی آواز نے اپنا اثر دکھایا، بمبئی کے سارے اہل سنت جاگ گئے۔ اور لیگ نے جو افسوں پھونکا تھا سنی وہابی بھائی بھائی، یہ افسوں ختم ہو گیا اور بمبئی کے سنیوں نے سمجھ لیا کہ روئے زمین پر ہمارا سب سے بڑا دشمن دیوبندی ہے۔

پھر بمبئی کے سارے اہل سنت نے متحد ہو کر غازی ملت کے کیس میں دلچسپی لی جس کے نتیجے میں ایک وقت وہ آیا کہ قارونوں کی ساری دولت ان کے گلے میں لعنت کا طوق بن گئی اور غازی ملت اور ان کے ہمراہی باعزت بری ہوئے۔ ججوں نے اپنے فیصلہ میں غازی ملت اور ان کے ہمراہیوں کو صرف بری ہی نہیں کیا بلکہ انہیں یہ حق دیا کہ وہ پولیس اور ایف آئی آر درج کرانے والے اور گواہوں پر جھوٹا مقدمہ قائم کرنے کا کیس کریں، مگر ہمارے علما کا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ اپنا معاملہ کچہری میں نہیں لے جاتے۔ اس لیے حضرت غازی ملت نے ججوں کے دیے ہوئے حق کو استعمال نہیں فرمایا۔ غازی ملت کی برأت پر بمبئی کے اہل سنت نے شکرانے میں ایک بہت بڑا جلسہ کیا، جو بمبئی کی تاریخ میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس میں ایک نظم پڑھی گئی جس کا یہ شعر مجھے یاد ہے:

آخر ہماری فتح نے ثابت یہ کر دیا
اللہ بھی ادھر ہے جدھر غوث پاک ہے

سنی جمعیۃ العلماء کا قیام:

غازی ملت کے کیس کے دوران اہل سنت کے حساس افراد نے یہ دیکھا کہ ہم اہل سنت کی کوئی مظبوط تنظیم نہیں۔ ہمارے بالمقابل دیوبندیوں کی بہت مستحکم تنظیم جمعیۃ العلماء ہے۔ غازئ ملت کے کیس میں جمعیۃ العلماء نے قدم قدم پر دیوبندی فتنہ گروں کی قیادت کی تھی۔

بمبئی کے سارے اہل سنت نے بالاتفاق یہ طے کر لیا کہ اہل سنت کو بھی اپنی ایک مظبوط اور مستحکم تنظیم قائم کر لینی چاہیے۔ چنانچہ تمام عمائد اہل سنت بشمول حضرت مفتی اعظم ہند کے مشورہ سے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا، جس کے بالاتفاق پہلے صدر

حضرت سید العلماء منتخب ہوئے اور تا حیات صدر رہے۔ حضرت سید العلماء نے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے ذریعہ اہل سنت کی کتنی نمایاں خدمات انجام دیں یہ ایک لمبی داستان ہے۔

جب تک حضرت سید العلماء حیات ظاہری میں رہے سنی جمعیۃ العلماء زندہ اور توانا رہی، ان کے وصال فرماتے ہی آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء اپنے دفتر میں محدود ہو کر رہ گئی۔

بیعت وخلافت:

حضرت سید العلماء اپنے نانا حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن شاہ جی میاں صاحب سے بیعت تھے، یہ مجھے معلوم نہیں کہ ان سے خلافت واجازت ہے یا نہیں؟ لیکن تاج العلماء حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قدس سرہ سے انہیں تمام سلاسل خاندانی کی اجازت اور خلافت حاصل تھی اس کے علاوہ حضرت سید شاہ مہدی حسن صاحب مولود ۱۲۸۷ھ سجادہ نشین حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ سے بھی اجازت و خلافت تھی بلکہ حضرت سید شاہ مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعد حضرت سید العلماء قدس سرہ کو اپنا سجادہ نشین بھی بنایا اور مشترکہ تبرکات کی اپنی خاص چابی بھی عنایت فرمائی۔ نیز اس کے علاوہ خاندان کے دیگر بزرگوں سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی۔

علم وفضل:

حضرت سید العلماء قدس سرہ بہت ذہین وفطین، قوی الحافظ عالم تھے۔ آپ کا علم متحضر تھا، اہم سے اہم مسائل پر گفتگو کے وقت اجلہ علمائے کرام کی محفل میں سب پر چھا جاتے، مشکل مسائل کا بہت خوبصورتی سے حل نکالتے کہ لوگ ششدر رہ جاتے۔ بمبئی میں دنیا دار ٹرسٹیوں کی ضد کی وجہ سے عام مساجد میں نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہوتا ہے، جب کہ جو لوگ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر انتقالات یعنی رکوع وسجدہ وغیرہ کریں گے، ان کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن مساجد کے ٹرسٹی اپنی ضد سے نمازوں میں لاؤڈ اسپیکر لگاتے ہیں۔ یہ مسئلہ بڑا اہم تھا، ٹرسٹیوں کو اس بارے میں اتنی ضد تھی کہ اگر کوئی سنی امام لاؤڈ اسپیکر پر نماز نہ پڑھائے تو وہابی امام رکھ لیتے تھے۔ چنانچہ ہماری سب سے اہم مرکزی حمیدیہ مسجد میں یہی ہوا کہ جب

سنی علما لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تو وہابی امام رکھ لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت سید العلماء قدس سرہ نے اس کا حل یہ تجویز فرمایا کہ لاؤڈ اسپیکر کے ساتھ مکبّریں بھی رکھے جائیں، اور نمازیوں کو ہدایت کردی جائے کہ وہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر انتقالات نہ کریں بلکہ مکبّریں کی تکبیرات پر کریں۔ رہ گیا امام اس کا معاملہ بالکل واضح ہے، اگر امام بالقصد لاؤڈ اسپیکر میں آواز نہ ڈالیں وہ لاؤڈ اسپیکر سے صرف نظر کرکے نماز پڑھائے تو ان کی نماز ہوجائے گی، اگرچہ لاؤڈ اسپیکر اس کی آواز جذب کرکے پھیلائے۔ حضرت سید العلماء کی اس تحقیق کی بدولت ہماری اہم مساجد وہابیوں کے قبضہ میں جانے سے بچ گئیں، بمبئی میں وہابی بھی کافی ہیں۔ ان کی دونوں شاخیں وہاں موجود ہیں، غیر مقلد بھی اور دیوبندی بھی۔

بمبئی کے سنجیدہ غیر جانبدار ذی اثر لوگوں نے ایک مشترکہ رویت ہلال کمیٹی بنا دی ہے، جس میں ہر مذہب کے علما شریک ہیں۔ حضرت سید العلماء قدس سرہ اس کمیٹی کے بھی صدر تھے، اور اپنی وجاہت اور جلالت کی وجہ سے دوسرے مذاہب کے مولویوں کو دبائے رکھتے، وہ لاکھ کوشش کرتے کہ دھاندلی کرکے غیر شرعی طریقہ پر رویت ہلال کا اعلان کردیا جائے مگر حضرت سید العلماء نے کبھی ان کا منشا پورا نہیں ہونے دیا، جس کی بنا پر وہابیوں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ کمیٹی چلانی چاہی، مگر حضرت سید العلماء قدس سرہ نے ہمیشہ انہیں خائب و خاسر فرمایا۔ ایک سال کالے پانی کے غیر مقلد مولوی مختار احمد نے چند غیر مقلدوں کے بیان پر ۲۹ رمضان المبارک کو رویت کا اعلان کرادیا، اور یہ کہ کل عید ہے۔ حضرت سید العلماء قدس سرہ کو جب اس کا علم ہوا تو کمیٹی کے غیر جانب دار افراد سے پوچھا، انہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی کہ نہ ہم یہ اعلان کرا رہے ہے اور نہ ہم جانتے ہیں کہ کیسے اعلان ہو رہا ہے؟ حضرت سید العلماء نے ان لوگوں سے کہا: ہنگامی کمیٹی طلب کیجئے، اور میں آرہا ہوں۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ حرکت کالے پانی کے غیر مقلد مولوی مختار احمد کی ہے، کمیٹی کے افراد جمع ہوئے کالے پانی کے اس غیر مقلد مولوی کو طلب کیا گیا اور یہ بھی حکم دیا کہ جن کی گواہی پر

تم نے اعلان کرایا ہے، ان کو بھی لیتے آؤ۔ حضرت سید العلماء نے کمیٹی میں پہنچ کر پہلے ہی سے کمیٹی کے افراد مختار احمد غیر مقلد مولوی کی اس حرکت کے پیچھے اس کے پوشیدہ مقاصد سمجھا دیئے تھے، نیز کمیٹی کے افراد کی اس بے وقعتی پر بھی زور ڈالا کہ پھر رویت ہلال کمیٹی کی کوئی وقعت نہیں باقی رہے گی۔ کچھ دیر کے بعد غیر مقلد مولوی، ان غیر مقلد افراد کو لے کر پہنچا جنھوں نے بیان دیا تھا کہ ہم نے آج چاند دیکھا ہے۔ اس کمیٹی کے رکن ضیاء الدین بخاری بھی تھے، انہوں نے پہلے اس غیر مقلد مولوی کو اس پر خوب لتاڑا کہ جب پورے شہر کی مشترکہ بلاتفریق مذہب ایک رویت ہلال کمیٹی ہے تو تم نے کیسے اعلان کرایا۔ تمہیں یہ حق کس نے دیا تھا؟ پھر گواہوں سے بیان لیا۔ بیان کے بعد ان سے پوچھا کہ تم غیر مقلد ہو یا حنفی یا شافعی۔ اس نے نہایت صفائی سے کہہ دیا کہ میں غیر مقلد ہوں، اسی طرح تین یا چار گواہ گزرے۔ بخاری نے سب سے یہی سوال کیا، جس کے جواب میں سب نے یہی جواب دیا کہ ہم غیر مقلد ہیں۔ سب کے بیانات کے بعد بخاری نے حضرت سید العلماء سے مخاطب ہو کے کہا کہ امسال عید کا چاند بھی غیر مقلد ہو گیا ہے۔ اس لیے صرف غیر مقلدین کو نظر آیا، یہ سب کنڈم ہیں ان سب کی گواہی رد کی جاتی ہے، اور اب رویت ہلال کمیٹی کی طرف سے اعلان کر دیا جائے کہ آج چاند کا کوئی ثبوت نہیں ملا، کل رمضان المبارک ہے۔ کل سب لوگ روزہ رکھیں، اس کے پہلے جو اعلان ہوا ہے، وہ غلط ہے۔

یہاں خاص بات قابل لحاظ یہ ہے کہ اگر حضرت سید العلماء اس طرح جرح کرتے تو شاید کمیٹی کے وہابی مولوی بھڑک جاتے مگر بخاری چوں کہ خود وہابی تھا، اس کا دیوبندیوں پر بھی کافی اثر تھا اس کی ان باتوں سے کوئی نہیں بھڑکا، سب دم بخود ہو کر سنتے رہے، اور سب نے چپ چاپ بخاری کے فیصلے پر دستخط کر دیے۔ یہ حضرت سید العلماء قدس سرہ کا کمال تھا کہ انہوں نے فضا ایسی پیدا کر دی کہ وہابی ہوتے ہوئے بھی بخاری نے وہابیوں کی گواہی کو مسترد کر دیا۔

آج وہ لوگ زندہ ہیں اور برسر اقتدار ہیں جو حضرت سید العلماء سے حسد کی بنا پر جلتے رہے اور زندگی بھر انہیں اذیتیں پہنچاتے رہے لیکن ان کا اس مشترکہ رویت ہلال کمیٹی پر

کوئی دباؤ نہیں، کوئی رعب نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دیوبندیوں کو اپنی من مانی کرنے کی ہمت ہوگئی، اور امسال بلاثبوت شرعی ۲۹ر کی رویت کا اعلان کردیا، اور ایک دن پہلے عید کرلی۔ اگرچہ دیوبندیوں کے اس اعلان کا اہل سنت پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور دیوبندی ایک دن پہلے عید کرنے کی وجہ سے ذلیل وخوار ہوئے۔ یہ ایک الگ بحث ہے، آئندہ کیا دشواریاں ہوں گی، وہ آنے والا وقت بتائے گا، اس قسم کے بہت سے اہم مواقع ممبئی میں پیش آئے اور ہر موقع پر حضرت سید العلماء قدس سرہ کی ہدایت میں بہترین حل نکلا جس کی کچھ تفصیلات انہی اوراق میں ان کے معتمد مریدین کے قلم سے آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

دیگر خدمات:

ہندو مسلم فسادات میں ہر جگہ ایک طرفہ مسلمان ہی نشانہ ستم بنتے ہیں۔ اس موقع پر مظلوموں کی امداد کی تحریک سب سے پہلے مارہرہ مطہرہ سے اٹھی اور سب سے پہلا امدادی وفد بہار کے مظلوموں کی امداد کے لئے حضرت سید العلماء کی سربراہی میں "گیا" پہنچا۔ جب کہ ۱۹۴۷ء میں ایک ہفتہ تک مسلسل بہار میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا، جب کہ ابھی سنی جمعیۃ العلماء قائم بھی نہیں ہوئی تھی، میں اس وقت گیا میں مقیم تھا، یہیں سب سے پہلے حضرت سید العلماء کی زیارت ہوئی۔ سنی جمعیۃ العلماء قائم ہونے کے بعد متعدد بار ستم رسیدہ مظلوم مسلمانوں کی بھرپور امداد کی گئی، لیکن یہ سب کارنامے حضرت سید العلماء کی حیات ظاہری تک محدود رہے۔

مسلم لیگ کا نظریہ پاکستان مسلمانوں کے لئے کتنا زہریلا تھا وہ آج سب پر روشن ہے، جس پر قدرے گفتگو حضرت تاج العلماء کے تذکرے میں گزر چکی ہے۔ حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے اس وقت جب کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی غالب اکثریت پاکستان کی جنون کی حد تک حامی تھی، نظریہ پاکستان کی بھرپور مخالفت کی، اس تحریک میں حضرت سید العلماء، حضرت تاج العلماء کے دوش بدوش رہے۔ تحریر وتقریر سے اس نظریہ کی بھرپور مخالفت کی، مشیت ایزدی کی عام مسلمانوں نے اسے نہیں سنا جس کے نتیجے میں آج رو رہے ہیں۔

تصنیف وتالیف:

مارہرہ کے قیام کے دوران آپ نے متعدد کتابیں لکھیں، انہی ایام میں مارہرہ شریف سے ماہانہ رسالہ ''اہل سنت کی آواز'' جاری فرمایا جس میں انتہائی اہم مفید مضامین لکھتے رہے، انہی ایام میں ایک صاحب کوسب سے بڑا شاعر ہونے کا خبط سوار ہوا، اس کے لئے انہوں نے ایک قصیدہ معراجیہ لکھا جسے چھپوایا اور اس کے سرنامے پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے قصیدہ معراجیہ پر کئی وجہ سے اپنے قصیدہ کی برتری ظاہر کی، شاعر صاحب کا مقصود یہ تھا کہ میں شاعری میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے بدرجہا بلند ہوں، ظاہر ہے کہ سب سے بڑا شاعر ہونے کے ثبوت میں اس سے بہتر مواد اور کیا ہوسکتا ہے۔ ان کے قصیدہ معراجیہ کی حیثیت یہ تھی کہ جیسے کہ ایک نوآموز بچہ کچھ بول رہا ہے، اس کا ایک شعر آپ بھی ملاحظہ کیجئے۔

براق اس طرح سے اوپر چلا ہے
کہ جیسے لفٹ اوپر کو چلی ہے

او کما قال:

اس غریب شاعر کو یہ بھی نہیں معلوم کہ براق صرف مسجد اقصیٰ تک گیا تھا، مسجد اقصیٰ سے آسمان یا اس کے آگے براق نہیں گیا تھا، نیز کہاں براق جس کی صفت بضع قدمه عند منتهى بصره حد نظر پر قدم رکھتا تھا۔ اور کہاں لفٹ۔ اور دعویٰ حضرت مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے اس قصیدہ معراجیہ پر برتری کا جو معارف فصاحت وبلاغت، سلاست وروانی، زور بیان، قوت استدلال میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ حضرت سید العلماء قدس سرہ اسے کب برداشت کرسکتے تھے، اس شاعر اعظم کے طفلانہ قصیدے کی پوری حقیقت واضح فرمادی جسے چھاپ بھی دیا۔ خود شاعر صاحب کو ان کے اعوان وانصار کو آج تک اس کے جواب کی ہمت نہیں ہوسکی۔ اس رسالہ کا نام ''فیض تنبیہ'' ہے۔

خطابت:

حضرت سید العلماء قدس سرہ خطابت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، دلکش، بلند آواز،

ساحرانہ طرزِ بیان، نکات ودقائق سے بھرپور تقریر ایسی کہ گھنٹوں سنتے رہے مگر جی نہ بھرے، ممبئی میں ایام محرم میں وعظ کی سیکڑوں مجالس منعقد ہوتیں، لیکن ہمیشہ سب سے زیادہ مجمع حضرت سید العلماء کی محفل میں ہوتا تھا، ویسے تو حضرت بہت نحیف ونازک نظر آتے تھے، لیکن تقریر کے وقت ہمیشہ جوان معلوم ہوتے تھے۔ پانچ پانچ گھنٹے مسلسل وعظ فرماتے، مگر ذرا بھی تکان کا نام نہیں ہوتا، نہ کبھی حضرت کی آواز بیٹھتی، یکساں مسلسل تقریر فرماتے اور کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ صبح نماز فجر تک وعظ ہوتا رہتا، اور لاکھوں لاکھ کا مجمع محویت کے ساتھ سنتا رہتا۔ ذکر شہادت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، کبھی جوش میں آتے تو فرماتے: یہ میرے گھر کی بات ہے ۔میرے آباؤ اجداد کی بات ہے۔ اسے مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے، اور مجھ سے اچھا کون بیان کرے گا۔ مجاہدین کربلا کی انفرادی جنگوں کا منظر ایسا کھینچتے کہ آنکھوں کے سامنے نقشہ آجاتا، حضرت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بیان کرنے سے پہلے خیمہ سے روانگی کا منظر اس طرح بیان فرماتے کہ روتے روتے سامعین کی ہچکیاں بندھ جاتیں۔ پسماندگان کو صبر کی تلقین اور ان کی بے کسی اور کس مپرسی اور بظاہر آخری سہارا بھی ختم ہونے کے تصور سے عورتوں بچوں کا کیا حال تھا اس حسرت ناک منظر کو بیان کرنے کا حق صرف حضرت سید العلماء کو تھا۔ اخیر میں جب مولانا حسن رضا خاں بریلوی قدس سرہ کا یہ شعر پڑھتے۔

کہہ رہا ہے شہر بانو کا نفس

تو سارا مجمع رو رو کر چیخ پڑتا۔

حضرت سید العلماء صرف مذہبیات کے ماہر نہیں تھے، بلکہ سیاست پر اور مسلمانوں کی کس مپرسی اور مظلومیت پر گہری نظر رکھتے تھے، جب سیاسیات پر بولنا شروع کرتے تو محسوس ہوتا کہ پوری زندگی سیاست ہی میں گزاری ہے اور انتہائی جرأت کے ساتھ، بڑے بڑے لیڈروں کو للکارتے۔ نام لے لے کر تنقیدیں کرتے۔ غرض کہ خطابت کے ہر شعبہ پر دسترس کامل رکھتے تھے۔

عادات واطوار:

بہت سادہ زندگی گزارتے، لباس بھی بہت معمولی پہنتے، چھوٹے بڑے سب سے

بہت خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے، سب کا دکھ درد سنتے، سب کو تسلی تشفی دیتے، دعائیں دیتے اور موڈ صحیح ہوتا تو تعویذ بھی عنایت فرماتے لیکن بہت کم۔

اکابر کا ان کے شایانِ شان احترام کرتے۔ حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ جب بھی ان کے پاس تشریف لے جاتے، ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ غرور پیر زادگی اور سیادت میں مفتی اعظم ہند کی تشریف آوری کے وقت بیٹھے رہ گئے ہوں اور یہی تعلیم اپنے اخلاف کو بھی دی۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ ممبئی کھڑک کی مسجد میں حضرت سید العلماء قدس سرہ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے، اور حضرت حسنین میاں صاحب جو اس وقت نوعمر صاحبزادے تھے، بیٹھے رہ گئے۔ حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی واپسی کے بعد انہیں سخت زجر فرمایا، تادیب کی کہ تم صرف اس غرور میں کہ میں سید اور پیر زادہ ہوں مفتی اعظم کی تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوئے؟ کبھی کبھی جلال بھی غالب رہتا، یہ زیادہ تر اس وقت ہوتا جب سید العلماء کسی صاحب سے کسی سے اہم گفتگو میں مصروف ہوتے، اور اس میں کوئی بے وقوف آجاتا اور بے جا ضد کرتا تو جلال آجاتا۔

ایک بار کچھ حضرات سے کچھ پیچیدہ مسائل پر گفتگو کر رہے تھے، ایک سیٹھ صاحب حاضر ہوئے حضرت سید العلماء نے ان کی خیریت پوچھی تو انہوں نے عرض کیا کہ میری والدہ کی طبیعت خراب ہے دعا فرمادیں کہ شفا ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ جاؤ، باٹلی (بوتل) لے کر آؤ اس میں حوض سے پانی بھر کر لانا۔ وہ صاحب الٹے قدم گئے، تھوڑی دیر کے بعد آئے بوتل میں پانی بھر کر پیش کیا، حضرت نے دم فرمایا ان کو دیا، فرمایا: یہ پانی پلا دو ٹھیک ہو جائیں گی۔ ان کی شامت آئی، انہوں نے عرض کیا ایک تعویذ بھی لکھ دیں یہ سنتے ہی جلال آگیا، ہانگی کو بلوایا، اور فرمایا: لو اس باٹلی کا پانی حوض میں ڈال دو، باٹلی ان کو دے دو، انہیں مسجد سے باہر کر دو، وہ ہکا بکا ہو کر منھ تکتا رہا، کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر ہمت نہ ہو سکی، کچھ دیر کھڑا رہا، حضرت نے ڈانٹ کر اس سے کہا: گیٹ آؤٹ!

اس قسم کے واقعات کو لوگ حضرت سید العلماء کی بدخلقی کی دلیل بتاتے ہیں، یہ ان

لوگوں کی کم عقلی ہے۔ اگر اس شخص کو حضرت سید العلماء پر اعتماد تھا تو اس کو پانی پر اکتفا کرنا چاہئے تھا، تعویذ کی فرمائش نہیں کرنی چاہئے تھی، جیسے کوئی مریض کسی طبیب کے یہاں جائے تو اسے معالج کی بتائی ہوئی دوا پر اکتفا کرنا چاہئے، اپنی طرف سے مخصوص دوا کی فرمائش نہیں کرنی چاہئے کہ فلاں دوا بھی دے دیجئے۔ پھر موقعہ یہ تھا کہ حضرت اس وقت اہم مسائل پر تبادلۂ خیال فرما رہے تھے، اتنا ہی بہت تھا کہ سیٹھ صاحب کی مزاج پرسی کرلی ان کی ضرورت سن لی، اور پانی دم کردیا، جو لوگ اس قسم کے معاملات میں مبتلا ہوتے ہیں، وہی جانتے ہیں کہ اہم مصروفیات کے وقت دخل در معقولات ہونا کتنا گراں گزرتا ہے۔

اس اذیت کا مجھے کافی تجربہ ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں کوئی اہم پیچیدہ فتویٰ لکھوا رہا ہوں اور اسی درمیان میں کوئی صاحب آگئے، تعویذ مانگنے یا زیارت کے لئے تو اس وقت اپنے کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

عام پیر سیٹھوں کو بہت نوازتے ہیں، غریبوں کو گھاس ڈالنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اور اگر معاملہ بیک وقت کسی غریب اور سیٹھ کا ہو تو سیٹھ ہی کو ترجیح دیتے ہیں حتی کہ سیٹھوں کے مقابلے میں علما کو پوچھتے بھی نہیں۔ مگر حضرت سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ سیٹھوں کی بہ نسبت اپنے غریب مریدین پر بہت زیادہ کرم فرماتے۔ اس کے بے شمار واقعات ہیں:

ایک بار کسی مرید کی غالباً اہلیہ کا انتقال ہوا جو حضرت سید العلماء سے بیعت تھی، اس نے آکر عرض کیا کہ اگر حضور کرم فرما کر اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ اس نے بتایا کہ ناریل باڑی قبرستان میں بعد ظہر نماز جنازہ ہوگی۔ حضرت نے وعدہ فرمالیا، اس نے عرض کیا کسی آدمی کو بھیج دوں؟ فرمایا نہیں میں خود آجاؤں گا۔ ناریل باری قبرستان پہنچ جاؤں گا۔ اس کے بعد ایک سیٹھ صاحب آئے، انہوں نے عرض کیا: میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، بعد ظہر سمندر کے قریب والے قبرستان میں نماز جنازہ ہوگی، حضور سے درخواست ہے کہ ان کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں آپ کی والدہ کے نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوسکتا۔ میں نے ایک صاحب سے ناریل باڑی قبرستان میں بعد ظہر ہی نماز جنازہ پڑھانے کا وعدہ کرلیا ہے۔ سیٹھ صاحب نے عرض کیا: حضور گاڑی موجود رہے گی۔

پہلے ہماری والدہ کی نماز جنازہ پڑھادیں پھر ناریل باری اسی گاڑی سے تشریف لے جائیں، حضرت سید العلماء نے فرمایا کہ میں ان سے وعدہ کر چکا ہوں اس لئے میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔

انہوں نے پھر اصرار کیا مگر حضرت سید العلماء راضی نہ ہوئے، سیٹھ صاحب اٹھ کر چلے گئے اور نماز ظہر کے وقت گاڑی لے کر آگئے۔ حضرت سید العلماء نے نماز سے فارغ ہو کر کسی آدمی کو ساتھ لیا، اور مسجد سے پیادہ پا نکل پڑے۔ سیٹھ صاحب نے عرض کیا: یہ گاڑی حاضر ہے، حضور اس میں تشریف رکھیں، ناریل باڑی ہی تشریف لے جائیں مگر میری گاڑی سے جائیں، حضرت سید العلماء نے فرمایا: تم اپنی گاڑی سے قبرستان جاؤ لوگوں کو ہمارے انتظار کی وجہ سے تاخیر ہوگی، یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے، اور ٹیکسی کر کے ناریل باڑی قبرستان تشریف لے گئے۔ مختصر یہ کہ حضرت سید العلماء قدس سرہ اپنے دور میں اسلاف کے نمونہ تھے، اور آج ڈھونڈنے سے بھی ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ناظرین پر بار خاطر نہ ہوتا تو میں خود اپنے واقعات لکھواتا کہ مجھ پر کتنا کرم فرماتے تھے۔ کتنی نوازشیں فرماتے تھے، بظاہر وہ ہم سے جدا ہوگئے لیکن ان کی یاد اب بھی تازہ ہے، اور مدت العمر تازہ رہے گی۔

کشف وکرامت:

عوام کا حال یہ ہے کہ جب تک کسی بزرگ میں کشف وکرامت نہیں دیکھتے، اس کی طرف توجہ نہیں کرتے، ضعف اعتقادی کا عالم یہ ہے کہ اگر آپ کسی کی دکان پر پہنچ گئے اور اس کی خوب بکری ہوئی پھر وہ آپ کا بہت معتقد ہو جائے گا اور اگر بکری کم ہوئی تو آپ کو منحوس خیال کرنے لگے گا، جیسے کہ عرب کے بدوؤں کا حال تھا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اگر اس کی عورت کے لڑکا پیدا ہوا اور اونٹنی نے اونٹنی جنم دیا تو کہتے بڑا اچھا دین ہے اور اگر اس کے برعکس ہوا یعنی اس کی عورت کے لڑکی پیدا ہوئی، اور اونٹنی کے اونٹ نر۔ تو کہتے کہ بہت خراب دین ہے۔ یہی حال آج کل عوام کا ہے بلکہ ہمارے بہت سے خواص بننے والوں کا بھی ہے۔ حالانکہ حضرات اولیائے کرام نے فرمایا: کرامت مت دیکھو، دین پر استقامت دیکھو۔

الاستقامة فوق الكرامة.

اللہ کا شکر ہے کہ حضرت سید العلماء کا دفتر فضائل اس باب سے خالی نہیں، بہت سی کرامتیں اس نمبر کے اوراق میں آپ کو ملیں گی، دو ایک مجھ سے بھی سن لیجئے۔

کالپی شریف جناب حاجی دین محمد صاحب مرحوم حضرت کے مرید تھے، وہ سالانہ جلسہ کیا کرتے تھے، جس میں حضرت سید العلماء تشریف لاتے، اور حضرت سید العلماء قدس سرہ کے حکم سے مجھے بھی مدعو کرتے، ایک سال ان کا ایک لڑکا کسی بات پر ناراض ہو کر کہیں چلا گیا، بہت ڈھونڈا گیا، کہیں پتا نہیں چلا، عرصہ گزر گیا، حضرت سید العلماء، جلسہ میں تشریف لائے بعد مغرب پہنچے تھے، رسمی خیر و عافیت کی رسم ادا ہونے کے بعد حاجی دین محمد صاحب نے عرض کیا، میرا فلاں بچہ عرصہ سے گھر چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے کچھ پتا نہیں چل رہا ہے، حضور دعا فرمائیں کہ آجائے۔ یہ سن کر حضرت سید العلماء نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا، پھر فرمایا: گھبراؤ نہیں، صبح تک آجائے گا۔ دو بجے رات تک جلسہ رہا، جلسہ کے بعد مصافحہ وغیرہ میں قریب آدھے گھنٹے صرف ہو گئے۔ حضرت سید العلماء نے فرمایا کہ اب سوئیں گے تو نماز خطرے میں پڑ جائے گی۔ حاجی دین محمد اورئی کے مولوی بشیر القادری بیٹھے رہے، ساڑھے چار بجے صبح کو کالپی شریف کوئی گاڑی پہنچی تھی میں یہ نہیں بتا سکتا کہ کانپور کی طرف سے آتی تھی یا جھانسی کی طرف سے۔ حاجی صاحب موصوف کا مکان اسٹیشن کے بالکل قریب ہی تھا، گاڑی کی سیٹی ہوئی تو حضرت سید العلماء نے دریافت فرمایا: یہ گاڑی کہاں سے آئی ہے؟ بار بار دروازے کی طرف دیکھتے رہے کہ حاجی دین محمد صاحب کا لڑکا آ گیا۔

ایک بار خود حضرت سید العلماء علیل ہوئے، گردے میں شدید درد اٹھا، ڈاکٹروں کو دکھایا گیا، ایکسرے ہوا، تشخیص یہ ہوئی کہ گردے میں پتھری ہے۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ بغیر آپریشن کے یہ پتھری نہیں نکلے گی۔ حضرت سید العلماء نے اجمیر مقدس میں اپنے مزوّر صاحب کو خط لکھا کہ میرا یہ حال ہے، آپ اس بار کا دھاگہ لے کر جو غریب نواز کے مزار اقدس پر ڈالا جاتا ہے مجھے بھیج دیں۔ ڈاکٹر جلد آپریشن کرانے کے لئے کہتے رہے مگر آپ ٹالتے رہے، جب دھاگہ آگیا، اسے گلے میں ڈال لیا اور دو ایک دن کے بعد آپریشن کرانے

کے لئے ہسپتال میں ایڈمٹ ہو گئے ۔ ڈاکٹروں نے ایکسرے دیکھنے کے بعد آپریشن کرنے کے لئے اخیر فیصلہ کرنے سے پہلے اسکرین پر دیکھا تو گردے سے پتھری غائب۔ ۔بار بار کئی ڈاکٹروں نے دیکھا کہ پتھری کا کہیں پتا نہ تھا، ڈاکٹر حیرت میں پڑ گئے اور بالآخر آپریشن ملتوی کر دیا، اور آپ کو ہسپتال سے جانے کی اجازت دے دی۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن کو کہاں تک لکھا جائے۔

(سیدین نمبر، ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور ص ۴۶۹ تا ص ۴۷۱)

☆☆☆

حضرت احسن العلماء مولانا سید مصطفےٰ حیدر میاں مارہروی علیہ الرحمہ

تم تو تھے تو زندگی بھی فردوس زندگی تھی

سرو سیمنا بصحرا می روی نیک بد عہدی کہ بے مامی روی
اے تماشا گاہِ عالم روئے تو تو کجا بہر تماشہ می روی

احسن العلماء زین الاصفیاء حضرت مولانا حافظ قاری سید شاہ مصطفےٰ حیدر حسن میاں صاحب قدس سرہ تاجدار مسند غوثیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ۱۳ فروری ۱۹۲۷ء کو مارہرہ مطہرہ میں پیدا ہوئے۔

آپ کا شجرہ نسب یہ ہے:

سید حسن میاں بن سید حیات النبی آل عبا بشیر حیدر بن سید حسین ذوالفقار حیدر بن سید محمد حیدر بن سید دلدار حیدر بن سید منتجب حسین بلگرامی۔

والدۂ ماجدہ کا شجرہ نسب یہ ہے:

سید حسن بن سیدہ اکرام فاطمہ شہر بانو بنت حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن شاہ جی میاں صاحب بن حضرت شاہ سید محمد صادق صاحب بن حضرت سید شاہ اولاد رسول بن حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں صاحب بن سید الواصلین سید شاہ حمزہ بن سند الواصلین سید آل محمد بن قطب الواصلین حضرت سید شاہ برکت اللہ صاحب البرکات قدست اسرارہم۔

آپ کے آباواجداد بلگرام شریف بدلے زئی سید واڑہ کے باشندے تھے۔

حضرت کے خاندان اور خاندان برکاتیہ میں ہمیشہ سے مسلسل ازدواجی رشتے ہوتے آئے ہیں۔ جس کی ایک طویل فہرست ہے۔ ماضی قریب میں حضرت کے دادا سید حسین حیدر صاحب (نواسہ خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول قدس سرہ) کا عقد حضرت سید شاہ محمد

صادق صاحب کی صاحبزادی ابرار بیگم طفیل فاطمہ کے ساتھ ہوا تھا۔ نیز سراج السالکین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب کا عقد الطاف فاطمہ بنت سید محمد حیدر سے ہوا تھا۔ یہ بزرگ احسن العلماء کے دادا کے حقیقی بھائی تھے۔

حضرت تاج العلماء مولانا سید شاہ اولادرسول محمد میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک صاحبزادے تولد ہوئے تھے جو عہد طفولت ہی میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ حضرت تاج العلماء قدس سرہ کی خدابین مردم شناس نظروں نے اپنی جانشینی کے لئے اپنے حقیقی بھانجے حضرت احسن العلماء کی تعلیم وتربیت میں پوری توجہ دی، ہمیشہ اپنے ساتھ سفر وحضر میں رکھتے، اپنے ساتھ سلاتے، کسی وقت بھی جدا نہ فرماتے، اور افادہ علوم ظاہری وباطنی میں ہر وقت مصروف رہتے۔

تعلیم وتربیت:

ناظرہ، اردو فارسی، بشمول حدائق بخشش حضرت کی والدہ محترمہ اور حضور تاج العلماء کی اہلیہ محترمہ نے پڑھایا۔ علاوہ ازیں حضرت سید العلماء، حضرت شیر بیشۂ اہلسنت، حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب اعظمی گھوسی، حضرت مولانا خلیل احمد خاں صاحب مارہروی ثم حیدرآبادی سندھ پاکستان نے درس نظامی کی تمام کتابیں پڑھائیں۔ جناب حافظ عبدالرحمٰن عرف کلومیاں نے قرآن مجید کا حفظ کرایا، سات سال نو مہینہ کی عمر میں حفظ مکمل کرلیا۔ منشی سعد الدین مارہروی نے اردو زبان وادب کی تعلیم دی، جناب ماسٹر محمد سمیع اللہ خاں صاحب ساکن اتاوہ نے انگریزی زبان پڑھائی۔

حضرت احسن العلماء نے اپنی پوری تعلیم مدرسہ قاسم العلوم درگاہ برکاتیہ ہی میں حاصل فرمائی۔ حضرت تاج العلماء کو آپ کی تعلیم کا اتنا لحاظ تھا کہ سفر میں اگر کہیں تشریف لے جاتے تو حضرت کے جو استاذ بھی ہوتے ان کو بھی ساتھ لے جاتے اور اثنائے سفر میں بھی سبق جاری رہتا حتی کہ ریل گاڑی میں بھی۔ آپ بیعت اپنے نانا حضرت شاہ ابوالقاسم الحاج اسماعیل حسن صاحب سے تھے مگر خانقاہ برکاتیہ کے سارے علمی روحانی خزانے حضرت تاج العلماء قدس سرہ

نے عطا فرمائے، اپنا سجادہ نشین بنایا اور خانقاہ برکاتیہ کے جملہ اوقاف کا متولی۔

حضرت تاج العلماء کے وصال کے بعد ان کی تفویض کے مطابق ان کے عرس، چہلم کے موقع پر حضرت احسن العلماء کو خاندانی رسم ورواج کے مطابق مسند سجادنشینی پر بٹھایا گیا۔ خانقاہ برکاتیہ کی اہمیت وعظمت اس سے ظاہر ہے کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اسی بارگاہ کے مرید ہیں، خانقاہ برکاتیہ میں روحانی کتنے خزانے ہیں اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ تقریباً تیس سلاسل قرآن مجید، احادیث کریمہ، اور سلاسل اولیاء اللہ کی اجازتیں ہیں۔ کچھوچھہ مقدسہ کے شہرۂ آفاق بزرگ حضرت مولانا علی حسین صاحب اشرفی میاں قدس سرہ نے بھی اسی بارگاہ سے سب سے زیادہ فیض پایا ہے۔ صحائف اشرفی کے مقدمہ میں ہے کہ حضرت کو مندرجہ ذیل اورادو وظائف کی اجازت اور خلافت اسی بارگاہ سے ملی:

شغل دونیم، وعمل شجرزر، واوراد خمسہ، حرزیمانی، حزب البحر، دعائے حیدری، دعائے شمع، حرز ابودجانہ، دعائے برہتی، چہل اسما، سی وسہ آیات، دافع سحر، قصیدہ بردہ، قصیدہ غوثیہ، درود اکبر، وعمل سورۂ جن، وعمل سورۂ مزمل، عمل سورہ یٰسین، صلوٰۃ الختام ودیگر اشغال ومراقبات۔

اس عظیم مسند کے لئے بھری دنیا میں حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے جس ذات کو منتخب فرمایا وہ یقیناً قدسی صفات تھی۔

محاسن وکمالات:

حضرت احسن العلماء علم ظاہر وباطن کے مجمع البحرین تھے۔ میرا ان سے ہمیشہ سے بہت خصوصی تعلق رہا۔ میں ان کے ساتھ خلوت میں بھی رہا، جلوت میں بھی رہا۔ سفر میں بھی رہا حضر میں بھی رہا۔ نجی مجالس میں ان کے گھنٹوں ملفوظات سنے اور اجلاس میں تقریریں سنیں، میں نے ان کا کوئی قول وفعل شریعت کے خلاف نہیں پایا۔ صورت اتنی دلکش کہ دیکھنے والا دیکھتا رہ جائے، سرخ وسفید رنگ، درخشاں کشادہ پیشانی، نرگسی آنکھیں، گلابی رنگ کے

ہونٹ، رخسار ایسے روشن کہ اس سے نور کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ مسلسل گوناگوں جان لیوا علالتوں کے باوجود چہرہ کی نورانیت تابانی، سرخی اور کشش میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اخلاق ایسا وسیع اور بلند کہ ہر شخص کو یہ گمان ہوتا تھا کہ مجھ ہی کو سب سے زیادہ مانتے ہیں، حاضرین عوام بلکہ گنواروں کے انتہائی تکلیف دہ رویہ کے باوجود کبھی چہرہ پر شکن نہیں دیکھی گئی حضرت کی عالی ظرفی ایام عرس میں اپنے شباب پر ہوتی۔ عوام زیارت اور دست دبوسی کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑتے۔ کبھی کبھی حضرت کے اوپر بھی گر پڑتے، کبھی کسی کو نہ ڈانٹا، نہ جھڑکا۔ جوانی کی بات جانے دیجئے! اخیر عمر مبارک میں جب کہ مسلسل پندرہ سال تک اختلاج قلب (ہارٹ اٹیک) کے مستقل مریض رہے، عرس کے ایام میں چھ چھ گھنٹے تک ایک طرح بیٹھے رہتے نہ پہلو بدلتے اور نہ گھبراتے اور نہ چیں بہ جبیں ہوتے۔

ایام عرس میں قل کا دن بڑا صبر آزما ہوتا تھا، نو دس بجے تقریباً حویلی سے باہر تشریف لاکر درگاہ شریف میں بیٹھ جاتے، تقریباً دو ڈھائی گھنٹے تقریر فرماتے پھر خانقاہ شریف سے جامع مسجد برکاتی میں تشریف لے جاتے، اور پھر بیچ در بیچ تبرکات رکھنے والی الماریوں کو کھلواتے اور دیکھتے اور تبرکات کے ساتھ پھر خانقاہ میں تشریف لاتے اسے کھولتے اور تقریباً دس بارہ تبرکات کی زیارت کراتے پھر سب کو سمیٹ کر بند کرتے اور پھر اسے زنان خانے میں لے جاتے وہاں مستورات کو زیارت کراتے، پھر جامع مسجد برکاتی میں واپس لاکر الماری میں بند فرماتے۔ اس کے بعد حویلی سجادگی میں تشریف رکھتے، گھٹنوں میں تکلیف کی وجہ سے سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتے تھے، اس لئے حویلی سجادگی ہی میں نماز ادا فرماتے۔ اس وقت واپس ہونے والے زائرین کا اتنا ہجوم ہوتا کہ ہم جیسے لوگ اس بھیڑ میں باریابی بھی نہ پاتے، بارہ بجے رات تک یہی سلسلہ رہتا، اب کوئی ٹھنڈے دل سے سوچے کہ کیا آج کوئی ہے جو ان سب پر خندہ پیشانی کے ساتھ عمل کرسکتا ہے؟

معمولات:

رات میں صبح صادق سے دو ڈھائی گھنٹے پہلے اٹھ جاتے، ضروریات سے فارغ ہوکر

نماز تہجد ادا کر کے ذکر، مراقبہ کرتے، پھر تازہ وضو کرتے، فجر کی سنتیں اول وقت میں پڑھتے، پھر تلاوت شروع کر دیتے۔ پھر وقت مقررہ پر نماز فجر فرض پڑھ کر تلاوت شروع فرما دیتے، بلاناغہ روزانہ چار پانچ پارہ کی تلاوت کرتے، نماز فجر کے بعد بہت ہلکا سادہ ناشتہ کر کے خطوط کے جوابات تحریر فرماتے، اسی اثنا میں باہر جامع مسجد برکاتی کی جنوبی دیوار کے متصل موڈھوں پر تشریف رکھتے، بے شمار حاجت مند اس وقت حاضر ہوتے سب کے لئے دعائیں فرماتے۔ تعویذ بہت کم لکھتے، تھے، عام طور پر دعائیں فرماتے۔ مریضوں پر دم فرماتے عام طور پر دیسی چینی منگا کر اس پر دم فرماتے، کیسے کیسے مریض شفا پاتے اور کیسی کیسی لوگوں کی مشکلیں حل ہوتیں، کتنی حاجتیں لوگوں کی پوری ہوتیں، کاش! اس وقت کوئی موجود ہوتا اور سب کو قلم بند کرتا تو دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ کتنے مستجاب الدعوات اور اللہ کے محبوب بندے تھے، بارہ بجے دوپہر تک یہی سلسلہ رہتا پھر کھانا تناول فرما کر ایک آدھ گھنٹے قیلولہ فرماتے، پھر بعد نماز ظہر کتابوں کا مطالعہ فرماتے۔ عصر کی نماز کے بعد باہر تشریف لاتے اور آنے جانے والے سے ملاقات فرماتے۔ آپ کی سب سے بڑی خصوصیت تصلب فی الدین تھی۔ مذہب حقہ اہل سنت وجماعت پر بہت سختی سے پابند تھے۔ اس میں ذرا بھی مداخلت گوارا نہ فرماتے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے عاشق زار تھے۔ مسلک اعلیٰ حضرت سے سر موانحراف کو برداشت نہ کر پاتے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حالات وکوائف کے جزئیات پر کامل عبور تھا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنے وقت میں سب سے بڑے ماہر رضویات تھے۔

حضرت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس عہد کے پیروں کے برخلاف علما کا ان کے شایان شان پورا پورا احترام فرماتے۔ عرس مبارک میں یہ منظر قابل دید ہوتا کہ عرس مبارک کے اجلاس عام میں حضرت خود اور خاندان کے تمام افراد زمین پر ہوتے اور علمائے کرام تخت پر۔

آواز انتہائی شیریں، مترنم اور بلند تھی۔ قرآن مجید اتنا عمدہ پڑھتے کہ سننے والے مبہوت ہو کر رہ جاتے۔ تراویح میں قرآن مجید سناتے تو سننے والے کیف ومستی میں اتنے سرشار ہو جاتے کہ تکان اور اکتاہٹ کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ افسوس حضرت دنیا سے کیا

تشریف لے گئے کہ ہم لوگوں کا سب کچھ اپنے ساتھ لے گئے۔ آپ حقیقی معنوں میں اپنے اسلاف کے جانشین ہی نہیں مظہر اتم تھے۔

علالت:

حضرت احسن العلماء خلقی طور پر بہت تندرست تھے ۱۹۷۴ء میں حضرت کے بڑے بھائی حضرت سید العلماء رضی اللہ عنہ کے وصال پر قلب مبارک پر شدید دھکا لگا اور وہ اپنے برادر مکرم کی جدائی کے غم کو برداشت کرنے کی کوشش کے باوجود برداشت نہ کر سکے جس کے نتیجے میں اختلاج قلب (ہارٹ اٹیک) کے دورے پڑنے لگے۔ علاج برابر جاری رہا مگر قلب کی حالت درست نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ مخصوص مشین (پیس میکر) آج سے تقریباً سات سال پہلے لگائی گئی، اس سے کچھ دنوں کے لئے قدرے افاقہ ہوا لیکن پھر اختلاجی دورے پڑنے لگے، ساتھ ہی ساتھ حضرت کے گھٹنوں میں شدید درد ہونے لگا جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئے۔ اس سال رمضان المبارک میں ممبئی کی کھڑک مسجد میں شب قدر میں کئی گھنٹے تک نعت و منقبت سنائی اور تقریر فرمائی جس سے دل و دماغ کافی متاثر ہو گیا، مجلس کے اختتام کے بعد جب لیٹے تو سانس کا توازن بگڑ چکا تھا جس کے نتیجے میں بریچ کینڈی ہسپتال میں ممبئی کے ماہر امراض قلب ڈاکٹروں کا علاج شروع ہوا۔ یہ سلسلہ تین مہینے تک رہا، علاج سے کافی افاقہ ہوا، اور حضرت دس محرم الحرام ۱۴۲۱ء کو ممبئی سے مارہرہ تشریف لائے، میں محرم شریف کے موقع پر ممبئی گیا تو حضرت کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا بظاہر حضرت ہشاش بشاش تھے مگر آواز میں نمایاں کمزوری محسوس ہو رہی تھی، جس کا میں نے احباب سے ذکر بھی کیا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ حضرت کو ابھی گھر تشریف نہیں لے جانا چاہئے۔

دولت خانے پر واپسی کے بعد دوائیں جاری رہیں۔ ربیع الاول شریف کے پہلے ہفتے میں یک بہ یک پھر تکلیف بڑھی، تو علی گڑھ میڈیکل کالج لے جایا گیا وہاں کے ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ کیس سنگین ہے انہیں فوراً جی، بی پنتھ ہسپتال دہلی لے جائیں وہاں مسلسل

علاج ہوتا رہا، قلب کا آپریشن بھی ہوا وہ بھی ٹھیک ہو گیا اور بظاہر حالت کافی سدھری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ میں خود ۱۷ر اگست کو کولمبو کی واپسی میں مولانا عبدالحق اور مولانا زاہد سلامی کے ہمراہ ہسپتال حاضر ہوا بظاہر حضرت پرسکون تھے مگر آواز بہت کمزور ہو چکی تھی تقریباً بیس پچیس منٹ تک میں حاضر رہا حسب عادت قدیم مسلسل بولتے رہے، میں جب واپس ہونے لگا تو حضرت مجھے مسلسل دیکھتے رہے، میں نے دیکھا کہ حضرت کی چشمانِ مبارک میں بے پناہ شفقت اور پیار کے ساتھ ساتھ انتہائی حسرت جھلک رہی تھی، گویا مجھے ہمیشہ کے لئے رخصت فرما رہے ہیں، جی میں آیا کہ عرض کروں کہ سرکار! ہمیں چھوڑ کر نہ جائیں مگر پھر خیال آیا کہ کہیں یہ جملہ کوئی خطرناک صورت نہ پیدا کر دے۔ اس لئے دل کی بات دل ہی میں لئے ہوئے واپس لوٹ آیا۔

معلوم ہوا کہ چاروں شاہزادے حضرت کی اہلیہ محترمہ دلی میں ہیں، مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ فون نمبر نہیں لیا، مبارک پور واپس ہو کر سخت الجھن اور تشویش رہا کرتی تھی، نیند غائب تھی، مزاج انتہائی چڑچڑا ہو چکا تھا، نہ کھانا اچھا لگتا تھا نہ کسی کام میں دل لگتا تھا۔ ایک بار کانپور حضرت کے بہت چہیتے مرید جناب ماسٹر عتیق صاحب برکاتی زید مجدہم کو فون کیا مگر وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ ان کی صاحبزادی نے بتایا کہ حضرت ابھی دہلی میں ہیں۔ ۸ر ستمبر سے بار بار یہ خواہش ہوئی کہ دہلی چلوں لیکن میں تنہا سفر کر نہیں سکتا اور کوئی مناسب رفیق سفر نہ مل سکا۔ ۱۵ر ربیع الآخر کو حضرت کے استاذ محترم شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی کے عرس مبارک میں شرکت کے لئے گھر گیا ہوا تھا بعد عشاء حضرت ہی کا تذکرہ چل رہا تھا ساڑھے نو بجے کے لگ بھگ میرے منھ سے نکلا کہ تین بار حضرت کو ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے مشین لگائی گئی وہ بھی بے کار ہو گئی، خدا خیر کرے شاید ہی حضرت شفایاب ہو سکیں۔ تقریباً ایک بجے میں تقریر کر رہا تھا کہ مولانا عبدالحق سلمہ نے یہ خبر دی کہ ممبئی سے فون آیا کہ حضرت کا وصال ہو گیا ہے۔ مارہرہ شریف پہنچنے کے بعد جو تفصیلات معلوم ہوئیں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت کے قلب مبارک نے دس سال پہلے معمول کے مطابق کام کرنا بند کر دیا تھا اس کے قبض وبسط، سکڑنے اور پھیلنے کی حرکت ختم ہو چکی تھی۔ حضرت دس سال سے اپنی روحانی قوت سے زندہ

تھے، وصال سے پانچ دن قبل فرمادیا تھا کہ اب صرف پانچ دن رہ گئے ہیں۔ عموماً استغراق طاری رہتا، کبھی فرماتے کہ اعلیٰ حضرت تشریف لائے ہیں کبھی فرماتے: خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول صاحب تشریف لائے ہیں۔ بالآخر ۱۵ ربیع الآخر مطابق ۱۲ ستمبر کو بعد مغرب یک بیک سانس بے ترتیب آنے لگی، ڈاکٹروں کو بلایا گیا، ڈاکٹروں نے آکر انہیں جو کچھ کرنا تھا وہ اس میں لگ گئے اور حضرت ان سب سے بے پرواہ رفیق اعلیٰ سے ملنے کے شوق میں وارفتہ، محبوب حقیقی سے وصال کے ذوق میں یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم کا ورد کرتے ہوئے شاداں فرحاں اور خنداں راہی ملک بقا ہوگئے۔ یا رحیم پر زبان مبارک بند ہوئی، اس وقت آٹھ بج کر پچاس منٹ ہوئے تھے۔ ”انا للہ وانا الیہ راجعون، القلب یفجع والعینان تدمعان وانا لفراقک لمحزونون ولا نقول الا ما یحب ربنا ویرضی“

بہت دیر تک وہاں قیامت کا منظر رہا پھر رو دھو کر قدرے سکون حاصل ہوا تو جنازہ مبارکہ دلی سے ۳ بجے شب میں بذریعہ کار مارہرہ شریف لایا گیا، تقریباً نو بجے مارہرہ شریف پہنچے، اور حضرت کی خواہش کے مطابق محل سرائے کے اندرونی صدر دالان میں رکھا گیا۔

سید مرتضیٰ حیدر حسن میاں برکاتی اور حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میاں حضرت کے منجھلے صاحب زادے سید شاہ محمد اشرف اور حضرت کے بھانجے سید جمال الدین اسلم میاں جیلانی اور خادم خاص محمد رفیق خاں برکاتی نے غسل دیا، کفن پہنانے کے بعد چار بجے شام کو جنازہ مبارکہ اندر سے لاکر خانقاہ کے سامنے باہر رکھا گیا تاکہ لوگ آخری زیارت کرلیں۔ پانچ بجے کے قریب جنازہ اس میدان میں لایا گیا جو بیرونی پھاٹک کے اندر ہے، پورا میدان اور سڑک آدمیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، نماز جنازہ جانشین سید العلماء حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میاں صاحب نے پڑھائی۔

نماز جنازہ سے فراغت کے بعد جنازہ حسب دستور خاندانی بڑی درگاہ یعنی حضرت سید عبدالجلیل بلگرامی قدس سرہ کے آستانے پر لے جایا گیا، پھر وہاں سے خانقاہ برکاتیہ میں لاکر حضرت تاج العلماء کے روضہ مبارکہ کے برآمدے میں دفن کردیا گیا۔

بذریعہ فون حضرت کے وصال کی خبر رات ہی بھر میں پوری دنیا میں ہوگئی۔ جس نے

سنا جہاں تھا جس حال میں تھا بھاگم بھاگ مارہرہ شریف کی طرف چلا سب کی خواہش یہ تھی کہ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کریں۔ مگر جنازہ میں اس نیت سے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ شریک ہوں تاخیر ممنوع ہے سنت یہی ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو دفن کر دیا جائے۔ اسی کے مطابق شاہزادگان نے عمل کیا، پھر بھی آنے والوں کا تانتا بندھا رہا اور اتنا مجمع اکٹھا ہو گیا کہ تل رکھنے کی جگہ نہ رہی، حالانکہ آنے والے جب یہ سنتے کہ جنازہ ہو گیا تو فاتحہ پڑھ کر واپس ہو جاتے۔

تیسرے دن جمعرات کو سوم کی محفل ہوئی جس میں اتنا بڑا مجمع تھا کہ عرسوں میں بھی نہیں دیکھا گیا، نماز فجر کے بعد ہی سے قرآن خوانی شروع ہو گئی تھی، اور مسجد برکاتی میں کلمہ شریف پڑھا جا رہا تھا، تقریباً آٹھ بجے تلاوت قرآن مجید کے بعد نعت خوانی ہوئی، پھر حضرت سید آل رسول حسنین میاں صاحب نے مختصر الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا، اس کے بعد حضرت سید محمد امین صاحب ولی عہد سجادہ نے کچھ دیر اپنے کلمات سے نوازا، پھر چھوٹے شہزادے جناب سید نجیب حیدر میاں صاحب نے انتہائی درد و کرب بھرے لہجے میں اندرونی کرب کا اظہار فرمایا، پھر منجھلے شہزادے جناب سید شاہ اشرف صاحب نے قریب رحلت کے کچھ واقعات بیان فرمائے۔ اس کے بعد محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفےٰ صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے بہت پر مغز موثر مختصر سی تقریر فرمائی اس کے بعد جناب مناظر بدایونی نے تین چار نعتیں سنائیں۔ پھر مجھے حکم ہوا، میں کیا عرض کرتا، نہ دل قابو میں تھا نہ دماغ، پھر بھی چند کلمات حضرت کے فضائل و مناقب میں عرض کیے، اور شہزادگان کو خصوصاً اور تمام متوسلین کو عموماً صبر کرنے کی تلقین کی۔ اخیر میں حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میاں صاحب نے اپنے والد ماجد حضرت سید العلماء قدس سرہ کی ایک بہت پر درد نظم پڑھی۔ دس بجے کے قریب یہ جلسہ خیر و برکت بحسن و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

اخلاف:

حضرت کے چار صاحبزادے ہیں۔ حضرت سید شاہ امین میاں صاحب ولی عہد سجادہ، حضرت سید محمد اشرف صاحب، حضرت سید محمد افضل صاحب اور حضرت سید نجیب حیدر

صاحب ایک صاحبزادی ہیں ثمینہ خاتون۔

خلفا:

مریدین کی تعداد کا صحیح علم کسی کو نہیں اور نہ ہوسکتا ہے، پوری دنیا میں لاکھوں لاکھ پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن جتنے مریدین کی تعداد زیادہ ہے، خلفا کی تعداد اتنی ہی کم ہے۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ آپ ہر طالب کو خلافت سے نہیں نوازتے تھے بلکہ بہت تحقیق و تفتیش کے بعد خلافت عطا فرماتے۔ خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

جناب سید شاہ آل رسول حسنین میاں صاحب، صاحبزادۂ اکبر حضرت سید شاہ محمد امین صاحب سجادہ نشین، شہزادہ حضرت سید شاہ محمد اشرف میاں صاحب، شہزادہ حضرت سید شاہ محمد افضل میاں صاحب، شہزادہ حضرت سید شاہ نجیب حیدر میاں برکاتی صاحب۔

حضرت علامہ اختر رضا صاحب ازہری جانشین مفتی اعظم ہند، جناب سید شاہ ضیاء الدین صاحب کالپی شریف، حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب مبارک پور، حضرت علامہ مفتی جلال الدین صاحب امجدی فیض الرسول براؤں شریف، حضرت علامہ صوفی نظام الدین صاحب امرڈوبھا، حضرت علامہ سید اصغر امام صاحب انجھر شریف ضلع اورنگ آباد، جناب مولانا ابوحماد احمد میاں صاحب برکاتی حیدرآباد سندھ پاکستان، جناب حاجی محمد عارف صاحب برکاتی کراچی پاکستان، جناب منشی عبدالقدیر صاحب عرف پھول خاں صاحب گلولی، علاقہ کالپی شریف، جناب حاجی عبدالحمید صاحب برکاتی جے پور، جناب قاری امانت رسول صاحب پیلی بھیت اور یہ راقم الحروف بھی۔

شجرۂ طریقت:

گزر چکا کہ آپ مرید حضرت مولانا سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن شاہ جی میاں صاحب سے تھے۔ حضرت سے خلافت واجازت بھی حاصل تھی، حضرت تاج العلماء مولانا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب نے آپ کو اپنے تمام سلاسل کا خلیفہ مجاز اور اپنا سجادہ نشین بنایا، یہ حضرت احسن العلماء کے ماموں تھے، حضرت تاج العلماء سجادہ نشین اپنے والد

ماجد حضرت شاہ ابوالقاسم کے ہیں وہ سجادہ نشین اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید شاہ محمد صادق کے ہیں، یہ سجادہ نشین اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ اولادرسول کے ہیں یہ سجادہ نشین اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں صاحب کے ہیں یہ خلیفہ مجاز اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ کے ہیں یہ سجادہ نشین اپنے والد ماجد حضرت سید حضور سید شاہ آل محمد کے ہیں یہ سجادہ نشین اپنے والد ماجد حضرت صاحب برکات قدس سرہ کے ہیں۔ حضور سیدنا شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے دو صاحبزادے تھے سید شاہ آل محمد یہ بڑے صاحبزادے تھے۔ ان سے سرکار کلاں کا سلسلہ جاری ہے دوسرے صاحب زادے سید شاہ نجات اللہ صاحب تھے، ان سے سرکار خرد کا سلسلہ جاری تھا، حضرت سید شاہ برکت اللہ قدس سرہ نے اپنے دونوں صاجزادوں کو اپنا سجادہ نشین بنایا تھا، حضرت سید شاہ آل محمد نے اپنے بڑے صاجزادے حضرت سید شاہ حمزہ کو اپنا جانشین بنایا۔ حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ نے اپنا سجادہ نشین اپنے بڑے صاجزادے سید شاہ آل احمد اچھے میاں کو بنایا۔ انہوں نے اپنا سجادہ نشین اپنے چھوٹے بھائی سید شاہ آل برکات ستھرے میاں کو بنایا، انہوں نے اپنا سجادہ نشین اپنے تین صاجزادوں خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی اور سید شاہ اولاد رسول اور حضرت سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم صاحب کو بنایا۔

اوپر جو مذکور ہوا یہ سلسلہ بیعت تھا، ویسے سلسلہ برکاتیہ کی تمام شاخوں کے مشائخ سے حضرت تاج العلماء قدس سرہ کو اجازتیں تھیں جن کی تفصیل بہت طویل ہے۔ یوں کہیے کہ حضرت صاحب البرکات قدس سرہ سے جو فیض کی نہریں نکلیں وہ مختلف شاخوں میں پھیلیں، پھر سب سمٹ کر حضرت تاج العلماء قدس سرہ میں جمع ہوگئیں، اور اب ان سے دو سلسلے صحیح متصل جاری ہیں۔ ایک حضرت احسن العلماء کا سلسلہ، دوسرے ان کے برادر بزرگ حضرت سید العلماء قدس سرہ کا سلسلہ۔ یہ میں خاندان کی بات کررہا ہوں، ورنہ سلسلہ رضویہ جو کہ سلسلہ برکاتیہ کی شاخ ہے وہ اب سلسلہ برکاتیہ کی طرح پوری دنیا پر محیط ہے، اس وقت میں احسن العلماء قدس سرہ کی دائمی مفارقت کی وجہ سے اتنا مختل الحواس ہوں کہ اب کسی کام کے لائق نہ رہا۔ علاوہ ازیں کچھ حاسدین کی ریشہ دوانیوں وایذا رسانیوں کی وجہ سے بھی پریشان

خاطر ہوں۔ حضرت احسن العلماء کا اس اپنے کفش بردار پر اتنا کرم تھا کہ میں اسے شمار نہیں کرسکتا۔ نیز جامعہ اشرفیہ کو وہ اپنا خاص ادارہ سمجھتے تھے، میں نے چاہا کہ حضرت کی بارگاہ میں تحریری تعارف کا ہدیہ پیش کرنے کا فخر ماہنامہ "اشرفیہ" کو حاصل ہو اس لئے چند سطریں لکھوادیں۔ پھر اگر زندہ رہا اور دل ودماغ نے کام کیا تو مفصل حالات کسی اور موقع پر پیش کروں گا۔

تاثرات:

حضرت کے سانحہ ارتحال کا اثر پوری دنیائے سنیت پر اتنا زیادہ ہے کہ اس کو احاطہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے بعد آپ کی ذات اہل سنت کے تمام طبقات کے لئے غیر متنازع فیہ مرکز تھی۔ آپ کے بعد کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو اہل سنت کے تمام طبقات میں معتمد ہو۔ یہی سبب ہے کہ حضرت کے وصال کی خبر سن کر بلا استثنا سارے مدارس اہل سنت اور خانقاہوں میں کہرام مچ گیا، اور لوگ پروانہ وار مارہرہ شریف پہنچے، خیال کیجئے کہ کیرالا، ممبئی، پور بندر، کراچی، افریقہ تک سے سوگواروں کے قافلے در قافلے مسلسل پہنچنے لگے تمام مدارس میں تعطیل ہوئی، ایصال ثواب کی مجلسیں قائم ہوئیں اور ہمارا اشرفیہ تو ماتم کدہ بن گیا۔ تمام طلبہ ومدرسین نے خبر سنتے ہی تلاوت قرآن مجید کا سلسلہ شروع کردیا، جامعہ کے تمام شعبوں میں تعطیل ہوگئی، اور یہاں کے شعبہ نظامیہ کے تقریبا سارے مدرسین اور سیکڑوں طلبہ بذریعہ کار اور موٹر وہاں پہنچے، سب کے چہرے فق، آنکھیں اشک بار، اندوہ گیں چہرے یہ اعلان عام کر رہے تھے کہ آج ہم سب یتیم ہوگئے، بے سہارا ہوگئے۔

گوری سوئے سیج پہ مکھ پہ ڈارے کیس — چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چوندیس

فما کان قیس هلکه هلک واحد — ولکنه بنیان قوم تهدما

تم تھے تو زندگی بھی فردوس زندگی تھی
لے جاؤ زندگی بھی اب زندگی میں کیا ہے؟

حافظ ملت بحیثیت مفسر

ولادت ۱۳۱۲ھ وصال ۱۳۹۶ھ

ماہنامہ اشرفیہ کے ارباب حل وعقد نے جب حافظ ملت نمبر نکالنے کا ارادہ کیا تو اس خادم کے ذمہ یہ سپرد ہوا کہ سیدی سندی جلالۃ العلم استاذ العلماء حضرت حافظ ملت قدس سرہ کی تفسیر میں مہارت کے بارے میں کچھ لکھوں۔ یہ ڈیڑھ سال پہلے کی بات ہے۔ میں نے اس عنوان پر اپنی یادداشت کے مطابق چند باتیں ایک کاپی میں نوٹ کرلیں، خیال یہ تھا کہ اسے ایک مناسب تمہید کے ساتھ پوری توجہ سے لکھوں گا۔ مگر جب یہ معلوم ہوا کہ امسال حافظ ملت نمبر نہیں نکلے گا تو میں سست پڑ گیا، اور وہ کاپی کہیں رکھ دی، درمیان میں کئی بار خیال آیا کہ لاؤ اس کو مکمل کر ڈالوں، مگر یہ سوچ کر کہ ابھی بہت وقت ہے، رک جاتا۔ امسال جناب ایڈیٹر صاحب نے ایسے وقت یاددہانی کرائی کہ مجھے نجی خطوط کے بھی جواب کی فرصت نہ تھی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے معرکۃ الآرا حاشیہ شامی جد الممتار کی تصحیح ہو رہی تھی۔ دوسری طرف حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے فتاویٰ کی تصحیح اور تبییض کا کام جاری تھا۔ تیسری طرف اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر ریسرچ کرنے کے لئے مولانا حسن رضا صاحب سلمہ مشورہ کے لئے تشریف فرما تھے۔ اور دار الافتاء کی ڈیوٹی اپنی جگہ۔ اسی میں کاپی تلاش کیا، تو وہ مفقود الخبر، پھر سفر در سفر کا سلسلہ۔ ع:

یوما بجزوی ویوما بالعقیق.

جد الممتار کی تصحیح سے یوں چھٹی ملی کہ مولانا عبد المبین صاحب نعمانی اور مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی مدرس ندائے حق جلال پور نے بریلی شریف جاکر اصل سے مطابقت کرلی۔ اور عزیزم مولانا حسن رضا سلمہ بھی اپنے متعلقین کے دباؤ سے مجبور ہوکر سفر کرنے لگے اور ان

کے کام کے اہم حصے کو حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ صاحب مدظلہ العالی نے اپنے سر لے لیا۔

مگر فتاوی امجدیہ کا کام اپنی جگہ۔ خوش قسمتی سے کاتب ایسا مل گیا جو کاتب تو ہے مگر ابھی تک اس نے اسے پیشہ نہیں بنایا۔ کام بہت تیزی سے کر رہا ہے۔ دار الافتاء سے جو وقت بچتا وہ اس کی نذر ہو جاتا۔ رات میں کام نہ ہونے کے برابر، اول تو بجلی کی لائن غائب اور اگر کبھی بھولے بھٹکے آجاتی ہے تو چراغ سحر کی طرح جس میں خونی دیو کی آنکھوں کی طرح بلب تو نظر آتے ہیں مگر اور کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن اب وقت ختم ہے اگر میں دو ایک دن بھی تاخیر کروں تو میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے صرف بہ نیت شمولیت یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔

اگر چہ مجھے خود احساس ہے کہ اس ہونے سے نہ ہونا بہتر تھا لیکن اگر خریداران یوسف کی صف میں ایک بے مایہ بڑھیا شامل ہونے کی جرأت کر سکتی ہے تو میں ان سطور کو حافظ ملت نمبر میں داخل کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

قرآن مجید ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ الفاظ تو محدود ہیں مگر اس کے معانی غیر متناہی بالفعل ہیں۔

حدیث میں ہے:

عجائبه لاتنقضی لکل آیة منها ظهر وبطن ولکل حد مطلع.

کتاب اللہ کے معانی کا حال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو کچھ قرآن مجید میں ہے، وہ سب سورۂ فاتحہ میں ہے اور فرمایا: اگر میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کروں تو اتنی کتابیں لکھ دوں کہ ستر اونٹ بوجھل ہو جائیں۔

علمائے اسلام نے قرآن مجید کی تفسیر پر اتنی کتابیں لکھیں کہ میرا ایک اندازہ ہے کہ اگر پوری دنیا کے جملہ مذاہب کی کل مذہبی کتابیں ایک پلے میں ہوں اور تفاسیر کی کتب ایک پلے میں، تو تفاسیر کی کتب بھاری ہوں گی۔ قرآن مجید کی تفسیر میں خطا سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کتب تفسیر کا مطالعہ کامل ہو، ورنہ آدمی بغیر ٹھوکر کھائے نہیں رہ سکتا۔ اگر چہ وہ اہل زبان ہو، اگر چہ زبان عرب پر عبور کامل رکھتا ہو۔

صحابہ کرام اہل زبان تھے، ان کے زمانے میں قرآن نازل ہوتا تھا۔ مگر وہ بھی حضور

اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم کے محتاج تھے۔ ارشاد ہے: ویعلمهم الکتاب والحکمة حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلیم الٰہی کے محتاج تھے۔

ارشاد ہے: إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ.

اس لئے قرآن کریم کی صحیح تفسیر جاننے کے لئے ضروری ہے کہ زبان عرب کی مہارت کے ساتھ ساتھ معانی قرآن کی تفسیر میں جو کچھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وائمہ مجتہدین نے بیان فرمایا ہے سب پر نظر ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ کتب تفسیر قدیم وجدید کا کامل مطالعہ ہو، ان کے مضامین مستحضر ہوں۔ اس کو یوں ذہن نشین کیجئے۔

حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ کا بیان ہے کہ جب میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے بیٹھا تو بہت ایسا ہوا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمے پر شبہات وارد ہوئے۔ جب کتب تفسیر کی طرف مراجعت کی تو کبھی کبھی کئی کئی دن صرف ہوئے، مگر کسی نہ کسی تفسیر میں ترجمۂ رضویہ کی تصحیح مل جاتی۔ اس طرح کہ اس کے سوا دیگر جملہ تراجم کا ضعف دلائل سے موجود ملتا۔

یہ سب اس لئے لکھ رہا ہوں کہ درس نظامی میں عام طور پر جلالین، مدارک اور بیضاوی کے ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں، اور تقریباً سبھی مدارس کا یہی دستور ہے۔ جلالین اور بیضاوی پر کثیر حواشی اور شروح مطبوعہ ملتے ہیں۔ جس کی مدد سے ایک متوسط آدمی بھی ان کتابوں کو پڑھا تا ہے۔ اور حضور حافظ ملت قدس سرہ کی تفسیر میں مہارت کا جو سرمایہ مل سکتا ہے وہ درس ہی سے مل سکتا ہے۔ تو اگر میں یہ کہہ دوں کہ حافظ ملت ان کتب تفسیر کو بہت عمدہ پڑھاتے تھے تو اہل علم اس کے کھوکھلے پن پر ہنس دیں گے۔ اس لئے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حافظ ملت قدس سرہ ان کتابوں کو خوب، بہت خوب، عمدہ اور بہت عمدہ تو پڑھاتے ہی تھے۔ حافظ ملت کا کمال یہ تھا کہ ایک ذی استعداد طالب علم کو یہی کتابیں پڑھا کر مفسر بنا دیتے تھے۔

اپنی طالب علمی کے زمانہ کا ایک واقعہ اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے مولانا حکیم شمس الہدیٰ مرحوم

جنہیں ہم لوگ بھائی جان کہتے تھے، حضرت حافظ ملت قدس سرہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے۔ ان دنوں ان کے عزیز جلالین شریف پڑھتے تھے۔ اس زمانے میں یہ التزام تھا کہ جلالین حضرت حافظ ملت خود اپنے یہاں رکھتے تھے۔ دوسرا پارہ ہو رہا تھا۔ بھائی جان کے عزیز نے عبارت پڑھی، ترجمہ کیا، تقریر کرنے کے بجائے حافظ ملت اس طالب علم سے سوالات کرنے لگے۔ مفسر نے یہ کیوں نکالا۔ غالباً نصف صفحہ کا سبق تھا، اسی طالب علم نے ہر جگہ بتا دیا، حضرت بے حد مسرور ہوئے اور بھائی جان مرحوم حیران وششدر۔ سبق کے بعد متعدد طلبہ اور بعض مدرسین سے انہوں نے یہ واقعہ بار بار بیان فرمایا۔ اور اس طالب علم کی بہت تعریف کی۔ مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ سب فیض ہے اس کیمیا صفت مرد حق آگاہ کا، جو مس خام کو کندن بنانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔

کیا جلالین وبیضاوی کی شروح وحواشی دیکھ کر سب پڑھانے والوں میں یہی تاثیر ہے کہ صرف ایک پارہ کی تفسیر پڑھا کر متعلم میں اتنی صلاحیت پیدا کردیں کہ وہ پورا سبق مطالعہ کر کے حل کر لے۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک ہی پارہ پڑھنے کے بعد طالب علم میں اتنی صلاحیت پیدا ہوجاتی تھی یا ہوگئی تھی تو اسے سال بھر تک جلالین پڑھانے کی کیا ضرورت تھی وہ مطالعہ سے حل کر لیتا۔ اسے جلالین پڑھانا تضییع اوقات تھا، بجائے جلالین کے اسے اور کوئی کتاب پڑھانی چاہئے تھی۔

یہ سوال اگر اسی طالب علم سے کیا جاتا تو وہی جواب دے سکتا تھا کہ کیوں اس نے سال بھر تک یا اکثر سال جلالین پڑھی، جب کہ جلالین حل کرنے کی اسے قوت ہوگئی تھی۔ بات یہ ہے کہ جلالین سمجھ لینا، سمجھالینا اور بات ہے اور قرآن مجید کی تفسیر پر حاوی ہونا اور بات ہے۔ جلالین سمجھنا سمجھانا تفسیر کا الف با ہے اور قرآن مجید کی تفسیر پر حاوی ہونا اخیر منزل۔ درمیان میں کتنے مراحل ہیں، اس کو وہی جانتا ہے جو علم تفسیر سے مس رکھتا ہے۔ اس طالب علم میں جلالین حل کرنے کی استعداد تو پیدا ہوگئی تھی، مگر دیگر مراحل باقی تھے۔ انہیں طے کرنے کے لئے سال بھر جلالین پڑھتا رہا۔

اس کو یوں سمجھئے کہ جلالین سمجھ لینے سے یہ تو معلوم ہوجائے گا کہ جلالین نے فلاں

فلاں آیت کی کیا تفسیر کی ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ جو جلالین نے تفسیر کی ہے وہی صحیح، راجح اور مختار ہو۔ بہت سی جگہ بہ تقاضائے بشری ان حضرات سے بھی لغزش ہوتی ہے۔ وہاں صحیح کیا ہے، یہ جلالین کے مطالعہ سے کیسے معلوم ہوگا۔ علاوہ ازیں تفسیر میں جگہ جگہ احناف وشوافع کے اختلافات کی معرکہ آرائیاں ہیں، اور دونوں جلال شافعی ہیں۔ احناف کا موقف اور اس کے دلائل جلالین دیکھنے سے نہیں معلوم ہوں گے۔ یہ یا تو دیگر کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوں گے یا کسی ماہر مشفق استاذ کے بتانے سے۔ ہمارے زمانے میں مولوی محمد عثمان ممبئی ایک بہت ہی عظیم ذہین وفطین، قادر الکلام، وقاد ذہن کے طالب علم تھے۔ ان کو پڑھانا آسان نہیں تھا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ کبھی کبھی درس گاہ میں مناظرے کا شبہہ ہو جاتا تھا، مگر حافظ ملت کے یہاں ان کو بھی ہمیشہ کم سخن ہی پایا۔ ان کے تفسیر جلالین پڑھنے کے زمانے کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اعلیٰ درجے کے ذہین وفطین ہوتے ہوئے بھی انہوں نے جلالین شریف دو سال میں مکمل حافظ ملت سے پڑھی ہے۔ حالانکہ جلالین بہ مشکل آٹھ دس پارے لوگ پڑھتے ہیں اور عام طور پر یہ آسان کتاب مانی جاتی ہے، لیکن اس کا اصل اشکال اس واقعہ سے ظاہر ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہوگا کہ مولوی عثمان نے کیوں تیس پارہ پڑھا، اور یہ بھی عقدہ حل ہوگا کہ نفس مطلب حل کر لینے کے بعد بھی کیوں پڑھنے کی ضرورت تھی۔

سورۂ نور کی آیت کریمہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا سبق تھا۔ آیہ کریمہ کے ظاہر مفہوم پر بادی النظر میں بہت سے اعتراضات پڑتے ہیں۔ مولوی عثمان کے نقاد ذہن نے اس پر سولہ شبہات تیار کیے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اس رات سوائے جلالین کے اور کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔ ان شبہات کو اچھی طرح ذہن میں بٹھایا، جن کے جو جوابات ان کی سمجھ میں آئے، ان پر بھی غور کیا۔ جب سبق پڑھنے بیٹھے، تو اس دن عبارت نہیں پڑھی، جتنی دیر عبارت خوانی اور ترجمہ ہوتا رہا، اتنی دیر وہ انہیں شبہات پر غور کرتے رہے۔

ترجمے کے بعد جب حافظ ملت نے تقریر کی تو دم بخود ہو کر سنتے رہے۔ پینتالیس منٹ تک حافظ ملت تقریر کرتے رہے، یہ ہمہ تن گوش، مہر بلب سنتے رہے۔ جب تقریر پوری ہوگئی تو حافظ ملت نے مولوی عثمان سے پوچھا کیا بات ہے، عثمان بالکل خاموش ہو، آج کچھ

نہیں بولے؟ انہوں نے عرض کیا: آج تو سولہ شبہات تھے اور ان سب کو پیش کرنے کی پوری تیاری کر کے آیا تھا، مگر حضور نے ایسی تقریر کی کہ وہ سب شبہات کافور ہو گئے، میں کیا پوچھتا؟

تدریس کا یہ انداز ایک عظیم خرق عادت اور عظیم کرامت سے کیا کم ہے۔ کیا اس کی مثال عام مدرسین کے یہاں مل سکتی ہے؟ کاش کہ مولوی عثمان نے اپنے ان شبہات کو اور پھر حافظ ملت قدس سرہ کی اس تقریر کو قلم بند کر لیا ہوتا تو آج ایک عظیم یادگار باقی ہوتی۔

میں نے یہی مضمون حافظ ملت قدس سرہ کے عرس چہلم میں بیان کیا تو ایک حاسد نے جو بزعم خویش اپنے آپ کو ہمہ دان اور بے مثل و یکتا جانتے ہیں، اس کا مذاق اڑایا کہ اس میں کیا کمال ہے، وہ تو خود صاحب جلالین نے نور کی تفسیر منور ھما بالشمس والقمر سے کر کے بہت سے شبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ:

اولا: خود اس تفسیر پر کئی شبہات میرے ذہن میں ہیں۔ نور مصدر نہیں کہ اسے اسم فاعل کے معنی میں لے لیں اور حمل بطریق مبالغہ کا قول کریں۔

ثانیا: اس میں بھی ایک استبعاد ہے۔ نور اگر مصدر ہوتا بھی تو مجرد ہوتا اور "مُنَوِّر" مزید فیہ۔ تو اس تفسیر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجرد بمعنی مزید فیہ، پھر مصدر بمعنی اسم فاعل۔ (اگر چہ یہ شبہہ لاینحل نہیں) مگر میں نے ان کا مبلغ علم معلوم کرنے کے لئے عرض کر دیا۔

ثالثا: یہ جواب ہے تو اس کا کہ مصدر کا حمل غیر مصدر پر درست نہیں۔ نیز مصدر کا معنی انتزاعی ہے۔ معنی انتزاعی قائم بالغیر ہوتا ہے، اور اللہ عزوجل کی صفات قائم بالغیر نہیں، پھر معنی انتزاعی حقیقت ثابتہ نہیں، انتزاع منتزع پر موقوف ہے۔ اور اللہ عزوجل کی ہر صفت حقیقت واقعیہ ثابتہ ہے، اعتبار معتبر پر موقوف نہیں۔ نیز نور عرض ہوتا ہے، اور عرض قائم بالغیر ہوتا ہے، نیز یہ کہ عرض کسی ماہیت کا جز ہوتا ہے، اور صفات باری ان دونوں سے منزہ، ان شبہات کا جواب تو "مُنَوِّر" سے ہو سکتا ہے، مگر سولہ کے سولہ شبہات جب تک معلوم نہ ہوں، آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سب کا جواب اس تفسیر سے ہو گیا، بلکہ آپ یا ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان میں کسی کا جواب اس تفسیر سے ہوا۔

اب آپ حافظ ملت کے درس تفسیر کی ایک جھلک دیکھتے چلیں۔

☆ جلالین کا پہلا سبق (الم) اللہ اعلم بمراده بذلک۔ الم سے اللہ کی جو مراد ہے وہ خوب جانتا ہے۔ فرماتے ہیں: الم مقطعات قرآنیہ میں سے ہے۔ مقطعات قرآنیہ متشابہات میں سے ہیں، متشابہات کے بارے میں تین مذہب ہیں، اسلم، سالم، زائغ۔

مذہب اسلم: یہ کہ ان کی تاویل نہ کی جائے اور ان کے معنی کو علم الٰہی پر محمول کیا جائے۔

مذہب سالم: یہ کہ حقیقی مراد علم الٰہی پر محمول کی جائے اور ایسی تاویل کی جائے جو محکمات کے منافی اور معارض نہ ہوں۔ جیسے ید اللہ میں ید بمعنی قدرت۔

مذہب زائغ: یہ کہ ان کی ایسی تاویل کی جائے جو محکمات کے منافی و معارض ہو، جیسے ید اللہ میں ید بمعنی ہاتھ (عضو) مراد لیا جائے۔ یہ تینوں مذاہب سورۂ آل عمران کی اس آیت میں مذکور ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا.

ترجمہ: وہ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں، گمراہی چاہنے اور اس کی تاویل ڈھونڈنے کو۔ اور اس کی تاویل اللہ ہی کو معلوم ہے، اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

اس آیت سے دو مذہب بالکل ظاہر ہیں۔ زائغ اور اسلم۔ مگر آگے وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ پر اگر وقف کیا جائے تو مذہب اسلم ظاہر ہے۔ اور اگر اللہ پر والراسخون فی العلم کو معطوف مانا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ متشابہات کی تاویل صرف اللہ اور علم میں پختہ کار علما جانتے ہیں۔ یہ مذہب سالم ہے۔ مفسر نے اللہ اعلم بمراده بذلک تفسیر کر کے مذہب اسلم کو اختیار فرمایا۔

☆ (ذلک) هذا ای (الکتاب) الذی یقرؤه محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم۔ ذلک کی تفسیر هذا سے اس لئے کی کہ ذلک دور کے اشارے کے لئے آتا ہے۔ اور هذا قریب کے لئے۔ ذلک سے شبہ ہوتا ہے کہ اس سے قرآن کے علاوہ

کسی اور کتاب مثلاً توراۃ یا انجیل کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے کہ ذلک جزءِ قرآن ہے، جزءِ شئی شئی سے قریب ہوتا ہے۔ مفسر نے ھذا نکال کر بتایا کہ مراد قرآن ہی ہے جس کا جز یہ ذلک بھی ہے۔ والاشارۃ بہ للتعظیم کہہ کے یہ نکتہ بتایا کہ مرادِ بُعدِ رُتبی ہے۔ یعنی یہ کتاب ہے قریب، مگر اتنی عظیم المرتبت ہے کہ اس سے عظیم تر کوئی دوسری کتاب نہیں۔

الذی یقرأہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اشارہ کیا کہ الکتاب میں الف لام عہد کا ہے۔ اس سے مراد یہ مخصوص کتاب ہے جسے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھتے ہیں، جس کا علم مخاطبین کو بخوبی ہے۔

☆ الذین یؤمنون بالغیب کی تفسیر میں یومنون کی تفسیر یصدقون سے کرکے یہ بتایا کہ صحیح یہ ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ ایمان کے بارے میں علما کے مختلف مذاہب ہیں۔ بعض محدثین وشوافع جن میں امام بخاری بھی ہیں اس کے قائل ہیں کہ ایمان تصدیق بالقلب، اقرار باللسان، وعمل بالارکان کے مجموعے کا نام ہے۔ بعض حضرات تصدیق اور اقرار کے مجموعے کو ایمان کہتے ہیں۔ احناف اور محققین اس کے قائل ہیں کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اور اقرار باللسان اجرائے احکام کی شرط ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ ایمان کا عمل پر عطف ہے۔ اور عطف میں اصل مغایرت ہے۔ خود اسی آیت میں یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ پر یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ کا عطف ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایمان اور عمل دو مغایر چیزیں ہیں۔ نیز اگر اعمال جزءِ ایمان ہوں تو تصدیق کرنے والے مومن نہ ہوں گے، کافر ہوں گے۔ پھر آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ کا محمل کیا ہوگا۔ اسی طرح کے چند عام فہم استدلالات بیان فرما کر بڑے مزے سے فرماتے۔ علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ شافعی مذہب ہیں، مگر مذہب احناف کو یہاں اختیار فرمایا ہے۔ یہ مذہب احناف کی حقانیت کی دلیل ہے۔

اسی طرح ایک ایک لفظ پر طالب علم کے لئے مناسب افادات بیان فرماتے حفظ من حفظ ونسی من نسی۔ آیت کریمہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا۔ پر افادہ فرماتے کہ ''اِن'' شک کے لئے آتا ہے، اور کفار کو شک نہیں، یہ یقین تھا کہ

قرآن خدا کی کتاب نہیں۔ پھر اس کو بصیغہ شک کیوں بیان فرمایا، پھر نکتہ ارشاد فرماتے کہ قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل اتنی قوی ہے کہ اس کے آگے کفار کا یقین شک کی طرح کمزور و بودا ہے۔

جہاں جہاں مفسرین سے لغزش ہوئی ہے وہاں تنبیہ فرماتے۔ مثلا آیت کریمہ۔ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَا اَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ اس کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف بھی زلیخا کا ارادہ کرتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے ارادہ معصیت کیا ہی نہیں۔ مگر مفسر نے یہ لکھا ہے: وجواب لولا لجامعها اس تقدیر پر مطلب یہ ہوا کہ حضرت یوسف نے بھی معصیت کا ارادہ کرلیا تھا۔ اگر برہان الٰہی نہ دیکھتے تو معصیت کے مرتکب ہو جاتے، فرماتے کہ گناہ کا ارادہ انبیاے کرام کے شایان شان نہیں۔ اس لئے یہ تفسیر صحیح نہیں۔ لولا کا جواب محذوف ضرور ہے، مگر وَهَمَّ بِهَا مقدم اس جواب محذوف پر دال ہے، اور لجامعها محذوف ماننے پر شرعی قباحت کے علاوہ ایک شناعت یہ بھی ہے کہ محذوف پر دال کوئی نہ ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہیں گے کہ اس حذف پر قرینہ عقلی قائم ہے، یہ قرینہ عقلی دلیل شرعی کے مزاحم ہو کر ساقط ہوگیا۔ نیز قرینہ ملفوظ جب موجود ہے تو عقلی قرینہ لینے کی کیا حاجت۔ خصوصا ایسی صورت میں جب کہ ایسی شناعت لازم آتی ہو۔

یہ تو چند نمونے درس کے ہیں۔ علاوہ اسباق کے تقریروں میں علمی مذاکرات میں ایسے تفسیری نکات بیان فرماتے کہ ایمان تازہ ہو جاتا۔

جب دیوبندیوں نے اپنا بازار چمکانے کے لئے مدح صحابہ تحریک چلائی تو اس کے بالمقابل رافضیوں نے تبرائی تحریک چلائی۔ اس وقت مبارک پور کی فضا بہت مکدر تھی، روافض اپنے اجلاس میں علانیہ تبرا بکتے، انہیں دنوں میں ایک تبرائی دشنام طراز نے یہ کہا جگر جگر ہے دگر دگر۔ یعنی حضرت علی حضور اقدس ﷺ کے بمنزلہ جگر کے ہیں، اور دوسرے صحابہ اتنے قریب نہیں، لہذا وہ سب سے افضل ہوئے۔

اس پر حافظ ملت کو جلال آگیا۔ فرمایا: یہ شاعری ہے؟ شاعری پر شاعروں کے

مذہب کی بنیاد ہوتی ہے۔ اسلام کی بنیاد شاعری پر نہیں۔ اولاً تو حضرت علی رسول اللہ ﷺ کے جگر نہیں۔ یعنی جز نہیں۔ جز اولاد ہوتی ہے، اور اگر یہ مان لیا جائے تو لازم کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی سے بھی افضل ہوں حالاں کہ یہ رافضیوں کے مسلمات کے خلاف ہے، اور جمہور امت کے بھی۔ حضرت سیدہ ہی نہیں، لازم کہ حضرت رقیہ، حضرت کلثوم، حضرت زینب، دو صاحبزادگان (حسنین کریمین) حضرت علی سے افضل ہوں، یہ بھی روافض اور پوری امت کے خلاف ہے۔

پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام امت پر افضلیت مطلقہ قرآن مجید سے یوں ثابت فرمائی کہ سورۂ حجرات میں فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

اللہ کے حضور تم میں سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو تم میں اَتقیٰ (سب سے زیادہ متقی) ہے۔

اور سورۂ والیل میں فرمایا:

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی

ترجمہ: اور جہنم سے وہ بہت دور رہے گا جو اَتقیٰ (سب سے زیادہ پرہیزگار) ہے جو مال اس لیے دیتا ہے کہ پاک صاف ہو، اس پر کسی کا احسان نہیں، جس کا بدلہ چکایا جائے، صرف اپنے بلند وبالا کی رضا چاہتا ہے۔

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت میں اَتقیٰ سے مراد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، بعد کا ارشاد بھی اس کی دلیل ہے، سوائے صدیق اکبر کے کوئی ایسا نہیں، جس پر حضور اقدس ﷺ نے مالی احسان نہ کیا ہو۔ اس لئے متعین ہے کہ یہاں اَتقیٰ سے مراد صدیق اکبر ہی ہیں۔ اب دونوں آیتوں کا ملاؤ تو ترتیب یہ ہوگی۔ ابو بکر اَتقیٰ ہیں اور یہ اَتقیٰ عند اللہ پوری امت سے بزرگ واکرم۔ تو ثابت کہ صدیق اکبر ساری امت سے بلا استثنا بزرگ اور مکرم ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب حافظ ملت قدس سرہ نے یہ استدلال تقریر میں بیان

فرمایا تو مجمع پر سحر کی سی کیفیت تھی۔ پورا مجمع جھوم رہا تھا، اور سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعروں سے گونج رہا تھا، اس قسم کے ایک نہیں سیکڑوں افادات ہیں۔ اگر اسی وقت قلم بند ہو گئے ہوتے تو آج ہی نہیں قیامت تک لوگ اس سے متمتع ہوتے مگر یہ ہم نالائقوں کی کوتاہی ہے کہ سب ضائع ہوئے۔

جو چند نمونے میں نے پیش کیے ہیں۔ انہیں سے اہل علم اندازہ لگالیں کہ حضور حافظ ملت قدس سرہ کا علم کتنا وسیع تھا، اور ذہن کتنا نکتہ رس اور مطالعہ کتنا عمیق اور تام تھا اور کتنی کوشش فرماتے تھے کہ طالب علم کے ذہن میں جلا پیدا ہو، جودت پیدا ہو، ذکاوت پیدا ہو، قوت اخذ و مطالعہ پیدا ہو۔ انہیں کوششوں کا نتیجہ ہے کہ حضور حافظ ملت قدس سرہ کے تلامذہ میں ایسے ایسے باکمال ہیں کہ آج اہل سنت کے اساطین میں شمار ہوتے ہیں۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، حافظ ملت نمبر ۱۹۷۸ء ص ۱۱۳، تا ۱۲۱)

☆☆☆

حیات حافظ ملت کا درخشاں باب

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

اللہ عزوجل کے لئے کچھ بڑی بات نہیں کہ پورا عالم ایک شخص میں جمع فرمادے۔

استاذ العلماء، جلالۃ العلم، حافظ ملت قدس سرہ العزیز ماضی قریب کے ان علماے امت میں تھے جو حقیقی معنی میں نائب رسول، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف تھے۔ گوناگوں بے پناہ فضائل و کمالات کے جامع کامل تھے۔ ایسی ہستیاں امت کے افراد میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ علم وحکمت کے بحر بیکراں، عمل و کردار کے سیل رواں، زہد واتقا کے پیکر جمیل، خوش اخلاقی کی مجسم تصویر، سب کے دکھ درد میں کام آنے والے، سب کا غم بٹانے والے اور بے کس وبے بس کے مرقع جمیل، سادگی، فروتنی عادت ثانیہ، اس کے باوجود خودداری اور وضع داری سے مزین، ایک انسان کامل جن جن اوصاف اور خوبیوں کا حامل ہو سکتا ہے ان سب کے عطر مجموعہ، دور اندیش، صاحب الرائے، باغیرت ملت کے درد سے دردمند، دین کے فروغ کیلئے بے تاب، دوستی دشمنی، جینا مرنا، سب کچھ دین کے لئے، اپنے اوقات کے پابند، کسی حال میں اپنے وقت کا ایک منٹ بھی ضائع نہ ہونے دینا، خود فرمایا کرتے:

”زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام“

اعدا اور حاسدین، شر پسند عناصر کے سخت سے سخت زہر میں بجھے ہوئے جملے سن کر بھی خاموش اور صرف اس پر اکتفا کرنا کہ ان سب کا جواب کام ہے۔

ایسے جامع صفات دینی رہنما کے بارے میں اگر کما حقہ لکھا جائے تو ہزاروں صفحات ناکافی۔ یہی وجہ ہے کہ ماہنامہ اشرفیہ کے ۳۰×۲۰ سائز کے ۵۸۶ صفحات پر حاوی حافظ ملت

نمبر کے باوجود آج تک مسلسل حافظ ملت کے بارے میں لکھا جارہا ہے، اور لکھا جاتا رہے گا۔ لیکن مجھے اس کی امید نہیں کہ کما حقہ حافظ ملت کا تعارف ہو سکے گا۔ امسال عزیزم مولانا مبارک حسین سلمہ، اور عزیزی مولانا زاہد سلامی سلمہ حافظ ملت کے عرس مبارک کے موقعہ پر ایک سیمینار منعقد کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں بھی کچھ لکھوں۔ حالاں کہ مجھ پر از خود لازم تھا کہ خود ہی کچھ لکھتا۔ لیکن جو لوگ میرے حالات جانتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ میں اب عمر کی اس منزل میں ہوں کہ دار الافتاء اور شرح بخاری کے کام ہی کا تحمل نہیں کرسکتا۔ پھر فتاویٰ لکھوانے کی عادت کی وجہ سے کوئی ایسا مضمون لکھنا بہت مشکل ہو گیا ہے، جس میں آج کل کے طرز کے مطابق کوئی بات کہی جائے۔ دار الافتاء کا رنگ الگ ہے، اور مضمون نویسی کا الگ۔ لیکن اعزہ کے اصرار کی وجہ سے چند سطور قلم بند کر رہا ہوں۔

حافظ ملت قدس سرہ العزیز ایک تاریخی ہی نہیں تاریخ ساز انقلاب آفریں شخصیت کے مالک تھے۔ جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروے کار لا کر دنیائے سنیت میں نئی روح پھونک کر انقلاب عظیم برپا فرما دیا ہے۔ اور اہل سنت کے مردہ جسم میں نئی جان ڈال دی ہے۔

اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ انگریزوں کی شہ اور ان کے تعاون سے ہندوستان میں وہابیت کی بنیاد پڑی۔ وہابیت کے شاطر بانیوں نے اس کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ کسی بھی تحریک کو پروان چڑھانے کے لئے تحریک چلانے والے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ سب لوگ نہ پڑھے ہوئے ہیں کہ کتابیں پڑھ کر کسی چیز کو سمجھیں اور نہ پڑھا لکھا آدمی ہر قسم کی کتابیں پڑھتا ہے، جلسوں سے صرف جلسے کے سامعین متاثر ہو سکتے ہیں۔ مشائخ صرف اپنے نیاز مند مریدین میں تبلیغ و ارشاد کے عادی ہو چکے ہیں۔ لیکن اگر کسی تحریک کے لئے کچھ افراد ہوں تو وہ افراد تحریک کو گھر گھر پہنچا سکتے ہیں۔ اس نکتے کو وہابیوں نے خوب اچھی طرح سمجھا۔ انہوں نے تصنیف و تالیف اور جلسہ و جلوس پر توجہ کم دی اور اپنی ساری صلاحیت مدارس قائم کرنے پر صرف کر دی۔ جس کے نتیجے میں وہابیوں کے مدارس کا جال بچھ گیا۔ عوام بے چارے جو وہابیت سے واقف نہیں تھے، اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے لئے وہابیوں کے مدارس میں بھیجنے لگے جس کے نتیجے میں سنیوں کے بچے وہابی مدارس میں جا کر وہابی

ہو گئے۔ اور انہوں نے نہ صرف اپنے گھر بلکہ اپنے خاندان اور دوسرے رشتہ داروں اور اپنی آبادی کے لوگوں کو وہابی بنا دیا، جس کی نظیر ایک دو نہیں سیکڑوں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں چند ارشادات سنتے چلئے۔

ایک وقت وہ تھا کہ جب کسی کو تعلیم کا شوق ہوتا تو وہ تن بتقدیر دہلی چلا جاتا۔ ابتداء کسی سرائے میں ٹھہرتا، پھر دہلی کے مشہور علما کے گھروں پہ جاتا۔ ان کے درس میں شریک ہوتا۔ ہفتہ دو ہفتہ کے بعد وہ ایک یا چند علما کو منتخب کر لیتا۔ اگر ان عالم صاحب کی نگاہ عنایت ہوگئی تو کہیں اس غریب کا کھانا مقرر ہوگیا۔ اس میں مزید دشواری یہ تھی کہ صرف ونحو کا مدرس کہیں اور ہوتا، منطق وفلسفہ کا کسی اور محلہ میں، فقہ کا کہیں اور تفسیر وحدیث کا کہیں اور۔ اس کے برخلاف جب دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تو وہاں ایک ہی جگہ ہر فن کے مدرس مل جاتے اور آسانی سے قیام وطعام کا انتظام ہو جاتا جس کے نتیجے میں طلبہ کا عام رجحان دارالعلوم دیوبند کی طرف ہوگیا۔ اس پر طرفہ یہ کہ جب دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، دہلی اجڑ چکی تھی۔ خال خال کہیں کہیں نوابوں کے کچھ مدرسے تھے۔ مگر منتظمین کی بدولت وہ بھی چراغ سحری ہو رہے تھے۔ بات بہت لمبی ہو جائے گی اس کو یہیں ختم کر کے میں اس دور کی بات کروں جس دور میں حافظ ملت مبارک پور تشریف لائے تھے۔ حافظ ملت ۱۳۵۲ھ کے ذوقعدہ میں مبارک پور تشریف لائے ہیں۔ اس وقت پورے ضلع اعظم گڑھ میں اہل سنت کو کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور میں تھا۔ مگر اس کی حیثیت ایک معمولی مکتب کی تھی۔ اس کے برخلاف وہابیوں کے اس ضلع میں آٹھ دس ایسے مدرسے تھے، جن کی حیثیت درالعلوم کی تھی۔ کئی میں دورۂ حدیث تک تعلیم ہوتی تھی، اور شرح جامی تک تو ہر مدرسے میں۔ ضلع سے ہٹ کر صوبے میں نظر ڈالیے تو بھی بہت دل شکن حالات تھے، بریلی شریف میں منظر اسلام اور مراد آباد میں جامعہ نعیمیہ، کان پور میں احسن المدارس قدیم اور جدید، مدرسہ حنفیہ امروہہ یہ پانچ مدرسے تھے۔ مدرسہ حنفیہ جون پور آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔ مدرسہ عالیہ رام پور ایک رسمی درس گاہ رہ گئی تھی۔ لے دے کر منظر اسلام بریلی اور جامعہ نعیمیہ مراد آباد اہل سنت کے طلبہ کے لئے ملجا وماویٰ تھے۔ ان دونوں مدارس کا نظام یہ تھا کہ طلبہ مسجدوں میں

رہتے، اور مدرسہ کے وقت میں آکر پڑھتے۔ اب اگر کوئی طالب علم مسجد نہ پا سکا تو وہ محروم رہ جاتا۔ اب آپ اس ماحول میں سوچیے کہ کسی کو علم دین کا شوق ہو لیکن اسے بریلی شریف اور مرادآباد جانے کی وسعت نہیں تو وہ علم سے محروم رہ جاتا یا اگر کوئی وہاں پہنچا اور اسے مسجد نہیں ملی تو وہ کہیں کا بھی نہیں ہوتا۔ اسی میں کتنے سادہ لوح سنیوں کے بچے وہابیوں کے ہتھے چڑھ گئے۔

اس نظام میں ایک خرابی یہ بھی تھی کہ معززین اور شرفا کے بچے ان مدارس میں نہیں جا سکتے تھے، جس کے نتیجے میں کتنے ایسے افراد ہیں جو سنی خانوادہ کے تھے مگر تعلیم انہوں نے وہابی مدارس میں حاصل کی۔

میں خود اپنی بات بتا رہا ہوں کہ اگر حافظ ملت مبارک پور نہ آئے ہوتے تو میں علم دین حاصل نہیں کر پاتا۔

اس اہم نکتے کو حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے کما حقہ محسوس فرمایا کہ جب تک اہلسنت کے مدارس نہیں ہوں گے، اور ان مدارس میں طلبہ کے لئے باعزت اور سہولت کے ساتھ تعلیم کا انتظام نہیں ہو گا، وہابیت کی یلغار کو ہم روک نہیں سکتے۔ ایک اپنی نجی مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے وہابیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بہت اہم اور مفید دلائل و براہین سے مضبوط کتابیں تصنیف کیں، اور وہابیوں نے کثرت سے مولوی پیدا کئے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے میگزین تیار کی، سپاہی نہیں پیدا کئے، اور وہابیوں نے زیادہ سے زیادہ سپاہی پیدا کئے۔

یعنی اہل سنت کے عمدہ عمدہ ہتھیار تھے مگر ان کو استعمال کرنے کے لئے ضرورت کے مطابق سپاہی یعنی علما نہیں تھے اور وہابیوں کے پاس سپاہیوں کی وافر مقدار تھی۔ حافظ ملت جب مبارک پور تشریف لائے تھے۔ اس وقت کا حال آپ سن چکے۔ اور جب وصال فرمایا اس وقت کی پوزیشن یہ تھی کہ خود اعظم گڑھ میں اہل سنت کے سات در العلوم قائم ہو چکے تھے، اور صوبہ کا عالم یہ تھا کہ اگر سروے کیا جائے تو کم از کم پچیس دار العلوم موجود تھے، جن میں بہت سے اعلیٰ اور معیاری تھی۔ آپ خیال کیجئے! خود ضلع بستی میں تین تین عظیم الشان در العلوم موجود ہیں، بصدق وانصاف اگر ان اداروں کی تاسیس پر نظر کی جائے تو سوائے دو چار کے

ب کے سب حافظ ملت کی رہین منت ہیں۔

ایک مزاج یہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی بڑا دار العلوم چلاتا ہے تو وہ یہ نہیں پسند کرتا کہ قریب پاس میں کوئی مدرسہ قائم ہو، مگر حافظ ملت کا مشن اس سے بہت بالاتر تھا۔ اس لئے ہمیشہ ہر جگہ جہاں بھی تشریف لے گئے، وہاں کے لوگوں کو مدرسہ قائم کرنے کی ترغیب دی، انہیں اس پر آمادہ کیا اور بھرپور تعاون فرمایا۔ بلکہ اگر کوئی کہیں کا اپنے مدرسہ کے چندے کے لیے مبارک پور آ گیا تو خود حافظ ملت نے ان کو گھر گھر جا کر چندہ کرایا۔

اس دور میں مدارس کا قائم کرنا کتنا مشکل تھا، اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ایک طویل مدت تک اشرفیہ مالی بحران کا شکار رہا۔ عموماً چار چار، پانچ پانچ مہینے تک مدرسین کی تنخواہیں نہیں ملتی تھی۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی دشواری خود حافظ ملت کو ہوتی تھی۔ حضرت بال بچوں کے ساتھ یہاں رہتے تھے۔ ساتھ میں حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا حکیم عبد الغفور صاحب بھی بال بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اب آپ سوچئے کہ پانچ پانچ چھ چھ مہینے تک تنخواہ ہیں نہیں ملتی تھیں تو کیا حال ہوتا ہوگا۔ یہ حافظ ملت کا استقلال، صبر و تحمل، رضا بالقضا اور توکل کی بہترین مثال ہے۔ اسی سب کا نتیجہ ہے کہ آج علم و فضل کو پورا شہر جامعہ اشرفیہ کی شکل میں موجود ہے۔

اس عہد میں مدرسہ کی آمدنی کا سب سے بڑا اور مضبوط ذریعہ چرم قربانی تھا۔ یا ماہانہ چندہ۔ حیلہ شرعی کرکے زکوٰۃ اور فطرے کی رقوم مدرسہ میں صرف کرنے کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اس زمانہ میں زکوٰۃ و فطرے کے رقوم پیشہ ور بھیک منگے لے جایا کرتے تھے۔ جو رمضان المبارک میں غول بیابانی کی طرح فوج در فوج مسلم آبادیوں میں پھیل جایا کرتے تھے۔ نیا نیا روپ، چونکا دینے والے عجیب عجیب نام، بھانت بھانت کی صدائیں، کوئی طوطا شاہ بنا ہوا ہے، کوئی مینا شاہ، کوئی انوکھا شاہ ہے، کوئی نرالا شاہ، کوئی ملنگ بابا ہے، کوئی پلنگ وغیرہ وغیرہ۔ اور زکوٰۃ دینے والوں کا یہ اعتقاد کہ اگر ان فقیروں کو نہ دیں گے تو زکوٰۃ ہی ادا نہ ہوگی، یا یہ بابا لوگ ہمارے کاروبار کو تہس نہس کر دیں گے۔ عجیب حال تھا کہ لوگ بھیک منگوں کی گالیاں سنتے اور گالیوں کی مقدار سے زکوٰۃ دیتے۔

حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مبارک پور آ کر پہلے اپنے علم وفضل، زہد وورع، خوش اخلاقی، نیک کرداری سے اہل مبارک پور کے دلوں میں گھر کیا۔ کوئی ملنے کے لئے کسی وقت بھی آیا، خندہ پیشانی سے ملے۔ اس کی حیثیت کے مطابق اس کے ساتھ برتاؤ کیا۔ اس نے اگر کوئی روداد غم سنائی تو بہت توجہ سے سنی۔ اسے تسلی وتشفی دی۔ دعائیں کیں، اگر اس نے تعویذ طلب کیا تو بلا چون وچرا تعویذ عطا فرمادیا۔ کسی کو سنا کہ بیمار ہے تو مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ کسی پر کوئی افتاد پڑی تو تسلی وتشفی کے لئے اس کے گھر پہنچ گئے۔ نماز جنازہ میں بالالتزام شرکت فرماتے۔ دفن کے بعد تعزیت کرکے واپس ہوتے۔ امیر ہو یا غریب سب کے ساتھ یکساں برتاؤ، سب کے ساتھ اس طرح اخلاق پیش کرتے کہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ مجھ کو سب سے زیادہ مانتے ہیں۔ اگر کوئی کسی دعوت میں مدعو کرتا تو بلا تامل شریک ہوتے۔ اس زمانے میں یہاں رکشے رائج نہیں تھے۔ حافظ ملت پرانی بستی محمد انور صاحب بھٹے والے (موجودہ چیئرمین مختار احمد صاحب کے والد) کے مکان میں رہتے تھے۔ جو پرانے مدرسے سے کافی فاصلے پر پورب ہے۔ وہاں سے پیدل سکٹھی، نوادہ بلا تکلف جایا کرتے تھے۔ دن ہو یا رات، گرمی ہو یا برسات، چلچلاتی دھوپ ہو یا بارش، ذرا بھی تامل نہ فرماتے۔ کتنی بار بعد عشاء نماز جنازہ پڑھانے کے لئے نوادہ اور سکٹھی تشریف لے گئے، جس کا فاصلہ قیام گاہ سے دوکلو میٹر سے کسی طرح کم نہیں۔ ان خدمات کا یہ اثر ہوا کہ مبارک پور کے ہر اہل سنت کے دل میں حافظ ملت کی محبت عظمت اور وقار بیٹھ گیا۔ اس کے نتیجے میں اہل سنت کا ہر ہر فرد حافظ ملت کا دیوانہ ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب پہلی بار دار العلوم اشرفیہ کی عمارت کے لئے چندہ کی تحریک فرمائی، تو باوجود افلاس وتنگ دستی کے لوگوں نے بہت انبساط وولولے کے ساتھ لبیک کہا اور جب چندہ شروع ہوا تو مفلوک الحال، تہی دست اہل سنت نے اپنی حیثیت سے کئی گنا زیادہ دیا۔ جس کے نتیجے میں ایک خطیر رقم اکٹھا ہوگئی۔

دوسری طرف مدرسے میں طلبہ کے قیام کا انتظام رکھا۔ اور طعام کے لئے جاگیریں لگائیں۔ اہل مبارک پور نے جس محبت اور شفقت کے ساتھ طلبہ کو کھلایا، پلایا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، جس طالب علم کی جہاں جاگیر ہوئی وہ اس گھر کا ایک فرد ہوگیا، اور ایسا مضبوط

رشتہ قائم ہوگیا کہ زندگی بھر نہیں ٹوٹا۔ اس کے نتیجے میں طلبہ کا رجحان عام اشرفیہ کی طرف بڑھا، اور ہر طبقے کے طلبہ اشرفیہ آگئے۔ دوسری طرف حافظ ملت نے بہت عرق ریزی کے ساتھ طلبہ کی تعلیم وتربیت پر توجہ دی۔ ابتدا میں حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تنہا تیرہ تیرہ کتابیں پڑھاتے تھے۔ جن میں تقریباً کل متوسط یا منتہی کتابیں تھیں، جس کے نتیجے میں اشرفیہ سے ذی استعداد اور سلیقہ شعار، کام کے دھنی طلبہ فارغ ہونے لگے، جس کا اثر یہ ہے کہ آج ملک اور بیرون ملک علمائے اہل سنت کی صف اول میں ممتاز اشرفیہ کے فارغ علما ہیں۔

قصبہ والوں کے علاوہ حافظ ملت نے قصبے کے اطراف وجوانب پر بھی توجہ دی۔ جہاں بھی ضرورت ہوئی، تشریف لے گئے، وہاں کے لوگوں سے اور روابط پیدا ہو گئے اور ان سب کے سامنے یہی تحریک رکھی کہ مدرسہ قائم کیجیے، اس کا اثر یہ ہوا کہ چند دنوں میں جین پور میں انوار العلوم، خیر آباد میں ضیاء العلوم، گھوسی میں شمس العلوم، مئو میں بحر العلوم، اوری میں ضیاء العلوم قائم ہو گئے۔ اور پھر جیسے جیسے حافظ ملت کے تعلقات، اثرات بڑھتے گئے، مدارس قائم ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں آج اہل سنت کی ہر بڑی بستی میں کوئی نہ کوئی مدرسہ ضرور ہے۔ بلکہ چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں بھی بے شمار مکاتب قائم ہیں چوں کہ دین وعلم کی بقا تعلیم دین سے وابستہ ہے اور اسی سے مسلمانوں کا دینی وملی تشخص بھی متعلق ہے اس لئے مدارس کے لئے حافظ ملت نے حیلہ شرعی کو رواج دیا کہ زکوٰۃ اور فطرے کی رقوم حیلہ شرعی کر کے مدارس پہ صرف کی جائیں۔ ابتدا میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ لیکن حافظ ملت کی فہم وتفہیم اور ترغیب کی بدولت آج ہر صاحب نصاب اپنی زکوٰۃ اور فطرہ کا بہترین مصرف مدارس اسلامیہ کو سمجھ رہا ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دینی مدارس کے لئے سرمایہ کی فراہمی بہت آسان ہو گئی حتی کہ آج یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ سب سے آسان کام مدرسہ قائم کرنا اور چلانا ہے۔ کہاں تو وہ حال تھا کہ پورے صوبہ میں دو چار دار العلوم تھے، اور اب یہ عالم ہے کہ شہروں اور بڑے قصبات میں کئی کئی دار العلوم موجود ہیں، جو حسب حیثیت دین اور علم دین کی نشر واشاعت کر رہے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہر ہر بستی میں علما موجود ہیں، ورنہ ایک وقت وہ تھا کہ مبارک پور جیسی بڑی آبادی میں کوئی عالم نہیں

تھا۔ اگر مسئلہ پوچھنا ہوتا تو لوگ ولید پور بھیرہ مولانا علی احمد بھیروی علیہ الرحمہ کے پاس جایا کرتے تھے۔

اہل سنت میں بیداری کی لہر پیدا کرنا حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک تاریخی بلکہ تاریخ ساز انقلاب ہے جو بھی ٹھنڈے دل سے مذکورہ بالا سطور کو پڑھے گا وہ میری اس بات کی یقیناً تصدیق کرے گا۔

حافظ ملت کی حیات طیبہ میں اگر بالفرض اور کچھ نہ ہوتا تو خواب غفلت میں مدہوش عوام کو بیدار کر کے سراپا عمل و کردار بنا دینا، اتنا بڑا زریں کارنامہ ہے جو حافظ ملت کی تاریخ کا سب سے درخشاں باب ہے۔

(مشمولہ حافظ ملت افکار و کارنامے ص ۱۰ تا ۱۳۔ ۲۸ر دسمبر ۱۹۸۹ء)

☆☆☆

حافظ ملت کا انداز تدریس

حافظ ملت قدس سرہ العزیز پر اب تک بہت کچھ کہا جا چکا، لکھا جا چکا ہے کہ اتنی قلیل مدت میں ہماری قوم نے اپنے کسی بھی بزرگ کے بارے میں نہ کہا ہے، نہ لکھا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ ملت نے لوگوں کے قلوب میں کتنی جگہ بنالی تھی، اور اپنی جدائی سے انہوں نے کتنے دلوں کو کتنا گہرا زخم دیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ پوری دنیائے سنیت اگر رہتی دنیا تک ان پر روتی رہے تو بھی کم ہے۔ حافظ ملت کتنے جامع صفات تھے ان سب کو اگر بیان کیا جائے تو اس دور میں مبالغہ اور مدح مُفرط سے تعبیر کریں گے، لیکن یہ صرف وہی لوگ کریں گے جو حافظ ملت سے دور رہے اور حقائق سے آنکھیں بند کرنے کے عادی ہیں، لیکن جو لوگ حقائق پسند اور منصف ہیں انہیں یہ باور کرنے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہوگی کہ حافظ ملت بلاشبہ ابو تمام کے اس شعر کے مصداق تھے:

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

اللہ عزوجل کے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں کہ پوری دنیا ایک فرد میں جمع فرمادے۔

اشرفیہ کے ایڈیٹر صاحب کا اصرار ہے کہ میں حافظ ملت پر کچھ لکھوں اور میں حیران ہوں کہ کیا لکھوں، کیا نہ لکھوں۔ اور کچھ لکھوں تو کہاں سے لکھوں۔

حافظ ملت ایک اعلیٰ مدرس تھے۔ لیکن ہندوستان میں مدرسین کی کمی نہیں۔ ایک سے ایک مدرس پڑے ہیں، اور اپنے کام میں مصروف ہیں۔ اگر میں یہ لکھوں کہ حضرت حافظ ملت ایک اعلیٰ مدرس تھے تو حافظ ملت اور دیگر مدرسین میں ما بہ الامتیاز کیا ہے؟ لیکن مجھے معاف کیا جائے۔ اگر میں صرف اسی ایک وصف کو لے کر بھرپور کلام کروں تو ایڈیٹر صاحب کو تنگی صفحات کی شکایت ہو جائے گی۔ اور بہت سے آبگینوں کو ٹھیس بھی لگنے کا ڈر ہے لیکن کلمۂ حق

کہنا کوئی جرم نہیں۔ اس لئے بالاختصار اسی گوشے پر چند باتیں ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ممکن ہے پہلے تدریس کو لوگ اتنا ہی آسان سمجھتے ہوں جتنا آج اکثریت آسان سمجھنے لگی ہے "یتعلم الحجامة علی رقبة الیتامی" کے مصداق ایک نادان بچہ دستار بندی بھی کرالیتا ہے مگر اسے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے کہ منصوب؟ نمازوں میں کتنے فرائض ہیں؟ کتنے واجبات ہیں؟ کیا اسی کا نام تدریس ہے؟ اگر یہی تدریس ہے تو مدرس ہونا کوئی کمال ہی نہیں۔ آیئے حضور حافظ ملت کی تدریسی شان ملاحظہ کیجئے۔

اشرفیہ کا ابتدائی دور ہے۔ ممبئی کے بہت ذہین طالب علم محمد عثمان تھے، جو ذہانت وفطانت کے ساتھ بہت بولنے والے اور جری بھی تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، انہیں دنوں اعظم گڑھ کے عیسائی مشنری کے پادری لوگ گولہ بازار میں ہر ہفتہ آتے۔ پہلے ان کی ننّیں پیا نو بجا کر گانا گاتیں۔ پھر پادری عیسائیت کی تبلیغ کرتے اور دوائیں مفت تقسیم ہوتیں۔

ان سے دوسرے مدرسہ کے ممتاز طلبہ ہر ہفتہ الجھتے مگر سوائے الجھنے کے کچھ حاصل نہ ہوتا۔ ایک دن مولوی عثمان کو خیال ہوا کہ چلوں میں بھی گفتگو کروں تو دیکھوں کیا کہتا ہے۔ مجھے پوری بحث تو یاد نہیں مگر ابنیتِ مسیح پر گفتگو ہوئی تھی۔ آدھے گھنٹے میں پادری پسینہ پسینہ ہوگیا، اور بڑی مشکل سے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ اب آئندہ ہفتہ آکر جواب دوں گا، مگر وہ غریب جان بچا کر بھاگا تو آج تک نہ وہ آیا اور نہ کوئی دوسرا پادری آیا۔

لقد ذھب الحمار بام عمرو

فلا رجعت ولا رجع الحمار

مولوی عثمان نے میں نے کتنے مباحثے، کسی مباحثہ میں ان پر غالب آنا تو بڑی بات ہے کسی کو برابری کرتے نہیں دیکھا۔

یہی مولوی عثمان جلالین شریف پڑھ رہے تھے۔ جلالین کے نصف آخری سورۂ نور کا سبق تھا، آیہ کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا سبق ہونے والا تھا۔ مولوی عثمان کا بیان ہے کہ جب میں نے مطالعہ کے لئے کتاب اٹھائی تو یکے بعد دیگرے شبہات پیدا ہونے لگے۔ میں نے یہ دیکھ کر اس دن اور کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ پوری توجہ سے صرف

جلالین شریف ہی کا پورے وقت میں مطالعہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سولہ شبہات میرے ذہن میں ایسے آئے کہ باوجود پوری کوشش کے ان کا ازالہ نہ کرسکا۔ جب تک جاگتا رہا ان شبہات کو ذہن مین محفوظ رکھنے کی کوشش میں رہا۔ صبح کو سو کر اٹھا، گھنٹی بجی اور درس گاہ میں پہنچا تو اپنے دماغ کو کما حقہ حاضر رکھنے کے لئے عبارت خود نہیں پڑھی، کسی ساتھی سے پڑھائی۔ جب تک عبارت اور ترجمہ ہوا، میں نے اپنے دماغ کو انہیں شبہات کی بھنور میں پھنسائے رکھا۔ ترجمہ کے بعد جب حافظ ملت نے تقریر شروع کی تو میں نے ایک شبہ پیش کیا۔ فرمایا کہ پہلے جو کچھ میں کہتا ہوں سن لو، اگر تمہارے شبہات کا جواب نہ ہو تو پھر پوچھنا۔ میں خاموش ہو گیا۔ حضرت نے تقریر شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جوں جوں تقریر آگے بڑھتی، میرے شبہات دفع ہوتے جاتے۔ اور اختتام تقریر پر سارے شبہات کافور ہوئے۔ اختتام تقریر پر حضرت نے دریافت فرمایا: بولو! اب کیا پوچھنا ہے؟ میں نے عرض کیا: اب کچھ نہیں پوچھنا ہے جو کچھ پوچھنا تھا وہ سب حضور نے بتادیا۔ اس پر حضرت نے مخصوص انداز میں تبسم فرمایا۔ اور میں حیرت ومسرت اور تعجب کے ملے جلے جذبات کے ساتھ درسگاہ سے اٹھا۔

مولوی عثمان کی ذہانت کے پیش نظر آج جلالین شریف جیسے پڑھی پڑھائی جاتی ہے، ان کو حیرت ہوگی کہ اگر مولوی عثمان کی ذہانت کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے اگر صحیح ہے تو ان کو جلالین پڑھنے کی کیا ضرورت تھی، وہ بھی مکمل، مگر واضح ہو کہ آج کل جلالین شریف نہیں پڑھائی جاتی اس کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے۔ جلالین پڑھنا وہ تھا جو حافظ ملت کا طریقہ تھا کہ مفسر نے جہاں بھی تفسیر کی ہے۔ اس کی علت پوری تحقیق سے ابتداءً بیان فرماتے، پھر طالب علموں سے پوچھتے اور دو تین پاروں میں طالب علم کو اتنا مشاق کر دیتے کہ وہ قصد مفسر جگہ خود علت نکال لیتا ہے۔

مجھے یہ بھی یاد ہے۔ میں اس سبق میں حاضر تھا۔ جلالین کا دوسرا پارہ ہو رہا تھا "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ" کی آیت کریمہ کا سبق تھا۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے مولانا حکیم شمس الہدی صاحب مرحوم جن کو ہم لوگ بھائی جان کہا کرتے تھے، تشریف لائے تھے۔ ان کے ایک خاص رشتہ دار بھی سبق میں شریک تھے، ان کی موجودگی

میں ان کے رشتہ دار سے بھی عبارت پڑھوائی، ترجمہ کرایا، اور اگر کہیں گڑبڑی ہوئی تو بتایا نہیں بلکہ ٹوکا، اور فرمایا: صحیح کرو۔ پھر حضرت نے جہاں جہاں تفسیر کی سب کی وجہ پوچھی۔ آپ لوگوں کو حیرت ہوگی، مگر میں تو اس کا شاہد ہوں کہ اس طالب علم نے ہر جگہ سب بتادیا۔ کیا ایسا پڑھانا سب کو آتا ہے؟ آج کا ہر مدرس یہ کمال رکھتا ہے۔ طالب علم میں اتنی استعداد پیدا کردینا، ہر مدرس کے بس کی بات ہے؟

میری اپنی ایک سرگزشت سنئے۔ درس نظامی میں شرح جامی کی جو حیثیت ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ مشہور ہے "شرح جامی کا بچہ کابل میں لاگا"، میرا اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ جو طالب علم شرح جامی سمجھ کے پڑھ لے وہ ضرور بہت بڑا عالم ہوگا۔ کہنے کو تو یہ نحو کی بات ہے مگر یہ حقیقت میں علم نحو کا فلسفہ ہے، اور اسرار ورموز کا گنجینہ ہے چوں کہ حضرت جامی نے شرح جامی اپنے عزیز فرزند ضیاء الدین کے لئے لکھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بھوکے فرزند کو دیکھ کر ماں کے سینے کا دودھ جوش مارتا ہے، اسی طرح حضرت جامی کا علم شرح جامی کی تصنیف کے وقت جوش پر تھا۔ چاہتے ہیں کہ سارے علوم اس میں بھر دیں، مگر شاید کتاب کے طویل ہوجانے کے اندیشے سے قلم روکنا چاہتے ہیں۔ مگر شفقت پدری رکنے نہیں دیتی تو دریا کو کوزے میں بند کرنے لگتے ہیں۔ حافظ ملت شرح جامی ہمیشہ خود پڑھاتے تھے اور خوب پڑھاتے تھے۔ خوب پڑھانے کا یہ مطلب نہیں کہ شرح جامی کے سارے حواشی کے قیل وقال اور طول طویل سوال وجواب کو بھی بیان فرماتے تھے۔ طالب علم کے ظرف سے زیادہ بتانے کی عادت ہی نہ تھی۔ کوئی بھی کتاب ہو، صرف نفس مطلب بیان فرماتے، ایسا کہ کتاب آئینہ ہوجاتی۔ اب اگر طالب علم کچھ پوچھتا تو جتنا پوچھتا بتاتے جاتے۔ ایک سمندر تھے ساحل پر کھڑے ہوکر دیکھنے والا بھی جانتا ہے کہ بس وہ کنارا نظر آتا ہے مگر جب سیاح سیاحت کرتا تو ساحل ناپیدا کنار ہوتا۔ دیکھنے میں خالی پانی ہی پانی مگر اپنے سینے میں وہ گوہر گراں مایہ لئے ہوئے جن کی قیمت ہفت اقلیم کا تاج بھی نہ ہوسکے۔

ایک صاحب یہاں سے ملاحسن پڑھ کر دوسرے مدرسہ میں گئے۔ وہاں پھر ملاحسن پڑھنا شروع کیا۔ اور ہم لوگوں کو لکھا کہ تین دن سے صرف سبحنہ پر تقریر ہورہی ہے۔ ہم

لوگوں کو حیرت ہوئی۔ حضرت سے عرض کیا، فرمایا: میں چھ دن تقریر کر سکتا ہوں۔ میرے پاس بھی قاضی کے متعدد حواشی فضل حق، عبدالحق وغیرہ ہیں، ان سے ابھی نہیں جب ملاقات ہو تو پوچھنا یاد کتنا ہے۔ تقریر سننے سے کیا حاصل، جب یاد ہی نہ ہو۔ کتاب سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرلو، پھر وہ ساری تقریر تم لوگ خود کرنے لگو گے۔ اتفاق کی بات کہ دو سال کے بعد یہ طالب علم ملے، بڑے تپاک سے ملے۔ کچھ دن ہمارا ان کا ساتھ بھی رہا۔ ایک دن سبحنہ پر بات نکل آئی، پھر جو کچھ حافظ ملت نے فرمایا تھا، اس کی حرف بحرف تصدیق ہوگئی۔

میں بات اپنی کرنا چاہتا تھا مگر بات اسی کی ہونی جس کی ہونی چاہیے۔ مگر اب پھر میں اپنی سرگزشت سنانا چاہتا ہوں۔ شرح جامی بحث اسم کا سبق اتفاق سے بعد ظہر پہلا گھنٹہ تھا۔ گھنٹہ سن کر جلدی سے کلی کر کے منہ دھوکر پڑھنے بیٹھ گیا۔ عبارت شروع کی، آج بھی وہ جگہ یاد ہے، جہاں پر عبارت تھی "هذا رَدٌّ" میں نے "هذا رَدَّ" ماضی پڑھا۔ ردمنھ سے نکلتے ہی کنپٹی پر ایسا بھرپور جھانپڑ اور ساتھ ہی ساتھ انگوٹھی کی چوٹ پڑی کہ کتاب کے نقوش غائب اور چودہ طبق روشن ہوگئے۔ ساتھ ہی ایک گرجدار ڈانٹ، رد ہے، یہی مطالعہ کیا ہے، کھیلتا رہتا ہے، سوتا رہتا ہے؟ یا اللہ کروں تو کیا کروں! نظر کچھ آتا نہیں۔ پڑھوں تو کیا پڑھوں۔ اور نہ پڑھوں تو کہیں دوسری کنپٹی پر دوسرا ہاتھ پڑ جائے تو کیا ہوگا؟

مگر قربان جایئے اس شان کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد میرے چہرے پر نظر ڈالی۔ آنکھوں میں بھرے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ اب اس کو کیا سجھائی دے رہا ہے۔ کہا: نہیں سجھائی دے رہا ہے، میں بالکل خاموش ہوں۔ عام استاذ ایسے موقع پر تھپڑ کے بعد دیگرے رسید کرنے کے عادی ہیں۔ مگر حافظ ملت نے ایک گزرنے والے طالب علم کو بلایا کہ ڈاک خانہ جا یہ چھوڑ دینا اور یہ وہ لانا۔ اتنے میں دامن سے آنسو پونچھ کر اس قابل ہوگیا تھا کہ پڑھ سکوں۔ اور سمجھ میں آگیا تھا کہ یہ ماضی مطلق رَدَّ نہیں ہے۔ رَدٌّ مصدر ہے۔ جب روندھی ہوئی آواز میں هذا رَدٌّ پڑھا تو پھر اسی ڈانٹ کے انداز میں فرمایا: مطالعہ کیا ہوتا تو یہی پہلے سمجھ میں نہ آیا ہوتا؟ اب کون عرض کرتا کہ سرکار! مطالعہ تو کیا تھا مگر یہاں یہ غور کرنے کی توفیق ہی نہ ہوئی تھی کہ رَدٌّ ہے کہ رَدَّ ہے۔ اور اگر توفیق ہوئی بھی ہو تو میں ابھی نیند کے خمار

میں کیا تمیز کر پاتا کہ یہ کیا ہے، یہ تو جھانپڑ کی برکت ہے کہ نیند کا خمار دور ہو گیا اور دماغ کام کرنے لگا۔

اس سے قبل مطالعے میں عبارت کی تصحیح شاید باید کیا کرتا تھا، مگر اب اس کا التزام ہو گیا کہ وسعت بھر اس کی تصحیح ضرور کرتا۔ اس کا ثمرہ یہ نکلا کہ شرح جامی کی عبارت خوانی میں شاید باید کوئی غلطی ہوتی، اور اتنی روانی سے پڑھتا کہ لوگوں کو حفظ کا گمان ہوتا۔

اسی کو میں کہا کرتا ہوں کہ حافظ ملت پڑھاتے نہیں تھے، بلکہ گھول کر پلاتے تھے۔

(ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، جون ۱۹۷۷ء ص: ۳۹ تا ۴۲)

☆☆☆

حضرت محدث اعظم پاکستان

ولادت ۱۹۰۳ء وصال ۱۹۶۲ء

پاکستان میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز کے تلامذہ میں حضرت محدث اعظم پاکستان کی وہی حیثیت ہے جو ہندوستان میں حضور حافظ ملت قدس سرہ کی ہے۔ لیکن ہندوستان کی موجودہ نسل حضرت محدث اعظم پاکستان سے بخوبی واقف نہیں۔ اس سلسلے میں مجھ سے بار بار سوالات ہوئے۔ اس لئے میں نے ضروری جانا کہ موصوف کی حیات طیبہ کا اختصار کے ساتھ ایک مرقع پیش کروں۔ آئندہ کبھی موقع ملا تو دوسرے اہم کوائف کچھ پیش کروں گا۔ یہ مضمون حضرت مولانا مفتی جلال الدین صاحب قادری کی کتاب "محدث اعظم پاکستان" پاکستان سے ماخوذ ہے۔

اسم مبارک:

گھر والوں نے سردار محمد نام رکھا تھا، اس مناسبت سے کہ اور بھائیوں کے نام اسی طرز کے تھے، مثلاً حیات محمد، شیر محمد وغیرہ مگر بریلی شریف تعلیم کے لئے حاضری کے بعد آپ "سردار احمد" کے ساتھ مشہور ہوئے، خود اپنا دستخط "محمد سردار احمد" فرمایا کرتے۔

کنیت:

مناظرہ بریلی میں کامیابی کے بعد آپ کی کنیت ابوالمنظور رکھی گئی۔ پھر صاحبزادہ والا تبار حضرت مولانا مفتی قاضی فضل رسول صاحب مدظلہ العالی کی ولادت کے بعد خود اپنی کنیت ابوالفضل رکھی۔

لقب:

حضرت نے مسلسل تیس سال تک ہزاروں طلبہ کو درس حدیث دیا۔ اس لئے پوری

امت نے محدث اعظم پاکستان کا لقب دیا۔

ولادت:

آپ کی ولادت کس سن اور کس مہینے، کس تاریخ میں ہوئی اس سلسلے میں کوئی قطعی دریافت نہ ہوسکی۔ میں نے اپنے ایک مضمون میں اپنے اندازے کے مطابق ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء لکھا۔ اسی طرح اور حضرات نے اپنے انداز سے لکھا ہے۔ مگر پنجاب یونیورسٹی گزٹ لاہور ۱۹۲۲ء میں آپ کی تاریخ ولادت ۲۲ ستمبر ۱۹۰۳ء لکھی ہے۔ جو ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۲۱ء کے مطابق ہے۔ یہ ایک تاریخی دستاویز ہے، مگر اس پر پورا اعتماد نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ مدارس میں عموماً اندازے سے ہی تاریخ پیدائش لکھی جاتی ہے۔ وہ بھی کچھ کم ہی۔ اس سے یہ قیاس درست ہے کہ ولادت اس کے بعد کی نہیں سال دو سال پہلے کی ہوسکتی ہے۔

جائے پیدائش:

قصبہ دیال گڑھ ضلع گورداس پور وطن مالوف ہے، یہیں ولادت بھی ہوئی۔ اب یہ ضلع مشرقی پنجاب کا حصہ ہے۔ تقسیم سے پہلے اس گاؤں میں چار مسجدیں تھیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گاؤں بڑا تھا، اور مسلمان وہاں کافی تھے۔

خاندان:

والد کا نام نامی میران بخش تھا۔ ماں باپ دونوں دیندار، صوم وصلوٰۃ کے پابند، نیک سیرت، اولیائے کرام کے معتقد، سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے شیدائی تھے۔

ایک دفعہ دوپہر میں دو سید مہمان ایسے وقت میں آئے کہ میران بخش صاحب دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ کے لئے لیٹے ہی تھی، اندر جا کر اپنی اہلیہ سے ان کے لئے کھانا طلب کیا، انہوں نے کہا: پوچھ لو اگر یہ نمازی ہیں تو تازہ کھانا پکا کر پیش کروں ورنہ جو موجود ہے وہی لے جا کر کھلا دو۔ میران بخش صاحب نے آ کر ان مہمانوں سے دریافت کیا، دونوں نے عرض کیا: ہم نماز پابندی سے پڑھتے ہیں۔ اس متدین خاتون نے تازہ کھانا پکا کر ان مہمانوں کو کھلایا۔

والد ماجد کاشتکار تھے، پچیس بیگھے چاہی اور پچیس بیگھے بارانی زرخیز زمین زیر کاشت تھی۔ دیہاتوں میں ایسا شخص خوش حال شمار ہوتا ہے۔

عہد طفلی:

بھائیوں، پڑوسیوں، اساتذہ سب کا یہ متفقہ بیان ہے کہ حضرت محدث اعظم پاکستان کی بلند کشادہ پیشانی نورانی چہرہ اور عادات واطوار اس کے غماز تھے کہ یہ بچہ ایک دن مقتدائے انام ہوگا۔ لغو کام، بے ہودہ کلام کبھی منہ سے نہیں نکالا، نہ کسی سے لڑے، جھگڑے، بچپن ہی سے والد ماجد کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتے، درود و وظیفہ پڑھتے، نعت گنگناتے۔

آپ کے ایک پڑوسی اور آٹھویں جماعت تک کے ہم سبق نذیر احمد صاحب سراجی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

جب آپ پیدا ہوئے تو ہمارے گھروں میں چرچا ہوا کہ اس نومولود کی پیشانی مبارک پر چاند کی سی روشنی چمکتی ہے۔

ایک اور صوفی منش بزرگ چودھری ناظر حسین صاحب نے آپ سے بڑے بھائی چودھری حیات محمد عرف سائیں جی سے ایک مرتبہ فرمایا:

سائیں جی! تم کو مبارک ہو، تمہارے عزیز بھائی سردار احمد کی پیشانی میں نیک بختی اور خوش قسمتی کا چمکتا ہوا ستارا دیکھ رہا ہوں۔

تحصیل علم:

حضرت نے ابتدائی تعلیم دیال گڑھ کے مقامی پرائمری اسکول میں پائی۔ اس وقت پرائمری اسکول میں ایک بزرگ مولوی ذوالفقار علی تھے، جو بہت دیندار متقی صابر قانع، طلبہ پر شفیق استاذ تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت سے فرمایا:

آوئے جٹاتوں تے وڈا نامور مولوی عمل والا ہوویدا۔

ترجمہ: اے جاٹ تو تو بڑا نامور عالم باعمل ہوگا۔

پرائمری پاس کرنے کے بعد آپ اسلامیہ ہائی اسکول بٹالہ ضلع گورداس پور مزید تعلیم کے لئے چلے گئے۔ اس اسکول کے صدر مدرس حاجی پیر محمد صاحب تھے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت مجھ سے اس وقت یہ فرمایا کرتے تھے:

ماسٹر جی! ہمیں بزرگوں کی باتیں سنایئے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر تو ضرور روشنی ڈالا کیجئے۔ ماسٹر صاحب موصوف کا بیان ہے کہ مجھے اس بچے کی اس خواہش پر خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی۔ میں صرف ان کی خاطر روزانہ اسباق میں ان کی یہ خواہش پوری کیا کرتا۔

میٹرک کے فائنل امتحان میں آپ فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوئے۔ اس زمانے میں محکمہ پولیس کو آدمی نہیں ملتے تھے، اس لئے متعلق افسران تندرست، ذہین، شریف النفس نوجوان کی تلاش میں رہتے تھے۔ اس کے مطابق پولیس سینٹر فلکور سے آپ کو پولیس میں بھرتی ہونے کو کہا گیا، مگر آپ نے انکار کر دیا۔

البتہ آپ کے مرشد برحق شاہ سراج الحق چشتی نے ابتدا میں پٹوار کا امتحان دیا تھا۔ پیر کی اتباع کے جذبے میں آپ نے بھی پٹوار کا امتحان دیا، مگر آپ نے ملازمت نہیں کی۔

میٹرک پاس کرنے کے بعد لاہور ایف اے کرنے کے لئے چلے گئے، وہاں کسی کالج میں داخلہ نہیں لیا بلکہ پرائیویٹ تیاری میں مصروف رہے، ان دنوں انجمن حزب الاحناف لاہور اپنے شباب پر تھی۔ اہل سنت وجماعت کے عوام وخواص کا مرجع اعظم تھی، اس کے بالالتزام سالانہ اجلاس بڑے تزک واحتشام کے ساتھ ہوتے تھے۔ جس میں شہر ہی نہیں دور دراز کے اکابر واصاغر بڑی کثرت سے شرکت کرتے تھے۔ ہندوستان کے صف اول کے علما، مشائخ تشریف لاتے تھے۔ ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں اس کے اجلاس ہوئے۔ اس میں پہلے دن کے جلسے میں استاذ العلماء، صدر الافاضل فخر الاماثل بقیۃ الاوائل حجۃ الاواخر حضرت علامہ نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء نے اعلان فرمایا:۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجدد مائۃ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ، صاحب الدلائل القاہرہ، ذوالتصانیف الباہرہ، امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس

سرہ کے شہزادے، حامی سنت ماحی بدعت، رہبر شریعت، فیض الدرجت، مفتی انام، مرجع الخواص والعوام، حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب فلاں ٹرین سے تشریف لا رہے ہیں۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی عظمت سے ہر سنی مسلمان کا دل معمور تھا ہی۔ اتنے جلیل القدر عالم کے اس شاندار اعلان کے بعد ہر سنی مسلمان مجدد اعظم کے نور نظر، لخت جگر وارث علم وفضل کی زیارت کے لئے بے تاب ہو گیا۔ وقت مقررہ پر لاہور کا وسیع وعریض پلیٹ فارم استقبال کرنے والوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔

حضرت محدث اعظم پاکستان بھی کسی اندرونی کشش سے مضطر ہو کر اسٹیشن پہنچ چکے تھے، گاڑی رکنے کے بعد جب ریل کے ڈبے سے مظہر جمال اعلیٰ حضرت، مرآۃ کمال اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے تو آپ نے بھی پہلی نظر اس نورانی پیکر پر ڈالی، نظر پڑنا تھا کہ حضرت محدث اعظم پاکستان نے اپنا سب کچھ ان کے حوالے کر دیا۔ پلیٹ فارم پر بدقت سلام اور دست بوسی کی سعادت حاصل کی، مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام نے بھی اپنی خدنگ نظر کے نئے شکار کو جان لیوا تبسم کے ساتھ بھرپور دیکھا، اور اپنے شکار کو روحانی کمند میں ایسا جکڑا کہ آج تک نہ چھوٹ سکا۔ حضرت محدث اعظم پاکستان رات کو جلسے میں حاضر ہوئے مگر نہ تقریر سے غرض، نہ مقرر سے واسطہ ٹکٹکی باندھے ہوئے حضرت حجۃ الاسلام کے چہرۂ زیبا کو دیکھتے رہے۔

تو دانی کہ صاحب نظر زیر کیا
نگر دد چو مشتاق از دجلہ سیر

جلسے کے ختم ہونے کے بعد حضرت حجۃ الاسلام اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے، جو حضرت شاہ غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب تھی، آپ بھی وہاں حاضر ہوئے۔ حضرت حجۃ الاسلام نے ایک نظر ڈالی اور بڑے پیار سے اپنے قریب بلایا۔ خیریت دریافت کرنے کے بعد نام وطن پوچھا۔ حضرت حجۃ الاسلام نے محسوس کیا کہ یہ نوجوان کچھ کہنا چاہتا ہے مگر کہہ نہیں پاتا، فرمایا: آپ کوئی خاص بات کہنا چاہتے ہیں، بلا تکلف کہئے۔

اب ہمت بندھی اور عرض کیا کہ میں یہاں لاہور ایف اے پاس کرنے آیا تھا، مگر اب اس کا کوئی شوق باقی نہیں۔

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

حضور مجھے اپنے ساتھ بریلی شریف لے چلیں، میں علم دین حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت حجۃ الاسلام نے بڑی فراخ دلی سے یہ عرض داشت قبول فرمائی، اور انہیں اپنے ہمراہ بریلی شریف لے آئے۔

بریلی شریف میں اب تک طلبہ کا قیام مساجد میں ہوتا ہے۔ اس وقت بھی یہی رواج تھا مگر حضرت حجۃ الاسلام نے آپ کو اپنے کاشانہ اقدس میں رکھا۔ کرم بالائے کرم یہ فرمایا کہ پوری کفالت فرماتے۔ ان دنوں گھر والوں کو پتہ نہ تھا کہ آپ کہاں ہیں، والدین پرائمری کی تعلیم ہی کے ایام میں انتقال کر چکے تھے، بھائی جو آپ کی گمشدگی سے سخت پریشان تھے۔ انہوں نے ہر چند تلاش کیا کچھ پتہ نہ چلا، کئی برس کے بعد آپ کے مرشد برحق شاہ سراج الحق صاحب اجمیر مقدس حاضر ہوئے تو آپ سے ملاقات ہوئی، اور پھر حضرت شاہ سراج الحق صاحب نے بھائیوں کو اپنے وطن کرنال بلا کر ملاقات کرائی۔

حضرت محدث اعظم پاکستان ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء میں بریلی شریف حاضر ہوئے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ اجمیر مقدس مدرسہ معینیہ میں تشریف لے جا چکے تھے۔ اس وقت مدرسہ منظر اسلام میں کوئی قابل ذکر مدرس نہیں تھا جو حضرت محدث اعظم پاکستان جیسے اعلیٰ درجے کے ذہین فطین طالب علم کو کماحقہ پڑھا سکتا۔ مگر حضرت بڑے صبر و شکر کے ساتھ پڑھتے رہے، کبھی کبھی حضرت حجۃ الاسلام کو اپنی مصروفیات سے فرصت ملتی تو وہ پڑھا دیتے، ساتھ ہی ساتھ بقیہ کتابوں میں جو باتیں تشنہ رہتیں ان کو بھی حضرت سے دریافت فرما لیا کرتے۔

حضرت محدث اعظم پاکستان کی ابتدا ہی سے یہ عادت تھی کہ اپنا ایک منٹ بھی وقت ضائع نہیں فرماتے۔ ہمہ وقت مطالعے میں مصروف رہتے، مسجد میں بھی جاتے تو کتاب لے

کر جاتے، جماعت میں دیر ہوتی تو مطالعہ کرتے۔

ابتدا میں حضرت مفتی اعظم ہند سے کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ حضرت مفتی اعظم ہند اپنے چچا کے مکان میں رہتے تھے جواب حضرت مفتی اعظم کا مکان کہلاتا ہے، جس میں نہایت خاموشی سے فتویٰ نویسی اور خدمت خلق میں مصروف رہتے تھے۔ حضرت مفتی اعظم کا بیان ہے کہ میں جب ان کو دیکھتا پڑھتے دیکھتا، مسجد میں آتے تو بھی کتاب ان کے ہاتھ میں ہوتی۔ میں اس سے کافی متاثر تھا۔ ایک اور پنجابی طالب علم مولوی نذیر احمد مجھ سے پڑھتے تھے، انہوں نے ان سے ساری سرگزشت سنائی، ان کے ساتھ یہ (محدث اعظم پاکستان) میرے پاس آنے جانے لگے، انہوں نے مزید مجھ سے پڑھنے کی درخواست کی، مولوی نذیر احمد نے بھی سفارش کی تو میں نے ان کو پڑھانا شروع کیا، مُنیہ، قدوری، کنز، شرح جامی تک مجھ سے پڑھا۔

میری ہی تحریک پر وہ مولوی ادریس رضا بن مولا حکیم حسنین رضا کے ساتھ اجمیر شریف گئے۔ آپ اجمیر مقدس ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۵۷ء میں گئے تھے، اور طلبہ چوں کہ شوال ہی میں مدارس تبدیل کرتے ہیں اس لئے قیاس یہی ہے کہ شوال میں گئے ہوں گے۔ بریلی شریف میں ابتدائی قیام بہ مشکل دو سال تھا کیوں کہ حزب الاحناف کا یہ اجلاس جس کے بعد حجۃ الاسلام کے ساتھ بریلی آئے تھے، ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء میں ہوا تھا۔

۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء لغایت ۱۹۳۳ء اجمیر مقدس میں زیر تعلیم رہے۔ پھر جب حضرت صدر الشریعہ بریلی شریف منظر اسلام میں واپس آئے تو یہ بھی ساتھ دوبارہ منظر اسلام میں آگئے۔

صحیح یہ ہے کہ آپ نے دورۂ حدیث بریلی شریف میں حضرت صدر الشریعہ سے پڑھا۔ حضرت حجۃ الاسلام سے سلسلۂ احادیث کی اجازت ہے، مگر حدیث کا کوئی سبق ان سے نہیں پڑھا ہے۔ اس کی دلیل وہ سند ہے جو حضرت حجۃ الاسلام نے حضرت کو دی ہے۔ اجازت کے کلمات مبارکہ سے ظاہر ہے۔ یہ تحریر فرمایا: مجھ سے انہوں نے سوال فرمایا تو میں نے انہیں قرآن کریم اور احادیث، صحاح ستہ، مسانید، معاجیم کی اجازت دی۔ اگر آپ نے حجۃ الاسلام سے دورہ پڑھا ہوتا تو یہ ضرور تحریر فرماتے کہ انہوں نے مجھ سے صحاح ستہ مثلاً

پڑھا ہے۔ جیسا کہ مشائخ کی عادت ہے۔

یوں تو حضرت محدث اعظم پاکستان نے متعدد اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ مگر جس ذات سراپا فیض نے انہیں محدث اعظم بنایا وہ حقیقت میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی ذات اعلیٰ صفات ہے۔ حضرت صدر الشریعہ فرمایا کرتے مجھے پڑھنے والی صرف ایک جماعت ملی۔ اس لئے اس جماعت کو دل کھول کر پڑھایا، بلکہ یوں کہئے کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حضرت صدر الشریعہ کے سینے میں جو کچھ انڈیلا تھا، حضرت صدر الشریعہ نے ان سب کو اس جماعت کے سینے میں انڈیلنے کی بھرپور کوشش فرمائی، نہ یہ لوگ پڑھنے سے جھکتے تھے، نہ وہ پڑھانے سے۔

اوقات مدرسہ کے علاوہ خارج اوقات میں بھی پڑھاتے تھے اور صرف مروجہ نصاب کی پابندی نہیں تھی، غیر درسی اہم سے اہم کتابیں بھی پڑھائی، مثلاً محقق دوّانی کے حواشی قدیمہ وجدیدہ، شرح تجرید، شرح اشارات، امام رازی وطوسی وغیرہ کا بہت خصوصی درس دیا۔ مدرسہ معینیہ میں صرف دوپہر کے پہلے تک مدرسہ رہتا۔ بعد ظہر درس کا رواج نہ تھا۔ حضرت صدر الشریعہ صبح سویرے مدرسہ معینیہ کے وقت سے پہلے مدرسہ پہنچ جاتے، اور مدرسہ میں چھٹی ہونے کے بعد تک پڑھاتے رہتے۔ گرمیوں میں ۱۲ ربجے تک درس دیتے، بعد ظہر مخصوص طلبہ کو گھر پر درس دیتے، جن میں خصوصیت سے حضرت محدث اعظم پاکستان اور حضرت حافظ ملت قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ بلاناغہ بعد ظہر بھی حاضر ہوتے۔

حضرت صدر الشریعہ روزانہ نماز عصر کے بعد درگاہ معلی میں مزار اقدس کے قریب تشریف رکھتے۔ اس وقت بھی علمی مذاکرات ہوتے، کچھ دنوں کے بعد اطبا نے حضرت صدر الشریعہ کو مشورہ دیا کہ روزانہ کچھ چلا کریں۔ اس لئے روزانہ عصر کی نماز کے بعد دولت باغ بارہ دری انا ساگر تک تشریف لے جاتے۔ ساتھ آپ بھی کتاب لئے علمی سوالات کرتے جاتے، اور حضرت صدر الشریعہ جوابات دیتے جاتے۔

اجمیر مقدس اور بریلی شریف دونوں جگہوں میں حضرت صدر الشریعہ سے تحصیل علم کے جو احوال مسلسل سننے میں آتے ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ نہ یہ تعلم سے تھکتے تھے اور

نہ حضرت صدر الشریعہ تعلیم سے اکتاتے تھے۔ اور یہی حال حضرت حافظ ملت کا بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں اپنے وقت کے اہل سنت کے دو قطب تھے۔ ان دونوں کا فیض ابر رحمت بن کر صرف ہندوستان، پاکستان ہی نہیں پوری دنیا پر برس رہا ہے۔

حضرت محدث اعظم پاکستان کا ذوق تعلیم صرف زمانہ طالب علمی تک ہی محدود نہ رہا بلکہ فراغت کے بعد جب مدرس ہو گئے تو اس وقت بھی یہی حال تھا کہ وہ حضرت صدر الشریعہ سے ہمیشہ سوالات کیا کرتے تھے، بلکہ جب شیخ الحدیث ہو گئے اور حضرت صدر الشریعہ دادوں ضلع علی گڑھ مدرسہ حافظیہ میں چلے گئے جب بھی یہ حال تھا کہ جب حضرت صدر الشریعہ بریلی تشریف لاتے تو کتاب لے کر پہنچ جاتے اور اپنے اشکالات حل فرماتے۔

میرے قیام بریلی کے ایام ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء، ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں حضرت صدر الشریعہ پانچ بار بریلی شریف تشریف لائے تھے۔ عید الاضحی پر، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے عرس مبارک میں، حضرت حجۃ الاسلام کے وصال پر تعزیت کے لئے، حضرت حجۃ الاسلام کے چہلم میں، جلسہ دستار بندی پر ۱۳ار لغایت ۱۵ر شعبان۔ تعزیت والے موقع کے علاوہ ہر موقع پر میں نے اسے خود دیکھا ہے۔ بلکہ دو بار حضرت نے خود حکم دیا کہ فلاں فلاں کتابیں لے کر چلو، حضرت کے یہاں چلنا ہے۔

ایک چیز اور ذہن میں رکھیں! حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ میں "**المحدۃ تعتری علی قرّاء امتی**" (میری امت کے علماء کو گرمی لاحق ہوگی) کی بنا پر جلال غالب تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک صاحب نے رمضان میں تصریح پڑھانے کی درخواست کی، حضرت نے قبول فرمایا، مگر دو دن سے زیادہ نہ پڑھ سکے، مگر محدث اعظم پاکستان میں معلوم نہیں کون سی جاذبیت تھی کہ انہیں دیکھتے تو باغ باغ ہو جاتے، جس حال میں ہوں جو کچھ بھی پوچھیں بلا جھجک بتانا شروع کر دیتے۔ جھڑکنا، ڈانٹنا تو بہت دور کی بات ہے کبھی چیں بجبیں بھی نہ ہوتے۔ معلوم ہوتا تھا کہ انہیں دیکھتے ہی حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے علم میں جوش آجاتا تھا۔

کسی شخصیت کے ابھرنے اور کمال تک پہنچنے کے لئے ذاتی استعداد اور صلاحیت کے ساتھ ساتھ استاذ اور شیخ کی تعلیم و تربیت کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ جب استاذ اور شیخ، مخزن

علوم وفنون اور مجمع کمالات وفضائل ہو، اور اپنے تمام علوم وفنون تلمیذ میں منتقل کر دے تو پھر وہی ہوتا ہے جو ہوا جیسا کہ حضرت مفتی اعظم نے فرمایا: پھر تو بحر العلوم کے پاس گئے اور خود بھی بحر العلوم ہو گئے۔

تدریس:

فراغت کے بعد ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں حضرت حجۃ الاسلام نے مدرسہ منظر اسلام ہی میں مدرس دوم کے عہدے پر رکھ لیا۔ انہیں ایام میں جناب مولانا مفتی وقار الدین صاحب دار العلوم امجدیہ کراچی و مولانا عبد المصطفےٰ اعظمی نے آپ سے متوسطات پڑھی تھیں۔ تدریس شروع کرتے ہی طلبہ کا رجحان آپ کی طرف بے پناہ ہو گیا۔ حضرت صدر الشریعہ کو منتہی کتابوں اور دورہ پڑھانے سے فرصت نہ تھی، اس لئے دورے کے نیچے کے طلبہ سب اس کے متمنی رہتے کہ ہماری کتابیں آپ کے یہاں رہیں۔

پھر جب ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء میں صدر الشریعہ دادوں ضلع علی گڑھ مدرسہ حافظیہ میں تشریف لے گئے تو حضرت حجۃ الاسلام نے آپ کو صدر المدرسین بنا دیا۔

اس طرح منظر اسلام میں تقریباً چھ سال مدرس رہے۔ ایک سال مدرس دوم اور پانچ سال سات ماہ صدر المدرسین کے منصب پر رہے۔

پھر ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء جمادی الاولیٰ میں بعض انتظامی امور میں مہتمم مدرسہ سے اختلاف شدید کی بنا پر اور جناب مولانا عبد العزیز بجنوری نے بغرض اصلاح تقریباً منتہی سو طلبہ کے ساتھ مسجد بی بی جی میں انتہائی بے سروسامانی کے ساتھ درس دینا شروع کیا۔ طلبہ شہر کی مساجد میں رہتے تھے۔ مولانا عبد العزیز صاحب مرحوم جامع مسجد بریلی کے خطیب تھے، مگر حضرت محدث اعظم پاکستان بظاہر بالکل بے سہارا تھے۔ مشاہرہ تو بڑی بات، کھانے کا بھی کوئی کفیل نہ تھا۔ مسجد بی بی جی کے شمالی حجرے میں قیام تھا۔ وہیں طلبہ سے کھانا پکوا کر تناول فرماتے تھے۔ اس وقت کی حضرت کی بے کسی مظلومی یاد آتی ہے تو آنکھوں سے خون کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اجلۂ علمائے کرام ومعززین اہل سنت نے اصلاح ومفاہمت

باہی کی بہت کوشش کی مگر سب بے سود ہوئیں۔

یہ وقت وہ تھا کہ دیوبندیوں کے مایۂ ناز اور بہت فن کار مناظر مولوی منظور سنبھلی بریلی ہی میں تھے، اور بظاہر الفرقان نکالتے تھے، مگر درحقیقت اپنی شاطرانہ چالوں سے وہابیت کی جڑیں مضبوط کرنے کی دھن میں لگے رہتے۔ اگرچہ مناظرہ میں شکست فاش کے بعد وہ خود بے نقاب ہو چکے تھے، مگر اب بھی ان کا قیام بریلی ہی میں تھا۔ ادھر حال یہ تھا کہ مناظرتو بہت دور ہے، سوائے حضرت کے مدرسین میں سے کوئی معمولی طور پر تقریر کرنا نہیں جانتا تھا۔ اس کی وجہ سے حضرت صدر الشریعہ، حضرت مفتی اعظم ہند یہ ضرور چاہتے تھے کہ حضرت بریلی شریف ہی رہیں۔ جب اصلاح ذات البین کی کوئی صورت نہیں نکل سکی تو حضرت صدر الشریعہ کی تحریک پر حضرت مفتی اعظم نے ان حضرات کی سرپرستی قبول فرمائی اور ان لوگوں کے مشاہرے کی ذمہ داری لی۔ اس طرح مدرسہ مظہر اسلام، مسجد بی بی جی وجود میں آگیا۔ مدرسہ کی کوئی عمارت نہ تھی، مسجد کے دو حجرے تھے۔ ایک جانب شمال، دوسرا جانب جنوب۔ شمالی حجرے میں حضرت کا قیام تھا اور جنوبی حجرے میں مؤذن اور ایک دو طالب علم رہتے تھے۔ مسجد کا ایک سائبان ٹین کا تھا۔ اسی میں تعلیم ہوتی تھی۔ پہلے مسجد کا اندرونی حصہ کھلا رہتا تھا مگر بدطینت طلبہ کی شرارتوں کی وجہ سے اسے بعد میں مقفل رکھتے تھے۔ مدرسہ کی کوئی آمدنی نہ تھی۔ حضرت مفتی اعظم ہند اپنی جیب خاص سے سب مدرسین کا مشاہرہ دیتے تھے، جس کے نتیجے میں کافی مقروض بھی ہو گئے مگر ہمت نہیں ہاری، مگر چوں کہ مدرسہ کی خدمات نمایاں تھیں اس لئے رفتہ رفتہ اس کی طرف بھی اہل سنت کا رجحان بڑھنے لگا، اور پھر تو روپیہ برسنے لگا۔

ابتدا میں صرف محدث اعظم پاکستان اور مولانا عبدالعزیز صاحب بجنوری مدرس تھے۔ جب طلبہ کی کثرت ہوئی اور دورے کے طلبہ آگئے تو مزید مدرسین کا اضافہ ہوا۔ مثلاً مولانا وقار الدین، مولانا عبدالمصطفےٰ ازہری وغیرہ کا۔ حضرت محدث اعظم پاکستان نے ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء سے لغایت شعبان المعظم ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء تک مسلسل ۱۰ سال تک اپنے فیض کے دریا یہاں بہائے۔ جب رمضان ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں ہم ہندوستانی مسلمانوں کی

کم نصیبی سے ملک تقسیم ہوگیا۔ گورداس پور ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔ نیز پاکستان اور ہندوستان کے ذمہ دار حکام اعلیٰ نے مغربی پنجاب کو سکھوں اور ہندوؤں سے اور مشرقی پاکستان کو مسلمانوں سے تخلیہ طے کر لیا۔ تو شوال میں آپ بال بچوں کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے۔

سال بھر کے بعد گھوسی حضرت صدر الشریعہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تو اپنی ہجرت کا واقعہ تفصیل سے خود سنایا تھا۔ فرمایا: رات میں ایک دن مجھ سے میرے ایک سکھ پڑوسی نے جو مجھ سے بہت محبت جتاتا تھا آکر یہ کہا کہ مولوی جی! جان بچانا چاہتے ہو تو ابھی اسی وقت جتنی جلدی ہوسکے، دیال گڑھ سے نکل جاؤ، ورنہ نہ تم بچو گے نہ تمہارے بال بچے بچیں گے۔ تاکید کر دی کہ بہت جلدی کرو۔

فرمایا: میں گھر کے اندر آیا اور بچوں کو ساتھ لیا اور تن بتقدیر نکل پڑا۔ بعد میں میں نے اس کو لکھا کہ اگر میری کتابیں محفوظ ہوں تو کسی طرح مجھ تک پہنچادو۔ اس نے جواب دیا کہ گھر کا کل سامان لوٹ لیا گیا، اور کتابیں کنویں میں ڈال دی گئیں۔ ہجرت کر کے آپ لاہور پہنچے۔ اپنے تلمیذ مولانا سید محمد جلال الدین کی درخواست پر ان کے مدرسہ میں بھکھی تشریف لے گئے۔ یہاں بمشکل چار پانچ ماہ رہے۔ غالباً شوال ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء سے لے کر ربیع الاول ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء تک وہاں رہے ہوں گے۔

پھر مشرقی پنجاب کے حالات اعتدال پر آئے اور دونوں ملکوں میں آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوگیا تو بریلی شریف منظر اسلام میں تشریف لائے۔ ابتدا میں دونوں ملکوں میں آنے جانے کے لئے پرمٹ کی حاجت تھی، نہ پاسپورٹ کی، مگر چند دنوں کے بعد دونوں ملکوں نے آنے جانے کے لئے پرمٹ کی پابندی لگادی تو آپ پاکستان ہی میں رہ گئے، اور حضرت مولانا عبد الغفور ہزاروی (۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) خطیب وزیر آباد کی کوشش سے وزیر آباد کے قریب سارو کی تشریف لے گئے۔ یہاں رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء تک رہے۔ سارو کی ہی میں قیام کے ایام میں ملک کے ہر چہار طرف سے اجلہ علمائے کرام، مشائخ عظام نے درخواست پیش کی کہ ہمارے یہاں آکر تدریسی خدمات انجام دیں۔ کراچی

کے بڑے بڑے سیٹھوں نے چاہا کہ کراچی آجائیں، آپ نے سب کو یہی جواب دیا کہ میں از خود کہیں نہیں جاسکتا، حضرت صدر الشریعہ، حضرت مفتی اعظم ہند جہاں فرمائیں گے جاؤں گا۔

بالآخر حضرت مفتی اعظم نے اشارۃً لائل پور قیام کا مشورہ دیا۔ جس کی بنا پر آپ نے لائل پور تشریف لے جاکر شوال ۱۳۶۸ھ / جولائی ۱۹۴۹ء میں محلہ سنت پورہ میں توکلاً علی اللہ درس دینا شروع کیا۔ پھر چند دنوں کے بعد جامعہ رضویہ مدرسہ مظہر اسلام کی شاہی مسجد میں جاکر پڑھانا شروع کیا۔ اس مسجد میں چھت بھی نہ تھی۔ فرش پر کھلے آسمان کے نیچے درس دیتے تھے، لیکن ایک وسیع مناسب زمین کی تلاش تھی، جہاں ایک عظیم دار العلوم قائم ہو۔ بالآخر گول باغ میں زمین دستیاب ہوگئی، اور صرف پانچ مہینے بعد ربیع الاول شریف ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء میں جامعہ رضویہ مظہر اسلام کا سنگ بنیاد رکھا۔ جو آج ایک عظیم فلک بوس دینی قلعہ کی شکل میں بن کر تیار ہے۔ وصال تک یہیں قیام رہا، اور اب بھی یہیں جلوہ فرما ہیں۔ شوال ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء سے لے کر تادم وصال یکم شعبان ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء تک دو ڈھائی ماہ کم پندرہ سال لائل پور میں آپ کا قیام رہا۔

جامعہ رضویہ مظہر اسلام گول باغ لائل پور:

گزر چکا کہ حضرت محدث اعظم پاکستان جب ہجرت کر کے پاکستان پہنچے تو ہر چہار طرف سے مدارس کے منتظمین، خانقاہوں کے سجادہ نشین صاحبان نے اپنے اپنے مدارس اور آستانوں پر تشریف لانے کی درخواست پیش کی، مگر آپ نے سب کو یہی جواب دیا کہ میں اپنے اساتذہ حضرت صدر الشریعہ اور حضرت مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاسکتا۔ یہ حضرات جہاں فرمائیں کے وہیں کام کروں گا۔

ابتداءً پاکستان اور ہندوستان میں آمد و رفت کی کوئی پابندی نہ تھی، اس لئے بریلی شریف حاضر ہوئے اور مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی میں کچھ دن اسباق بھی پڑھائے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دلی آرزو یہی تھی کہ بریلی شریف میں حسب سابق تدریسی خدمت

انجام دوں مگر اس کے چند ہی دنوں بعد آمد و رفت کے لئے پرمٹ کی پابندی لگ گئی۔ اس پابندی کے وقت حضرت پاکستان ہی میں رہ کر اپنے فیض کو عام سے عام تر کرنے کے لئے وہیں کوئی جگہ تجویز کرنی تھی۔

بریلی شریف سے اخیر واپسی کے بعد آپ ساروکی میں قیام پذیر تھے لیکن غالباً لائل پور کے قیام کا کوئی جذبہ دل کے گوشے میں موجود تھا۔ اسی اثنا میں حضرت صدر الشریعہ اور حضرت مفتی اعظم ہند دونوں بارادۂ حج و زیارت گھر سے نکلے۔ ممبئی پہنچ کر حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا ۲؍ ذوقعدہ ۱۳۶۷ھ؍ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ممبئی میں وصال ہوگیا۔ مگر حضرت مفتی اعظم حرمین طیبین تشریف لے گئے۔ حضرت محدث اعظم پاکستان نے حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں عریضہ حاضر کیا، جس میں ساروکی یا لائل پور میں سے کسی جگہ مستقل قیام کے تعین کی درخواست پیش کی تھی۔ یہ کب لکھا اور حضرت مفتی اعظم کو کب ملا۔ یہ معلوم نہ ہوسکا۔ مگر حضرت مفتی اعظم ہند نے مدینہ طیبہ سے مفاوضہ عالیہ امضا فرمایا۔ اس میں ساروکی کو گول دائرے سے گھیر دیا، اور لائل پور کو یوں ہی چھوڑ دیا۔ مفاوضہ عالیہ جب حضرت مفتی اعظم پاکستان کو ملا تو فرط مسرت سے جھوم اٹھے، اور ایک عجیب فرحت طاری ہوگئی جو بیان سے باہر ہے۔ حاضرین سے فرمایا:

آج حجاز مقدس سے یہ غیبی اشارہ ہوا ہے کہ ساروکی کا دانہ پانی بند اور لائل پور میں قیام کرنا اور دینی مذہبی خدمات انجام دینا مقدر ہے۔

اس وقت لائل پور کی حالت یہ تھی کہ پورے شہر میں وہابیت کے جراثیم پھیل چکے تھے اور وہابیوں کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ حال یہ تھا کہ جو بچے کھچے سنی رہ گئے تھے وہ اگر کوئی جلسہ کرنا چاہتے تو وہابی غنڈے کرنے نہ دیتے، مگر اس کے باوجود آپ نے طے کرلیا کہ اب لائل پور ہی رہ کر دینی خدمات انجام دینا ہے۔ اور شوال ۱۳۶۸ھ؍ اگست ۱۹۴۹ء سے لائل پور میں تدریس شروع فرمادی۔ ابتدائی چند دنوں تک آپ نے محلہ سنت پورہ کے گوردواروں میں اسباق پڑھائے، پھر اسی سال عید الاضحی کے بعد گول باغ کی شاہی مسجد کے منتظمین کی درخواست پر یہاں درس دینا شروع فرمادیا۔

اس مسجد کی کوئی چھت نہ تھی۔ مسجد کے کھلے فرش پر تعلیم دیتے تھے۔ جب لائل پور کے اہل سنت کو اس کا علم ہوا کہ ہمارے شہر میں علم و فضل، فیض و برکت کا اتھاہ سمندر اپنے سینے میں لئے ہوئے ایک مرد باخدا جلوہ فرما ہے۔ تو لوگ جوق در جوق حاضر ہونے لگے، اور جو حاضر ہوا جس نے انہیں ایک نظر دیکھ لیا، وہ انہیں کا ہوگیا، اور وعظ کی محفلیں ہونے لگیں، اور صرف چار مہینے کی قلیل مدت میں پورا شہر بندہ بے دام ہوگیا۔ علما، مشائخ، عوام و خواص اور حکومت کے عہدے داران سب پروانے ہوگئے۔ اور پھر ربیع الاول شریف میں عید میلاد النبی کے موقع پر ۱۱ر ربیع الاول ۱۳۶۹ھ کو بعد نماز عصر پاکستان میں اہل سنت کے سب سے بڑے مرکزی تعلیمی ادارے جامعہ رضویہ مظہر اسلام کا خود آپ نے ہزارہا فرزندان توحید کے نعرہائے تکبیر و رسالت کی پرشکوہ گونج میں اپنے دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھ دیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے جامعہ رضویہ مظہر اسلام کی فلک بوس دو منزلہ شاندار وسیع و عریض عمارت بن کر تیار ہوگئی۔

سنی رضوی جامع مسجد:

پھر چھ سال کے بعد ۱۱ر ربیع الاول ۱۳۷۴ھ ر نومبر ۱۹۵۴ء کو پاکستان کی سب سے بڑی مسقف مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس کا نام خود ہی سنی رضوی جامع مسجد تجویز فرمایا۔ اس مسجد کی لمبائی ۱۸۰ر فٹ اور چوڑائی تقریباً ۱۷۴ر فٹ ہے، جو حضرت کے وصال کے وقت قریب قریب مکمل ہوچکی تھی، یہ جلوہ ہے۔ ع:

"اذا حلوا تمصرت البوادی" کا

ترجمہ: اللہ والے جہاں بیٹھ جاتے ہیں، وہ جگہ شہر ہو جاتی ہے۔

علالت وصال:

دن میں تدریس اور مدرسہ و مسجد کی تعمیرات کی دیکھ بھال، مدرسہ کے نظم و نسق میں مصروفیت رات کو بھی یہی قصہ یا پھر درس حدیث یا وعظ۔ شب و روز کام اور وہ بھی مسلسل برسہا برس تک اس کا اثر بشری قویٰ پر پڑنا لازمی ہے۔ یہی حضرت کے ساتھ بھی ہوا۔ بلکہ

پریشر اور ذیابطیس کا عارضہ ہوگیا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ علاج ہوا۔ تبدیل آب وہوا کے لئے کوہ مری ایبٹ آباد لے جایا گیا، اور پھر اخیر میں کراچی لے جایا گیا، وہاں پر ہر ممکن علاج ہوا مگر بیماری کا علاج ہے، مرض الموت کا کوئی علاج نہیں۔ بالآخر کراچی ہی میں یکم شعبان ۱۳۸۱ھ/۲۹ دسمبر ۱۹۶۲ء کو جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات میں ا ربجکر ۴۰ منٹ پر اللہ اللہ کرتے ہوئے وہ واصل بحق ہو گئے۔

دوسرے روز جنازہ بذریعہ ریل لائل پور لایا گیا۔ سنی رضوی جامع مسجد اور دارالحدیث کے درمیان دفن یا گیا، جہاں آج عالیشان گنبد بن کر تیار ہے، جو زیارت گہ عوام و خواص ہے۔

برزمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

(ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور۔ فروری ۱۹۹۲ء میں: ص ۲۴۔۳۱)

☆☆☆

کیا مولانا سردار احمد صاحب محدث تھے؟

مولوی سردار احمد صاحب جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے، بریلی کے مدرسہ کے بعد لائل پور کے مدرسہ میں شیخ الحدیث کہلاتے تھے، درس دیا کرتے تھے، مسلسلات سے انہیں کوئی حدیث نہیں پہنچی تھی اور کسی استاد فن حدیث نے ان کو ان کی حمایت میں نہ محدث کی سند دی تھی، نہ کسی نے ان کو بھی محدث کہا یا لکھا۔ محدث تو وہ مشاہیر علمائے دین کہلائے جنہوں نے زمانہ تابعین و تبع تابعین میں بڑی محنت مشقت واحتیاط سے احادیث شریفہ جمع کیں، اور نشر کیں، برصغیر ہند میں مشاہیر علمائے کرام جیسے حضرت مولانا عبدالحق محدث کہلائے ہیں۔ اور چودہ صدی ہجری میں ہمارے برصغیر ہند میں حضرت مولانا امیر الملۃ حافظ پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری نور اللہ مرقدہ جن کو مسلسلات سے احادیث بھی پہنچی تھیں اور جن کو چودھویں صدی کے پہلے ربع میں مشاہیر محدثین مکہ مکرمہ نے احادیث کی اجازت اور محدث کا خطاب مع سند عطا فرمایا تھا۔

امام دار الہجرۃ امام اہل سنت والجماعت وتابعی وجامع وناشر احادیث تابعین (یعنی مصنف کتاب احادث مسمی بہ موطا، وحرم شریف نبوی علی صاحبہا الوف التحیۃ والصلوٰۃ والسلام میں علم فن حدیث کے بے نظیر استاذ یعنی حضرت امام مالک مدفون جنۃ البقیع) رضی اللہ تعالی عنہ کو محدث اعظم کہنے کی کسی کو آج تک جرأت نہ ہوئی تو چہ نسبت خاک را با عالم پاک، مولوی سردار احمد صاحب (مدفون لائل پور) کو محدث اعظم لکھنا اور محدث اعظم کے خطاب ناصواب کی تشہیر مختلف جرائد سے جیسے انوار الصوفیہ قصور و رضائے مصطفیٰ گجرانوالہ وغیرہ سے کروانا ایسے القاب و خطاب بخشنے اور ان کی تشہیر کرنے والوں کے حق میں مطابق شریعت واہل سنت

والجماعت کیا حکم ہے؟ مفصل و مدلل جواب باصواب سے ممنون فرمائیں! بینوا توجروا عند اللہ و عند الناس۔

السائل: احقر العباد بخشی مصطفیٰ علی خاں مہاجر مدینہ منورہ۔ از باب الحمام، مدینۃ المنورۃ۔

الجواب:

عمدۃ المتاخرین، وبقیۃ المتقدمین، استاذ العلما، سند المحدثین حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یقیناً حتماً محدث تھے۔ علما کی اصطلاح میں محدث وہ ہے جو حدیث کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہو۔

سند الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی قدس سرہ نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں:

ولمن یشتغل بالسنۃ النبویۃ المحدث۔

خود سائل کے مستند، اس کے نزدیک مسلم الثبوت محدث حضرت سیدنا وسندنا محقق و مدقق، آیۃ من آیات حبیب اللہ وبرکۃ من برکات رسول اللہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ مقدمہ لمعات شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

ولھذا یقال لمن یشتغل بالسنۃ محدث

ان دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص سنت یعنی حضور سید عالم ﷺ کے قول و فعل، تقریر کے ساتھ مشغول ہو یعنی اسے پڑھتا ہو، پڑھاتا ہو، نشر و اشاعت کرتا ہو، وہ محدث ہے۔ حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کریمہ سبقاً سبقاً اپنے استاذ حضرت صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مولانا مرشدنا حکیم ابو العلا مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا، پڑھنے کے بعد تیس سال سے زائد احادیث کریمہ کا درس دیا، جس کا سائل کو خود اقرار ہے، لکھتا ہے: "پہلے بریلی میں بعدہ لائل پور کے مدرسہ میں شیخ الحدیث کہلاتے ہوئے درس حدیث دیا کرتے تھے" اس لئے حسب اصطلاح محدثین وہ یقیناً محدث

تھے، سائل نے یہ غلط کہا کہ مسلسلات سے انہیں کوئی حدیث نہیں پہنچی تھی، اور کسی استاد فن حدیث نے ان کو ان کی حیات میں نہ محدث کی سند دی تھی نہ کسی نے ان کو محدث کہا، نہ لکھا، جہاں تک اس خادم کو معلوم ہے حضرت موصوف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک سند ان کے استاذ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے دی۔ دوسری سند حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اور تیسری سند حضور سیدی وسندی اعلم علما، مرجع فضلا، کہف فقرا امام اہل سنت حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب قدس سرہ مفتی اعظم ہند نے، آپ نے ان کو تمام سلاسل اولیا و قرآن و حدیث کی سند عطا فرمائی جو انہیں اپنے والد محترم مجدد دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت مولانا سیدنا شاہ حافظ وقاری عبدالمصطفیٰ احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سراج العارفین، قدوۃ السالکین، عارف ربانی مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملی تھی، جن میں ایک دو نہیں کئی سندیں مسلسل بالاضافۃ و مسلسل بالمصافحہ وغیرہ کی ہیں۔ ان سندوں کا دیا جانا ہی کسی کے محدث ہونے کے لئے کافی ہے، کسی کو محدث ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کوئی محدث اسے لکھ کر دے کہ یہ محدث ہے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ سند اجازت لکھ کر دے اگر یہ ضروری قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ ائمہ محدثین مثلاً، امام بخاری، امام مسلم، وغیرہ وغیرہ محدث نہ ہوں کہ ثابت نہیں کہ انہیں کسی محدث نے سند لکھ کر دی، چہ جائے کہ یہ لکھ کر دیا ہو کہ یہ محدث ہیں کیوں کہ اس زمانہ میں تحریری سندوں کا رواج ہی نہ تھا بلکہ سند دینے ہی کا رواج نہ تھا۔ صرف کسی محدث سے حدیث سن لینا کافی ہوتا تھا۔

حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے عہد ہی میں تمام علمائے اہل سنت نے محدث اعظم پاکستان لکھا، چھاپا جس پر سیکڑوں خطوط، ہزاروں اشتہارات، پیش کئے جاسکتے ہیں، سائل کو خبر نہیں تو اس کا ہمارے پاس کیا علاج؟ اور اگر سائل کے زعم میں حضرت صدر الشریعہ، حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مفتی اعظم ہند اور پاکستان و ہندوستان کے علما محدث نہیں اور استادان فن نہیں تو وہ اپنے دل کی بیماری کا علاج کرائے۔

اگر آج حضرت پیر جماعت علی صاحب محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ حیات ہوتے تو

وہ بھی شہادت دیتے کہ حضرت مولانا سردار احمد صاحب ضرور بالضرور محدث تھے، نہ صرف محدث بلکہ عصر حاضر کے محدث اعظم، حضرت محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو علمائے حرمین طیبین نے بھی سندیں عطا کی تھیں، لہذا سائل کے اس معیار پر بھی وہ ضرور بالضرور محدث تھے، سائل نے جوش عناد میں ایسی باتیں لکھ دی ہیں، جس کی رو سے امت کے کتنے مسلم الثبوت محدثین بلکہ خود سائل کے بھی مسلم محدث زمرۂ محدثین سے نکل جاتے ہیں۔

لکھتا ہے:

محدث تو مشاہیر علمائے دین کہلائے جنھوں نے زمانہ تابعین و تبع تابعین میں بڑی محنت و مشقت واحتیاط سے احادیث شریفہ جمع کیں، اور نشر کیں۔

سائل نے صرف انہیں مشاہیر کے ساتھ محدث ہونے کو خاص کیا جو زمانہ تابعین و تبع تابعین میں جامع حدیث و ناشر حدیث تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو حضرات زمانہ تابعین و تبع تابعین میں گزرے نہیں وہ محدث نہیں، اب ذرا سوچئے کہ ایک قینچی سے اس نے کتنے محدثین کو زمرۂ محدثین سے کتر دیا۔ حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام حاکم، حضرت امام بیہقی، ابن شیبہ، عبدالرزاق، ابونعیم وغیرہ وغیرہ سب کے سب نکل گئے کہ یہ نہ تابعی نہ تبع تابعی۔ نیز حضرت عبدالحق محدث دہلوی اور پیر جماعت علی محدث علی پوری بھی نکل گئے جنھیں سائل خود مان رہا اور لکھ رہا ہے کہ حضرت شیخ گیارہویں صدی میں گزرے ہیں اور محدث علی پوری چودہویں صدی میں، یہ جوش عناد ہی کا نتیجہ ہے۔ حضرت محدث اعظم پاکستان کو زمرۂ محدثین سے نکالنے کے لئے ایسی بات لکھ گیا، جس سے خود اس کے مسلم الثبوت محدثین بھی اس زمرہ سے نکل گئے۔ بات یہی ہے کہ محدثین متقدمین ہوں یا شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہوں، ان سب کا محدث ہونا اس بنا پر ہے کہ ان حضرات نے احادیث کا درس دیا، ان کی نشر و اشاعت کی۔ بحمدہ تعالیٰ حضرت مولانا سردار احمد صاحب محدث اعظم پاکستان میں بھی یہ بات بدرجہ اتم موجود تھی کہ آپ نے کم وبیش تیس سال تک ہزاروں کو علم حدیث کا درس دیا، لاکھوں احادیث کی عوام وخواص میں اشاعت کی۔ اشاعت کا مطلب صرف یہی نہیں کہ فن حدیث میں کوئی کتاب لکھی جائے ورنہ لازم آئے گا کہ محدث علی پوری محدث نہ ہوں کہ ان کی بھی فن

حدیث میں کوئی کتاب نہیں، بلکہ پڑھانا، وعظ میں احادیث بیان کرنا، خصوصی مجالس میں ذکر کرنا، فتاویٰ میں لکھنا، مناظروں میں پیش کرنا اشاعت ہے۔ یوں ہی جمع کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ احادیث زبانی سن کر یاد کی جائیں۔ کتب حدیث کا پڑھنا، مطالعہ کرنا بھی جمع ہے، بحمدہ تعالیٰ یہ دونوں باتیں محدث اعظم پاکستان میں بدرجۂ اتم موجود تھیں، اس لئے یہ ضرور بالضرور محدث ہوئے اور اعظم یوں کہا کہ جو لوگ حضرت موصوف علیہ الرحمۃ سے واقف ہیں انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ احادیث کی اشاعت بذریعہ تدریس وتبلیغ وافتا، جتنی حضرت موصوف نے اپنے عہد میں کی، کسی دوسرے نے نہیں کی۔ نیز احادیث کے صحت وضعف، علت وشذوذ وغیرہ وغیرہ اغراض کی معرفت، تعارض میں تطبیق، معانی کی تشریح میں جو ید طولی آپ کو حاصل تھا، ان کے عہد میں کسی کو نہیں تھا، اس لئے مسلمانوں نے انہیں محدث اعظم پاکستان کہا، محدث اعظم یہ خطاب ہے، خطاب علم ہے، اور اعلام میں الفاظ کے معنی لغویہ کا اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ ادنیٰ سی مناسبت کافی ہوتی ہے۔ رد المحتار میں خزائن الاسرار و بدائع الافکار فی شرح تنویر الابصار کے تحت "فی" کی توجیہ میں فرماتے ہیں:

ان کان من جزء العلمیة فلا یبحث عن الظرفیة والا فالاولیٰ حذف فی لانه خزائن الاسرار هو نفس الشرح وظاهر الظرفیة یقتضی المغایرة.

پھر ظرفیت کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لا یمکن تعلقه بمذکور نظرا الی المعنی الاصلی قبل العلمیة فان الاعلام وان کان المراد بها اللفظ قد یلاحظ معها المعانی الاصلیة بالتبعیة.

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ اعلام میں ان کے معنی قبل علمیت کا اعتبار من کل الوجوہ ضروری نہیں، صرف لحاظ وضع واضع وتعیین لفظ کا ہے، اسی میں دوسری جگہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

واما توقف فهم معناه العلمی علی فهم جزء به ففی حیز المنع فان فهم المعنی العلمی من امرئ القیس مثلا یتوقف علیٰ فهم ما وضع ذلک اللفظ بازائه وهو الشاعر المشهور وان جهل معنی کل من مفردیه.

دیکھئے! صاف تصریح ہے کہ اعلام کے معنی سمجھنے کے لئے اس کے معنی لغوی کا جاننا ضروری نہیں ہے، صرف اس کے موضوع لہ کا جاننا کافی ہے۔ جس کے مقابلہ میں یہ وضع کیا گیا ہے، اسی طرح محدث اعظم پاکستان جب کہ خطاب ہے جو اعلام سے ہے تو اس کی صحت کے لئے اتنا کافی ہے کہ عرف میں حضرت مولانا سردار احمد صاحب کے لئے وضع کیا گیا ہے، عوام وخواص سب نے ان کے لئے یہ لفظ استعمال کیا، اس کی صدہا نظیریں ہیں، فاروق اعظم وسیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خطاب ہے، حالانکہ معنی لغوی کے اعتبار سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے، غوث الثقلین حضور سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ کا لقب ہے، حالانکہ اس کے معنی لغوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے، صاحب شرح وقایہ کا لقب صدر الشریعہ ہے حالانکہ اس کا معنی لغوی ایسا ہے جو سوائے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور کسی پر صادق نہیں، ان سب کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ یہ سب القابات وخطابات ہیں، جن کے حقیقی لغوی معنی ملحوظ نہیں بلکہ صرف وضع وتعیین کے اعتبار سے جس کے لئے معروف ہو گیا، اس پر بولا جائے گا اور یہ خطاب اپنے عصر او زمانہ کے اعتبار سے متعین ہوئے ہیں، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یقیناً حتماً حضرت مولانا سردار احمد محدث پاکستان سے بدرجہ افضل واعلیٰ برتر وبالا ہیں، اگر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نعلین مبارک کی خاک انہیں مل جاتی تو وہ سرمہ بناتے، لیکن محدث اعظم ان کا لقب ہونا اس کا مقتضی نہیں کہ اب یہ کسی کا خطاب ہو ہی نہیں سکتا، اور اگر اس کا التزام کرے کہ جو القاب امام مالک کے ہیں وہ ان سے کم درجہ والوں کے لئے نہیں ہو سکتے تو پھر حضرت امام مالک کا خطاب محدث نہیں، یہ دوسروں کو جو حضرت امام مالک سے بدرجہا فروتر ہیں، کیوں محدث کہتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی، جناب پیر سید جماعت علی صاحب کو اس نے محدث مانا اور یہ حضرات کبھی کبھی حضرت امام مالک کے برابر نہیں، یہ بہت بڑا مغالطہ ہے، سائل نے سمجھ رکھا ہے کہ جو خطاب افضل کا نہ ہو وہ مفضول کا نہیں ہو سکتا۔ اگر سائل کے سمجھے ہوئے اس قاعدہ کو درست مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ حضرت عمر کا جو خطاب فاروق اعظم ہے،

حضرت عثمان کا غنی ہے، حضرت علی کا شیر خدا ہے، حضرت امام اعظم کا امام اعظم امام الائمہ، حضرت غوث اعظم کا غوث الثقلین ہے، صاحب شرح وقایہ کا صدر الشریعہ ہے، ان کے دادا کا تاج الشریعہ ہے، یہ سب ناجائز یا کم از کم نادرست ہوں کہ حضرت عمر سے حضرت ابوبکر افضل ہیں، ان کا خطاب فاروق اعظم نہیں، حضرت عثمان سے حضرت عمر و حضرت ابوبکر دونوں افضل، ان کا خطاب غنی نہیں، پھر یہ تینوں حضرات حضرت علی سے افضل، ان تینوں کا لقب شیر خدا نہیں، یہ سب حضرات حضرت امام اعظم سے بدرجہا افضل، مگر کسی صحابی کا خطاب امام اعظم اور امام الائمہ نہیں، یہ تمام حضرات صاحب شرح وقایہ اور ان کے دادا سے بدرجہا افضل ہیں مگر ان میں کسی کا خطاب صدر الشریعہ و تاج الشریعہ نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سائل کا سمجھا ہوا قاعدہ درست نہیں، اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ مفضول کا لقب ایسا رکھا جائے جو افضل میں نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ "محدث اعظم پاکستان" حضرت مولانا سردار احمد صاحب کا لقب ہے جو ان کی خدمت حدیث سے متاثر ہو کر اہل سنت کے عوام و خواص نے دیا۔ اس کے لئے نہ نص قرآنی کی حاجت ہے نہ ارشادات حدیث کی، نہ اقوال علما کی۔ لقب رکھنے کے لئے معنی لغوی کے ساتھ ادنیٰ مناسبت کافی ہوتی ہے، من کل الوجوہ اس کا صدق لازم نہیں اس سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر محدث کے معنی مصطلح عند الشرع دیکھا جائے تو یہ معنی یقیناً حتماً حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں پائے جاتے ہیں کہ آپ کی عمر مبارک کا کثیر حصہ احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت، تعلیم و تدریس میں بسر ہوا، جس کے نتیجے میں پاکستان ہندوستان کے علاوہ ممالک غیر میں بھی سیکڑوں وہ تلامذہ حضرت والا کے موجود ہیں جنہوں نے آپ سے احادیث پڑھیں، اور سندیں لیں، ہندوستان رہے تو یہاں کے حلقہ درس میں ہندوستان کے تمام سنی مدارس سے زیادہ آپ کے یہاں دورۂ حدیث میں طلبہ پائے جاتے تھے۔ پاکستان گئے تو تھوڑی مدت میں تشنگان علم حدیث کے مرجع اعظم بن گئے۔ اس لئے آپ کی ذات یقیناً اس کی مستحق تھی کہ محدث اعظم کا لقب پاتی، اس پر اعتراض کرنا حضرت والا درجت کے احوال سے ناواقفی کی بنیاد پر ہو سکتا ہے، جو آپ کے تبحر

علمی سے خصوصاً علم حدیث سے واقف ہے وہ تسلیم کرے گا کہ آپ کا لقب بالکل درست اور صحیح ہے، امید ہے اب آپ کو ہر طرح اطمینان ہوگیا ہوگا، اور اب کوئی شک وشبہہ نہ رہا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: **محمد شریف الحق** امجدی اعظمی غفرلہ

الجواب: صحیح، واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر مصطفےٰ رضا خاں قادری غفرلہ

(ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، فروری ۱۹۹۲ء ص: ۹ تا ۱۴)

☆☆☆

حضرت مجاہد ملت! بحیثیت مناظر

عظیم حافظ ملت نمبر کے بعد "ارکان اشرفیہ" کا مجاہد ملت نمبر نکالنے کا عزم جہاں وقت کی اہم ضرورت کی تکمیل ہے، وہیں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اشرفیہ کے ارکان کے دلوں میں تمام عمائد ملت کے لئے عقیدت و نیاز مندی کا جذبہ یکساں ہے۔ اس اقدام پر اشرفیہ کے اہل حل وعقد بلاشبہ قابل صد تحسین ہیں۔

یہ ہماری زبوں بختی ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ ہمیں اپنے اکابر کے ظاہری سایۂ عاطفت کی شدید ہی نہیں، اشد ضرورت ہے ہم یکے بعد دیگرے بہت جلد جلد اس سے محروم ہوتے جاتے ہیں لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔

در کف شیر زخوں خوارہ
چیست جز صبر ورضا کو چارہ

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَمَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْئٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی اِذَا جَاءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ○

حضرت مجاہد ملت قدس سرہ جیسی جامع عبقری شخصیت پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ وہ دیکھنے میں ایک فرد تھے مگر اپنے اندر نہ جانے کتنی دنیا رکھتے تھے۔ علم وفضل، اتباع شریعت، سلوک طریقت، زہد وورع، خشیت الٰہی، انابت الی اللہ، شجاعت وسخاوت، استقامت، حق گوئی وحق کوشی، قوم وملت کا درد، ملت کے دشمن عناصر پر کڑی نظر اور ان کی دسیسہ کاریوں سے آگاہی، ان کے انسداد کی تدابیر اور ان پر عمل درآمد کی بھرپور جدوجہد، اور کبھی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے نہ ڈرنا، اور خطرات کی پرواہ نہ کرنا، جو بات حق ہے اسے علی رؤس الاشہاد کہنا، اور ہر باطل تحریک کے خلاف سینہ سپر ہونا، عظیم رئیس ہوتے ہوئے بھی انتہائی متواضع ومنکسر، مجل ہوتے ہوئے بھی جھونپڑے میں رہنا، فقیروں، امیروں، رؤسا، غربا سب کے ساتھ مساوی سلوک، دوسروں کے لئے خزانے لٹا دینا، خود تہی دست رہنا، حرص وآز، ریا

ونمود، حب جاوحب وقار سے کوسوں دور، جملہ علوم وفنون کے عطر مجموعہ، طریقت وحقیقت کے شناور، مسند تدریس کے صدرنشیں، بزم افتا کے شمع فروزاں، میدان مناظرہ کے سپہ سالار، میں کیا ذکر کروں، کیا رہنے دوں، بس یہ کہہ کے خاموش ہوتا ہوں۔

داماں نگہ تنگ،گل حسن تو بسیار
گل چیں بہار تو زداماں گلہ دار

کہہ لے گئے سب کچھ ان کے ثنا خواں کی خامشی
چپ ہو رہا ہوں کہہ کے کہ کیا کیا کہوں تجھے

اگر مجھے فرصت ہوتی اور کوئی لکھنے والا مل جاتا تو ان تمام گوشوں پر اتنا لکھتا کہ ''اشرفیہ'' کے اس ضخیم نمبر کا دامن تنگ ہو جاتا۔ پھر بھی مجھے امید ہے کہ لکھنے والوں نے ان عنوانوں پر بہت کچھ لکھا ہوگا۔ جو کم از کم اجمالی تعارف کے لئے کافی ہوگا، جو لوگ میری موجودہ حالت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اب میں خود نہیں لکھتا، خطوط وفتاوی بھی دوسرے سے لکھواتا ہوں۔ خطوط کبھی کبھار لکھنے ہوتے ہیں وہ چند مہربان طلبہ ہیں جو باری باری لکھ دیا کرتے ہیں۔

فتوی لکھوانے کے لئے چند گھنٹوں کے لئے عزیزم مفتی نظام الدین سلمہ کو مدرسہ نے مقرر کر دیا ہے وہ لکھتے ہیں یہ مضمون کون لکھے میرے احباب خصوصی، ان میں بھی خصوصیت سے جناب مولانا لیسین اختر اور جناب مولانا افتخار احمد صاحبان استاذان شعبۂ ادب جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی خواہش ہے کہ کم از کم حرف حضرت موصوف کی مناظرانہ خصوصیات پر کچھ لکھوادو، ماہنامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر جناب مولانا سید شاہ شمیم گوہر نے میرا چلنا پھرنا دوبھر کر دیا، جب سامنا ہوا۔ مضمون۔ ایک قوم کے تقاضائے زشت سے شیخ سعدی نے مرنا بہتر بتایا ہے۔ میں اپنے مخدوم زادے کے اس تقاضے کو کیا نام دوں، یہ انہیں سے پوچھنا ہے۔ بہر حال اس جبر واکراہ کے بعد۔

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم
امیر ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص جس فن سے تعلق رکھتا ہے اسی کو سب سے اونچا اور اہم سمجھتا ہے، ایک مقرر، انسان کا اوج کمال تقریر جانتا ہے۔ ایک مدرس تدریس کو معراج کمال بتاتا ہے۔ ایک مصنف تصنیف کو سب سے اہم کام خیال کرتا ہے، ایک مفتی افتا کو سب پر فوقیت دیتا ہے۔

لیکن مناظرہ کا وجود چوں کہ خال خال ہے، اس لئے اسے کوئی اہمیت دینے والا نہیں ملتا۔ ہمیں ان مذکورہ بالا خوبیوں کے باعث کمال ہونے سے انکار نہیں، مگر ناظرین غور کریں گے تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ مناظرہ ان سب سے مشکل، ان سب سے کٹھن، ان سب سے دشوار، اور ان سب سے اہم ہے۔

ایک مقرر پہلے سوچے ہوئے مضامین کو اپنے پہلے سے جچے تلے آراستہ وپیراستہ الفاظ ولب ولہجہ میں ادا کر دیتا ہے۔ اسے کوئی خطرہ نہیں کہ مجمع سے اچانک کوئی غیر متوقع سوال ہو سکے گا، اور اگر بفرض محال کبھی ایسا موقع آہی گیا تو وقتی طور پر ٹالنے کی بہت کچھ گنجائش ہے۔

ایک مدرس مخصوص کتابیں پڑھاتا ہے، اسے دوسرے دن جن کتابوں کی مخصوص جگہ پڑھانی ہے، وہ اس کی پہلے سے تیاری کر لیتا ہے۔ شروح حواشی سے نوک پلک درست کر لیتا ہے، سوالات ہو سکتے ہیں مگر اولاً: سوال کرنے والے انتہائی نیاز مند تلامذہ ہیں جن کو مدرسہ میں رہنے دینے، نہ رہنے دینے کا بہت کچھ اختیار مدرس کو ہے۔ ثانیاً: سوال ہوگا تو اسی کتاب اور کتاب کی اسی جگہ سے متعلق ہوگا، اس سے نپٹنا بہت آسان ہے۔

رہ گیا مصنف تو وہ بالکل آزاد ہے۔ جس مضمون کو چاہے کتاب میں جگہ دے، جسے چاہے نہ دے۔ فی الحال نہ اعتراض کا خطرہ ہے نہ جواب دینے میں آبرو جانے کا اندیشہ۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسے جو کچھ لکھنا ہے بہت سوچ سمجھ کر لکھنا ہے، تاکہ آئندہ کوئی غلطی نہ نکال سکے، مگر اس سوچنے سمجھنے پر اور تحقیق پر کوئی قدغن نہیں۔ مہینوں، سالوں بلکہ عمر بھر کا وقت اس کے پاس ہے۔ مفتی صاحب کے یہاں البتہ نہ سوالات کی پابندی ہے کہ اسی قسم کے ہوں اور نہ سائلین کا نیاز مند ہونا لازم۔ مگر گوناگوں قسم قسم کے اَن ملے بے جوڑ سوالات کے لکھنے

کے لئے وقت کی پابندی نہیں بلکہ اس کے ذمہ جواب دینا بھی لازم نہیں: "ان من العلم ان تقول لما لا تعلم لا اعلم" یہ بھی علم ہے کہ انسان جو بات نہ جانتا ہوں کہہ دے کہ میں نہیں جانتا۔

رہ گیا مناظر! اس کے سامنے اس کا عدو اپنے پورے کیل کانٹوں سے لیس ہوکر بیٹھا ہوا ہے۔ موضوع اگر چہ مقرر ہے، مگر اندرون بحث کوئی بھی مسئلہ اٹھ سکتا ہے۔ حریف کوئی بھی سوال کر سکتا ہے، کوئی بھی اعتراض کر سکتا ہے، موضوع عقائد ہیں، مگر فقہ کے مسائل بھی چھڑ سکتے ہیں۔ تاریخ کی بات آسکتی ہے، منطق وفلسفہ کے مسائل پر بحث کا رخ پھر سکتا ہے، آیت کی تفسیر میں لغت، معانی، بیان، نحو وصرف، اشعار عرب وغیرہ کی موشگافیاں کرنی پڑسکتی ہیں۔ کسی حدیث پر بحث کے درمیان کیا کیا سوال اٹھ سکتے ہیں۔ وہ کون جانے، پھر مناظرہ سننے والے زیادہ عوام ہوتے ہیں، کوئی بات کہی جائے تو اس طرح کہی جائے کہ عوام اس کو سمجھیں، اس سے متاثر ہوں، انہیں اکتاہٹ نہ ہو، ان کی دلچسپی باقی رہے، بلکہ ان کا شوق فزوں سے فزوں تر ہوتا جائے۔ میرے معروضات کو ذہن نشیں کرنے کے لئے چند نظائر ملاحظہ کریں۔

ہمارے قصبہ "گھوسی" میں حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی عبدالرحیم لکھنوی برادر مولوی عبدالشکور کاکوری کے مابین علم غیب پر مناظرہ ہورہا تھا، بحث چھڑ گئی کہ لفظ "ما" عام ہے۔ عام کی تعریف کیا ہے خاص کی تعریف کیا؟ انسان کیوں خاص ہے عام نہیں۔

"اوری" کا مناظرہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت قدس سرہ اور مولوی منظور نعمانی کے مابین ہوا، موضوع تھا "علم غیب" بحث چھڑ گئی کہ "افعل" کا وزن کن معنی میں آتا ہے۔ اسم تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے ہیں، "فاطمة تحت علی" کا صحیح ترجمہ کیا ہے۔

"گیا" میں انہیں دونوں کے مابین مناظرہ ہوا۔ سنبھلی کہتے تھے کہ میں مدعی ہوں اور تم مدعی علیہ اس لئے کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ تم لوگ اس کا انکار کرتے ہو اور منکر مدعی علیہ ہوتا ہے۔ شیر بیشۂ اہل سنت فرماتے تھے کہ مدعی ہم ہیں، ہمارا دعویٰ ہے کہ تم لوگ کافر ہو اور تم لوگ اس کا انکار کرتے ہو اور بقول تمہارے ہر منکر مدعی علیہ لہٰذا تم مدعی علیہ ہوئے۔ پھر ہدایہ، فتح القدیر، البحر الرائق، در مختار، رد المحتار کتب فقہ میں مسطور مدعی کی

تعریف میں بال کی کھال نکلنے لگی۔

"بریلی شریف" میں استاذی حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اور انہیں سنبھلی کے مابین مناظرہ ہوا۔ بحث چھڑ گئی کہ تعلیق بالمحال جائز ہے کہ نا جائز اور یہاں تک بڑھی کی منطق کے موضوع تک پہنچ کر ختم ہوئی۔

ضلع "پلاموں" کے مناظرے میں تعبیر خواب کی بحث چھڑ گئی۔

غرضیکہ نہیں کہا جاسکتا کہ مناظرے میں کس فن کا کون سا مسئلہ زیر بحث آجائے گا۔ اس لئے مناظر حقیقت میں وہ ہے جو بیک وقت جامع جمیع علوم بھی ہو، خوش بیان بھی، حاضر جواب بھی، جری بھی، مقابل کے ہتھکنڈے سے واقف بھی ہو، ان کی کتابوں پر کامل عبور بھی رکھتا ہو، اس لئے ذاتی تجربہ کی بنا پر میری اپنی رائے یہ ہے کہ مناظر وہ ہوتا ہے جو مقرر بھی ہو، مدرس بھی ہو، مفتی بھی ہو، جس میں ایک مصنف ہونے کی پوری قابلیت موجود ہو۔

اس معیار پر جب ہم حضرت مجاہد ملت قدس سرہ کو دیکھتے ہیں تو بلاشبہ وہ ایک مناظر، نہ صرف مناظر بلکہ عظیم مناظر، بلکہ مناظر اعظم تھے۔ جب سے دیوبندی پیدا ہوئے زیادہ مناظرے انہیں سے ہوئے اور ہوتے ہیں۔ مگر مجاہد ملت قدس سرہ کی یہ خصوصیت تھی کہ یہ عیسائی آریہ، قادیانی وغیرہ مسلمانان اہل سنت کے مقابل صف آرا تمام جماعتوں سے مناظرہ کرنے کی یکساں مہارت رکھتے تھے۔ حضرت مجاہد ملت قدس سرہ کا ابتدائی دور تھا، الہ آباد مدرسہ سبحانیہ میں فی سبیل اللہ درس دیتے تھے، اس زمانے کا مشہور مرتد عیسائی عبدالحق پادری الہ آباد آیا اور مذہب اسلام پر نازیبا حملے کرنے شروع کردیئے۔ پورا الہ آباد خاموش رہا، مگر حضرت مجاہد ملت تنہا اس سے مناظرہ کرنے پہنچ گئے مگر اس نے مناظرے سے جان بچانے کے لئے یہ شرط رکھی کہ مناظرے کا کوئی حکم ہونا چاہئے۔ میں بے حکم مناظرہ نہیں کروں گا۔ اب سوال یہ تھا کہ حکم کون ہو؟

مسلمان کو پادری حکم نہیں تسلیم کرتا کسی غیر مسلم کو مجاہد ملت کیسے حکم مانتے۔ اس شرط کا مطلب یہ تھا کہ "نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی" نہ حکم طے ہوا نہ مناظرہ ہوگا۔ حضرت مجاہد ملت قدس سرہ نے اس دور دراز راہ سے بچ کر فرمایا کہ مناظرے کے سامعین حکم ہوں

گے۔ وہ طرفین کی بات سن کر خود فیصلہ کرلیں گے مگر وہ نہ مانا اور جان بچا کر بھاگا۔ مناظرہ تو نہ ہوسکا مگر مجاہد ملت نے عیسائیوں کے اس عقیدے پر کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں، دس سوالات مرتب کرکے اس کے پاس بھیجے وہ مرگیا مگر جواب نہ دے سکا۔

انہیں ایام میں آریوں نے الہ آباد میں ایک بہت بڑا اجتماع کیا، جس میں آریوں کے چیدہ چیدہ پنڈت آئے، ان کا یہ اجتماع خالص ہندو محلے میں تھا، اگر وہ کسی مسلمان کو مار کر گاڑ بھی دیں تو باہر خبر نہ ہوسکے۔ حضرت مجاہد ملت نے وہاں جانا چاہا تو ایک پہلوان صاحب تھے، جن کا نام میں بھول گیا ہوں، انھوں نے منع کیا کہ مولوی صاحب وہاں جاؤگے، تو چٹنی بنادیں گے، کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ مجاہد ملت نے فرمایا: جب تو ضرور جاؤں گا۔ میری ایسی قسمت کہاں کہ خدا کی راہ میں کوئی چٹنی بنائے۔ نہ مانے تشریف لے گئے، اور ان کے بڑے پنڈت سے روح و مادہ کے قدیم و حادث ہونے پر گفتگو فرمائی، جس میں وہ ساکت و خائب ہوا، پھر اس سے دریافت فرمایا کہ مسلمانوں میں بچے تک پورے قرآن کے حافظ ہوتے ہیں تم میں کوئی ایسا ہے جسے چاروں وید زبانی یاد ہوں، اس نے بہت جھینپ کر کہا کہ پوری دنیا میں صرف ایک مہا پرش پنڈت ہیں جنہیں چاروں وید یاد ہیں اس سے اس پنڈت کا پتا لیا، چاہتے تھے کہ اس سے بھی وہیں جا کر ملیں مگر موقع نہیں ملا، اور وہ مرگیا۔

الہ آباد میں رافضیوں نے ایک دفعہ بہت آفت مچائی۔ صحابہ کرام پر سب و شتم، خلفائے راشدین پر تبرا، علانیہ جلسوں میں شروع کیا۔ الہ آباد کے متعدد حضرات نے بتایا کہ ان مجتہدین کو بار بار چیلنج مناظرہ مجاہد ملت نے دیا، مگر کوئی مناظر نہ آیا۔ پھر جلسوں میں ان کے ایسے دندان شکن جوابات دیئے کہ پھر انہیں علانیہ تبرا کی ہمت اس وقت تک نہ ہوئی جب تک کہ مجاہد ملت الہ آباد تشریف فرما رہے۔

اڑیسہ میں کہیں کہیں قادیانی بھی خال خال ہیں۔ انہیں علانیہ کبھی مقابلے پر آنے کی ہمت نہ ہوئی، خفیہ اپنی تحریک چلاتے رہتے تھے۔ مجاہد ملت نے انہیں بار ہا للکارا، مگر کس میں جرأت کہ شیر کے مقابلے میں آئے! اپنی تقریروں میں مجاہد ملت نے ان کے بنیادی عقائد پر ایسی ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ قادیانیت کی بنیادیں متزلزل ہوگئیں۔

غیر مقلدوں کو اپنی حدیث دانی پر بہت ناز ہے۔ بنارس میں غیر مقلد بہت قدیم سے ہیں۔ جب انہوں نے سر اٹھایا توان کی سرکوبی کے لئے بنارس کے اہل سنت نے حضرت مجاہد ملت قدس سرہ کو بلایا۔ سن و تاریخ مجھے یاد نہیں مگر یہ طے تھا کہ اتوار کے دن شرائط مناظرہ طے ہوں گے۔ وقت مقررہ پر مجاہد ملت پہنچ گئے، غیر مقلدین دیر میں آئے جب غیر مقلدین آئے تو حضرت مجاہد ملت نے ان سے جھٹ ہی فرمایا: ٹھیک وقت پر آپ شاید اسی وجہ سے نہیں آئے کہ کوئی وقت مقرر کر کے کوئی کام کرنا آپ لوگوں کے یہاں بدعت ہے۔ غیر مقلدین اس طنز پر کٹ کر رہ گئے۔ اس کے بعد شرائط مناظرہ کی بات چلی۔ شرائط مناظرہ میں سب سے اہم مسئلہ موضوع کا ہے، اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نزاعی باتوں میں جو سب سے اہم بات ہو اس کو اولیت ہونی چاہئے۔ مگر مجھے ہمیشہ سے حیرت ہے کہ جب مناظرے کے موضوع کی بات آتی ہے۔ وہابی جماعت کی تمام شاخوں کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے کہ کبھی انہوں نے کبھی بھی بنیادی اختلافات کو بطور موضوع نہیں پیش کیا۔ بلکہ اہل سنت نے جب بھی بنیادی باتوں کو موضوع بنانا چاہا ہے، تو ہمیشہ ان لوگوں نے اس سے جان بچانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

وہابیوں کے بارے میں تمام اہل سنت کا متفقہ فتویٰ ہے کہ یہ لوگ "توہین رسالت" کرنے کی وجہ سے کافر و مرتد ہیں۔ ادعائے اسلام کی غیرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہابی خوب اس کو موضوع بنانے کی تجویز رکھتے، اور اگر ہم اہل سنت کتراتے تو اس پر بضد ہوتے، وہ خود اسے موضوع بنانے کی تجویز کیا رکھیں گے، اگر اہل سنت نے رکھنا چاہا تو ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں کہ یہ موضوع کبھی نہیں ہوسکتا۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ ہر مجرم اپنے جرم کو بخوبی جانتا ہے، اسی لئے وہ جرم پکڑنے والے کے روبرو اس جرم پر گفتگو بھی کرنے سے کتراتا ہے، بالکل یہی بات یہاں بھی ہوئی۔

غیر مقلدین نے بہت سوچ بچار کر کے ایک تحریر لکھی تھی، اسے پیش کیا کہ ہماری طرف سے موضوع یہ ہوگا۔ اس میں نیاز، فاتحہ، انبیائے کرام، اولیائے عظام سے توسل واستعانت وندا کو موضوع قرار دیا تھا۔

مجاہد ملت نے فرمایا کہ ہمارے آپ کے مابین اس سے اہم اختلاف کفر واسلام

کا ہے، ہم آپ لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ اسے کیوں نہیں موضوع بناتے۔ مجاہد ملت کا یہ فرمانا تھا کہ سارے غیر مقلد مولوی چراغ پا ہو گئے اور اڑ گئے کہ ہماری طرف سے یہی موضوع ہوگا۔

اس پر مجاہد ملت نے فرمایا کہ اچھا! آپ لوگ اپنی طرف سے یہ موضوع نہیں رکھنا چاہتے تو مت رکھئے مگر ہماری طرف سے یہی موضوع ہوگا۔

لیکن کسی قیمت پر غیر مقلد مولوی راضی نہ ہوئے اور مجاہد ملت نے اندازہ کرلیا کہ اگر اسی موضوع پر مناظرے کا اصرار رہا تو مناظرہ نہ ہو پائے گا مجاہد ملت کو بہر قیمت مناظرہ کرنا تھا، اس کو بدل کر یہ موضوع پیش کیا۔

"اس زمانے کے غیر مقلدین گمراہ، گمراہ گر اور جہنمی ہیں"

جہنمی پر وہ شور و شغب مچایا کہ "لھم فیھا زفیر و شھیق" کا منظر سامنے آگیا۔ مگر مجاہد ملت نے فرمایا کہ اگر ہم آپ لوگوں کو گمراہ نہیں مانتے تو مناظرہ کرنے بھی نہیں آتے، جو گمراہ بھی نہ ہو اس سے مناظرے کی کیا ضرورت ہے۔

اس پر ایک غیر مقلد مولوی صاحب چمک کر بولے آپ نے صرف گمراہ ہی نہیں کہا ہے، گمراہ گر اور جہنمی بھی کہا ہے۔ مجاہد ملت نے فرمایا: آپ لوگ اپنے مذہب کی لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، تو جب آپ لوگ گمراہ ہیں تو گمراہ گر بھی ہوئے اور گمراہ گر جہنمی ہوتے ہیں۔ اگر گمراہ و گمراہ گر جہنمی نہ ہوتے، جنتی ہوتے تو گمراہی و گمراہ گری میں کیا نقص تھا، اس گرفت پر چوکڑی بھول گئے اور مجبور ہونا پڑا۔

پھر مجاہد ملت نے فرمایا: آپ لوگوں کا دیا ہوا موضوع ناقص ہے، آپ لوگوں نے ان چیزوں کا حکم نہیں تحریر کیا، حکم لکھئے کہ یہ چیزیں کیا ہیں؟ حلال ہیں، حرام ہیں، فرض ہیں، واجب ہیں، بدعت ہیں، شرک ہیں، کیا ہیں؟ اور ان کے کرنے والے کا حکم کیا ہے؟ اس پر سارے غیر مقلدین کے منھ پر ہوائیاں اڑنے لگیں، دم بخود ہو گئے، کسی کے منھ سے کوئی بات نہیں نکلی، غیر مقلدین نے ایک ہفتہ کی مہلت لی کہ آئندہ اتوار کو ہم اس کا جواب دیں گے۔ مجاہد ملت نے انہیں ایک ہفتہ کی مہلت دے دی، دوسرا اتوار آیا، حضرت مجاہد ملت وقت مقررہ پر پہنچ گئے، مگر غیر مقلدین غائب تھے، ایک گھنٹے بعد آئے، مجاہد ملت نے دریافت فرمایا:

آپ لوگوں نے کیا حکم لگایا؟ اس پر تازہ دم ایک مولوی صاحب بولے: حکم لگانے کی کیا ضرورت؟ بغیر حکم لگائے مناظرہ ہوگا۔ مجاہد ملت نے فرمایا کہ میں تو اس خوش فہمی میں تھا کہ ایک ہفتے کی جدو جہد کے بعد آپ لوگوں نے کوئی نہ کوئی حکم ضرور لگایا ہوگا۔ مگر آئے تو یوں ہی اور لائے تو اپنی دانست میں بہت دور کی کوڑی۔ مولوی صاحب آپ حکم نہیں لگائیں گے تو یہ بتایئے کہ اگر ہم ثابت کریں کہ یہ باتیں جائز ہیں اور آپ کا مناظر کہہ دے کہ میں نے کب ناجائز کہا ہے تو کیا ہوگا اور یوں بھی آپ لوگوں کا کیا اعتبار آج آپ کے اجتہاد نے ایک بات کو جائز کہا کل اس کو ناجائز، حرام، بدعت، شرک سب کہہ سکتے ہیں۔ اور بہانا بنا سکتے ہیں کہ اب اجتہاد بدل گیا۔ اس لئے مناظرے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے موضوع پر حکم لگایئے تا کہ آپ کا مناظر اس کا پابند رہے، اور ہمیں بھی معلوم رہے کہ کس نکتے پر بحث کرنی ہے۔

علاوہ ازیں ہم ان چیزوں کو جائز و مستحسن جانتے ہیں، آپ حکم لگایئے۔ اگر آپ لوگ بھی اسے جائز و مستحسن بتا دیں گے تو نہ یہ مختلف فیہ رہے گا نہ اس پر مناظرے کی ضرورت۔ اس پر ایک بہت بڑے مناظر نے کہا کہ ہم ان چیزوں کو ناجائز کہتے ہیں۔

مجاہد ملت نے فرمایا: ناجائز ایک عام لفظ ہے، جو مکروہ تحریمی، حرام قطعی، بدعت سیئہ، کفر، شرک سب کو شامل ہے۔ اس لئے آپ تعین کیجئے کہ ناجائز کو کون سی نوع ہے، اس پر ایک تیسرے مناظر بولے کہ مناظرے کے لئے اتنا کافی ہے کہ ہم ان چیزوں کو ناجائز کہتے ہیں۔ نوع بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

مجاہد ملت نے فرمایا: اسی بوتے پر مجتہد مطلق بننے کا شوق ہے، کیا مکروہ تحریمی اور کفر و شرک کے لئے ایک ہی درجہ کی دلیل کافی ہے۔ آپ صاف صاف بتایئے، تا کہ مناظرے کے دوران آپ لوگوں سے اسی درجے کی دلیل طلب کی جائے۔ پھر ناجائز کی نوع کی تعین ہی پر مرتکب کا حکم متفرع ہے کہ وہ فاسق ہے یا کافر بدعتی ہے یا مشرک، جب تک آپ لوگ نوع متعین نہیں کرتے، ان امور کے کرنے کا حکم کیسے بیان کریں گے۔؟

ان ایراد پر غیر مقلدوں کا برا حال ہوگیا۔ پانی پیتے جاتے پسینے پر پسینہ چلا آتا۔ مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں۔ بالآخر پھر ایک ہفتے کی مہلت مانگی۔

تیسرے اتوار کو پھر غائب رہے وقت معینہ سے ایک گھنٹہ گزرنے پر نہیں آئے تو آدمی بھیجا، بڑی مشکل کے بعد آئے۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ ہم کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔

مجاہد ملت نے فرمایا کہ جب کوئی حکم نہیں لگا سکتے تو مناظرہ کیسے ہوگا۔ غیر مقلد مولویوں نے صاف صاف کہہ دیا۔ پھر جانے دیجئے مناظرہ نہ ہوگا۔

مجاہد ملت نے فرمایا کہ اچھا مناظرہ آپ لوگ نہیں کرنا چاہتے تو ہم کس سے مناظرے کریں گے۔ آپ لوگ میرے سامنے ایک حدیث جو جی چاہے پڑھ دیجئے، اور اس حدیث کے بارے میں میرے تمام سوالوں کے جوابات دیجئے۔

مثل مشہور ہے، ”مرے کو ماریں شاہ“ بے چارے اپنے دبے ہوئے موضوع پر نیم مردہ ہو چکے تھے، اس سوال پر رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ بہت دیر کے بعد ایک مولوی صاحب بولے کہ صاحب یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم آپ کے کسی حدیث سے متعلق جملہ سوالات کے جوابات دے سکیں۔ معلوم نہیں آپ کیا کیا پوچھیں گے؟۔ یہ سب باتیں کسی حدیث کے متعلق کس کو یاد ہیں، اس پر جلال عباسی کے تیور کے ساتھ حضرت مجاہد ملت نے فرمایا: جب آپ لوگ کسی ایک حدیث کے بارے میں مکمل معلومات نہیں رکھتے تو مجتہد ہونے کا دعویٰ کس منہ سے کرتے ہیں اور ترک تقلید کس بوتے پر۔ بلاشبہ آپ لوگ ”فافتو بغیر علم فضلوا واضلو۔ کے مصداق ہیں۔ اور ثابت ہوگیا کہ آپ لوگ گمراہ بھی ہیں، اور گمراہ گر بھی، اور جہنمی بھی۔

بے چاروں نے مناظرے سے جان بچانی چاہی تھی مگر مجاہد ملت نے چند منٹ میں پورا مناظرہ کر ڈالا اور اپنے پیش کردہ موضوع کو ثابت فرمایا۔ یہ تھی شاتمان رسول پر طامۂ کبریٰ قائم کرنے کی شان۔

ہندوستان کے طول وعرض میں ہونے والے مناظرے کم ایسے ہوں گے جن میں مجاہد ملت شریک نہ ہوئے ہوں۔ اور جس مناظرے میں شریک ہوئے ہمیشہ صدر بنائے گئے۔ اور ہر جگہ ثابت فرمادیا کہ صدارت کا کام ان سے اچھا کوئی انجام نہیں دے سکتا۔

مناظروں میں کبھی کبھی طرفین کے صدریں میں بھی نوک جھونک ہوجایا کرتی ہے

جب کبھی ایسا موقع آیا حضرت مجاہد ملت نے ہمیشہ مقابل کو ایسا ساکت و مبہوت کیا کہ "فبهت الذی کفر" کا منظر سامنے آگیا۔ بریلی شریف کے تاریخی مناظرے میں ابتداء دیوبندیوں کا صدر کوئی رونق علی نام کا مولوی تھا۔ اسے ایک دن میں ایسا حواس باختہ کردیا کہ دیوبندیوں کے سنبھل سے مولوی اسمٰعیل کو بلانا پڑا یہ آئے تو اپنا رنگ جمانے کے لئے صدارتی تقریر میں یہ کہا:

مسلمانو! ہماری صورتیں دیکھو ہم داڑھی رکھے ہوئے ہیں ہم نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، دینی مدرسے چلاتے، جن میں فقہ، تفسیر، حدیث کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہمارے دیوبند کا مدرسہ اتنا لمبا چوڑا ہے، مگر یہ لوگ ہم کو کافر کہتے ہیں۔ اگر ہم کافر ہوتے تو یہ سب کیوں کرتے۔

حضرت مجاہد ملت نے برجستہ جواب ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نے اپنی منقبت میں بہت لمبا چوڑا قصیدہ بے بحر کا پڑھ ڈالا مگر ٹیپ کا بند چھوڑ دیا، جہاں آپ نے یہ سب بیان کیا تھا۔ آپ یہ بھی تو کہیے کہ ان سب کے ساتھ ساتھ "توہین رسالت" بھی کرتے ہیں، مولوی صاحب ہم آپ کو داڑھی رکھنے پر کافر نہیں کہتے، نماز پڑھنے پر کافر نہیں کہتے، حج کرنے پر کافر نہیں کہتے، دینی مدارس چلانے پر کافر نہیں کہتے، فقہ، تفسیر، حدیث پڑھنے پڑھانے پر کافر نہیں کہتے۔ ہم آپ کو "توہین رسالت" کرنے پر کافر کہتے ہیں۔ آپ نے سب بیان کیا مگر اپنا اصل کارنامہ بیان نہیں کیا۔ یہ سن کر سنبھلی صاحب کو سنبھلنا مشکل ہوگیا، اور پھر ایسے چپ ہوئے کہ آخر مناظرے تک کچھ نہ بولے۔

مناظروں میں صدر ہوتے مگر ہر وقت مناظر کو ایسی ہدایت دیتے جو مناظرے کی یادگار بن جاتی۔ بولیا کے مناظرے میں ارشاد احمد مبلغ دیوبند اہل سنت کے مناظر علامہ ارشد القادری پر یہ حملہ کیا کہ آپ کو خبر بھی ہے کہ آپ ارشد ہیں میں ارشاد۔ آپ کا مصدر ہوں، آپ اپنے مصدر کو بھی نہیں جانتے۔ علامہ ارشد، مبلغ دیوبند کی اس جسارت فاحشہ پر اپنے رنگ میں علمی گرفت کرنے جارہے تھے کہ 'ارشد' اسم تفضیل ہے جو صرف مجرد سے آتا ہے اور ارشاد باب افعال مزید فیہ کا مصدر ہے مزید فیہ سے اسم تفضیل کہاں آتا ہے۔ یقیناً یہ

ایک زبردست علمی گرفت تھی۔

مگر ارشاد کو جو لوگ جانتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ اس کا اس پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ وہ تو اسی وقت گھبرا جاتا، جب عوام حریف کی بات سے متاثر ہوں۔ اور علمی اعتراض میں عوام کی دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔ حضرت مجاہد ملت نے جس تمسخر کے انداز میں اس مسخرے نے یہ بات کہی تھی اس کے ترکی بہ ترکی جواب کی تلقین فرمائی کہہ دو، آپ مصدر ہم آپ کو خوب جانتے ہیں: "المصدر کالمخنث لایذکر ولایؤنث" مصدر ہجڑے کی طرح ہے، نہ مذکر نہ مؤنث۔ یہ جواب ایسا چپکا کہ دیوبندیوں کا سارا اسٹیج اور مجمع سر پیٹ کے رہ گیا۔ عوام آج تک اس کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔

یہ کسی زندہ دل نحوی کا مقولہ ہے اس کا مطلب یہ ہے۔ نحوی حکم کے اعتبار سے مصدر نہ مذکر ہے نہ مؤنث، اس کی طرف مذکر ضمیر بھی لوٹ سکتی ہے، اور مؤنث بھی۔ دیوبندی کس درجہ حیا سے عاری ہوتے ہیں اپنی ذات کو ایک انسان کا مصدر بتاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ میں ہوتا تو پوچھتا کہ مولوی صاحب ذرا یہ بتایئے کسی انسان کا مصدر مرد ہوتا ہے کہ عورت۔

حضرت مجاہد ملت جن مناظروں میں شریک ہوئے، ان میں اس قسم کی بے شمار باتیں ہوئیں مگر یاد کس کو رہیں اور جو یاد ہیں انہیں لکھنے کی کسے فرصت۔؟

کبھی کبھی مناظروں میں بھی ایک ہی بات فیصلہ کن بن جاتی ہے۔ حضرت مجاہد ملت کی شان یہ تھی کہ وہ اس نکتے کو بھانپ لیا کرتے تھے۔ بجرڈیہہ بنارس میں غیر مقلدین سے مناظرہ تھا، حضرت مجاہد ملت نے پہلے ہی بتا دیا کہ ساری بحث کی بنیاد "عبادت" کی تعریف ہے۔ اس کو شروع ہی میں ضرور پوچھا جائے۔ چناں چہ اہل سنت کا جو پہلا پرچہ گیا اس میں منجملہ اور بہت سی باتوں کے عبادت کی تعریف بھی پوچھی گئی تھی، اس خداداد فراست پر حیرت ہے کہ اخیر وقت تک غیر مقلد مناظر عبادت کی کوئی تعریف نہیں کر سکا۔

ہاں! غایت فیاضی سے "شرک" کی دو دو تعریفیں کیں۔ ایک تو اس نمبر پر جس پر شرک کی تعریف پوچھی گئی تھی، دوسری اس نمبر پر جس پر عبادت کی تعریف درج تھی۔ اس کا دو مطلب ہو سکتا ہے، یا تو غیر مقلد مناظر بھانپ گیا کہ عبادت کی تعریف کی نہیں کہ سارا تانا بانا

برباد ہوا، اس لیے گول کر گیا۔ "نہ سو بولتا نہ ایک چپ" ہاں یہ کی عبادت کی تعریف کے انجام کو محسوس کر کے اتنا گھبرا گیا کہ اس نمبر پر بھی بجائے عبادت کے شرک، اضطرارا لکھ گیا۔

غیر مقلد مناظرے سوال نمبر پانچ کے جواب میں جس میں عبادت کی تعریف پوچھی گئی تھی۔ یہ لکھا: کسی کو فوق الفطری قوت واختیار کا مالک سمجھ کر اس کے تقرب کے لئے کوئی عمل کرنا شرک ہے۔ یہ شرک کی تعریف غیر مقلدوں کی خود ساختہ ہے، نہ قرآن میں ہے، نہ احادیث میں، نہ اسلاف سے منقول ہے۔

چوں کہ سارے جہاں کے سنی مسلمان انبیائے کرام واولیاے عظام میں فوق الفطری طاقت مانتے ہیں، اس لئے سارے جہاں کے سنی مسلمانوں کو کافر ومشرک بنانے کے لئے، شرک کی یہ تعریف گڑھی۔

حضرت مجاہد ملت نے وہیں میدان مناظرہ میں زبانی اور بعد میں بذریعہ اشتہار تمام حاضر وغائب غیر مقلدین کو چیلنج کر دیا کہ جو شخص، شرک کی یہ تعریف قرآن وحدیث میں یا اقوال سلف میں دکھادے، اسے گیارہ سو روپئے انعام، وہاں مناظرے کی اسٹیج پر غیر مقلدین کے منتخب مجتہدین موجود تھے۔

مناظر تو مناظر کسی کی ہمت نہ ہوئی اور نہ قیامت تک کسی غیر مقلد میں یہ ہمت ہے کہ اپنی خانہ ساز شرک کی یہ تعریف قرآن یا حدیث یا ارشادات اسلاف میں دکھا سکے۔

ان سطور کو پڑھنے کے بعد کیا ہر منصف یہ نہیں پکار اٹھے گا کہ حضرت مجاہد ملت کہنے کو تو ایک انسان تھے مگر حقیقت میں ہزاروں علما کی انجمن تھے۔ وہ گئے تو تنہا نہیں گئے، علم و فضل کی ساری دنیا ساتھ لے گئے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

قیس کی موت ایک کی موت نہیں، اس کا وجود پوری قوم کی بنیاد تھی، جو منہدم ہو گئی۔

(ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، مجاہد ملت نمبر: مئی ۱۹۸۲ء صفحہ: ۵۷ تا ۶۶)

☆☆☆

باب دوم

خطبات

خطبہ صدارت۔ صدر الشریعہ سیمینار

سیدی الکریم حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ رضی اللہ عنہ کی بافیض ذات گرامی کو اس ظاہر دنیا سے تشریف لے گئے ہوئے تقریباً نصف صدی گزر چکی تھی لیکن ایسی جہان محاسن وکمالات ذات کریم پر اب تک کوئی تحقیقی کام سامنے نہ آیا تھا۔ حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا بڑا قلق رہا کرتا۔ بالآخر حضرت کی کوششوں سے ماہنامہ اشرفیہ نے ایک جامع ضخیم صدر الشریعہ نمبر شائع کیا۔ جس سے حضرت پہ کام کی ابتدا ہوئی۔ اس سے پہلے شمس العلوم گھوسی میں دائرۃ المعارف الامجدیہ کے زیر اہتمام ۱۹۷۸ء میں ایک سیمینار حضور صدر الشریعہ کی خدمات کے حوالے سے منعقد ہو چکا تھا۔

۱۴۱۸ھ میں صدر الشریعہ قدس سرہ کے پچاسویں عرس کی تاریخ قریب آرہی تھی۔ جانشین حضرت صدر الشریعہ، استاذی الکریم محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دام ظلہ العالی اور خانوادۂ امجدیہ اور وابستگان نے اس عرس مقدس کو یادگار طرز پر منانے کا منصوبہ بنایا، اور جشن زریں (گولڈن جبلی) کا اہتمام ہوا، جس میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی حیات وخدمات کے حوالے سے مختلف کتابچے، ہینڈبل، اسٹیکر، پوسٹرس اور حضرت کے فتاویٰ کی اشاعت ہوئی۔ اعلیٰ پیمانے پر سیمینار کا انعقاد ہوا۔ حسب روایت منقبتی مشاعرہ اور عظیم الشان اجلاس ہوا۔

حضرت شارح بخاری علیہ الرحمۃ نے اس سیمینار کی صدارت فرمائی اور اسی موقع سے یہ خطبہ پیش فرمایا۔ اس سیمینار کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ اہل سنت کی اکثر سر برآوردہ شخصیتیں جلوہ افروز تھیں۔ جانشین مفتی اعظم ہند حضرت علامہ اختر رضا ازہری دام ظلہ الاقدس، رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری، فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین امجدی، محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، خواجہ علم وفن علامہ مظفر حسین دامت برکاتہم القدسیہ کے وجودہائے گرامی سے عجیب سماں تھا، عجیب رونق تھی۔ اور ان ساری رونقوں میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا نورانی فیض قوس وقزح کی رنگینیاں بکھیر رہا تھا۔

اس سیمینار کے سارے مقالات اور اس کی پوری روداد کو مولانا فیضان المصطفیٰ قادری صاحب نے ”صدر الشریعہ۔ حیات وخدمات“ کے نام سے ایک ضخیم جلد میں سمیٹ دیا ہے۔ جس میں یہ خطبہ صدارت بھی شامل ہے۔ یہ مجموعہ ۵۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ (مرتب)

خطبہ صدارت
صدرالشریعہ سیمینار

مرشدی حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ کی ہستی غیر منقسم ہندوستان میں بلکہ اب پوری دنیا میں مذہب اہل سنت و جماعت کی بقا اور تحفظ کے لیے قطب الارشاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

آج اہل سنت کے قائدین و عمائد پر ایک سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو وہ سب حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ سے بالواسطہ یا بلا واسطہ ہیں۔ مدرسین ہوں یا مقررین، مفتی صاحبان ہوں یا مشائخ طریقت، مناظرین ہوں یا مصنفین۔ ان سب کی غالب اکثریت جو بہ منزلہ کل کے ہے، حضرت صدرالشریعہ کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ کی ہے۔ ہمارے بڑے بڑے اداروں کے مدرسین، ہماری مرکزی خانقاہوں کے پیر صاحبان میں جو اصحاب علم ہیں وہ سب کے سب صدرالشریعہ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہیں۔ آج ہندوستان کے گوشے گوشے میں جو دینی مدارس قائم ہیں وہ سب حضرت صدرالشریعہ ہی کے رہین منت ہیں۔ مالی اعتبار سے تدریس کا کام بہ منزلہ صفر ہے۔ خصوصیت کے ساتھ حضرت صدرالشریعہ کے عہد مبارک میں دینی خدمات میں مالی اعتبار سے سب سے منفعت بخش پیری مریدی تھی یا پھر وعظ و تقریر۔ روحانی اعتبار سے حضرت صدرالشریعہ اتنے بلند پایہ تھے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے متعلقین میں سوائے حضرت صدرالشریعہ کے کسی کو اپنی بیعت لینے کا وکیل نہیں بنایا تھا۔ یہ شرف حضرت صدرالشریعہ ہی کو حاصل تھا، ذرا خیال کیجیے!

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ روحانیت کے ایسے لعل شب چراغ تھے کہ ان کے مرشد برحق خاتم الاکابر سیدنا و مولانا شاہ آل رسول احمد مارہروی تاجدار مسند غوثیہ برکاتیہ نے ان کے بارے میں فرمایا:

"مجھے اس کی فکر تھی کہ اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ اے آل رسول! میرے لیے کیا لایا ہے، تو کیا پیش کروں گا۔ اب جب کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب مل

گئے تو یہ فکر دور ہوگئی۔ اب اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے پوچھے گا کہ اے آل رسول! میرے لئے کیا لایا ہے تو میں مولانا احمد رضا خاں کو پیش کردوں گا"۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ تحفہ مختلف وجوہ سے چھوٹا بڑا ہوتا ہے۔ایک معمولی آدمی کسی معمولی آدمی کو تحفہ پیش کرے اس کی حیثیت اور ہوگی۔اور ایک متوسط دوسرے متوسط کو تحفہ پیش کرے اس کی حیثیت اور ہوگی، اور ایک رئیس دوسرے رئیس کو تحفہ پیش کرے اس کی حیثیت اور ہوگی۔اور رئیس اعظم دوسرے رئیس اعظم کو تحفہ پیش کرے اس کی حیثیت اور ہوگی۔پھر رعایا اگر بادشاہ کو تحفہ پیش کرے تو اس کے بھی حسب تفصیل بالا مختلف مدارج ہوں گے۔پھر تحفہ وقت اور تقریب کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔عام حالات میں جو تحفہ پیش کیا جاتا ہے اس کی حیثیت اور ہوتی ہے اور کسی تقریب کے موقع پر جو پیش کیا جاتا ہے اس کی حیثیت اور۔پھر تقریب کی شان کے اعتبار سے تحفہ بدلتا رہتا ہے۔عام تقریبات کا تحفہ اور ہوگا اور خاص تقریبات کا تحفہ اور۔اور سب سے اعلیٰ تقریب کا تحفہ سب سے اعلیٰ۔

(اس خادم نے یہ روایت حضرت سید العلماء مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ صاحب اور احسن العلماء حضرت مولانا سید شاہ حسن میاں صاحب قدست اسرارہم سے براہ راست نجی مجلسوں میں اور عرس قاسمی کے مجمعوں میں بارہا سنی ہے۔اور آج بھی ان کے صاحبزادگان حضرت سید آل رسول حسنین میاں صاحب نظمی اور حضرت سید امین میاں صاحب بار بار بیان کرتے رہتے ہیں۔لیکن ایک مظفر پوری اس روایت سے انکار کرتا ہے، جب مارہرہ مطہرہ کے ذمہ دار بزرگوں نے اس روایت کو خود بیان فرمایا ہے اور آج بھی خانقاہ برکاتیہ کے ذمہ دار افراد اسے بیان کرتے ہیں تو ان کے انکار کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔اس ذات کے دل میں اس کے والد ماجد کی حیات ظاہری ہی میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے عداوت اور بغض ظاہر ہوگیا تھا۔اس کے ازالے کی ان کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت کوشش کی اور جب مایوس ہوگئے تو فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کہیں گمراہ نہ ہوجائے۔کیوں کہ اس کے دل میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے عداوت بھری ہے۔)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ مجدد اعظم تو بلاشبہ۔ ان کے مرشد، مرشد اعظم ، اب ذرا توجہ کے ساتھ ذہن حاضر کرکے سنیے! قیامت کا دن رب العالمین کے دربار اعظم کا دن ہے۔نہ تو رب العالمین نے اس کے پہلے اتنا بڑا دربار منعقد کیا اور نہ آئندہ منعقد فرمائے گا۔تمام اولین وآخرین، انبیا ومرسلین اور ان کی امت کے تمام علمائے کاملین اور اولیائے عارفین، مومن

کافر، متقی و فاسق، بادشاہ و رعایا، ظالم و عادل، سبھی حاضر ہوں گے۔ اس دربار اعظم میں اپنے عہد کے مرشد اعظم نے رب العالمین کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لئے جو تحفہ متعین فرمایا ہے وہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات ہے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ خاتم الاکابر کے خزانہ عامرہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے زیادہ قیمتی کوئی ہیرا نہیں۔

علاوہ ازیں اہل سنت و جماعت کے عوام و خواص کو تسلیم ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اپنے وقت کے قطب الارشاد تھے حتیٰ کہ آج جو لوگ اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر علانیہ کیچڑ اچھال رہے ہیں ان کے سب سے بڑے بزرگ شیخ المشائخ مولانا شاہ علی حسین صاحب اشرفی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اعلیٰ حضرت کو قطب الارشاد بتایا ہے۔ جسے ان کیچڑ اچھالنے والوں کے والد ماجد حضرت محدث اعظم ہند نے ناگپور کے خطبہ استقبالیہ میں تحریر کیا ہے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ جب اپنے مرشد کی نظر میں اتنے وقیع تھے اور قطب الارشاد تھے اور اعلیٰ حضرت نے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کو اپنی بیعت لینے کا وکیل بنایا۔ اسی سے حضرت صدر الشریعہ کی روحانیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہی وہ نکتہ تھا جس نے مجھ بے بضاعت کو حضرت صدر الشریعہ کا غلام بننے پر مجبور کیا۔ عام اذہان میں نورانیت کا مدار چہرے کا رنگ و روپ ہوتا ہے اور شہرت عام، حضرت صدر الشریعہ کے عہد میں ہندوستان کی خانقاہوں میں بڑے بڑے مشہور، بڑے وجیہ و شکیل مشائخ عظام تھے جو مسلم الثبوت بزرگ تھے۔ یہ لوگ حسن ظاہر اور باطن دونوں سے آراستہ تھے۔ میں ان سب لوگوں کا عقیدت مند اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہوں۔ دوسری طرف حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نہ کسی مشہور خانقاہ کے سجادہ نشین تھے، اور نہ پیری مریدی میں شہرت یافتہ۔ رنگ بھی گندم گوں تھا، لباس بھی انتہائی سادہ، موٹا گدی کا۔ لیکن میں انہیں کا غلام بنا۔

ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ما ہے
چہ کنم کہ چشم بد خونہ کند بہ کس نگاہے

مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ جس طرح علم ظاہر کے بحر ناپید کنار تھے، اسی طرح علم باطن کے بھی۔ جس طرح وہ علم ظاہر کے تاجدار تھے، اسی طرح علم باطن

کے بھی۔ اور ان کا فیض ان کے عہد میں پوری دنیا تک پہنچا اور آج بھی پہنچ رہا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ چاہتے تو پیری مریدی کا سلسلہ پھیلاتے اور دوسرے پیروں کی طرح عوام کی نظروں میں بہت بڑے بزرگ بھی تسلیم کئے جاتے اور معاشی طور پر بھی پیروں کی طرح مالا مال ہوتے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت صدر الشریعہ نے اپنے لئے بنیادی طور پر دین کی جو خدمت اختیار کی وہ تدریس کی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ہماری جماعت میں علما کی کمی تھی، دوسری طرف دار العلوم دیوبند سے ہر سال سیکڑوں مولوی فارغ ہو کر نکلتے، اور ملک میں پھیل کر دیوبندیت پھیلاتے۔ مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی نے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا:

مولانا احمد رضا خاں صاحب اور علمائے دیوبند میں فرق یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب اعلیٰ سے اعلیٰ اسلحے تیار کر کے میگزین بھرتے رہے مگر ان ہتھیاروں کو استعمال کرنے کے لئے ان کے پاس سپاہی نہیں تھے۔ اور علمائے دیوبند زیادہ سے زیادہ سپاہی پیدا کرتے رہے اس لئے وہ پھیلتے جا رہے ہیں۔

اس عہد میں علمائے اہل سنت کی قلت اور علمائے وہابیہ کی کثرت کا ایک منظر خود ہمارے ضلع اعظم گڑھ میں دیکھ لیجئے۔ ایک سروے کے مطابق اعظم گڑھ میں دو سو سے زائد وہابی مولوی تھے۔ اور علمائے اہل سنت میں حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ تنہا۔ ادری کے مناظرے میں وہابیوں کے اسٹیج پر ڈیڑھ سو وہابی مولوی تھے جبکہ اہل سنت کے اسٹیج پر تین یا چار نو فارغ علما تھے۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے اس خلا کو محسوس فرمایا اور اپنے لیئے تدریسی خدمت اختیار فرمائی۔ اور پورے خلوص، تن دہی کے ساتھ پڑھانا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ملک کے گوشے گوشے میں علمائے اہل سنت کی کثیر تعداد موجود ہے اور میرا اندازہ ہے کہ ہر سال ہمارے ہندوستان کے مدارس سے کم از کم پانچ سو علما فارغ ہو رہے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ کی برکت سے اہل سنت میں ایسے ایسے عالم پیدا ہوئے جو پوری دنیا پر بھاری تھے۔

شیر بیشہ اہل سنت ابوالفتح مولانا حشمت علی خاں صاحب لکھنوی۔ حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔ حضر محدث اعظم پاکستان مولانا سرادار احمد صاحب گورداس پوری بانی مظہر الاسلام لائل پور پاکستان۔ مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رئیس اعظم اڑیسہ، صدر العلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ ان میں سے ہر ایک کی شخصیت اتنی عظیم تھی کہ پورے عالم پر بھاری تھے۔ یہ تو میں نے چند نام گنائے ہیں۔ ان کے علاوہ صدر الشریعہ قدس سرہ کے ہزارہا تلامذہ ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے اور مذہب حق اہل سنت کی حمایت اور مذاہب باطلہ کا ردو طرد کرتے رہتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بد مذہبوں کے دار العلوم سے گمراہی وضلالت کا جو سیلاب اُمڈ رہا تھا، وہ جہاں تک پہنچا تھا، وہیں پہنچ کر تھم گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ "الحرب سجال ینالہ منا وننالہ منہ" لڑائی ایک ڈول ہے کبھی وہ ہم سے لے لیتا ہے اور کبھی ہم اس سے لے لیتے ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے فیض سے آج ایسے افراد پیدا ہو چکے ہیں کہ وہابیوں کے مضبوط سے مضبوط قلعوں میں گھس کر وہابیوں کو بے دخل کرتے جا رہے ہیں۔ کیا یہ بات باعث خوشی نہیں کہ لکھنؤ جہاں صرف دو ایک مسجدوں میں ہمارے امام تھے وہاں آج اسّی مسجدوں میں ہمارے امام ہیں۔

دلی جس کا حال بھی تقریباً وہی تھا جو لکھنؤ کا تھا لیکن آج ایک سو بیس مساجد میں ہمارے ائمہ ہیں۔ اور دلی میں فاتح عالم علامہ ارشد القادری مد ظلہ العالی کی بڑھاپے میں جواں ہمتی کی بدولت جامعہ نظام الدین اولیاء قائم ہے اور لکھنؤ میں ایک گمنام اور خاموش مگر خلوص کے ساتھ خدمت دین انجام دینے والے عزیزم قاری ابوالحسن برکاتی کی کوششوں سے ایک طویل وعریض خطے پر دار العلوم وارثیہ قائم ہے۔ آپ جھانک کر دیکھیں گے تو ہر جگہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فیض کا جلوہ نظر آئے گا۔ مجھے کہنے دیجئے۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

لیکن ہماری جماعت کے جمود اور تعطل کا یہ عالم ہے کہ حضرت صدر الشریعہ کے وصال کے بعد ۴۹ رسال تک پوری دنیائے سنیت میں اس سلسلے میں خاموشی رہی۔ اس خصوصی شرف میں بھی جامعہ اشرفیہ کا کوئی حریف نہیں کہ اس نے بڑے اعلیٰ پیانے پر صدر الشریعہ نمبر نکال کر پوری دنیا میں تہلکہ مچادیا۔ جو واقف کار تھے انہیں پرانی یادیں تازہ ہوگئیں اور جو ناواقف تھے انہیں معلوم ہوگیا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے بعد اپنے جتنے جانشین چھوڑے ان سب کی صف اول میں حضرت صدر الشریعہ کا مقام ہے اور اسی صدر الشریعہ نمبر ہی نے وارثین صدر الشریعہ کو اس بات پر ابھارا کہ حضرت صدر الشریعہ کے پچاسویں عرس مبارک کے موقع پر جشن زریں منایا جائے۔ جس کے لئے آپ تمام حضرات یہاں تشریف لائے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ اس مجمع میں حضرت صدر الشریعہ کے خلفا میں سے صرف میں ہی اکیلا ہوں۔ نیز بلا واسطہ تلامذہ میں بھی۔ نیز حضرت صدر الشریعہ کے خاندان کا ایک فرد ہوں۔ آپ تمام حضرات کا صمیم قلب کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ حضرات نے اس اہم سیمینار میں شرکت فرمائی۔

میں نے حضرت صدر الشریعہ نمبر کے لئے جو مضمون املا کرایا تھا اس میں تقریباً حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے اہم حالات کو جمع کردیا ہے۔ اور اب اس وقت کوئی ایسی بات ذہن میں نہیں آرہی ہے جسے بیان کروں۔

☆☆☆

خطبۂ صدارت حافظ ملت سمینار

حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی قدس سرہ بانی جامعہ اشرفیہ مبار کپور کی ذات گرامی ایک ایسا ابر کرم تھا جو پورے عالم اسلام پہ بہت جھوم کے برسا۔

آپ نے بہت حوصلہ شکن ماحول میں اسلام وسنیت کی جو بے مثال خدمات انجام دی ہیں وہ قابل صد رشک ہیں۔آپ نے چوالیس سالہ جاں فشانی اور جگر کاوی سے الجامعۃ الاشرفیہ مجوزہ عربی یونیورسٹی جیسا اسلامی تاج محل عالم اسلام کو دیا۔صف در صف جید اور بالغ نظر علمائے کرام ملت کو سونپے جن میں ہر شعبہ حیات کی قائدانہ صلاحیت موجود تھی،ان کے تلامذہ اور ان کے در کے فیض یافتہ افراد کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ حالات سے کبھی نہیں دبتے بلکہ حالات کا رخ پھیر دیتے ہیں۔

ایسی جہاں گیر اور عالم نواز ذات گرامی کے بلا واسطہ فیض یافتگان میں حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سابقین اولین میں شمار ہوتی ہے۔اس لئے حافظ ملت قدس سرہ کی حیات وخدمات کے حوالے سے منعقد ہونے والے سمینار کی صدارت کے لئے اور کون موزوں ہوتا۔

یہ سمینار جامعہ اشرفیہ میں ۱۹۹۰ء میں عرس عزیزی کے موقع سے منعقد ہوا،جس میں ملک کے نامور دانشوروں اور علما و مشائخ نے شرکت فرمائی ،اور قیمتی مقالات پیش فرمائے۔جنہیں الگ کتابی شکل میں ''حافظ ملت افکار اور کارنامے'' کے نام سے شائع کر دیا گیا۔

یہ خطبہ صدارت حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے اکابر و محسنین کے ساتھ والہانہ شیفتگی کے جذبات کا بہترین ترجمان ہے۔(مرتب)

خطبۂ صدارت

حافظ ملت سمینار

قابل فخر و سرمایۂ افتخار اساتذۂ کرام ولائق صد اعزاز و اکرام ارکان اور قابل شفقت طلبہ و جملہ معزز حاضرین!

حافظ ملت سمینار کے ارکان نے میرے کاندھوں پر اس اہم علمی مجلس کی صدارت کا بار رکھا۔ چوں کہ میرا تجربہ ہے کہ ہزار انکار کے بعد بھی مجھے اسے قبول ہی کرنا ہے۔ اس لئے تضیع وقت سے بچنے کے لئے میں نے بغیر کسی اصرار کے اسے قبول کرلیا۔ ہر خطبہ صدرات کا پہلا لازمی جز یہ ہوتا ہے کہ ہر خطبہ نویس اور خطبہ خواں اپنی نا اہلی کا اظہار کرتا ہے، مگر احباب کے آبگینۂ دل کو ٹھیس سے بچانے کے لئے چاروناچار قبول کرتا ہے۔ اسی لئے مجھے لازم تھا کہ اپنے اس خطبے کو اسی طریقہ متوارثہ کے مطابق شروع کروں، لیکن میں اس سنت متوارثہ کے برخلاف صرف یہ کہہ کر آگے بڑھ رہا ہوں جب میں نے اس منصب کو قبول کرلیا تو اس کا ذکر بے فائدہ ہے کہ میں اہل ہوں یا نا اہل۔ اب تو مجھے نبھانا ہے۔ اور آپ حضرات سے یہ گزارش ہے کہ یہ انتخاب آپ حضرات کا ہے، اس کا لحاظ آپ حضرات کو رکھنا ہے کہ کہیں آپ حضرات کی نگہ انتخاب پر آنچ نہ آئے۔

اب بہر حال محبت کو نبھانا ہوگا
لوگ لیتے ہیں مرا نام ترے نام کے ساتھ

حضرات! مجھے خصوصیت سے آج کی ملاقات میں دو باتیں عرض کرنی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ طلبہ اشرفیہ برسہا برس سے اپنے متعدد اسلاف پر مقالے لکھتے ہیں، تقریریں کرتے ہیں، اور یہ اشرفیہ کے دفتر فضائل کا خصوصی باب ہے کہ اس کی ایجاد کا

سہرا بھی اشرفیہ کے سر ہے۔ لیکن مجھے شکایت یہ ہے کہ اب تک جو کچھ ہوا، وہ ع نوشتند، خواندند و برخاستند، سے آگے نہیں بڑھا۔ اگر چہ کچھ نہ ہونے کے مقابل یہ بہت کچھ تھا، اس سے بھی دو عظیم فائدہ حاصل ہوئے۔ ایک تو طلبہ کو اپنے اکابر کے حالات، کمالات، خصائص معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ جن کے نتیجے میں ضرب ضربا ضربوا، تصور تصدیق، کلی جزئی، عکس نقیض عکس مستوی، شکل اول شکل ثانی، ہیولی صورت کے محدود دائرے سے نکل کر اور پڑھنے کی توفیق ملی، دوسرا یہ کہ جو کچھ پڑھا اپنی اپنی مخصوص تراکیب و جملے میں قلم بند کرنے کا سلیقہ آ گیا۔

مگر اس کوشش سے جو فوائد حاصل کئے جا سکتے تھے، اس سے ہم سب محروم رہے، بلکہ تکلیف وہ صورت حال یہ ہے کہ ہم یہ بھی نہیں جان سکے کہ اس سے ہم مزید کیا فائدے حاصل کر سکتے ہیں۔ امسال یہ ضرور ہوا کہ عزیز ارشد جناب مولانا مبارک حسین صاحب سلمہ کی کوششوں سے سال گزشتہ حافظ ملت سیمینار کے مقالے چھپ گئے، اس سے یہ فائدہ تو ہوا کہ دیگر مقالات کی طرح سال گزشتہ کے مقالے گنج مخفی نہ رہے منظر عام پر آ گئے اور جسے توفیق ہو وہ ان سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ یہ اقدام یقیناً بہت امید افزا، ہمت افزا و بلکہ روح افزا ہے۔ لیکن کسی بھی بزرگ کے ساتھ عقیدت اور اسکی سوانح سے جو فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، شاید اب بھی ہم اس سے محروم ہی رہیں۔ خدا نہ کرے۔

حضرات! میں آج اس غفلت سے نہیں ستم ظریفی سے پردہ اٹھا دینا چاہتا ہوں۔ یاد رکھئے کسی بزرگ کے ساتھ سچی عقیدت کا مقتضا یہ ہے کہ اسے زندۂ جاوید رکھا جائے اور آپ یاد رکھیں کہ کسی شخصیت کو صرف آپ کاغذ کے صفحات سے زندۂ جاوید نہیں بنا سکتے ہیں، اور نہ آج تک صرف کاغذ کے صفحات سے کوئی زندۂ جاوید رکھا جا سکا ہے۔ صرف کاغذ کے صفحات سے کوئی زندۂ جاوید تو بڑی بات ہے زندہ بھی نہیں رہ سکا ہے، وقت کی تنگی مانع ہے ورنہ میں نام لے لے کر بتاتا کہ فلاں فلاں صاحب کی سوانح اتنے اتنے صفحات پر لکھی گئی مگر اس کا وجود ہی دنیا میں کہیں نہیں۔ اس سلسلے میں سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد کافی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

کان لیث بن سعد افقه من مالک ولکن ضیعوه اصحابه.

لیث بن سعد امام مالک سے بڑے فقیہ تھے، مگر ان کے اصحاب یعنی تلامذہ نے ان کو ضائع کردیا۔

اسی طرح یہ سمجھنا کہ ہم حافظ ملت قدس سرہ کا عرس کرلیتے ہیں۔ چادروں کا جلوس عظیم الشان پیمانے پر نکال لیتے ہیں، اس سے حافظ ملت کو زندہ جاوید رکھا جاسکے گا، بہت بڑی بھول ہے۔ عرس تو نہ جانے کتنے بے پڑھے لکھے فضائل وکمالات سے عاری لوگوں کا بھی ہوتا ہے۔ اس سے تو یہ سب کو معلوم رہے گا کہ یہ ایک صاحب کا مزار مبارک پور میں ہے، جن کا بہت اعلیٰ پیمانے پر عرس ہوتا ہے کہ آئندہ نسلوں کی زبان پر حافظ صاحب حافظ صاحب باقی رہے گا۔ مگر یہ حقیقت میں حافظ ملت کو زندہ نہیں رکھنا ہے حافظ ملت اس سے بہت بلند ہیں، صرف اتنی سی بات کہ نیاز وفاتحہ ہوگئی، چادروں کا جلوس نکل گیا، عرس کی بھیڑ جمع ہوگئی اور ہم نے سمجھ لیا کہ ہم نے حافظ ملت کو زندہ رکھا ہے۔

حضرات! حافظ ملت کو زندہ جاوید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس وادی غیر ذی زرع میں جو عظیم الشان باغ فردوس لگایا ہے، وہ اسی طرح پھلتا پھولتا رہے، جیسے حافظ ملت کے زریں عہد میں پھلتا اور پھولتا رہا۔ بلکہ حافظ ملت کو زندہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم صرف پھل پھول پر قناعت نہ کریں، بلکہ اس مادر علمی سے صبح قیامت تک ایسے باغبان پید کرتے رہیں جو اس قسم کے باغ پر باغ، گلشن پر گلشن، گلستاں پر گلستاں لگاتے رہیں۔ حافظ ملت کا کارنامہ صرف یہ نہیں کہ انہوں نے ایک عظیم الشان باغ لگایا جو تروتازہ رہنے کے لئے مالیوں باغبانوں کا محتاج ہوتا ہے، حافظ ملت کا کام یہ تھا کہ انہوں نے باغ بھی لگایا، اور باغبان بھی پیدا کیے، نہ صرف باغبان پید کئے بلکہ باغباں گر پیدا کیے۔ باغباں ساز پیدا کیے۔ باغباں آفریں پیدا کیے۔ یہ بات مقالات کے مضامین سننے اور چھپوانے سے نہیں حاصل ہوگی بلکہ پہلے کما حقہ حافظ ملت کو سمجھنے پھر ان کے کردار پر عمل کرنے اور ان کے رنگ میں رنگنے، اور ان کی آگ اپنے سینے میں لگانے اور ان کے سوز میں جلنے، اور ان کی طرح علم وعمل، ایثار وقربانی، خلوص وللہیت، ثبات استقلال، عزیمت وکردار، اضطراب وتڑپ، سوز

بے قراری، اور دین کے لئے جینے، دین کے لئے مرنے اور "زمین کے اوپر کام زمین کے نیچے آرام" کے عروج وارتقا کے کیمیا اثر نسخہ کو اپنانے سے ہو سکتی ہے۔ کسی مرد باخدا کے محیر العقول کارنامے سن کر واہ واہ، کسی کی عزیمت وثبات کے دل لرزانے والے کردار پر سبحان اللہ سبحان اللہ، کسی کی ایثار وقربانی کی ایسی روداد سن کر جو ہمارے حوصلے سے بلند ہو مرحبا مرحبا کہنا کسی مرض کی دوا نہیں، بلکہ مرض ہے، کسی درد کا مداوا نہیں، بلکہ درد سر درد جگر ہے اور حقیقت میں سونے والوں کو مافیا کا انجکشن لگانا ہے۔ ہاں! مرد باخدا کے کردار کا نمونہ بننا، اس کے ثبات واستقلال کا آئینہ بننا، اس کے ایثار وقربانی کا مظہر بننا ہی ہر درد کی دوا، ہر مرض کا مداوا، اوج ثریا تک پہنچنے کا زینہ ہے۔

شراب کہن پھر پلا ساقیا ۔۔۔ وہی جام گردش میں لا ساقیا
خرد کی غلامی سے آزاد کر ۔۔۔ جوانوں کو پیروں کا استاذ کر
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے ۔۔۔ دل مرتضی، سوز صدیق دے
جگر سے وہی تیر پھر پار کر ۔۔۔ تمنا کو سینوں میں بیدار کر
جوانوں کو سوز جگر بخش دے ۔۔۔ مرا عشق میری نظر بخش دے

اس کے لئے پہلے ضروری ہے کہ حافظ ملت کو جانو، سمجھو، پہچانو۔ کسی بھی فرد کو مقتدا بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں چار بنیادی خوبیاں ہوں، اور یہ خوبیاں جتنی زیادہ ہوں گی وہ اتنا ہی بڑا مقتدا ہوگا، جوہر ذاتی، خلوص، ایثار، جہد مسلسل۔

جوہر ذاتی:

میں نے سات سال مسلسل شب وروز ان کے ظل عاطفت میں رہ کر اور طالب علمانہ شوخ وشنگ نگاہوں سے دیکھ دیکھ کر خلوت وجلوت، رزم وبزم، مدرسہ وگھر، جلسہ عام، جلسہ خاص سب میں دیکھا، اور عقابی تیز نگاہوں سے ہر ہر پہلو دیکھا، اپنے اساتذہ اور مشائخ کی بارگاہ میں دیکھا۔ اکابر کے دربار میں دیکھا، ہم عصروں کے جھرمٹ میں دیکھا، ہم سبق ساتھیوں میں دیکھا، طلبہ میں دیکھا، طلبہ پر شفقت کرتے دیکھا، طلبہ پر عتاب کرتے دیکھا، روسائے قوم کے ساتھ دیکھا، غربائے ملت کے ساتھ دیکھا، اعزہ واقارب کے ساتھ دیکھا،

اہل وعیال کے ساتھ ہر جگہ ہر محفل ہر مجمع میں سب کے ساتھ دیکھا، اور یہ فیصلہ کرنا پڑا۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

علم وہ تھا کہ جس کی تھاہ کوئی پا نہ سکا۔ اب یہ فیشن ہو گیا ہے کہ جو بھی مرتا ہے اس کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہ سب کچھ تھا۔ ہر فن کا جامع تھا، تدریس، افتا، تحریر و تقریر کا بادشاہ تھا، لیکن جب حقائق پر پرکھا جائے تو معاملہ دگرگوں ہوتا ہے، لیکن میں پورے وثوق کے ساتھ بلکہ چیلنج کے ساتھ علی رؤس الاشہاد کہتا ہوں کہ حافظ ملت بلاشبہ حقیقی معنوں میں ہر فن کے جامع کامل تھے، خواہ وہ فقہ ہو یا اصول فقہ، حدیث ہو یا تفسیر، ادب ہو یا معانی و بیان، بلاغت ہو یا انشاء، منطق ہو یا فلسفہ ہر فن میں امام تھے۔ خطیب ایسے تھے کہ ان کی تقریر نے سیکڑوں جگہ انقلاب برپا کر دیا۔ مصنف ایسے تھے کہ ان کا طرز تصنیف نمونہ بن گیا۔

کام اتنا زیادہ کرتے تھے کہ بڑی بڑی جماعتیں جو نہیں کر پاتیں تنہا کر لیتے تھے۔ مدرسہ کے پورے اوقات میں درس دیتے۔ فتویٰ لکھتے، واردین، صادرین سے ملاقاتیں کرتے، مشورہ طلب کرنے والوں کو مفید مشورے بھی دیتے۔ بیماروں، حاجت مندوں کو تعویذیں بھی دیتے۔ اور ان کے لئے دعائیں بھی کرتے۔ بیماروں کی عیادت بھی کرتے، مرنے والوں کی نماز جنازہ میں بھی شریک ہوتے، تعزیت کی مجلسوں میں بھی جاتے، پھر رات میں وعظ بھی کہتے، اور ان سب کے باوجود صبح کو مدرسہ میں سب سے پہلے موجود ہو جاتے۔

مبارک پور کے چودہ پورہ میں تو جاتے ہی تھے اطراف مبارک پور سکٹھی، تواده، سریاں، رسول پور، ہر جگہ ان سب موقعوں پر بلا جھجک پیدل تشریف لے جاتے۔ کبھی کبھی تین تین چار چار میل پیدل سفر کرتے۔ حتی کہ خیرآباد پیدل تشریف لے گئے۔ امرگہ کتنی بار سائیکل پر پیچھے بیٹھ کر لمبے لمبے سفر کئے، ہمیشہ ریل کے تیسرے درجے میں سفر فرمایا۔ یہ باتیں بادی النظر، سطحی ذہنیت رکھنے والوں کے نزدیک ہوسکتا ہے، قابل اعتنا نہ ہوں، لیکن آپ اس کو اس پہلو سے سوچئے کہ یہ شخصیت ہم اور آپ نہیں، یہ شخصیت وہ ہے جسے اجلہ علمائے کرام جلالۃ العلم، استاذ العلماء، حافظ ملت کہتے تھے اور کہتے ہیں۔ جس کے تلامذہ و کفش بردار آج اہل سنت کے صف اول کے اکابر ہیں، جن کے خدام، اہل سنت کی عظیم تعلیم گاہوں کے

شیخ الحدیث، صدر المدرسین، صدر المتکلمین ہیں، جو برِ اعظم ایشیا ہی نہیں پوری دنیا کے مقتدا ہیں، جن میں کتنے ایسے ہیں کہ ہوائی جہاز پر سفر کرنے کے عادی ہیں۔

جب انسان غرورِ علم میں مبتلا ہو جاتا ہے خاص کر جب اسے قبول فی الخلق مل جائے تو غربا و مساکین کس گنتی میں ہیں، بڑوں بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ مگر حافظ ملت جس دن مبارک پور تشریف لائے اس دن سے لے کر دنیا میں تشریف لے جانے کے وقت تک ہر چھوٹے بڑے، امیر و غریب، عالم و جاہل، تلمیذ و غیر تلمیذ سے اس طرح ملتے تھے کہ ہر ملاقاتی یہ محسوس کرتا تھا کہ مجھے سب سے زیادہ مانتے ہیں۔

زیادہ تر خاموش رہتے، مگر جب ضرورت محسوس فرماتے تو نپے تلے موزوں الفاظ میں شستہ عبارت میں ایسی بات فرما دیتے جو قول فیصل ہوتی، اور یہ کمال صرف علمی اور دینی مجالس میں ہی نہیں تھا بلکہ کوئی بھی مجلس ہو، کوئی بھی موضوع ہو، سب میں یہی رنگ تھا۔

یہ سب حافظ ملت کے وہ جوہر ذاتی تھے جن کی بدولت جو ان سے ملا ان کا ہو گیا، جہاں گئے دلوں کو مٹھی میں لے لیا۔ جو کچھ فرمایا، ماننے والوں نے بلا چوں چرا مان لیا، جو حکم دیا سب نے سر طاعت خم کر دیا۔

خلوص:

خلوص کا عالم یہ تھا کہ زندگی میں کوئی بھی کام اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے نہیں کیا جو کچھ کیا، اللہ کے لئے کیا، ان کی پوری زندگی، اللہ کے لئے جینے، اللہ کے لئے مرنے کی تفسیر تھی۔

ایثار و قربانی:

ایثار و قربانی حافظ ملت کی زندگی میں ایسا رچا بسا تھا کہ وہ اس کی عملی تفسیر تھے۔ اس کو سمجھنے کے لئے صرف ایک پیراگراف سن لیجئے۔

فراغت کے بعد شاہی جامع مسجد آگرہ کے مرکزی دار الافتاء کا عہدہ قبول کرنے کے لئے حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے فرمایا: جہاں اس وقت سو روپے مشاہرہ تھا،

یعنی آج کے سات ہزار ۔ مگر معذرت فرمادی، اور مبارک پور صرف ۳۵ روپے جنگ مشاہرے پر تشریف لے آئے۔

آپ حضرات ذرا ذہن کی گرہ کھول کر سوچیں! کہاں مبارک پور، کہاں آگرہ! کہاں سو روپے، کہاں ۳۵ روپے! کہاں ایک عظیم عہدے سے سرفرازی اور کہاں مبارک پور کا معمولی مکتب! آگرہ ایک مرکزی شہر ہے جو برسوں شاہان ہند کا دار السلطنت رہ چکا ہے، وہاں مقامی طور پر بھی میلاد شریف کے اجلاس بکثرت ہوتے تھے، اور اس وقت تو بہت زیادہ ہوتے تھے، اور وہاں ہر جلسے میں کچھ نہ کچھ نذرانے کا رواج عام تھا۔ علاوہ ازیں وہاں کے لوگ مفتی شہر کو مختلف اوقات میں نذرانے پیش کرتے تھے۔ پھر دور دراز کے شہروں میں بھی وہاں رہ کر تعارف لازمی تھا۔ جس کا نتیجہ کم منفعت بخش نہیں تھا، رہ گیا مبارک پور! یہ ایک گمنام قصبہ تھا، جہاں اس وقت آمد ورفت کے ذرائع محدود تھے، جہاں کی اکثر آبادی مزدور، تنگ دست، مفلوک الحال افراد کی تھی۔ مدرسے کی ایک مختصر سی خام سفالہ پوش عمارت تھی، قصبے کے باہر کوئی اس مدرسہ کو جانتا بھی نہ تھا، مگر ایثار وقربانی کے اس سلطان بے کلاہ نے مبارک پور کو ترجیح دی، ان کی کشفی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مبارک پور کی بظاہر اس بنجر زمین کی تہہ میں قسّام ازل نے روزِ اول ہی سے آب حیات کا وہ چشمہ ودیعت کردیا، جو اپنے خضر کا انتظار کررہا ہے، جو اسے حاصل کرکے خود بھی زندہ جاوید ہوجائے گا، اور نہ جانے کتنوں کو پلا پلا کر زندۂ جاوید بنادے گا۔

ثبات واستقامت:

حافظ ملت کے استقامت وثبات کی داستان اتنی طویل ہے کہ اسے قلم بند کرنے کے لئے ایک عظیم دفتر چاہئے، اور جتنی طویل ہے اتنی ہی دردناک الم انگیز مگر عبرت وموعظت کے صحائف قدس کے زریں اوراق۔ حاضرین میں جو میرے ہم عمر ہیں، وہ بھی اس کو تفصیل سے نہیں جانتے کیوں کہ وہ اس وقت اشرفیہ میں نہیں رہتے تھے، اور نہ آپ میں کوئی مجھ سے زیادہ حافظ ملت سے قریب تھا۔ آپ نے حافظ ملت کو اس وقت دیکھا، جب وہ اپنے ذاتی

کمالات، خلوص، ایثار واستقامت فوق الکرامت کی بدولت اللہ عزوجل کی اعانت اور اپنے مشائخ کی تائید سے "غالب علی کل غالب" ہو چکے تھے۔

میں ۱۰ رشوال المکرم ۱۳۹۳ھ کو حافظ ملت کی خدمت میں اس دن حاضر ہوا، جس دن دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کی نئی عمارت کا گولہ بازار میں سنگ بنیاد رکھا گیا تھا اور مسلسل سات سال رہا، کتنی آندھیاں آئیں، کتنے طوفان آئے، کیسے کیسے سیلاب آئے، مگر استقامت وثبات کے اس ہمالہ کو کوئی جنبش نہ دے سکا، ٹس سے مس نہ کر سکا۔ آندھیوں کے تندوتیز جھونکے، طوفانوں کے حشر بداماں ریلے، سیلابوں کے امنڈتے تیز دھارے سب کے سب ان کے مضبوط قدموں سے ٹکرا ٹکرا کر فنا ہو گئے، اور حافظ ملت اپنی جگہ جمے رہے، اور ایسے جمے رہے کہ اب ایسے جم گئے ہیں کہ صبح قیامت تک کوئی ہلا نہیں سکتا۔

اس دردناک عبرت آموز داستان کو حافظ ملت کے جامع الفاظ میں سنئے:

مکھر ضلع بستی میں حافظ ملت کے ایک تلمیذ حاضر ہوئے، انھوں نے اپنے مدرسہ کے اراکین خصوصا ناظم صاحب کی عنایتوں کی داستان شروع کی، ساری رات سناتے رہے، جب تہجد کا وقت ہوا تو حافظ ملت نے فرمایا: ابھی کچھ باقی ہے یا ختم ہو گیا؟ انہوں نے عرض کیا: اب ختم ہو گیا، فرمایا: آپ کی داستان تو ایک رات میں ختم ہو گئی۔ اور اگر میں اپنی سرگزشت سناؤں تو ایسی ایسی نہ جانے کتنی راتیں ختم ہو جائیں گی، لیکن میری سرگزشت ختم نہ ہوگی۔ آپ صبر واستقامت کریں، یہی علاج ہے۔

اس وقت کے برسر اقتدار ارکان کو یہ زعم ہو گیا تھا کہ اشرفیہ کی ساری ترقی ہم لوگوں کی وجہ سے ہے۔ جس کے نتیجے میں مسلسل ایسے واقعات ہوئے، جس کا صریح مطلب یہ تھا کہ حافظ ملت کہیں چلے جاویں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی تھی کہ مسلسل چار چار پانچ پانچ ماہ تک مشاہرہ نہیں دیتے۔ حتی کہ ایک سال یہاں تک ہو گیا کہ مسلسل سات مہینے تک کی تنخواہ نہیں دی گئی اور اس دوران حافظ ملت اپنے ضروری اخراجات کے لئے گھر سے روپے منگایا کرتے تھے، مگر حافظ ملت اس سے بھی بددل نہ ہوئے۔ لیکن ان لوگوں کی اصلاح ضروری تھی، اس لئے حافظ ملت نے صرف ان لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے اپنے مربی

اور استاذ وشیخ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے اشرفیہ کچھ دنوں کے لئے چھوڑ دیا، اور ناگپور جامعہ عربیہ تشریف لے گئے۔ وہاں بمشکل نو دس مہینے رہے ہوں گے۔ اس عرصہ میں وہ جامعہ عربیہ جو ایک چھوٹے سے کرایے کے مکان میں تھا، جس سے شہر کے لوگ بھی واقف نہیں تھے، اتنا چمکا دیا کہ پورے شہر میں اس کا ڈنکا بج گیا۔ اور ۱۷ ہزار میں اس کے لئے ایک عالیشان بلڈنگ بھی خرید وا دی۔ اور طلبہ کا وہ ہجوم عام ہونے لگا کہ جامعہ کے ناظم صاحب نے گھبرا کر پابندی لگا دی کہ ۵۰ سے زائد طالب علم نہیں رکھیں جائیں گے۔ اور یہاں اشرفیہ خالی ہو گیا۔ قدیم طلبہ دوسری جگہ چلے گئے، نئے طلبہ کی آمد بالکل بند ہو گئی۔

اہل قصبہ سے اشرفیہ کا رشتہ تقریباً ٹوٹ گیا، اور سال بھر میں وہ کچھ ہوا کہ سب لوگوں کو سمجھ میں آ گیا کہ اشرفیہ کی ترقی ہماری رہین منت نہیں بلکہ اس مسیحا نفس کے دم قدم سے تھی جس سے ہم محروم ہو چکے ہیں۔ مجبور ہو کر انہیں لوگوں نے حافظ ملت کی خدمت میں درخواست کی کہ اشرفیہ آپ کا ہے، اور آپ اشرفیہ تشریف لائیں۔ حافظ ملت نے جواب دیا کہ مبارکپور حضرت صدر الشریعہ کے حکم سے حاضر ہوا تھا، اب پھر انہیں کی بارگاہ میں آپ لوگ درخواست کریں۔ اگر وہ فرمائیں گے تو میں پھر واپس ہو سکتا ہوں۔ اس پر اشرفیہ کے معزز ذمہ دار اراکین کا ایک وفد حضرت صدر الشریعہ سے ملا جس کے نتیجے میں حافظ ملت دوبارہ پھر اشرفیہ تشریف لائے۔ حافظ ملت کے اشرفیہ میں تشریف لاتے ہی پھر حسب سابق اشرفیہ تشنگانِ علم دین کا مرجع اعظم بن گیا۔

جہد مسلسل:

اس کی تفصیل اپنے اندر اتنے ابواب وفصول رکھتی ہے کہ ان سب کو کما حقہ لکھنے کے لئے ایک مدت چاہئے۔ اجمالی طور پر آپ یہ سمجھ لیں کہ جب حافظ ملت یہاں تشریف لائے تو مدرسہ اشرفیہ میں ایک عربی کا مدرس ایک حافظ اور دو ماسٹر تھے۔ بیرونی طالب علم ایک بھی نہیں تھا، چند چھوٹے چھوٹے خام سفالہ پوش کمروں پر مشتمل ایک عمارت تھی جسے مبارکپور

کے باہر کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔ حافظ ملت تشریف لائے، تو چند مہینوں میں درجات نظامیہ کے لئے ایک اعلیٰ مدرس کی تقرری ہوئی، اور مدرسے کی عالیشان عمارت کے لئے اور پھر اس کی تعمیر کے لئے ایک بہت عظیم الشان چندہ ہوا، اور صرف گیارہ مہینے کی قلیل مدت کے بعد گولہ بازار میں اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اس موقع پر اتنا عظیم جلسہ ہوا کہ جس کی نظیر مبارک پور کی تاریخ میں سابق زمانے میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ چند مہینے میں گولہ بازار کی عظیم الشان پہلی منزل بن کر تیار ہوگئی۔ طلبہ کا اتنا کثیر اجتماع ہوا کہ ان کے رہنے کے لئے جگہ ناکافی ہوگئی۔ کتنے طلبہ کو واپس کرنا پڑا، اور درس نظامی میں مزید ایک مدرس اور دو معین المدرسین کا اضافہ کرنا پڑا۔ اس کے بعد فوراً دوسری منزل کی تعمیر کی تحریک شروع کردی، ان دنوں بیرونی چندہ قطعاً نہیں آتا تھا، حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے حلقہ اثر سے باہر کا چندہ بھی جاری فرمادیا، چند ہی سال کے بعد دوسری منزل بھی بن گئی، اور اب سیکڑوں طلبہ تعلیم میں مصروف ہوگئے۔ اور مزید مدرسین کا ہر شعبے میں اضافہ ہوا۔ مگر حافظ ملت نے اس پر بس نہیں کیا اور آگے بڑھ کر اس عظیم الشان جامعہ کی تحریک شروع کردی، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ حافظ ملت اس وقت دنیا سے تشریف لے گئے، جب کہ جامعہ کا معتد بہ حصہ بن چکا تھا۔ لیکن یہ سب کیسے ہوا، ان کو مقالات میں ڈھونڈ ھئے۔ چندۂ عام کے وقت مبارک پور اور اطراف مبارک پور کے چندہ دہندگان کے گھر جانا، گھنٹوں وہاں کھڑا رہنا، چندے کی ترغیب دینا، یہ وہ باتیں ہیں جسے ہم آپ سب جانتے ہیں۔ پھر جامعہ کی تعمیر کے لئے ملک کے اہم مقامات کا سفر کرنا، کلکتہ، جمشید پور، ممبئی، بھیونڈی وغیرہ وغیرہ تشریف لے جانا، اور وہاں جس سے بھی کچھ امید ہو وہاں بہ نفس نفیس جانا، اور ساتھ ہی ساتھ اول روز کی طرح درس وتدریس، افتاء و تذکیر، تحریر وتقریر، ارشاد وتلقین کی سرگرمی بدستور جاری رکھنا، بلکہ اسے روز افزوں سے فزوں تر کرنا، جدوجہد کا وہ تسلسل ہے جس کا حصر واستقصا میرے ظن غالب میں اتنا دشوار ہے جو قریب قریب محال ہے۔ میں نے خود بعض اسفار میں ساتھ رہ کر یہ دیکھا ہے کہ موسم کی ناخوشگواری کی وجہ سے سفر کرنا کسی طرح مناسب نہیں تھا، جاڑے کا زمانہ بوندا باندی ہورہی ہے، راستے میں جگہ جگہ کیچڑ، گڈھوں میں پانی ہم مطمئن تھے کہ آج ہم لوگوں کو آرام مل جائے

گا، یک بیک دیکھا گیا کہ حافظ ملت کمبل اوڑھے ہوئے کھڑے ہیں کہ فلاں جگہ چلنا ہے، چاروناچار ہم سب ساتھ ہوئے۔ حافظ ملت کے جہد مسلسل کو سمجھنے کے لئے ان کا یہ تاریخی جملہ کافی ہے۔

"زمین کے اوپر کام زمین کے نیچے آرام"

حضرات! میں نے بنیادی طور پر حافظ ملت قدس سرہ العزیز کے چار ایسے بنیادی خصائص کا اجمالی تذکرہ کردیا ہے۔ اب حافظ ملت کو زندۂ جاوید رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اور آپ اور وہ سب لوگ جن کی گردن پر حافظ ملت کے گراں بار احسانات ہیں، وہ سب مطبوع مقالات میں اور آج جو مقالات پڑھے جائیں گے، ان میں گہری نظر ڈال کر حافظ ملت کے ان بنیادی خصائص کو ڈھونڈ نکالیں اور اس کی کوشش کریں کہ ان کے رنگ میں رنگ کر ان کے کردار کی چلتی پھرتی تصویر بن جائیں۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
ہوا ہے گو تند و تیز لیکن، چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے، دیئے ہیں انداز خسروانہ

(ماہنامہ اشرفیہ: فروری ۱۹۹۱ء ص: ۳۴ تا ۳۸)

☆☆☆

خطبۂ صدارت

مجلس شرعی، الجامعۃ الاشرفیہ کا ایک زریں کارنامہ اور اس کے بانی حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی قدس سرہ کی روحانی کرم فرمائیوں کا شاندار مظہر ہے۔ جس کا قیام ۲۳ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹ر دسمبر ۱۹۹۲ء بروز شنبہ عمل میں آیا۔ حسب ذیل اکابرین نے مجلس کو اپنی سرپرستی اور صدارت کا شرف بخشا۔

۱۔ عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ جانشین حافظ ملت و سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارکپور (سرپرست)

۲۔ شارح بخاری نائب مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ صدر شعبہ افتا و ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور (سرپرست)

۳۔ محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ جانشین صدر الشریعہ و شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور (صدر)

ان حضرات کے علاوہ دس علمائے کرام اراکین منتخب ہوئے۔

مجلس شرعی کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

۱۔ امام الائمہ سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اصحاب کی سنت، تدوین فقہ کا احیا اور جدید تقاضوں کے مطابق فقہی احکام کی جامع کتابوں کی تالیف۔

۲۔ نو پید مسائل کا شرعی حل تلاش کرنا اور اس کے لئے مجلس مذاکرہ کا انعقاد۔

۳۔ نوجوان علما کی فقہی تربیت تاکہ مستقبل قریب میں بالغ نظر فقہا کا گروہ تیار ہو سکے۔

۴۔ مجلس شرعی کے تحت تالیف شدہ کتب ورسائل، حل شدہ مسائل، منتخب مقالات ومباحث اوراس کے کاموں سے متعلق مفید معلومات کی اشاعت۔

مجلس شرعی کے زیر اہتمام اب تک نوعظیم الشان سیمینار ہو چکے ہیں۔ جس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے فقہی بصیرت کے حامل جید علمائے کرام شریک ہوئے اور مسائل دائرہ پر شاندار مقالات پیش کئے اور بہترین بحثیں ہوئیں۔

حضرت شارح بخاری فقیہ عصر نائب مفتی اعظم کے یہ صدارتی خطبات اسی مجلس شرعی کے پہلے، تیسرے اور چھٹے سیمینار سے متعلق ہیں، جن کی اجمالی تفصیلات خودان کے مبارک خطبات میں موجود ہیں۔

یہ خطبات حضرت کی فقہی بصیرت، ملی وابستگی، ترغیب علما، فروغ فقہ وسنت کے جذبات کے بہترین آئینہ دار ہیں۔ (مرتب)

خطبہ صدارت پہلا فقہی سیمینار

(منعقدہ یکم تا ۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ؍مطابق ۱۸؍تا ۲۱؍اکتوبر ۱۹۹۳ء)

زیر اہتمام

مجلس شرعی، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور

پیش کردہ

شارح بخاری فقیہ عصر حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی
سرپرست: مجلس شرعی، ناظم تعلیمات وصدر شعبہ افتا، جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ
یوپی۔ ۲۷۶۴۰۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا و مصلیا

حضرات علمائے کرام ومفتیان عظام وجملہ حاضرین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ حضرات جہاں ہیں وہاں اہم دینی خدمات میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم نے آپ حضرات کو صعوبت سفر برداشت کرکے تشریف لانے کی زحمت دی۔ جب تک حجۃ امت حضرت مفتی اعظم ہند باحیات تھے، ان کی ذات سارے علما ومشائخ اور عوام وخواص کا مرجع تھی، اور جب کسی بھی نئے یا قدیم حادثے کے بارے میں علما اور مفتیان کرام کے مابین کوئی فرعی اختلاف ہوتا تو حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا ارشاد قول فیصل ہوتا۔ ان کے فرمان کو سبھی بلا چون وچرا تسلیم کر لیتے۔ لیکن حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہمارا کوئی مرجع اعظم نہیں رہا۔ اور کیفیت یہ ہے کہ ایک طوائف الملوکی سی پیدا ہوگئی ہے، جس کے نتیجے میں عوام تو الجھن کے شکار ہو ہی گئے خواص میں بھی انتشار وافتراق نظر آتا ہے، اور سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اختلافات کی خلیج بجائے گھٹنے کے بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اس لئے عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلی الجامعۃ الاشرفیہ نے یہ مجلس شرعی قائم فرمائی تا کہ ہمارے مفتیان کرام اور بالغ نظر علمائے کرام اکٹھا بیٹھ کر آپس میں تبادلہ خیال کرکے کسی بھی مسئلے میں متفقہ فتوی دیں۔ یہ حقیقت میں امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے طریقہ کار کا احیا ہے۔

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے اصحاب وتلامذہ کی ایک جماعت مخصوص فرمائی تھی، جو جزئیات پر مکمل غور وخوض بحث وتمحیص کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرتی۔ اس کے باوجود کہ فقہائے کرام نے بہت عرق ریزی، جانفشانی، دقیقہ بینی سے کام لے کر سیکڑوں کلیات اور ہزاروں جزئیات اپنی منصفات میں درج فرمادیے ہیں جن کی روشنی میں قیامت تک پیدا ہونے والے حوادث کے احکام معلوم کیے جاسکتے ہیں۔

لیکن یہ کام آسان نہیں جزئیات کے کلیات کے تحت ہونے، نہ ہونے یا ایک جزئیہ کے دوسرے جزئیہ کے ساتھ علت میں مشترک ہونے کا فیصلہ آسان کام نہیں، اس کے لئے ذہانت وفطانت کے ساتھ ساتھ وسعت مطالعہ، قوت اخذ، قوت تنقید اور قوت تنقیح کا ہونا ضروری ہے۔ اس کو آپ ان دو مثالوں میں سمجھئے۔

حضرت قتادہ جو ایک عظیم فقیہ اور محدث تھے، کوفہ تشریف لائے، ساری خلقت استفادے کے لئے ٹوٹ پڑی، ان کے علم وفضل کے غلغلے سے سارا کوفہ گونج اٹھا۔ حضرت امام اعظم کا ابتدائی دور تھا، یہ بھی ان کی مجلس میں تشریف لے گئے، ان سے ایک سوال کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ کر جس چیونٹی نے یہ کہا تھا کہ اے چیونٹیو! اپنی بلوں میں چلی جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تم کو کچل نہ دے، یہ چیونٹی نر تھی یا مادہ؟ حضرت قتادہ نے لاعلمی ظاہر کی۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ مادہ تھی، اس لئے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا: ''قالت نملۃ'' اس کے لئے مونث کا صیغہ آیا ہے۔

حضرت امام شعبی جو اجلہ تابعین میں محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، اس کے قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں۔ ایک دفعہ یہ اور امام اعظم کہیں کشتی پر جا رہے تھے یہی مسئلہ چھڑ گیا۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا: گناہ میں بھی کفارہ ہے۔ ظہار کے بارے میں ارشاد ہے:

اِنَّھُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْکَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۝ (مجادلہ: آیت ۲)

اور بلاشبہ یہ لوگ بری اور نری جھوٹی بات کہہ رہے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ظہار گناہ ہے، اور اس پر کفارہ ہے۔

قرآن مجید واحادیث کریمہ اور اسلاف کرام کے ارشادات میں سب کچھ ہے، مگر اخذ کرنا، تنقیح کرنا سب کا کام نہیں۔ اسی کو حدیث میں فرمایا گیا:

رب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه.

بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں، اور بہت سے فقہ کے حامل اس تک بات پہنچاتے ہیں جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

ماضی قریب کے چند جدید مسائل کو لیجئے۔

جب انگریزوں نے منی آرڈر کا سلسلہ قائم کیا تو دیوبندیوں کے عطر مجموعہ جناب گنگوہی صاحب سے سوال ہوا۔ انہوں نے فتوئی دیا کہ منی آرڈر کرنا جائز نہیں، جو رقم بنام فیس دی جاتی ہے یہ سود ہے۔

لیکن یہی سوال مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے ہوا تو آپ نے اس مسئلے کے انتہائی پیچیدہ اور دقیق پہلو کو اجاگر کر کے مسئلے کی ایسی تنقیح فرمائی کہ گنگوہی صاحب کے شبہات کی جڑ بھی کٹ گئی، اور حکم واضح ہوگیا کہ منی آرڈر کی فیس سود نہیں، اجرت ہے، اور یہ جائز ہے۔ جس کے نتیجے میں خود دیوبندی مذہب کے مفتی صاحبان کو بھی سوائے تسلیم کے اور کوئی چارۂ کار نہ رہا۔

جب نوٹ چلنے لگا تو اس کے بارے میں یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ یہ چک ہے یا ثمن اصطلاحی؟ یہ مسئلہ جب اعلم علمائے مکہ مفتی حنفیہ حضرت مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے باں جلالت علم یہ فرمایا: علم علما کی گردنوں میں امانت ہے، مجھے اس کے جزیئے کا پتا نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔ (الملفوظ: ج ۲ ص ۱۸)

اور یہی مسئلہ جب فرنگی محل کے سرمایۂ افتخار حضرت مولانا عبد الحی صاحب کی خدمت میں پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ چک ہے، ثمن اصطلاحی نہیں۔ اور گنگوہی صاحب نے بھی یہی فتوئی دیا۔

لیکن جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ مکہ معظمہ حج کے لیے ۱۳۲۴ھ میں گئے، تو آپ کی خدمت میں بھی مسئلہ پیش ہوا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے وہیں اس پر پورا رسالہ "کفل الفقیہ الفاھم" تحریر فرمایا، جس میں دلائل قاہرہ سے ثابت فرمایا کہ نوٹ چک نہیں، ثمن اصطلاحی ہے۔ جس کے دلائل کو دیکھ کر اس وقت کے مفتی حنفیہ مولانا عبد اللہ بن صدیق بن عباس انگشت بدنداں رہ گئے۔

دیوبندی برادری گنگوہی صاحب کی تقلید جامد میں یہی کہتی رہی کہ یہ چک ہے، مگر آج سے چار سال پہلے پوری برادری کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ چیک نہیں، ثمن اصطلاحی ہے، جس پر اسی برادری کے ایک فرد کو کہنا پڑا کہ جو بات ہم نے آج سمجھی ہے ۸۶ رسال پہلے مولانا

احمد رضا خاں فرما چکے ہیں۔

مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ قرآن احادیث اور کتب اسلاف میں سب کچھ ہے مگر ان سے کسی خاص جزئیہ کا حکم اخذ کرنا سب کا کام نہیں، سمندر کہ تہ میں لاکھوں سیپیاں قیمتی موتیوں سے بھری رہتی ہیں مگر انہیں حاصل کرنا سب کا کام نہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے ایسے مسائل ہیں جو لاینحل پڑے ہیں، اور اب حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ جیسا معتمد مستند مرجع نہیں۔ جو لوگ نظر آرہے ہیں، ان پر غفلت اور کسل طاری ہے، مطالعہ کی وسعت، کماحقہ غور وفکر کی عادت مفقود ہے، جس کے نتیجے میں مفتیان کرام کے مابین اختلاف رائے ہو جاتا ہے، مثلاً مجھ سے سوال ہوا کہ ڈیری فارم یعنی جو لوگ مرغیوں کو اس لئے پالتے ہیں کہ ان مرغیوں کو بھی بیچیں، اور ان سے انڈے اور بچے کو بھی حاصل کریں، اس پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ میں نے فتویٰ دیا کہ اس پر زکوۃ نہیں۔ اس لئے کہ یہ مال نامی نہیں، لیکن ایک دوسرے مفتی صاحب نے فتویٰ دیا کہ اس پر زکوۃ ہے۔ سائل نے پریشان ہو کر پھر مجھے خط لکھا، میں نے اس کی تھوڑی سی تفصیل و تنقیح کر کے اس کو بھیج دیا۔ اس ماحول میں ضروری ہے کہ مفتیان کرام اکٹھا بیٹھ کر نئے مسائل میں بحث و تمحیص کے بعد متفقہ فتویٰ دیں۔

میرا اندازہ ہے کہ اب تک جو کچھ میں نے عرض کیا، اس سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔ اس لئے یہ جانتے ہوئے کہ آپ حضرات اپنی اپنی جگہ اہم دینی خدمات میں مصروف ہیں آپ حضرات کو یہاں تشریف لانے کی زحمت دی۔ مجھے سو فیصد امید ہے کہ آپ حضرات کی تشریف آوری پوری ملت اسلامیہ کے لئے نتیجہ خیز اور بار آور ثابت ہوگی۔

اب چند باتوں کی آپ حضرات سے گزارش ہے:

سوالات کے ہر پہلو کو ذہن نشیں کرنے اور اس کے متعلق تمام مالہ وما علیہ کو ذہن میں رکھ کر کتب فقہ جتنی میسر آسکیں، ان سب کا مکمل دلجمعی حاضر دماغی سے مطالعہ کریں۔ اس لئے کہ کافی محنت اور وقت کی ضرورت ہے، لیکن مسائل کی تنقیح کے لئے یہ ضروری ہے۔ صرف ۳،۴ کتابوں میں اس مسئلے کے متعلق جزئیات دیکھ کر کوئی حکم لگانا بہت جرأت کا کام ہے۔ مثلاً آج سے پندرہ سال پہلے میرے پاس ایک سوال آیا کہ مردہ مرغی کے پیٹ سے جو انڈا نکلے وہ

حلال ہے کہ حرام؟ یہ سائل خود ایک بہت بڑے مفتی ہیں، میں نہ بہت سی متداول کتابوں کا مطالعہ کیا لیکن کوئی حکم نہ ملا، اخیر میں بدائع الصنائع میں یہ مسئلہ ملا۔ (صفحہ ۳۴۳ جلد ۵)

اور نیز بہار شریعت حصہ پانژدہم ص ۱۴۴ پر ہے:

"قربانی کا گوشت کافر کو نہ دے کہ یہاں کے کفار حربی ہیں"

خلاف عادت اس کا کوئی حوالہ نہیں۔ میرے پاس ایک بہت بڑے مفتی صاحب کا والا نامہ آیا کہ یہ مسئلہ کس کتاب میں ہے، اس کا حوالہ چاہیے۔ اپنی عادت کے مطابق میں نے سب سے پہلے شامی دیکھی، شامی میں کتاب الوصیۃ میں صرف اتنا ملا:

لنهينا عن برهم لقوله تعالىٰ: انما ينهاكم الله .الآية

حربی کو وصیت کرنا باطل ہے۔ اس لئے کہ ہم حربیوں کے ساتھ "بر" سے منع کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں ان ہی سے دوستی کرنے کو منع فرماتا ہے جو تم سے دین میں لڑے یا تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا یا تمہارے نکالنے پر مدد کی جوان سے دوستی کرے وہ ظالم ہے۔ (سورہ ممتحنۃ: آیت ۹)

اس سے اگر چہ ثابت ہوتا ہے کہ یہاں کے کافروں کو گوشت نہ دیا جائے پھر درجہ بدرجہ عالمگیری، البحرالرائق، فتح القدیر، خانیہ وغیرہ کثیر کتابوں کے ان تمام مقامات کو دیکھ ڈالا مگر کہیں تصریح نہیں ملی کہ حربی کافروں کو قربانی کا گوشت دینا منع ہے، بالآخر البدائع الصنائع میں ملا، لکھتے ہیں:

روى عن ابى حنيفه رضى الله عنه انه لا يجوز وهذه الرواية لقول اصحابنا رحمهم الله اشبه فانهم قالوا انه لا يجوز صرف الكفارة والنذر وصدقة الفطر والاضحية الى الحربى المستامن (جلد سابع، كتاب الوصية ۳۴۱)

ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حربی مستامن کو وصیت جائز نہیں اور یہ روایت ہمارے اصحاب رحمہم اللہ کے قول کے اشبہ ہے، اس لئے کہ انہوں نے فرمایا: کفارہ اور نذر اور صدقۂ فطر اور قربانی حربی مستامن کو دینا جائز نہیں۔

فالحمد الله علىٰ ذالك.

ہمارے دارالافتاء کے نائب مفتی جناب مولانا نسیم سلمہ نے بتایا کہ بہار شریعت کے

سولہویں حصے میں ص ۱۸۴ پر ایک حدیث ہے۔ بحوالہ بیہقی جس میں تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو قربانی کو گوشت دینے سے منع فرمایا۔ مگر اس میں یہ تصریح بھی ہے کہ حدیث ضعیف ہے، اور حدیث ضعیف دربارۂ احکام حجت نہیں۔ لیکن جب اس کا اثبات نص قرآنی سے ہے جیسا کہ شامی کے حوالے سے گزرا تو اصل حکم پر کچھ فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ اس حدیث کی تقویت آیت کریمہ سے ہو رہی ہے۔ تو اس کا ضعف منجبر ہو جائے گا۔ ہماری کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اسلاف نے جو کچھ فتویٰ دیا ہے، اسے معلوم کرنے کی کوشش کریں، اور اگر کسی جزیہ کا صراحۃً کوئی حکم نہ ملے تو کلیات و جزئیات سے استخراج کیا جائے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذہین سے ذہین متبحر سے متبحر شخصیت کے ذہن میں بھی مسئلے کے بعض پہلو نہیں آتے ہیں، مگر دوسرے حضرات کے ذہن میں آجاتے ہیں۔ اس لئے آپس میں بیٹھ کر تبادلہ خیال کر کے کوئی فیصلہ کرنا صواب کے زیادہ قریب ہوگا۔

اب میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ ہم نے آپ حضرات کو سفر کی مشقت اٹھانے اور اپنے عزیز وقت کو صرف کرنے کی جو التماس کی ہے وہ وقت کی اہم ضرورت اور دین کا اہم فریضہ ہے۔

آپ حضرات ہمارے مہمان ہیں۔ ہمیں یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ ہم میزبانی کے فرائض کو کما حقہ انجام نہیں دے سکیں گے۔ ہم آداب میزبانی سے ناواقف ہیں، لیکن ہم اپنی وسعت کے مطابق یہی کوشش کریں گے کہ آپ حضرات کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، اس کے باوجود اگر آپ حضرات کو کوئی تکلیف پہنچے تو اسے معاف فرمائیں گے۔ اخیر میں تمام مندوبین حضرات کی خدمت میں یہ التماس کرتے ہیں کہ اجلاس کے لئے جو اوقات مقرر ہیں، اس کی پوری پوری پابندی کریں، اسے ہندوستانی وقت نہ سمجھے بلکہ معاملے کی اہمیت کو پیش نظر رکھ کر مقررہ اوقات میں اجلاس سے ایک منٹ کے لئے بھی حتی الوسع موخر یا باہر نہ ہوں۔

:- آپ کا خادم :-

محمد شریف الحق امجدی

ناظم تعلیمات، صدر شعبہ افتا دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ

سرپرست مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مورخہ ۱۲ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

چھٹا فقہی سیمینار

(منعقدہ: ۱۷ تا ۲۱ ربیع النور ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۲ تا ۱۷ جولائی ۱۹۹۸ء یکشنبہ تا پنج شنبہ)

خطبۂ صدارت

از

فقیہ الہند شارح بخاری حضرت علامہ

مفتی محمد شریف الحق امجدی

سرپرست: مجلس شرعی، ناظم تعلیمات و صدر شعبہ افتا، جامعہ اشرفیہ

مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی......۲۷۶۴۰۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للمتوحد بجلاله المتفرد
وصلوته دوما علیٰ خیر الانام محمد
وآله وصحبه

الجامعۃ الاشرفیہ کے اہم شعبہ "مجلس شرعی" کا یہ چھٹا اجلاس ہے۔اس کے قبل دو بڑے بڑے اجلاس ہو چکے ہیں، اور بہ ضرورت ضمنی تین اجلاس۔اللہ کا شکر ہے کہ آپ حضرات کے تعاون سے مندرجہ ذیل اہم مسائل طے ہو چکے ہیں۔

١ الکحل آمیز دوائیں
٢ لائف انشورنس
٣ جنرل انشورنس
٤ دوامی اجارہ یعنی پگڑی کا مسئلہ
٥ کاروبار میں چیک کے لین دین کا رائج معاملہ
٦ بینک وغیرہ کے منافع اور اجارہ کے زر ضمانت وزر پیشگی کے احکام
٧ سرمایہ کمپنی کے شیر کے مسئلہ (یہ فیصل بورڈ کے حوالہ ہے)

اب یہ اجلاس مندرجہ ذیل موضوعات پر تبادلہ خیال کے لئے منعقد کیا گیا ہے۔

١ اسباب ستہ کی تنقیح
٢ علاج کے لئے انسانی خون کا استعمال
٣ اعضا کی پیوند کاری

یہ تینوں موضوع بہت اہم ہیں، بہت نازک اور بعض وجوہ سے انتہائی غور طلب ہیں۔

اسباب ستہ:

ہم بحیثیت مسلمان قرآن مجید اور احادیث کریمہ کے پابند ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث کریمہ نے جن چیزوں کو حلال فرمایا ہے، ہم پر لازم ہے کہ انہیں حلال جانیں اور جسے حرام فرمایا ہے ہم پر لازم ہے کہ انہیں حرام جانیں، جن چیزوں کو پاک قرار دیا ہے، انہیں پاک جانیں اور جن چیزوں کو ناپاک قرار دیا ہے، انہیں ناپاک ہی جانیں، اور صرف انہیں چیزوں کو استعمال کریں جن کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے، ان سے دور رہیں۔

لیکن قرآن واحادیث سے مسائل کا استنباط ہر کس و ناکس تو کجا اہل علم کا بھی کام نہیں۔ یہ کام صرف مجتہد کا ہے۔ مجتہدین کرام نے اپنی خداداد بصیرت، ذہانت، فطانت، قوت اخذ اور صلاحیت اجتہاد سے کام لے کر قرآن واحادیث سے ہزار ہا ہزار مسائل کا استنباط فرمایا۔ لیکن غیر منصوص مسائل میں ان کے مابین بھی اختلاف رائے رہا بلکہ بہت سے منصوص مسائل میں اختلاف روایت کی بنا پر اختلاف موجود ہے۔

تابعین وتبع تابعین بلکہ بعد کے بھی ایک دو قرن میں مجتہدین بہ کثرت ہوئے لیکن ان میں سے اکثر کے مسائل ضائع ہو گئے۔ ان میں سے صرف چار مجتہدین کے مذاہب پوری جامعیت کے ساتھ محفوظ رہے۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، سیدنا امام مالک، سیدنا امام شافعی، سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اس لئے امت نے اس پر اجماع کیا کہ ان چاروں ائمہ میں سے کسی ایک ہی تقلید غیر مجتہد پر واجب ہے۔ اب ہر شخص پر اسی امام کی پیروی لازم ہے، جس کا وہ مقلد ہے، خواہ عبادات ہوں یا معاملات۔

لیکن خود ایک مذہب کے ائمہ کے مابین بھی کثیر اختلافات ہیں۔ اس کے لئے ہمارے فقہائے احناف نے فرمایا کہ ہر معاملہ میں فتویٰ مطلق قول امام پر ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود کثیر مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے۔ اس کے اسباب فقہا کے نزدیک مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تحقیق اور تنقیح کے بعد چھ ہیں۔

(۱) ضرورت (۲) دفع حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل (۶) کسی فساد موجود یا مظنون بہ ظن غالب کا ازالہ۔

دفع حرج کے عموم میں حاجت شرعیہ اور عموم بلویٰ دونوں شامل ہیں۔ لیکن یہ حق بھی سب کو حاصل نہیں کہ اسباب ستہ کی بنا پر قول امام کے بجائے صاحبین کے قول پر فتویٰ دے۔ یہ کام ان ائمہ دین کا تھا، جو اصحاب فتویٰ ہیں۔ اولا: حقیقت میں واقعی اسباب ستہ میں سے کسی کو وجود ہے یا نہیں؟ یہ خود بہت مشکل کام ہے۔ اور یہاں حال یہ ہے کہ بڑے بڑے مشاہر ضرورت اور حاجت کے شرعی مفہوم سے بھی واقف نہیں۔ اور عرفی ضرورت کی بنا پر حرام کو حلال ہونے کا بے دریغ فتویٰ دے دیتے ہیں، اور ثبوت میں الضرورات تبیح المحظورات کی حافظ جی لوگوں کی طرح تلاوت کر دیتے ہیں۔ اس لئے اسباب ستہ کی جامع مانع تعریف اور ان کی حقیقت کی تنقیح اشد ضروری ہے تا کہ جس کا جی چاہے اپنی خواہش کی ضرورت بنا کر الضرورات تبیح المحظورات کی تلاوت نہ کرے۔

لیکن ایک سوال پھر بھی رہ جاتا ہے کہ قول امام سے عدول کر کے صاحبین کے قول پر فتویٰ دینا اصحاب فتویٰ کا کام ہے، اور اب ہم میں کوئی اصحاب فتویٰ سے نہیں جو بھی ہیں، سب ناقل فتویٰ ہیں تو پھر اس بحث کو مجلس شرعی میں لانے سے کیا فائدہ؟

یہ صحیح ہے کہ ہم اصحاب فتویٰ نہیں، ان کی گرد راہ کے بھی برابر نہیں، لیکن نت نئے مسائل پیدا ہو چکے ہیں، اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور زمانہ کے حالات کے پیش نظر قول امام پر فتویٰ دینے میں اسباب ستہ میں سے کوئی حارج ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر جو نقل فتویٰ کی خدمت انجام دیتے ہیں انہیں اجازت ملنی چاہیے کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ جذبات سے عاری ہو کر، خدا ترسی کے جذبے سے معمور ہو کر امت کی خیر خواہی کے لئے اگر اور کوئی چارۂ کار نہ دیکھیں تو صاحبین کے قول پر فتویٰ دے سکتے ہیں۔

مجلس شرعی کے ارکان اپنے طور پر اس کی شرعاً اجازت سمجھ کر چند مسائل آپ حضرات کے سامنے پیش کر رہے ہیں، تا کہ آپ لوگ پورے طور سے غور خوض کر کے کوئی فیصلہ کریں۔

اس سلسلہ میں سوال نامہ میں جو تفصیلات درج ہے ان کے مطابق سب سے زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ جو مسائل نص قطعی سے ثابت ہیں یا منصوص ہیں کیا اسباب ستہ کا دائرہ وہاں تک وسیع ہے کہ ان کے پیش نظر ان کے خلاف فتویٰ دیا جا سکتا ہے؟۔

اس سلسلہ میں میں بعض مقالات میں اس پر بہت عمدہ بحث کی گئی ہے، جو قابل توجہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہم اس موضوع پر بہت جلد کسی اخیر نتیجہ تک پہنچ جائیں گے، اب ایک نظر ان مسائل پر بھی ڈال لیجئے، جو خصوصی طور پر اس سیمینار کے موضوع ہیں۔

اعضا کی پیوندکاری

بہ ظاہر اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی بلکہ یہ بہت اچھا کام معلوم ہوتا ہے۔ ایک انسان مر چکا ہے، اس کی آنکھ، گردے، دل صحیح حالت میں ہیں، مردے کو دفن کر دیا جائے، یا جلا دیا جائے، تو یہ اعضا بھی گل سڑ کر یا جل کر ضائع ہو جائیں گے، اور اگر ان کو نکال لیا جائے تو دوسرے ایسے لوگوں کے کام آسکتے ہیں، جن کے یہ اعضا بے کار ہو چکے ہیں۔ ایک اندھے کو آنکھ مل سکتی ہے، ضعف قلب اور ضعف گردہ کے جاں بلب مریضوں کو نئی زندگی مل سکتی ہے، ترقی یافتہ جی سرجری کی بدولت کتنے نابینا بینا ہو چکے ہیں، اور کتنے جاں بلب ضعف قلب، ضعف کلیہ (گردہ) کے مریض توانا ہو چکے ہیں، تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس میں کیا حرج ہے، جب ایک شخص ہوش و حواس کے عالم میں بخوشی اپنا کوئی عضو اس لئے نکال لینے کی اجازت دیتا ہو کہ میرے مرنے کے بعد وہ کسی ضرورت مند کے کام آئے یا بہ قیمت فروخت کر دیتا ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہونی چاہیے بلکہ ایک اچھا قابل تعریف کام ہونا چاہیے۔ اسی لئے مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام میں یہ رجحان بڑھتا جا رہا ہے کہ آدمی مرنے سے پہلے اپنے اعضا کو خیرات کے طور پر کسی ہسپتال کو دے دیتا ہے، تا کہ وہ اس کو محفوظ رکھے اور کسی ضرورت مند کو لگا دے۔ اسی لئے بڑے بڑے ہسپتالوں میں انسانی اعضا کی حفاظت کے لئے بینک قائم ہیں، لیکن جب ہم اس عمل کو شرعی اصول پر دیکھتے ہیں، تو اس میں کئی خرابیاں ہیں۔

اول:

کسی مردہ انسان کے مرنے کے بعد چیرنا پھاڑنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

کسر عظم المیت ککسرہ حیا. (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد و موطا امام مالک و ابن ماجہ ص ۱۴۹)

مردے کی ہڈی توڑنا ایسے ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑی جائے۔

دوسری حدیث میں ہے۔

المیت یوذیہ فی قبرہ مایوذیہ فی بیتہ.

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۳۸۳ بحوالہ دیلمی)

مردے کو اس کی قبر میں اس سے ایذا پہنچتی ہے، جس سے اس کے گھر میں ایذا پہنچتی تھی۔

اور علامہ طحطاوی اور علامہ شامی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحی.

جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مردے بھی اذیت پاتے ہیں۔

ان احادیث سے اس کام کا ناجائز ہونا صراحۃً ثابت ہو رہا ہے۔

دوم:

موت سے انسان ناپاک ہو جاتا ہے۔ یہ نجاست حقیقی ہے یا حکمی؟ دونوں قول ہیں۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

موت سے بدن میت میں نجاست حقیقیہ پیدا ہوتی ہے، اور بعض کے نزدیک حکمیہ، زیادہ قرین قیاس وہ ہے، اور زیادہ مناسب یہ۔ (حاشیہ فتاویٰ رضویہ: جلد ا ص ۶۱۱)

میت کے ساتھ یہ اعضا بھی نجس ہو گئے۔ نجس چیز کو بطور مالش بھی استعمال کرنا جائز نہیں۔ تو یہ کیسے جائز ہوگا کہ اسے کسی انسان کے جسم کا جز بنایا جائے۔

سوم:

آزاد انسان کی ذات یا اس کا جز کسی کا مملوک نہیں حتیٰ کہ خود اس کا بھی نہیں، اس

صورت میں نہ اسے ہبہ کیا جا سکتا ہے نہ خیرات کیا جا سکتا ہے، نہ بیچا جا سکتا ہے پھر کسی کا عطیہ یا بیع کیسے درست ہو سکتی ہے۔

بلکہ اگر کسی زندہ آدمی نے بھی اپنا کوئی عضو کسی مریض کے جسم میں لگانے کی اجازت دی ہے، تو بھی یہ تینوں محظور لازم ہیں۔ کسی انسان کو اس کی اجازت نہیں کہ بلا ضرورت شرعیہ اپنے جسم کو زخمی کرائے اپنا عضو کٹوائے، خصوصا جب کہ موت کا خطرہ ہو، نیز زندہ کے جسم سے جو ٹکڑا کاٹ کر الگ کیا جائے، وہ مردار اور ناپاک ہے، جیسا کہ تمام مفسرین نے تصریح فرمائی ہے۔

حدیث میں ہے:

ماقطع من البهيمة وهي حية فهي ميتة.

نیز زندہ آدمی بھی اپنے جسم کا مالک نہیں تو وہ جسم کا کوئی عضو کیسے دے سکتا ہے۔ لیکن یہاں ایک بڑی بنیادی بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ ایک نابینا کو بینا بنانا اور جاں بلب مریض کو نئی زندگی دینا کیا اتنا اہم نہیں کہ اس کے مقابلے میں وجوہ ممانعت مرجوح قرار دیے جائیں؟ جیسے شراب اور مردار حرام قطعی ہیں، مگر خود قرآن مجید ہی میں اللہ عزوجل نے جان بچانے کے لئے جان بچانے کی مقدار بوقت ضرورت شراب و مردار کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ ارشاد ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورہ مائدہ: آیت ۳)

تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو، اس حالت میں گناہ کی طرف جھکے بغیر انہیں کھالے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ شراب اور مردار کی حرمت جتنی قطعی ہے، کسی زندہ یا مردہ کے جسم کو پھاڑ کر اس کے عضو کو نکالنا، اور کسی ضرورت مند کے جسم میں جوڑنا اس درجہ کی قطعی نہیں۔ بلکہ بہ نظر دقیق قطعی ہی نہیں دلیل کے اعتبار سے ظنی ہے، حدیثیں ظنی ہیں اور اسکی حرمت قیاس سے ثابت کی گئی ہے، اور قیاس بھی ظنی ہے۔ جب جان بچانے کے لئے حرام قطعی کے

استعمال کی بہ نص قرآن اجازت ہے تو جان بچانے کے لئے ان چیزوں کے استعمال کی اجازت کیوں نہ ہوگی جن کا عدم جواز ظنی ہے۔

تقریبا یہی ابحاث خون کے عطیے اور اسے کسی مریض کے جسم میں داخل کرنے میں کھڑی ہوں گی۔

لیکن کہا جا سکتا ہے کہ اس بات کا یقین ہے کہ جاں بہ لب پیاسا شراب پی لے گا تو اس کی جان بچ جائے گی۔ اسی طرح بھوک کی وجہ سے قریب الموت انسان مردار کھالے گا، تو موت کے چنگل سے نکل آئے گا لیکن اعضا کی پیوند کاری میں اس قسم کا یقین نہیں بلکہ الٹے اس کی جان کا خطرہ ہے۔ ایک بیمار کمزور انسان آپریشن کی تاب لا سکے گا یا نہیں؟ یہ خود غور طلب بات ہے۔ نیز عضو کی پیوند کاری صحیح ہوگی یا غلط؟ اور وہ عضو صحیح طور پر کام دے گا یا نہیں، یہ خود مشکوک ہے، اور خون چڑھاتے میں ایسا بہت ہوا ہے کہ اچھا خاصا مریض چل بسا ہے، اس لئے حالت مخمصہ میں شراب پینے یا مردار کھانے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

اب دوسرے رخ سے ہمیں یہ سوچنا ہے کہ کیا اسباب ستہ میں سے کوئی سبب اعضا کی پیوند کاری اور خون چڑھانے کے جواز کی طرف راہ نکالتا ہے یا نہیں، کچھ مقالات میں اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسے بہ غور سنیں اور دقت نظر سے پرکھ کر فیصلہ کریں۔

سوال میں ان اسباب ستہ کا ذکر ہے جن کی بنا پر قول امام سے قول صاحبین کی طرف عدول کی اجازت ہے لیکن پھر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن امور کے بارے میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا نہ کوئی قول ملے نہ صاحبین کا، اور قرآن یا احادیث سے ان کی حرمت یا عدم جواز ثابت ہو، اور اسباب ستہ میں سے کوئی سبب اس کے خلاف کا داعی ہو تو پھر کیا کیا جائے، یہ پہلو بہت اہم اور نازک ہے، اس پہلو پر خصوصیت سے توجہ کی ضرورت ہے۔

تشکر اور گزارشات

حضرات! ہماری دعوت پر آپ لوگ تشریف لائے، اس کے لئے ہم شکر گزار ہیں اور ہمیں امید ہے کہ جس طرح آپ حضرات نے سابقہ سیمینار میں پوری حاضر دماغی اور ذہنی توانائی کے ساتھ مسائل کی تنقیح و تحقیق میں حصہ لیا، اسی طرح اس وقت بھی حصہ لیں گے، یہ کام آپ سب حضرات کا ہے، اس لئے آپ سب حضرات کو اپنی اپنی ذمہ داری محسوس کر کے تنقیح و تحقیق میں پوری جدوجہد کرنی چاہیئے۔

میں چوں کہ آپ حضرات میں سب سے بوڑھا ہوں اور جامعہ اشرفیہ کے دارالافتاء کا ذمہ دار ہوں، اس لئے آپ حضرات سے زیادہ ان سب امور سے مجھے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ ایسی خبریں ملتی رہتی ہیں کہ بہت سے بزرگ سائلین کو ہدایت کر دیتے ہیں کہ اس کو مبارکپور بھیج دو، اس لئے مجھے زیادہ احساس ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ جو مسائل لانحل ہیں وہ جلد از جلد حل ہو جائیں۔

اختلاف رائے کی صورت میں عوام میں تشویش ہوتی ہے۔ ایک مفتی نے یہ فتویٰ دیا، دوسرے نے اس کی خلاف فتویٰ دیا۔ اس پر عوام کہتے ہیں کہ ہم کس کے فتوے پر عمل کریں۔ اسلاف کے عہد میں فروعی مسائل کے اختلاف سے کوئی شورش نہیں پیدا ہوتی تھی۔ اس لئے کہ اس زمانے میں عوام کے ایمان بہت مضبوط تھے، اور وہ احکام شرعیہ کا بہت زیادہ علم رکھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ فروعی مسائل میں اختلاف عہد صحابہ سے متوارث چلا آ رہا ہے، یہ کوئی مذمت کی بات نہیں بلکہ حسب ارشاد "اختلاف امتی رحمۃ" یہ رحمت ہے۔ لیکن اب یہ حال نہیں رہا۔ ایمان کمزور ہو گئے، عوام احکام شریعت سے اکثر غافل رہتے ہیں، عوام تو عوام مدارس دینیہ کے فارغ التحصیل بھی اکثر دینی معلومات میں صفر رہتے ہیں۔

اس لئے کسی مسئلے میں دو مفتی کے اختلاف کی صورت میں شورش ہو جاتی ہے۔ مجلس شرعی کے قیام کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ یہاں ہم لوگ بیٹھ کر اتفاق رائے

سے ایک حکم شرعی طے کریں، اسی کے مطابق سب لوگ فتویٰ دیں تاکہ اختلاف فتویٰ کی وجہ سے عوام میں جو شورش ہوتی ہے، اس کا سد باب ہو جائے۔

البتہ اب کی بار یہ شکایت آپ حضرات سے ضرور ہے کہ مقالات بہت کم حضرات نے لکھے۔ میری استدعا ہے کہ آئندہ آپ حضرات اس پر خصوصی توجہ دیں اور ہمارے حوصلے کو پست ہونے سے بچائیں۔

ہم نے اپنی وسعت بھر آپ حضرات کے لئے آسائش اور ضرورت فراہم کرنے کی پوری کوشش کی ہے، لیکن اگر کوئی فروگزاشت ہوگئی ہے تو اسے درگزر فرمائیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ عزوجل ہم سب کو اتنی سمجھ عطا فرمائے کہ جو بھی فیصلہ کریں وہ صحیح اور درست ہو۔ آمین

بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلاۃ والتسلیم

محمد شریف الحق امجدی

صدر شعبۂ افتاء، ناظم تعلیمات

وسرپرست مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارکپور

مورخہ ۱۵ر صفر ۱۴۱۹ھ

نواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۲ تا ۱۵؍ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۸ تا ۲۱؍ فروری ۲۰۰۰ء جمعہ تا دوشنبہ

خطبۂ صدارت

از

فقیہ الہند شارح بخاری حضرت علامہ

مفتی محمد شریف الحق امجدی

سرپرست مجلس شرعی و ناظم تعلیمات و صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارکپور

شائع کردہ

مجلس شرعی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ یوپی ہند ۲۷۶۴۰۴

فون نمبر: ۲۵۰۰۹۲ (۰۵۴۶۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ ھو الفقہ الاکبر والصلوٰۃ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد ھو الحدیث الأظہر وعلیٰ آلہ وصحبہ المصابیح الغرر . اما بعد!

اللہ عزوجل کی تائید اور اس کے حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے ہم مجلس شرعی کا نواں اجلاس شروع کرنے جا رہے ہیں۔ اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ جس اہم مقصد کی انجام دہی کے لئے مجلس شرعی کا قیام عمل میں آیا تھا، اس میں امیدوں سے زیادہ کامیابی ہوئی۔

آپ حضرات کے تعاون سے بہت سے اہم اور پیچیدہ مسائل حل ہوئے۔ اگر چہ ان کے حل کرنے میں شرکائے مجلس کو اپنا خون جگر صرف کرنا پڑا ہے، لیکن اس بات کی خوشی ہے کہ ایزد متعال کی توفیق سے یہ خون جگر ایسے کام میں صرف ہوا جو اس کا بہترین مصرف تھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

اس خصوص میں ہم اپنے سارے احباب اور مندوبین کے زیر بار احسان ہیں کہ انہوں نے انتہائی خلوص ومحبت کے ساتھ دوران بحث پوری آزادی کے ساتھ اپنی رائیں پیش فرمائیں، جو ہمارے لئے رہنما ثابت ہوئیں، مولیٰ عزوجل آپ حضرات کے علم وفضل میں مزید وسعت عطا فرمائے۔ آپ حضرات کے فیض کو اور عام وتام کرے اور آپ حضرات کے ظل ہمایوں کو دراز سے دراز تر کرے۔ آمین

جو مسائل طے ہو چکے ہیں ان کی فہرست آپ حضرات کے ذہن میں محفوظ ہے۔ ان میں سب سے اہم اور پُر پیچ شیئر بازار کا مسئلہ تھا جو اپنے تنوع اور پیچیدگی کی وجہ سے ابتدا میں ایسا محسوس ہوتا تھا گویا یہ "متشابہات" میں سے ہے، لیکن عوام شیر بازار کی خرید وفروخت کے عادی ہو چکے ہیں، ان میں اکثر تو وہ ہیں جنہیں اس کی پرواہ نہیں رہتی کہ کیا چیز حلال ہے اور

کیا چیز حرام ہے۔ ان کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ زر اندوزی ہوتی ہے لیکن پھر بھی ایسے دینداروں سے زمین خالی نہیں جو بہر حال حرام کمائی سے حتی الوسع بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے لئے وہ اس قسم کے جدید مسائل میں علما کی طرف رجوع کرتے ہیں، تاکہ انہیں حکم شرعی معلوم ہو جائے جس کے مطابق وہ عمل کریں۔

دار الافتاء میں آئے دن ''شیر بازار'' کے سلسلے میں سوالات آتے رہتے تھے۔ میں سخت الجھن کا شکار تھا، ابتدا ہی سے میرا رجحان اس طرف تھا کہ اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن ہزار ہا ہزار مسلمان کو یک لخت فاسق و فاجر ہونے کا فتویٰ دینا بھی مجھ پر سخت گراں تھا۔ میں برسوں اس پر غور و فکر کرتا رہا کہ اس کے جواز کی کوئی صورت رونما ہو جائے مگر میں اس میں ناکام رہا۔ بالآخر یہ مسئلہ مجلس شرعی کی میز پر رکھا گیا۔ میرا اندازہ ہے کہ کل ملا کر اس پر متعدد مجالس میں اٹھتیس گھنٹے بحث ہوئی۔ فخر اشرفیہ عزیزی علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی زید مجدہم نے اس کے جواز کی کچھ صورتیں نکالیں۔ جن پر بھرپور غور و خوض کیا گیا۔ لمبی لمبی بحثیں ہوئیں۔ لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ مجبور ہو کر اسے فیصل بورڈ کے حوالے کیا گیا۔ تاجدار رضویت حضرت علامہ ازہری صاحب دام ظلہ جانشین مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دولت کدہ پر منتخب مفتیان کرام کی بہت اہم نشستیں ہوئیں۔ اختلاج قلب کی وجہ سے میں اس اہم مجلس میں شریک نہ ہو سکا جس کا مجھے بے حد افسوس ہے اور رہے گا۔ ولکن لیس علی المریض حرج

فیصل بورڈ کی اس اہم مجلس میں ابتدا سے انتہا تک کے سارے مباحث و دلائل پر تین دن تک غور و خوض اور بحث کے بعد فیصل بورڈ نے اپنا فیصلہ یہی دیا کہ ''شیر بازار'' کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔

اس مسئلہ پر کتنی کد و کاوش کرنی پڑی، اس کو مجھ سے زیادہ آپ حضرات جانتے ہیں۔ اس ساری کاروائی سے پورے طور پر مطمئن ہو کر میں عرض کر رہا ہوں کہ مجلس شرعی کا مستقبل انتہائی تابناک ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

سابقہ زیر بحث مسائل میں یہ دو مسئلے رہ گئے ہیں، جن پر ہمیں گفتگو کرنی ہے۔

اول: کسی مریض یا زخمی کی جان بچانے کے لئے، یا کسی آپریشن میں دوسرے کا خون استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

دوم: خون کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

ڈاکٹر اور مریض اور زخمی بلا جھجک خون استعمال کرتے اور کراتے ہیں، اور خریدتے بھی ہیں اور کچھ لوگ بیچتے بھی ہیں۔ کچھ لوگ بطور عطیہ دیتے ہیں۔اس کا استعمال ایسا عام ہو چکا ہے کہ لوگوں کو اس کا خیال بھی نہیں رہتا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔

ڈاکٹروں کو تو خیر اس کی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔مریض اور زخمی ڈاکٹر کے ہاتھ میں "مردہ بدست غسال" رہتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ اس سے بالکل غافل ہو جاتا ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام۔

اگر چہ خون چڑھانے میں خطرات بھی ہیں۔سیکڑوں واقعات اس پر شاہد ہیں کہ خون کے گروپ کی تعیین میں غلطی کی وجہ سے، یا کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر خون چڑھاتے ہی مریض یا زخمی موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔

خون حرام اور ناپاک ہے۔اس کا پینا بالاجماع حرام ہے۔لیکن دوسرے طریقے سے اس کا استعمال حرام ہی ہے یا مکروہ تحریمی، یا کچھ اور؟ یہ محل غور ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں خون سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔ ہمارے فقہائے احناف کے بعض ارشادات میں یہ بھی ہے کہ اس کا تناول جائز نہیں، جس سے بظاہر یہی مستفاد ہوتا ہے کہ انجکشن کے ذریعے جسم میں خون داخل کرنا بھی حرام ہو۔بحث اس پر آکر رکی ہوئی ہے کہ ضرورت شرعیہ کے وقت تو اس کا پینا بھی حرام نہیں۔اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ حاجت شرعیہ کے وقت خون چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ یہ بہت بنیادی تنقیح طلب بات ہے۔

رہ گیا خون کا بیچنا یا ہبہ کرنا تو اصول شرع کے مطابق اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔خون انسان کے جسم کا جز ہے، کسی کا مملوک نہیں۔پھر اس کو بیچنا، خریدنا یا ہبہ کرنا کیسے

جائز ہوگا؟ علاوہ ازیں خون مال نہیں۔ بیع وشرا اور ہبہ مال کے ساتھ خاص ہے۔ اب پھر وہی سوال یہاں بھی پیدا ہوتا ہے کہ حاجت شرعیہ کے وقت اس کا خریدنا، بیچنا یا ہبہ کرنا یا قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس نویں سیمینار میں اسی گتھی کو سلجھانا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اگر اللہ عزوجل کی توفیق شامل حال رہی اور آپ حضرات نے پوری توجہ فرمائی تو یہ بھی ضرور حل ہو کے رہے گا۔

بقیہ تین مسائل جو نئے موضوعات بحث ہیں یہ بھی کم اہم نہیں۔

دیہات میں جمعہ کے بعد ظہر باجماعت پڑھنے کا مسئلہ:

یہ اس لئے اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے مجموعہ فتاویٰ حصہ سوم میں یہ چھپا ہوا ہے کہ اس کی اجازت ہے، مگر حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے فتاویٰ کا جو خاص رجسٹر ہے، میں کامل وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ یہ اس میں موجود نہیں۔ میں نے حضرت کے ساتھ بیسیوں سفر کئے جن میں ایسے مواقع بھی آئے جن میں جمعہ کے دن دیہات میں قیام رہا، مگر حضرت نے کبھی بھی جمعہ کے ساتھ ظہر باجماعت نہیں پڑھی بلکہ یا تو قیام گاہ پر صرف ظہر پڑھی، یا سفر کی مشقت برداشت کر کے شہر میں جمعہ پڑھا۔

جب یہ فتویٰ حضرت کے مجموعہ فتاویٰ کے خاص رجسٹر میں نہیں تو جامع فتاویٰ کو کیسے ملا۔ آپ حضرات جانتے ہیں کہ صرف کسی کے نام سے کوئی فتویٰ چھپ جانا حجت نہیں جب تک بطریق روایت یقینی ثبوت نہ ہو۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو بھی معلوم تھا کہ عوام دیہات میں جمعہ پڑھتے ہیں۔ لیکن انہوں نے جمعہ کے ساتھ ظہر باجماعت ادا کرنے کا حکم نہ دیا۔ ان حالات میں وہ فتویٰ سخت محل نظر ہے۔

الحاصل! اسی تناظر میں آپ حضرات کو یہ مسئلہ حل کرنا ہے۔ اور مجدد اعظم قدس سرہ کے ان ارشادات کو بھی ذہن میں رکھنا ہے جو فتاویٰ رضویہ سے سوال میں منقول ہے۔

تالاب کا ٹھیکہ اور ہائر پر چیز (اجارۂ اشیاء مع بیع) کا مسئلہ بھی کم پیچیدہ نہیں۔ لیکن

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ہمارے لئے ایسا علمی خزانہ جمع فرمادیا ہے کہ تلاش وتتبع کرکے ہم اس کو بھی ضرور حل کریں گے۔

حدی را تیز تری خواں چوں محمل راگراں بینی
نوا را تلخ تری زن چوں ذوق نغمہ کم یابی

میری آخری گزارش یہ ہے کہ جدید پریشان کن مسائل کی فہرست طویل ہے۔ ابھی امریکہ کے احباب نے سولہ مسائل کی فہرست بھیجی ہے۔ جن میں سے کئی ایک حل ہو چکے ہیں اور اکثر باقی ہیں۔ میری گزارش یہ ہے کہ آپ حضرات اپنے عزیز اوقات کو صرف کرکے ان جدید مسائل کو جس قدر جلد ممکن ہو حل کریں۔ دیندار افراد الجھن میں ہیں وہ ہم سے پوچھتے ہیں اور یہ ان پر واجب بھی ہے کہ علما کی طرف رجوع کریں۔ اس لئے علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بھرپور توانائیوں کو صرف کرکے ان مسائل کو حل کریں۔

افتاء کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید تلاوت کررہا ہے اور اذان ہونے لگے تو تلاوت بند کرکے اذان کو سنے اور اس کا جواب دے۔ لیکن اگر علماء تعلیم وتعلم میں مصروف ہیں اور اذان ہونے لگے تو ان پر واجب نہیں کہ تعلیم وتعلم کا سلسلہ بند کرکے اذان سنیں اور جواب دیں۔

عالمگیری میں ہے:

ولو كان فی القراء ينبغی ان يقطع ويشتغل بالاستماع والاجابة .

اگر کوئی قرآن مجید پڑھ رہا ہے تو پڑھنا بند کردے اور اذان سننے اور جواب دینے میں مشغول ہو۔ (جلد اول ص: ۵۷)

درمختار میں ہے:

ويجيب من سمع الاذان ولو جنبا لا حائضا ونفساء (الیٰ ان قال) و تعليم علم وتعلمه لاقران .

اس کے تحت شامی میں ہے:

ای شرعی فيما يظهر ولذا عبر فی الجوهرة بقراءة فقه .

(جلد اول برہامش ردالمحتار ص:۲۶۵)

جو بھی اذان سنے اس کا جواب دے، اگر چہ جنب ہو۔ البتہ حائضہ اور نفساء پر جواب دینا نہیں۔ اسی طرح جو شرعی فقہی تعلیم دے رہا ہو یا اس کا علم حاصل کررہا ہو اس پر بھی سننا اور جواب دینا واجب نہیں، اور اگر قرآن پڑھ رہا ہے تو سنے اور جواب دے۔

اسی طرح علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ جو عالم ایسا مرجع فتویٰ ہو کہ فتویٰ دینے کی وجہ سے اسے سنتوں کے پڑھنے کا موقعہ نہ ملتا ہو تو سنن مؤکدہ اس کے حق میں غیر مؤکدہ ہوجاتے ہیں۔

عالمگیری جلد اول ص:۱۱۲ میں ہے:

العالم اذا صار مرجعا فی الفتویٰ یجوز له ترک سائر السنة لحاجة الناس الی فتواه الا سنة الفجر.

عالم جب مرجع فتویٰ ہوجائے اسے تمام سنتوں کا ترک کرنا جائز ہے کیوں کہ لوگوں کو اس کے فتویٰ کی حاجت ہے سوائے سنت فجر کے۔

میں نے جب اس پر غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ اس میں راز یہ ہے کہ ایک عامی سے نماز میں کچھ غلطی ہوگئی، وہ خود فیصلہ نہ کرسکا کہ نماز ہوگئی یا ناقص ہوئی، فاسد ہوئی کہ مکروہ تحریمی۔ اس نے ایک مفتی صاحب سے سوال کیا، مفتی صاحب نے جواب میں تاخیر کی اور وہ مرگیا، بالفرض اگر اس کی نماز فاسد ہوگئی تھی تو اس کے ذمے ایک نماز رہ گئی، یہ مفتی کی سستی کی وجہ سے ہوا۔

یوں ہی فرض کیجئے کہ ایک شخص سے کلمہ کفر صادر ہوا وہ بے علم فیصلہ نہ کرپایا۔ اس نے ایک مفتی سے سوال کیا۔ مفتی نے جواب دینے میں تاخیر کی اور وہ مرگیا۔ حقیقت میں وہ کلمہ کفر تھا، کتنا سنگین سانحہ ہوگیا۔ علیٰ ہذا القیاس کاروبار کا بھی معاملہ ہے۔ اس لئے ہم خادمان دین پر فرض ہے کہ اپنی وسعت بھر کوشش کرکے مسائل کو جلد از جلد حل کردیں تاکہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر جو بوجھ ڈالا ہے، اس سے سبکدوشی میں کوتاہی کے مجرم نہ ہوں، مولیٰ عزوجل ہم سب کی مدد فرمائے۔

ربنا لا تواخذنا ان نسینا او أخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا . آمین

اخیر میں ہم اپنے تمام شرکائے اجلاس کے تہہ دل سے مشکور ہیں کہ انھوں نے ہماری دعوت پر سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور اپنے دوسرے کاموں کو چھوڑا اور یہاں تشریف لائے۔

ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ آپ حضرات کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو۔ لیکن بہر حال ہم انسان ہیں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو ہم پیشگی عفو کے طالب ہیں۔ آپ حضرات کے کرم سے امید ہے کہ معاف فرمائیں گے اور آئندہ کے لئے بھی ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ حضرات اسی طرح ہمارا تعاون کرتے رہیں گے۔

وفقنا الله وایاکم لما یحبه ویرضیٰ به .

محمد شریف الحق امجدی

سرپرست: مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ

تقریظ

نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن

الحمد لولیہ و الصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ و علیٰ آلہ و صحبہ.

ملک العلما بحر العلوم مولانا عبد العلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے والد ماجد حضرت مولانا نظام الدین قدس سرہ کی بدولت "فرنگی محل لکھنؤ" ماضی قریب میں مسلمانانِ ہند کا مرکز عقیدت رہ چکا ہے۔ اسی کانِ رشد و ہدایت، منبع علم و فضل کے لعل شب چراغ حضرت مولانا عبد الحلیم نور اللہ مرقدہ ہیں۔ مولانا موصوف معقول کے ایسے جامع تھے کہ اس کی نظیر شاید و باید کہیں ملتی ہے۔ معقولات میں تعمق کے بعد عموماً عقائد پر داغ آجاتا ہے، مگر موصوف پر اللہ عزوجل کا یہ خاص فضل ہے کہ معقولات میں تبحر کامل رکھنے کے باوجود ان کے عقائد پر داغ تو بڑی چیز ہے، میل بھی نہیں آیا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم. ع:

بخاصان شاہ می بخشد مئے نوشیدہ خود را

مصنف کی اسی خوبی پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا صاحب بریلوی قدس سرہ نے انہیں گراں قدر خطابات سے نوازا۔

حضرت بابرکت فاضل کامل، صحیح العقیدہ، سنی مستقیم جناب مستطاب مولانا مولوی عبد الحلیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (تحفۂ حنفیہ)

زیر نظر کتاب انہیں کی ایک بہت اہم اور مفید تصنیف "نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمن" کا اردو پیکر ہے۔ کتاب کی افادی حیثیت مصنف کی جلالت شان ہی سے ظاہر ہے۔ اگر کسی کو شک و شبہ ہو تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ کتاب کا مطالعہ کرے۔ مشک آنست

کہ خود ببوید نہ آنکہ عطار بگوید۔

مصنف کو محبوب رب العالمین ﷺ کے ساتھ جو والہانہ لگاؤ ہے، وہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔اس کتاب میں مندرجہ ذیل عنوانات پر بحث ہے۔

ا۔مدینہ طیبہ اوران کے گردونواح کے وہ مخصوص متبرک مقامات جن کا حضور ﷺ یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ کسی قسم کا تعلق ہے۔

۲۔ان سے برکت حاصل کرنے کے جواز واستحسان پر دلائل۔

۳۔حضور ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضری کے فضائل وآداب اور آنحضور ﷺ سے استعانت واستمداد کا ثبوت۔

۴۔حرمین طیبین کے فضائل ومناقب۔

۵۔قبور مسلمین خصوصا آسودگان جنۃ البقیع کی زیارت کے مسنون ہونے کا بیان اور اس کے آداب۔

۶۔زیارت قبور کے لئے شدّ رحال کی جواز واستحسان کا تذکرہ۔

مصنف نے ان تمام موضوعات پر اتنے ٹھوس دلائل پیش کردیئے ہیں کہ مصنف کے لئے مجال دم زدن نہیں۔اس لئے اصل موضوع پر مزید کچھ لکھنے کی سردست ضرورت نہیں،تاہم دوایک موضوع کے بارے میں مختصرا چند معروضات سپرد قلم ہیں۔

زیارت قبور کے لئے سفر:

اپنی آبادی کے مقابر مسلمین کی زیارت کا مسنون ہونا ایسا اجماعی مسئلہ ہے کہ اس میں امت کے کسی ایک فرد کا کوئی اختلاف نہیں۔اختلاف یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ زیارت قبور کے لئے سفر کر کے جانا جائز ہے یا ناجائز؟۔

جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاے کرام اور اولیاے عظام وعلماے ذوی الاحترام کے مزارات مبارکہ ان کے مشاہد مقدسہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا بلاشبہ جائز۔نہ صرف جائز بلکہ مطلق زیارت قبور مسنون وباعث برکت ہے۔

اسی لئے عہد قدیم سے آج تک امت میں مزارات مبارکہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا رائج و معمول رہا ہے۔ اگر ان کے جواز و استحسان کی کوئی اور دلیل نہ ہوتی تو تعامل مسلمین خود اس کے استحسان پر برہان قاطع ہے۔ ہاں! اسلاف میں کچھ حضرات ضرور ایسے ہیں جو زیارت قبور کے لئے سفر کو نا جائز کہتے ہیں۔ اگرچہ ان کا اختلاف نیک نیتی پر مبنی ہے، اور اجتہادی اختلافات کی نوعیت کا ہے، مگر آج کل کچھ لوگوں نے اس میں اتنا غلو کر لیا ہے کہ زیارت قبور کے لئے سفر کو نہ صرف نا جائز کہتے ہیں بلکہ پوری دیدہ دلیری کے ساتھ اسے شرک تک کہنے لگے ہیں۔ اس خصوص میں ابن تیمیہ اور ان کے متبعین کا سہارا لے کر اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ شاید ہی کسی اختلافی مسئلہ پر اتنے غلوِ مفرط کا ارتکاب کسی اور معاند مجادِل نے کیا ہو۔ اب ہم ان کی سب سے بڑی بنیادی دلیل پر بہت معمولی اور عام فہم بحث ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا مستدل یہ حدیث ہے، جو حدیث کی کثیر کتابوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ موجود ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تشدوا الرحال الاالی ثلاثة مساجد، المسجد الحرام و مسجد الرسول و المسجد الاقصیٰ.

تین مسجدوں کے علاوہ کہیں سفر نہ کرو ۔ مسجد حرام، مسجد رسول، مسجد اقصیٰ۔

مانعین کا کہنا ہے کہ جب ان تین مساجد کے علاوہ کہیں سفر کی اجازت نہیں تو اولیا کرام کے مزارات کی زیارت کے لئے بھی سفر ممنوع و نا جائز ہے۔ ان مستدلین کے جواب میں اتنا ہی عرض کا نا کافی ہے کہ اس حدیث کا اگر یہی مطلب ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کہیں بھی سفر کرنا جائز نہیں تو لازم آئے گا کہ انسان اپنی آبادی سے باہر کہیں بھی نہ جائے، کسی کام کے لئے نہ جائے۔ نہ تحقیق علم کے لئے جائے، نہ تبلیغ و وعظ کے لئے جائے۔ یہ اور اس قسم کے سارے سفر نا جائز و حرام ہو جائیں۔ اور یہ بات کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا، چہ جائے کہ حضور سید عالم ﷺ ایسا فرمائیں...... اس لئے یہ بات ماننی پڑے گی کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان تین مساجد کے علاوہ اور کہیں سفر نہ کیا جائے ورنہ

معشیت تنگ ہو جائے گا اور زندگی اجیرن ہو جائے۔

اس لئے ماننا پڑے گا کہ اس حدیث کا صحیح مطلب وہ ہے جو اجل محدثین نے بیان فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا کی مساجد میں یہ تین مساجد ایسی ہیں کہ ان میں نماز پڑھنے پر دیگر مساجد کی بہ نسبت زیادہ ثواب ہے، اور مسجد حرام میں ایک نماز پر لاکھ نماز کا ثواب اور مسجد نبوی میں ایک نماز پر پچاس ہزار کا ثواب ہے۔ اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پر پچیس ہزار کا ثواب ہے۔ یہ بات دنیا کی کسی مسجد کو حاصل نہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تمہاری بستی کی مسجد اور دنیا کی دیگر مساجد میں نماز پڑھنا برابر ہے تو سوائے ان تین مساجد کے کسی اور مسجد کا سفر نہ کرو۔ اس لئے کہ یہ سفر بلا فائدہ ہوگا جو فائدہ دنیا کی دوسری مساجد میں تم کو حاصل ہوگا، وہی فائدہ جب اپنی آبادی کی مسجد میں حاصل ہے تو سفر سے کیا حاصل؟۔

سند الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین محمود عینی رحمہما اللہ و دیگر شارحین نے اس معنی کے تصریح فرمائی ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں:

ان المراد لا تشد الرحال الی مسجد من المساجد للصلوٰۃ فیہ غیر ھذا و أما قصد زیارۃ صالح و نحوھا فلا یدخل تحت النھی ویؤیدہ ما فی مسند أحمد قال رسول اللہ ﷺ :لاینبغی للمصلی ان یشد رحالہ الی مسجد یبتغی فیہ الصلوٰۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ ومسجدی.

مراد یہ ہے کہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے قصد سے سفر نہ کرے سوائے ان تین مسجدوں کے۔ لیکن کسی بزرگ کی زیارت یا کسی اور کام کے لئے کہیں کا سفر کرنا یہ اس منع میں داخل نہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی نمازی کو کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے سفر کرنا نہ چاہیے، سوائے مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، اور میری مسجد کے۔ (حاشیہ بخاری: ج ا صفحہ ۱۵۸)

ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر ہوتی ہے۔ جب سابق کی تفسیر ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے تو یہی تفسیر راجح اور مقبول ہوگی۔

جب بزرگان دین کے مزارات طیبات کی زیارت کے لئے سفر کے ممنوع ہونے پر

کوئی دلیل نہیں تو یہ مطلق زیارت قبور کا فرد ہونے کی وجہ سے جائز، نہ صرف جائز بلکہ سنت قرار پائے گا۔ ومن ادعی التخصیص والتقیید فعلیہ البیان.

حضرت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوۃ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں:

ذهب بعض العلماء الى استدلال به على المنع من الرحلة الزيارة المشاهد وقبور العلماء والصالحين وما تبين لى ان الامر كذالك بل الزيارة مامور بها لخبر "كنت نهيتكم عن زيارة القبور اَلافزوروها" والحديث انما ورد نهيا عن الشعد لغير الثلاثة من المساجد لتماثلها بل لا بلد الا فيه مسجد فلا معنى للرحلة الى مسجد آخر واما المشاهد فلا تساوى بل بركة زيارتها على قدر درجاتهم عند الله ،ليت شعرى هل يمنع هذا القائل من شد الرحال لقبور الانبياء كابراهيم و موسىٰ و عيسىٰ؟ والمنع من ذالك فى غاية الاحالة وان جوز ذلك لقبور الانبياء والاولياء فى معناهم فلا يبعد ان يكون ذلك من اغراض الرحلة كما ان زيارة العلماء فى الحياة من المقاصد. (مرقاۃ: جلد اول صفحہ ۴۴۸ مطبوعہ بمبئی)

اسی حدیث سے دلیل لاتے ہوئے بعض علما نے مشاہد اور قبور علما اور صلحا کی زیارت سے منع کیا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں اب تک نہ آئی۔ زیارت قبور کا شریعت نے حکم دیا ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: میں نے تم لوگوں کو زیارت قبور سے منع کیا تھا، سنو! اب زیارت کرو۔ حدیث لاتشد الرحال میں کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے ممانعت ہے۔ ان تینوں مسجدوں کے علاوہ کیوں کہ بقیہ ساری مساجد ایک دوسرے کے مثل ہے، بلکہ کوئی شہر ایسا نہیں جہاں مسجد نہ ہو، پھر کسی مسجد کے لئے سفر کے کیا معنی؟ اور مشاہد آپس میں برابر نہیں بلکہ ان کی زیارت کی برکت اصحاب مشاہد کے اللہ عزوجل کے حضور درجات کے اعتبار سے ہے۔ کاش کہ میں جانتا کہ یہ قائل انبیائے کرام کی مزارات کی زیارت سے منع کرے گا جیسے حضرت ابراہم، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام، ان کی زیارت سے منع کرنا محال ہے، اور انبیائے کرام کے مزارات کی زیارت کو جائز جانتا ہے اور اولیائے کرام اس خصوص میں ان کے حکم میں ہیں تو ان کے مزارات کی زیارت مقصود سفر ہو سکتی ہے جیسا کہ حیات

ظاہری میں علما کی زیارت مقصود سفر ہوتی ہے۔

انبیائے عظام اور اولیائے کرام سے استمداد:

انبیاے عظام اور اولیاے کرام سے ان کی حیات طیبہ میں ان کے حضور حاضر ہو کر استعانت اور استمداد بالاجماع جائز و معمول بہ ہے۔ اختلاف دو صورت میں ہے۔ جب وہ مستغیث کے روبرو نہ ہوں۔ یا ان کے وصال کے بعد جائز ہے یا نہیں۔ نیز بعد وصال ان سے مدد چاہنے کے لے ان کے مزارات کا سفر درست ہے یا نہیں؟ چوں کہ اس دور میں بھی بہت سے کان سننے کی اور بہت سے دل قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس موضوع پر چند سطریں حاضر ہیں۔ ویسے طالب حق کے لئے وہی کافی ہے جو فاضل محشی نے افادہ کیا ہے، اس بحث کے دو غور طلب پہلو ہیں:

۱۔ انبیاے عظام اور اولیاے کرام کو قضاے حاجات، حل مشکلات، دفع بلیات اور مستغیث کی اعانت کی قوت من جانب اللہ ملی ہے یا نہیں؟

۲۔ اگر ملی ہے تو بعد وصال یہ قوت باقی رہتی ہے یا سلب کر لی جاتی ہے؟۔

قرآن و حدیث کے ارشادات کی روشنی میں ان دونوں سوالوں کے جوابات اثبات میں ہیں تو جس طرح حیات ظاہری میں انبیاے عظام اور اولیاے کرام سے استعانت جائز ہے اسی طرح بعد وصال بھی جائز۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ جو بھی قرآن و احادیث پر نظر ڈالے گا اسے ماننا پڑے گا کہ ان دونوں سوالوں کے جوابات صرف اثبات میں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ (۳۔۱۳)

میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے، اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیائے کرام وصال کے بعد بھی دنیوی حقیقی جسمانی

حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔صحیح حدیث ہے:

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ.

اللہ عزوجل نے زمین پر حرام فرمادیا کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے، اللہ کا نبی زندہ ہے،اسے رزق دیا جاتا ہے۔

پھر وصال سے ان قوتوں کا سلب کیسے ہوا؟ رہ گئے اولیائے کرام تو صحیح حدیث قدسی ہے جو بخاری شریف میں بھی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

مَا زَالَ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ بِالنَّوَافِلِ حتّٰی احببته فاِذا احببته کنتُ سمعه الذی یسمع به وبصرہِ الذی یُبْصِرُ به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها .

(و زاد الشیخ الدهلوی) وفؤاده الذی یعقل به ولسانه الذی یتکلم به (وأیضا زاد) فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یمشی . (بخاری: ج ۲ ص ۹۶۳ .....اشعة اللمعات جلد ۲ ص ۱۸۲)

بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب تر ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔(شیخ دہلوی نے اتنا اضافہ کیا ہے) اور اس کا دل ہوجاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔(شیخ نے اتنا اور اضافہ کیا ہے) تو وہ بندہ مجھی سے سنتا ہے اور مجھی سے دیکھتا ہے اور مجھی سے پکڑتا ہے اور مجھی سے چلتا ہے۔

اسی حدیث عظیم اور دلیل کی روشنی میں امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول اللہ کنت له سمعا وبصرا فاذا صار نور جلال اللہ سمعا له یسمع القریب والبعید واذا صار ذلک النور بصرا له رای القریب والبعید واذا صار ذلک النور یدا له قدر

على التصرف فى الصعب والسهل والبعيد والقريب . (جلد ۲۱ صفحه ۹۱)

بندہ جب طاعات پابندی کے ساتھ بجالاتا ہے تو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں اس کا کان آنکھ ہوجاتا ہوں جب کہ اللہ عزوجل کے جلال کا نور اس کا کان ہوجاتا ہے تو وہ دور ونزدیک کی سنتا ہے اور جب وہ نور اس کی آنکھ ہوجاتا ہے تو نزدیک ودور سب دیکھتا ہے اور جب وہ نور اس کا ہاتھ ہوجاتا ہے تو سخت ونرم، دور ونزدیک میں تصرف کرنے پر بندہ قادر ہوجاتا ہے۔

اب رہ گئی یہ بحث کہ اولیائے کرام کے وصال کے بعد ان کی یہ قوت سلب ہوجاتی ہے یا باقی رہتی ہے۔ اسے حسب ذیل حدیث کی روشنی میں طے کرنا ناظرین کے لئے بہت آسان ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر فاذا مات المؤمن يخلىٰ سربه يسرح حيث شاء . (مصنف ابن ابى شيبه عن عبد الله بن عمرو)

دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے، جب مومن مرجاتا ہے، اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے سیر کرے۔

اس کا فیصلہ ناظرین کے سپرد ہے کہ کسی کو بھی قوت قید میں زیادہ ہوتی ہے، یا قید کے باہر۔

اسی وجہ سے فتاویٰ سیدی جمال مکی قدس سرہ میں ہے کہ شیخ الاسلام شہاب رملی سے سوال ہوا کہ عوام جو مصیبتوں میں انبیاء ومرسلین اور اولیاء سے مدد مانگنے کے لئے پکارتے ہیں "یا شیخ فلاں" یہ جائز ہے کہ نہیں۔ تو انہوں نے جواب ارشاد فرمایا:

الاستغاثة بالانبياء والمرسلين والاولياء الصالحين جائزة بعدموتهم .

انبیاء ومرسلین اور اولیا سے ان کے وصال کے بعد مدد مانگنا جائز ہے۔

انبیائے عظام اور اولیائے کرام کے آثار ومشاہد مبارکہ سے حصول برکت:

آثار سے مراد ان کے لباس، ان کے بال، ان کے عصا اور ان کے برتن وغیرہ ہیں اور مشاہد سے میری مراد ان کے مسکونہ مکانات، عبادت گاہ، جلسہ گاہ اور ان کی جائے نزول وغیرہ ہیں۔

جو لوگ امت کے حال سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ انبیائے عظام اور اولیائے کرام کے آثار مشاہد سے برکت حاصل کرنا ہمیشہ معمول رہا ہے۔ بخاری شریف میں خاص ایک باب ہے۔ باب المساجد التی فی طریق مکة (ان مسجدوں کا بیان جو مکہ کے راستے میں ہیں)

اِس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل تفصیل سے مذکور ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں جہاں پڑاؤ کیا تھا، وہ تلاش کر کے انہیں جگہوں میں قیام کرتے۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے ان جگہوں میں کوئی برکت نہیں آئی تھی یا برکت آئی تھی، مگر وہاں برکت حاصل کرنا حرام تھا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل کی کیا تاویل ہے؟ حدیث ہی میں انہیں سے یہ ایمان افروز عمل منقول ہے کہ وہ مکہ جاتے ہوئے ایک جھربیریا کی شاخوں میں اپنا عمامہ الجھا کر کچھ آگے بڑھ جاتے پھر واپس ہوتے اور عمامہ چھڑا کر آگے بڑھتے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمامہ اس بیر میں الجھ گیا تھا اور حضور اتنی دور آگے بڑھ گئے تھے، اور واپس ہو کر اپنا عمامہ چھڑایا تھا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمامہ تو رَوا رَوی بے خیالی میں اتفاقیہ الجھ گیا تھا، مگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بالقصد الجھاتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمامے الجھنے سے اِس درخت میں کوئی برکت نہیں آئی تھی یا آئی تھی مگر اس سے برکت کا حصول ناجائز تھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایسا کیوں کرتے۔

عام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس ببول کے درخت کے نیچے بیعت رضوان لی تھی، صحابہ کرام اس درخت سے برکت حاصل کیا کرتے۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے اس درخت کے نیچے بیٹھنے سے اس درخت میں کوئی برکت نہیں آئی تھی یا آئی تھی مگر وہ برکت حاصل کرنا ناجائز تھا تو صحابۂ کرام نے ایسا کیوں کیا؟ یہ عمل برس دو برس نہیں تھا بلکہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک رہا، مگر چوں کہ یقینی طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ درخت کون ہے؟ لوگوں نے اندازے سے

ایک درخت کو متعین کرلیا تھا، اس لئے فاروق اعظم نے وہ درخت کٹوادیا۔

اس لئے نہیں کہ جس درخت کے نیچے لوگوں نے بیعت کی تھی اس سے برکت حاصل کرنا ناجائز تھا، بلکہ اس لئے کہ لوگ کسی اور درخت کو وہ برکت والا درخت جاننے لگے تھے، اور اگر ان سے برکت حاصل کرنا ناجائز ہوتا تو اس سے روکنے کے لئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا درہ کافی تھا، درخت کٹوانے کی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے فیوض الحرمین میں اپنا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے کہ میں مکہ معظمہ، مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر میلاد شریف کی محفل میں حاضر ہوا، میں نے مولد مبارک سے آسمان تک انوار دیکھے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ انوار فرشتوں کے ہیں۔

اس سے میلاد پاک کا جہاں جواز واستحسان ثابت ہوتا ہے وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی وہ جگہ مہبط انوار اور مہبط ملائکہ ہے۔ اب ناظرین فیصلہ کریں کہ جو جگہ مہبط انوار ہو، مہبط ملائکہ ہو وہاں سے برکت مل سکتی ہے یا نہیں اور برکت کہیں سے ملے، لینا جائز ہوگا یا ناجائز؟

بخاری میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت موجود ہے کہ وہ اپنی معذوری کی وجہ سے بارش اور سیلاب کے دنوں میں مسجد اقدس میں حاضر نہ ہو پاتے۔ حاضر خدمت ہو کر عرض کی۔ حضور میرے گھر چل کر کسی جگہ نماز پڑھ دیں کہ میں اس جگہ نماز پڑھ لیا کروں گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور ایک جگہ نماز پڑھی، وہیں حضرت عتبان نے مسجد بنالی۔ اگر محبوبان بارگاہ کے کسی جگہ عبادت کرنے سے برکت نہیں آتی تو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ اگر برکت آتی ہے تو پھر اس برکت سے محروم کرنے کی سعی کا کیا معنیٰ؟

صحاح ستہ کی حدیث ہے، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کے بارے میں ارشاد فرمایا:

انک حجر لا تنفع ولا تضر ولولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل ما قبلتک۔ (مشکوٰۃ: ص ۲۲۸)

تم ایک پتھر ہو نہ نفع دے سکتے ہو اور نہ نقصان۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بوسہ لیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں نے تمہارا بوسہ نہ لیا ہوتا۔

اس سے قطع نظر کہ حجر اسود نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے یا نہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس پتھر کو مس فرمادیا ہے اس کا بوسہ مسنون اور باعث برکت ہے۔

حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حلق (سرمنڈایا) فرمایا تو اپنے موئے مبارک کو صحابہ کرام میں کس لئے تقسیم فرمایا تھا۔ احادیث میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیالے میں پانی بھر کر صحابہ مریضوں کو دیتے تھے اور مریض شفایاب ہوتے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے مبارک کرتہ کے بارے میں خود قرآن مجید میں ہے، انہوں نے اپنے بھائیوں کو دیا کہ اسے لے جاکر والد ماجد کے روئے انور پر ڈال دو، ان کی آنکھیں روشن ہوجائیں گی اور یہی ہوا بھی۔ کیا حضرت یوسف علیہ السلام دعا نہیں کرسکتے تھے؟ کیا ان کی دعا قبول نہیں ہوتی؟ کیا خود حضرت یعقوب علیہ السلام دعا نہیں کرسکتے تھے، اوران کی دعا قبول نہیں ہوتی؟ پھر کرتہ کیوں بھیجا؟ یہی بتانے کے لئے کہ ہمارے استعمالی لباس باعث برکت ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ ٥ (پ ۱۶/۱۴)

سامری نے کہا: میں نے جبرئیل کے زیر قدم کی ایک مٹھی مٹی لی۔

تفاسیر میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرعون کے آگے آگے جارہے تھے، جہاں ان کے گھوڑے کے سم پڑتے سبزہ اگ آتا سامری سمجھ گیا کہ اس مٹی میں حیات بخشی کی تاثیر ہے اس نے ایک مٹھی مٹی لی اور چاندی سونے کا بچھڑا بناکر اس کے منھ میں ڈال دی وہ بولنے لگا۔ اگر روح الامین کی سواری کے سم میں یہ تاثیر ہوسکتی ہے جب کہ وہ زمین پر پڑتے ہی اٹھ گئے۔ تو جہاں محبوبان بارگاہ کا قیام ہو اس مٹی میں کیا تاثیر ہوگی؟ اس کا اندازہ کرنا بہت آسان ہے۔

اس بحث کو اس پر ختم کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ۝ (بقرہ: ۳)

بے شک صفا و مروہ اللہ کے دین کی نشانیاں ہیں:

سوال یہ ہے کہ صفا و مروہ میں کیا خصوصیت تھی، جس کی بنا پر وہ دین کی نشانی بن گئے۔ اسلامیات کا ہر واقف کار جانتا ہے کہ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ جب وادی غیر ذی زرع میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیاس سے جاں بلب ہو گئے تو حضرت ہاجرہ کی مامتا تڑپ اٹھی، وہ پانی کی تلاش میں پہلے صفا پر چڑھیں جب پانی کہیں نظر نہ آیا تو نیچے اتریں جب تک لخت جگر نظر آتے رہے آہستہ چلیں اور جب نشیب میں آجانے کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہو گئے تو دوڑنے لگیں، یہاں تک کہ اتنی بلندی پر پہنچ گئی کہ پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نظر آنے لگے تو آہستہ آہستہ مروہ پر چڑھیں، اسی طرح سات پھیرے لگائے جس کی یادگار "سعی" ہے اور اس شان سے کہ حضرت ہاجرہ کے اس اضطراری فعل کی ہو بہو نقل ہے۔ پہلے وہ صفا پر چڑھیں تو حکم ہے کہ سعی کی ابتدا صفا سے کرو وہ جہاں تک آہستہ چلیں تم بھی آہستہ چلو وہ جہاں دوڑیں تم بھی دوڑو، جہاں تک دوڑی تھیں وہیں تک، اور جہاں سے وہ آہستہ چلیں وہاں سے پھر آہستہ چل کر مروہ پر چڑھو۔ وہ صفا اور مروہ پر چڑھ کر حضرت اسمٰعیل پر نظر ڈالتی تھیں آج وہاں اسمٰعیل نہیں مگر وہ جہاں لیٹے تھے اس جگہ پر زمزم ہے اس پر نظر ڈالو۔ ساتویں بار زمزم ابلتے دیکھ کر وہ یہاں آئی تھیں پیاسی تھیں پانی ضرور پیا ہو گا تم بھی سعی مکمل کر کے زمزم پیو۔ اگر حضرت ہاجرہ کی اضطراری حرکات میں کوئی کشش نہیں تو اللہ عزوجل نے ان کو اپنی اہم عبادت کا جز کیوں قرار دیا؟ ساتھ ہی یہ بتانا ہے کہ صفا و مروہ کی خصوصیت صرف یہ ہے کہ ان پر حضرت ہاجرہ کے مقدس پاؤں پڑے جس کی وجہ سے وہ اللہ کی نشانی بن گئے، تو اگر حالت اضطرار میں جہاں اس محبوب بندی کے قدم پڑے وہ اللہ کے دین کی نشانی ہیں تو جہاں جہاں محبوبان بارگاہ کے قدم پڑے وہ یقیناً متبرک و مقدس مقامات ہوں گے۔

کچھ ترجمہ کے بارے میں: اس مفید اور اہم کتاب کے مترجم ادیب لبیب

مولانا افتخار احمد صاحب قادری استاذ ادب عربی الجامعۃ الاشرفیہ ہیں۔ ضلع اعظم گڑھ کے مشہور اور مردم خیز قصبہ گھوسی حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے وطن میں ۳؍شوال المکرم ۱۳۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مشہور ادارہ مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں حاصل کی۔ مئی ۱۹۷۲ء میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کو عالم اسلام کی اہم ترین درسگاہ کی شکل دینے کے لئے کل ہند تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اسی کے تاریخی اجلاس میں مشاہیر علمائے کرام کے مقدس ہاتھوں سے آپ کو دستار فضیلت سے نوازا گیا۔ آپ نے خصوصی طور پر ادب میں مہارت حاصل کی۔ آپ کی علمی وادبی صلاحیتوں اور خصوصیتوں کی بنا پر حضور حافظ ملت بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (علیہ الرحمہ) نے جامعہ کی تدریسی خدمات کے لئے منتخب فرمالیا۔ مولیٰ عزوجل ان کے علم وعمر میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کے افادہ کو عام سے عام تر فرمائے۔ آمین

کہنے کو یہ ترجمہ ہے اور ترجمہ کا لفظ بہت ہلکا ہے لیکن ترجمہ جتنا آسان سمجھا جاتا ہے۔ اتنا آسان نہیں۔ پھر وہ ترجمہ جو درس میں ہوتا ہے اور اس ترجمہ میں جو آپ کے ہاتھ میں، بہت بڑا فرق ہے۔ درس میں طلبہ کو ہر لفظ کے لغوی اور معنی مراد بتانے کے لئے تحت اللفظ ترجمہ کیا جاتا ہے مگر یہ ترجمہ تحت اللفظ اور درسی ترجمہ نہیں ہے بلکہ حقیقت میں یہ عربی مضامین کو اردو میں اس طرح منتقل کیا گیا ہے کہ تسلسل اور زور بیان باقی رہے۔ یہ کتنا مشکل کام ہے، اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے، جس نے کبھی ایسا کام کیا ہو، بعض حیثیتوں سے ترجمہ تصنیف سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اپنی تصنیف میں مصنف اپنے خیالات کو اپنے طرز پر ڈھالتا جاتا ہے۔ مگر کسی دوسرے کی کتاب میں مترجم اسی کے طرز بیاں اور طرز نگارش کا پابند ہوتا ہے۔

مترجم کی محنت قابل تحسین اور قابل داد ہے کہ انہوں نے بڑی کاوش وعرق ریزی سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ ایسا معیاری ہے کہ اچھے سے اچھے ترجموں میں جگہ پانے کے لائق ہے۔

مترجم نے صرف ترجمہ پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ جابجا تشریحی وافادی حواشی بھی بڑھا دیے ہیں، جو مترجم کی بلند حوصلگی اور ان کی وسعت علم کا پتا دیتے ہیں۔ انہوں نے کتب حوالہ جات کے مصنفین کا نام اور ان کے سن وفات پوری عرق ریزی کے ساتھ تلاش کیے ہیں۔

ترجمہ یقیناً قابل ستائش اور مترجم کی محنت لائق صد آفریں ہے۔ مجھے عوام وخواص سے قوی امید ہے کہ اس ترجمہ کی نشر واشاعت میں بھرپور حصہ لے کر مترجم کا حوصلہ بڑھائیں گے تاکہ اس میں جو انہوں نے قدم اٹھایا ہے وہ تیزی سے بڑھتا رہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ عزوجل اس خدمت کو قبول فرمائے اور مقبول عام وخاص کرے اور مصنف ومترجم کو دنیا وآخرت میں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین

فقیر محمد شریف الحق امجدی

خادم شعبۂ افتاء: الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

یوم جمعہ، ۱۵ ر صفر المظفر ۱۳۹۷ھ

(نور الایمان (مترجم) ص ۱۲ تا ۲۷

مطبوعہ مجمع الاسلامی، مبارک پور اعظم گڑھ

امام احمد رضا کی فقہی بصیرت

جد الممتار کے آئینے میں

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا و مصلیا

اس وقت آپ کے مطالعے میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تصنیف جد الممتار حاشیہ ردالمحتار پر مولانا محمد احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا لکھا ہوا ایک مختصر تعارف ہے۔

فقہ حنفی میں ردالمحتار کی حیثیت خاتم التصانیف کی ہے۔ ائمہ مجتہدین کے عہد مبارک سے لے کر بارہویں صدی تک فقہ حنفی پر مختصر، مطول جتنی کتابیں لکھی گئیں "ردالمحتار" ان سب کا عطر تحقیق ہے۔ ردالمحتار کے مصنف اپنے عہد میں یگانہ فرد تھے۔ کثرت مطالعہ، قوت حفظ، ذکاوت، فطانت، دقیقہ سنجی، نکتہ فہمی، استحضار، قوت اخذ و استنباط میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ سیکڑوں کتب فقہ کے مطالعے اور ان کی سطر سطر ذہن میں رکھ کر مکمل بیدار مغزی، تیقظ اور حضور ذہن کے ساتھ انہوں نے "ردالمحتار" کو ایسا کامل و اکمل اور آراستہ و پیراستہ کر دیا ہے کہ اس میں نہ تو موافق کو اضافے کی گنجائش نظر آتی ہے نہ مخالف کو مجال دم زدن۔

ان سب کے باوجود اس پر حاشیہ لکھنے کی ضرورت تھی یا نہیں؟ اس کا جواب ہم سے نہیں، جد الممتار کا مطالعہ کر کے خود اپنے ضمیر سے لیجئے۔ ردالمحتار کی جامعیت و کاملیت اپنی جگہ مسلم مگر بمصداق "فوق کل ذی علم علیم" جد الممتار نے دنیا کو دکھا دیا کہ علم ایسا بحر ہے جس کا

ساحل نہیں ۔اور "کم ترک الاولون للآخرین" حق ہے۔ بلاشبہ بعض علمائے حرمین طیبین نے اس کے مصنف کی جلالت شان وعظمت مکان سے متاثر ہوکر بجا فرمایا تھا:

لو راها ابو حنیفة النعمان لاقرت عینه ولجعل مؤلفها من جملة الاصحاب .

ان رشحات قلم کو اگر امام ابوحنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان کے لکھنے والے کو وہ ضرور اپنے تلامذہ امام یوسف اور امام محمد کے زمرے میں داخل فرماتے۔

مگر جد الممتار کی حیثیت ایک طرح سے گنج مخفی کی ہے۔ اس کے مصنف مجدد اعظم قدس سرہ نے اس میں کتنے گراں قدر بیش بہا موتی چھپائے ہیں ان تک ہر نظر کی رسائی ناممکن ہے۔ اس لئے مولانا محمد احمد مصباحی نے ضروری جانا کہ ان گوہر ہائے مخفی تک رسائل کے لئے راستہ دکھایا جائے ۔اس کے لئے انہوں نے پہلے بڑی محنت وجانفشانی اور حاضر دماغی سے جد الممتار کا مطالعہ کیا، پھر اس میں سے مختلف عنوانات کا انتخاب کر کے ان کے مناسب مضامین اخذ کئے، پھر انہیں ایک گونہ مختصر مگر واضح وسلیس انداز میں قلم بند کیا، یہ کام جسے میں نے دو سطر میں لکھ دیا کتنا کٹھن ہے اسے وہی لوگ جان سکتے ہیں جنہوں نے کبھی اس ہفت خواں کی سیر کی ہو۔

کجا دانند حال ما سبک ساران ساحل ہا

مولانا محمد احمد مصباحی:

تعارف نگار مولانا محمد احمد مصباحی زید مجدہم مبارکپور سے قریب محمد آباد گوہنہ سے متصل ایک موضع "بھیرہ" کے باشندے ہیں، اور جامعہ اشرفیہ کے ممتاز ابنائے قدیم میں سے ہیں۔ فراغت کے بعد مدرسہ فیضیہ نظامیہ (اتی پور، باراہاٹ) ضلع بھاگل پور، فیض العلوم جمشید پور، ندائے حق جلال پور، فیض العلوم محمد آباد گوہنہ میں نہایت کامیاب تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی طلب پر جامعہ اشرفیہ میں منتہی مدرسین کی صف میں شامل ہیں۔

قدرت نے انہیں ذہانت وفطانت اور قوت حفظ کے ساتھ مطالعے کا ذوق وشوق بہت زیادہ عطا فرمایا ہے۔ حفظ اوقات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے

دیتے۔ ہر وقت مصروف۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ علم ادب میں اقران پر فائق ہیں۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، ہندوستان میں رضویات کا ان جیسا کوئی واقف کار نہیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ انتہائی متواضع، منکسر المزاج، قناعت پسند، زاہد صفت بزرگ ہیں۔ شریعت کے پابند ہیں، شبہات تک سے بچنے والے تقویٰ شعار فرد، صاحب تصانیف دانشور، ان کی قلمی خدمات کئی طرح کی ہیں، جن کی تفصیل سطور ذیل سے معلوم کریں۔

(الف) اب تک ان کی درج ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

۱۔ تدوین قرآن: قرآن کے جمع وتدوین کی تفصیل اور منکرین کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل تحقیقی مقالہ طبع اول ۱۴۰۱ھ

۲۔ امام احمد رضا اور تصوف: علم طریقت وتصوف میں امام احمد رضا کی عظمت شان سے عام لوگوں کی نا آشنائی کے پیش نظر یہ تحقیقی وتفصیلی کتاب تحریر میں آئی۔

۳۔ اسلام اور رشتہ ازدواج: موضوع کے متعلقات پر مختصر اور جامع کتاب۔ طبع اول ۱۴۱۰ھ

۴۔ معین العروض والقوافی: فن عروض اور عربی قواعد شعری سے متعلق مختصر رسالہ جو داخل نصاب ہے۔

۵۔ مدارس اسلامیہ کا انحطاط: اسباب کا جائزہ، مشکلات کا حل اور مناسب علاج

۶۔ تنقید معجزات کا علمی محاسبہ: حدیث، اصول حدیث، رجال اور تاریخ وسیر کے متعدد واہم مباحث پر مشتمل گراں قدر مقالہ، جس کے کچھ اجزا ماہنامہ اشرفیہ میں شائع ہوئے، باقی منتظر طبع ہیں۔

۷۔ تعارف جد الممتار: جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

(ب) امام احمد رضا قدس سرہ کے متعدد رسائل پر حاشیہ اور موجودہ دور کے لحاظ سے ان کی مناسب توضیح وتسہیل اور جدید ترتیب: مثلاً

۱۔ وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید: (معانقہ عید اور مصافحہ بعد نماز)

طبع اول: ۱۳۹۹ھ

۲۔ جمل النور فی نهی النساء عن زيارة القبور: (مزارات پر عورتوں کی حاضری) طبع اول: ۱۴۰۰ھ

۳۔ صيانة المكانة الحيدرية عن وصمة عهد الجاهلية: (براءت علی از شرک جاہلی)

۴۔ مقامع الحديد علىٰ خد المنطق الجديد: (فلسفہ اور اسلام) قلمی نسخہ سے پہلی بار اشاعت: ۱۴۰۷ھ

۵۔ التحبير بباب التدبير، ثلج الصدر بايمان القدر: (تقدیر وتدبیر) طبع اول: ۱۴۰۱ھ

۶۔ هادی الناس فی رسوم الاعراس: (رسوم شادی) طبع اول: ۱۴۰۲ھ

۷۔ فتاوٰی رضویہ جلد اول باب التیمم تا آخر جلد کی فارسی وعربی عبارتوں کا شاندار اردو ترجمہ جو علمائے لاہور نے بہت پسند کیا۔ اشاعت ۱۴۱۴ھ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ لاہور۔

(ج) اسی طرح المجمع الاسلامی سے شائع ہونے والی تقریبا تمام اہم کتابوں پر نظر ثانی اور بہ مشورہ واجازت مصنفین مناسب اصلاح وترمیم، یہ بھی ایک مشکل اور جانکاہ عمل ہے۔ جس کے باعث خود لکھنے کا موقع بہت کم ملتا ہے اور نظر ثانی واصلاح کا کوئی اعلان واظہار بھی نہیں ہوتا، دو تین کتابوں میں خود مصنفین نے شکریہ کے ساتھ ذکر کردیا ہے، ورنہ مولانا کا کام بلا امید تشکر وشوق نمائش برابر جاری ہے۔

(د) مگر ان سب پر بھاری جد الممتار کی اشاعت ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں مگر مختصراً چند باتیں ضرور سن لیں۔

ا۔ جد الممتار جلد اول، جلد ثانی، عزیز گرامی مولانا مفتی قاضی عبد الرحیم بستوی کی نقل سے مولانا محمد احمد مصباحی ومولانا عبد المبین نعمانی نے نقل کی۔ پھر ان دونوں جلدوں کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے لکھے ہوئے نسخے سے باضابطہ مقابلہ کیا۔ جلد اول کے مقابلے میں مولانا عبد المبین نعمانی اور جلد ثانی کے مقابلے میں مولانا نصر اللہ بھیروی مدرس فیض العلوم محمد آباد

گو ہنوز پورے طور سے مولانا مصباحی کے شریک کار رہے۔

اعلیٰ حضرت کا قلمی حاشیہ الگ کتابی شکل میں نہیں بلکہ وہ اپنے نسخہ رد المحتار ہی پر حسب ضرورت بڑی سرعت قلم سے حواشی لکھتے گئے ہیں۔ اس تحریر کو پڑھنا اور سمجھنا خود ایک مہارت کا کام ہے۔ خود مجھے قیام بریلی کے دوران بعض مقامات کو پڑھنے اور حل کرنے میں زحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

۲۔ جد الممتار کے ہر حاشیہ کے لئے نسخہ اعلیٰ حضرت کے صفحات کے ساتھ رد المحتار طبع اول جدید کے صفحات کا حوالہ۔ اس کام کے لئے نئے ایڈیشن کا مطالعہ اور اس میں سے مقام حاشیہ کی تعیین پھر صفحہ کا اندراج ایک طویل عمل ہے۔

۳۔ ان سب سے مشکل کام جلد ثانی میں مولانا مصباحی نے یہ کیا ہے کہ شامی یا در مختار کے جس مقام پر حاشیہ تھا، اس بحث کا پورا خلاصہ کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر جد الممتار کے مباحث کو سمجھنا مشکل تھا اور ہر حاشیہ کے لئے شامی کی مراجعت بہت دشوار۔ لیکن اس اضافے کے بعد جد الممتار کی ابحاث جلیلہ کا مطالعہ بہت آسان ہو گیا۔

۴۔ جد الممتار اول میں اعلیٰ حضرت نے بعض مقامات پر اپنے کسی فتوے کا حوالہ دیا تو اسے جد الممتار میں شامل کیا، اگر فتویٰ اردو میں تھا تو اس کی تعریب بھی کی۔ اسی طرح جلد ثانی میں دو مستقل رسالے "عباب الانوار أن لا نكاح بمجرد الاقرار" اور "هبة النساء في تحقيق المصاهرة بالزنا" عربی میں ترجمہ کر کے شامل کیا۔ الجلۃ الموتمنۃ کی ایک بحث کا خلاصہ درج کتاب کیا۔

۵۔ ہر حاشیہ میں کیا مضمون بیان ہوا ہے، اس پر مشتمل ایک مفصل اور جامع فہرست کا جلد دوم میں اضافہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے حواشی کو مکمل طور سے پڑھنا اور مختصر سے مختصر الفاظ میں ان کا مضمون متعین کرنا لازم ہے۔

۶۔ جد الممتار کے علمی مقام اور مصنف کی جلالت شان پر مشتمل عربی میں ایک وقیع مقدمہ بھی ہے، جو عرب قارئین کے لئے ان شاء المولیٰ تعالیٰ بڑی دلکشی کا باعث ہوگا۔

۷۔ جدید انداز میں پیراگراف کی تبدیلی اور علامات کا اضافہ تاکہ موجودہ ذوق سے

کتاب پورے طور سے ہم آہنگ ہو سکے۔

ان مراحل کو طے کرنے میں کس قدر عرق ریزی وجانفشانی سے کام لینا پڑا ہوگا اس کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی اس دشت کی سیاحی کی ہو۔ جلد اول کی اشاعت میں مولانا لیٰسین اختر مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا محمد عبدالمبین نعمانی ہر ایک کا علمی وقلمی حصہ ہے۔ اگرچہ زیادہ کام مولانا مصباحی نے ہی کیا ہے جیسا کہ کتاب سے عیاں ہے۔ مگر جلد ثانی کا تقریباً سارا کام مولانا مصباحی نے تنہا انجام دیا ہے۔ میں خود جن چند علماء سے متاثر ہوں ان میں آپ کی شخصیت نمایاں ہے۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ موصوف کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور ان کے فیوض کو عام وتام فرمائے۔

اسی طرح آپ کا اور آپ کے رفقا مولانا محمد عبدالمبین نعمانی، مولانا لیٰسین اختر مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا بدرالقادری مصباحی کا قابل ذکر کارنامہ المجمع الاسلامی ہے، جس نے اس جمود وتعطل کے دور میں بڑی اہم کتابیں شائع کی ہیں۔ جو ملک وبیرون ملک عام طور پر خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان میں بہت سی کتابیں وہ ہیں جو ان ہی ارکان ادارہ کی تصنیف ہیں۔

کتابیں تصنیف کرنا، پھر چھپوانا، پھر ان کو شائع کرنا، یہ تینوں تین مستقل کام ہیں مگر ارکان المجمع الاسلامی ان تینوں کاموں کو تنہا انجام دے رہے ہیں۔ رب تعالیٰ اس ادارہ کو فروغ وترقی اور وسعت واستحکام عطا فرمائے اور اس کے ارکان ومعاونین کو اپنی خاص عنایات سے نوازے۔ آمین بجاہ حبیبک سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ واکرم التسلیم۔

محمد شریف الحق امجدی

۳۰ رمحرم ۱۴۱۳ھ یکم اگست ۱۹۹۲ء

(امام احمد رضا کی فقہی بصیرت مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارکپور)

فتاویٰ امجدیہ: سوم

پیغام

الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ وصحبہ

فتاویٰ امجدیہ دو جلدیں اس سے پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی جلد جولائی ۱۹۷۹ء میں چھپی، اور دوسری جلد تین سال نو مہینے کے بعد اپریل ۱۹۸۳ء میں چھپی۔ اللہ کا شکر ہے کہ دونوں جلدیں چھپتے ہی ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ بلکہ یہ دونوں جلدیں پاکستان میں بھی چھپیں اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ یہ دونوں جلدیں جناب مولانا مفتی عبد المنان کلیمی زید مجدہم مفتی شہر مراد آباد کی خواہش پر میری نظر ثانی اور تعلیق کے ساتھ چھپیں۔ پہلی جلد کی طباعت واشاعت کا سہرا بھی مفتی صاحب موصوف ہی کے سر ہے۔ البتہ دوسری جلد کی طباعت جناب مولانا علاء المصطفیٰ صاحب ناظم جامعہ امجدیہ گھوسی کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ اور اب بارہ سال آٹھ مہینے کے بعد تیسری جلد پریس جا رہی ہے۔ اس تاخیر کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسودہ نظر ثانی کرنے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ میں نزہۃ القاری کی تالیف میں پھنس گیا تھا۔ لیکن ادھر آکر جناب مولانا مفتی آل مصطفیٰ صاحب مفتی ومدرس جامعہ امجدیہ گھوسی کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس پر نظر ثانی کریں اور کچھ کو محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے دیکھ لیا ہے۔ بہر حال! کسی نہ کسی طرح تیسری جلد پریس جا رہی ہے۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے مختصر مگر جامع احوال پہلی جلد کے شروع میں درج ہیں۔ اور اب امسال ماہنامہ اشرفیہ نے حضرت پر بہت ضخیم نمبر شائع کر دیا ہے۔ جس میں حضرت سے متعلق بہت سی اہم باتیں آچکی ہیں۔ اگرچہ ابھی بہت کچھ باقی ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ کی شخصیت ایسی جامع تھی کہ اس پر کتنا ہی لکھا جائے پھر بھی

بہت کچھ باقی ہی رہ جائے گا۔

دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گل چین بہار تو زداماں گلہ دارد
مجھے پینے دے کہ تیرے جام لعلیں میں
ابھی کچھ اور ہے کچھ اور ہے کچھ اور ہے ساقی

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے بلا واسطہ اکتساب فیض کرنے والوں میں حضرت صدر الشریعہ کا درجہ سب سے آگے ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جب یہ ضرورت محسوس کی کہ پورے ہندوستان کا کوئی قاضی مقرر کیا جائے۔ تو نظر انتخاب حضرت صدر الشریعہ پر پڑی، اور انہیں کو پورے ملک کا قاضی بنایا۔ علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت نے خود آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا۔

نیز اہم موقعوں پر آپ کو مخالفین سے مناظرہ کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ رنگون سے اطلاع آئی کہ دیوبندی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرفعلی تھانوی رنگون آئے ہوئے ہیں، ان کی تقریریں ہو رہی ہیں۔ استدعاء کی گئی کہ ان سے مناظرہ کرنے کے لئے کسی کو بھیجئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حضرت صدر الشریعہ کو بھیجا۔ آپ کا علمی رعب تھانوی صاحب پر اتنا تھا کہ حضرت صدر الشریعہ کی آمد خبر سنتے ہی تھانوی صاحب رنگون سے کلکتہ چلے آئے اور جب حضرت صدر الشریعہ رنگون سے کلکتہ آئے تو یہ اپنے وطن تھانہ بھون واپس ہوگئے۔ کفی اللہ المومنین القتال۔

ہندوستان میں جب خلافت کمیٹی کا بھوت ہر مسلمان پر سوار تھا اور خلافت کمیٹی کے تمام لیڈر مسٹر گاندھی کے بندۂ بے دام بنے ہوئے تھے۔ خلافت کمیٹی کے لیڈر اتنے اندھے بہرے ہوگئے تھے کہ گاندھی کو مذکر من اللہ اور نبی بالقوۃ تک کہہ دیا حتی کہ فرنگی محل کے بقیۃ السلف جناب مولوی عبدالباری صاحب نے گاندھی کے بارے میں کہہ دیا کہ میرا حال تو اس شعر کے مطابق ہے۔

عمرے کہ بآیات واحادیث گذشت
رفتی وثنار بت پرستی کردی

صرف ایک اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات تھی جو ان فتنوں پر داروگیر کر رہی تھی۔ خلافت کمیٹی کے ارباب حل وعقد نے بریلی میں خلافت کمیٹی کا بہت بڑا جلسہ رکھا، اور حضرت مولانا سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ پروفیسر دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو بھی مدعو کیا۔ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب پہلے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جلسہ میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ضرور جائیے، اور ساتھ میں مولوی امجد علی صاحب، مولوی نعیم الدین اور مولوی برہان الحق وغیرہ کو بھی لیتے جائیے۔ اس موقع پر حضرت صدر الشریعہ نے ستر سوالات مرتب فرمائے تھے، ان سوالات کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ دینی بصیرت رکھنے کے ساتھ ساتھ سیاسی معلومات بھی کم نہیں تھی۔ آپ بھی ایک سوال سن لیجئے۔

مسٹر ابوالکلام آزاد سے پوچھا گیا تھا کہ اگر آپ لوگوں کو سوراج مل جائے گا تو آپ تنہا حکومت بنائیں گے، یا اپنے ہندو بھائیوں کو لے کر بنائیں گے؟ تنہا آپ کی حکومت آپ کے ہندو بھائی کب گوارہ کریں گے۔ لا محالہ حکومت مخلوط ہوگی اور فیصلہ ووٹ پر ہوگا۔ اکثریت ان کی ہے۔ لہذا وہ جو چاہیں گے کرلیں گے۔ احکام کفر کا نفاذ کریں گے، اور آپ کچھ نہ کر پائیں گے یا یہ کہ آپ ایسا کریں گے کہ ہندوستان کا بٹوارہ کرائیں گے۔ اقل قلیل آپ کا اور کثیر حصہ ان کا، جو اقل قلیل آپ کا ہوگا۔ اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہتا۔ وقت آئے گا تو آپ بھی دیکھیں گے، دنیا بھی دیکھے گی۔ اور جو اکثر ان کا ہوگا وہاں احکام کفر آپ کی مرضی سے جاری کئے جائیں گے۔ کیوں کہ آپ نے اپنی مرضی سے ان کو دیا ہے۔ پھر وہاں مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۔ اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟

ناظرین غور کریں! آج ہندوستان پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، کیا وہ اس متن کی شرح نہیں ہے؟ یہ سوالات جب مسٹر ابوالکلام کو دیئے گئے تو ان کے ہوش گم گئے۔ ان کو پڑھنے کے بعد جاتے جاتے یہ کہہ گئے کہ ہم ایسی غلطی کیوں کرتے ہیں جس پر اعتراض

کا موقع ملے۔

مچھلی بازار کانپور کی مسجد کا ہنگامہ رونما ہوا۔ مسٹن روڈ کو سیدھی اور وسیع کرنے کے لئے مندر کو بچا کر مسجد کو ڈھانے کا حکم حکومت نے دے دیا۔ مسلمانوں نے مزاحمت کی تو ان کو گولیاں برسا کر منتشر کر دیا گیا۔ لیکن جب پورے ملک کے مسلمان کفن بردوش ہو کر میدان میں آنے کے لئے تیار ہو گئے تو حکومت نے معاملہ ثالث کے سپرد کیا۔ مولانا عبدالباری صاحب لکھنوی ثالث بنائے گئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ نیچے سڑک رہے اور گورنمنٹ اوپر چھت ڈال دے۔ اس پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ''ابانة المتواری فی مصالحة عبدالباری'' لکھا، جس میں دلائل شرعیہ سے ثابت فرمایا کہ یہ فیصلہ شریعت کے خلاف ہے، جو جگہ مسجد ہو گئی تحت الثریٰ سے لے کر بیت المعمور تک مسجد ہے۔

اور حضرت صدر الشریعہ نے ان کی مصالحت کے رد میں ''قامع الواھیات لجامع الجزئیات'' تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ اس حصہ میں مطبوع ہے۔ ناظرین مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کتنی دقیق اور معلومات کتنی وسیع اور گرفت کتنی سخت ہے۔ اس وقت سوانح لکھنا مقصود نہیں۔ حضرت صدر الشریعہ کے تبحر علمی کا تھوڑا سا جلوہ دکھانا مقصود ہے۔ فتاویٰ کی جلدیں آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ پڑھ کر آپ خود میرے حرف حرف کی تصدیق کریں گے۔

مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ میرے مرشد برحق حضرت صدر الشریعہ کے فتاویٰ کی تیسری جلد شائع ہو رہی ہے۔ حضرت کے جتنے فتاوے رجسٹر میں درج تھے سب میں نے حرف بہ حرف پڑھ کر حضرت کو سنایا تھا اور حضرت کے فرمان کے مطابق ہر مسئلہ پر کتاب وباب لکھ دیا تھا۔ اب اسے بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے جناب مولانا مفتی آل مصطفےٰ سلمہ چھپوا رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ عزیز سعید جناب مولانا علاء المصطفےٰ صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ امجدیہ کے لئے بھی دعا گو ہوں کہ اصل میں یہ سب کچھ انہیں کی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ عزوجل ان دونوں عزیزوں کو دارین میں اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ آمین

ضرور تصحیح:

۱۔ فتاویٰ امجدیہ جلد اول کے صفحہ ۴ر پر تعلیق میں مکوک کی مقدار فتاویٰ رضویہ جلد اول کے حوالے سے ڈیڑھ صاع لکھی ہوئی ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ایک قول یہی ہے اور یہی پہلے ہے مگر چند سطر بعد یہ ہے کہ راجح یہ ہے کہ یہاں مکوک سے مد مراد ہے جیسا کہ خود انہیں کی دیگر روایات میں تصریح ہے اور مد چوتھائی صاع کو کہتے ہیں جیسا کہ خود فتاویٰ رضویہ میں اس مسئلہ کے شروع میں ہے۔ ''صاع ایک پیمانہ ہے چار مد کا'' ناظرین اس کی تصحیح کرلیں۔

۲۔ فتاویٰ امجدیہ جلد اول صفحہ ۸۵ار پر یہ مسئلہ مذکور ہے۔ ''عورتوں کو بھی سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں لگانا چاہئے، اس حکم میں عورتوں کا استثنا میری نظر سے نہیں گزرا ہے'' یہ صحیح ہے کہ صراحۃً عورتوں کا استثنا کہیں مذکور نہیں۔ لیکن عورتوں کے سجدہ کی جو خصوصیتیں ذکر کی گئی ہیں، ان سے ان کا استثنا ظاہر ہے۔ بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۸۳ر پر ہے۔

''عورت سمٹ کر سجدہ کرے۔ یعنی بازو کروٹوں سے ملائے اور پیٹ ران سے اور ران پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے''۔ (عالمگیری وغیرہ)

جب عورت کے لئے ضروری ہوا کہ سجدے میں پنڈلیاں زمین سے ملائے تو پھر یہ ممکن نہیں کہ اس کی انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگیں اور ان کا رخ قبلہ کی جانب ہو۔ کیوں کہ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ دونوں پاؤں کھڑا کرے۔ اور دونوں پاؤں کھڑا کرنے کے بعد پنڈلیاں زمین سے لگی ہوئی نہیں رہیں گی۔ اس لئے اس مسئلہ سے ظاہر ہوگیا کہ عورتیں حکم مذکور سے مستثنیٰ ہیں۔

محمد شریف الحق امجدی

۱۲ر رجب ۱۴۱۶ھ ۶ ر دسمبر ۱۹۹۵ء

(فتاویٰ امجدیہ، جلد سوم)

فتاویٰ امجدیہ: جلد چہارم

پیغام

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ واصحابہ [illegible]

یہ بات بڑی خوشی کی ہے کہ [illegible] سال بعد ہی فتاویٰ امجدیہ جلد [illegible] چھپ رہی ہے جب کہ تیسری جلد بارہ سال [illegible] الحمد للہ علی ذالک

فتاویٰ امجدیہ [illegible] صدر الشریعہ قدس سرہ [illegible] علماء المصطفےٰ [illegible] اشاعت کا [illegible] خدا کرے [illegible] ۱۹۴۸ [illegible] الاول [illegible] سال کے [illegible]

صدر الشریعہ [illegible] سرہ کی حیات [illegible] تھے۔

(۱) [illegible] اردو [illegible] کرنا۔

(۲) اردو [illegible] کے ساتھ شرح [illegible] کتابوں کا چار سے اوقات تعلیم میں داخل [illegible]

(۳) [illegible] اس میں چھپنے والی کتابوں [illegible] گی۔

(۴) [illegible]

کے مقابلے میں جلسوں اور مناظروں میں چلا۔

(۵) اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حیات ظاہری میں اعلیٰ حضرت کے نام آئے ہوئے خطوط [illegible] اعلیٰ حضرت ان کے جواب ارشاد فرماتے، ان کا املا کرنا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد [illegible] ساری [illegible] میں اپنی تحقیق [illegible] [illegible]

[illegible]

بہر حال! یہ "دارۃ المعارف الامجدیہ" کا بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے فتاویٰ امجدیہ چھاپ کر ہمیں اس سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ مولیٰ عزوجل قبول فرمائے اور اس قسم کے دوسرے اہم کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد شریف الحق امجدی

[illegible] رمضان [illegible]

پیغام

صدرالشریعہ حیات وخدمات

الحمد للمتوحد . بجلاله المتفرّد
وصلوته دوما على . خير الانام محمد
وعلى آله وصحبه

اس کے باوجود کہ اہل سنت وجماعت کے صف اول کے تمام علما ومشائخ باستثنائے چند سب کے سب بواسطہ یا بلا واسطہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے سلسلہ تلمذ میں منسلک ہیں ۔ یہ المیہ قابل حیرت بلکہ عبرت ہے کہ کماحقہ تعارف تو بڑی چیز ہے، حضرت صدرالشریعہ کے تعارف کے سلسلے میں مطلقا جمود رہا، سب سے پہلے اس کی طرف جناب مفتی عبد المنان صاحب کلیمی زید مجدہم کی توجہ ہوئی، جب کہ وہ گھوسی دار العلوم اہل سنت شمس العلوم میں مدرس تھے۔

انہوں نے دائرۃ المعارف الامجدیہ قائم کیا۔ جس کے زیر اہتمام انہیں کی انتھک کوششوں سے فتاوی امجدیہ جلد اول طبع ہوئی۔ لیکن ان کے گھوسی سے چلے جانے کے بعد پھر تعطل پیدا ہوگیا۔

اس خادم کو بھی اس کا بار بار احساس ہوتا رہا کہ ہم لوگ اپنے سب سے بڑے محسن کے ساتھ انتہائی بے اعتنائی برت رہے ہیں، جس کے نتیجے میں میں نے جامعہ اشرفیہ کے اراکین کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ ماہنامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر نکالیں، جس پر وہ لوگ بخوشی راضی ہوگئے ۔ ماہنامہ اشرفیہ میں جو مضامین شامل ہیں ان کا اکثر حصہ بالکل بہ منزل کل ؟حضرت علامہ مفتی عبد المنان کلیمی صاحب کا ہی جمع کیا ہوا تھا۔ جس پر نظر ثانی کر کے میں نے اشاعت کے لئے دیا۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ سے پوری جماعت کی بے اعتنائی کا شدت سے احساس حضرت کے وارث علم وفضل محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب کو بھی تھا، انہوں نے حضرت کی یادگار میں جامعہ امجدیہ رضویہ قائم کیا۔ ابتداءً زمین کی خریداری، تعمیر اور بنیادی ضرورتوں کے پورا کرنے میں مصروف رہے، جب اس سے یک گونہ اطمینان ہوا، تو انہوں نے بتاریخ ۱ر۲ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۲،۱۱ مارچ ۱۹۹۷ء کو جامعہ امجدیہ میں حضرت صدر الشریعہ پر ایک سیمینار منعقد کیا، لیکن چوں کہ یہ پہلا موقع تھا، اس لئے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی شان کے مطابق یہ سیمینار نہ ہوسکا۔

پھر بھی جو کچھ ہوا وہ خود اتنا عظیم ہے کہ اس سے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی شان کے جو گوشے اجاگر ہوئے ہیں، وہ ذی علم انصاف پسند افراد کو چونکا دینے کے لئے کافی ہیں۔

چوں کہ آج مدارس کی کثرت ہے، اور مدرسین کی بہتات، اس لئے کسی بھی شخصیت کے تعارف میں یہ کہنا کہ وہ ایک اعلیٰ مدرس تھے، ایک بے حقیقت سا لفظ ہو کر رہ گیا ہے۔ لیکن جو لوگ دیدہ ور ہیں وہ اگر غور کریں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ ایک مدرس ہونا وہ بھی اعلیٰ مدرس ہونا اعلیٰ عالم ہونے کی دلیل ہے، اس کو آپ یوں سمجھئے۔ مدرسین میں تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم جو صرف تنخواہ وصول کرنے کے لئے مدرسہ میں حاضری دیتے ہیں اور کسی طرح خانہ پری کرتے ہیں۔ مجھے معاف کیا جائے آج کل اکثر مدرسین ایسے ہی ہیں۔ دوسری قسم مدرسین کی وہ ہے جو مدرسہ میں حاضری تو اسی لیے دیتے ہیں کہ تنخواہ وصول ہو۔ لیکن کچھ پڑھاتے بھی ہیں۔ تیسری قسم مدرسین کی وہ ہے جن کی خواہش ہوتی ہے کہ جو کچھ ان کے سینے میں ہے وہ میں سب اپنے شاگردوں کے سینوں میں انڈیل دوں، ان کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کی تنخواہ کیا مل رہی ہے، ملے گی یا نہیں ملے گی۔ حقیقت میں مدرس یہی تیسری قسم کے لوگ ہیں اور پہلی دوسری قسم کے لوگ مزدور ہیں۔ اور اپنی مزدوری حاصل کرنے کے لئے درس وتدریس کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ آج علم کی جو بھی شمع جہاں بھی روشن ہے وہ تیسری قسم ہی کے نفوس قدسیہ کی برکات سے ہے۔

میں نے حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب بانی الجامعۃ الاشرفیہ

مبارکپور، اور محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب بانی جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائل پور قدست اسرارہم کو دیکھا، یہ لوگ مدرسہ کے اوقات کی پابندی تو ضرور کرتے تھے لیکن خود مدرسہ کے اوقات کے پابند نہیں تھے کہ چھٹی ہوئی اور کتاب بند کردیا، طلبہ کو بھگا دیا جاؤ وقت ختم ہوگیا، بلکہ آج کل کی اصطلاح میں اور ٹائم ہی نہیں بلکہ اور اسباق پڑھایا کرتے تھے۔ آج مدرسین کو دو ایک بار جماہی آئی تو طلبہ سے کہہ دیتے ہیں جاؤ آج طبیعت ٹھیک نہیں ہے، لیکن ان بزرگوں کا حال یہ تھا کہ شدید سے شدید بخار میں بھی سبق ناغہ نہیں ہوتے دیتے تھے۔ حافظ ملت قدس سرہ کو ایک زمانہ میں گردے میں پتھری ہوگئی، شدید درد ہوتا، شدت درد میں کبھی کبھی کمر پکڑ لیتے مگر سبق کا ناغہ نہیں کرتے۔ حضرت محدث اعظم پاکستان کا بھی یہی حال تھا چھٹیوں میں پڑھاتے، رات میں عشاء بعد پڑھاتے، جس کا ثمرہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں آج ان کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ چھائے ہوئے ہیں۔ تقریر، تدریس، تصنیف، مناظرہ حتی کہ بیعت وارشاد پر مسند نشیں حضرات سب باستثنائے چند انہیں دونوں کے خوشہ چیں ہیں۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
سبھی اس زلف کے اسیر ہوئے

یہ حضرات بار بار ارشاد فرماتے کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے ہمیں ایسے ہی پڑھایا ہے، کتنے خوش نصیب وہ لوگ ہیں جو انتہائی معرکۃ الآرا کتابیں جو داخل نصاب نہیں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے خارج اوقات میں انہیں پڑھایا، حتی کہ اجمیر شریف میں بعد عصر تفریح کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے، اس وقت بھی تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری رہتا۔

تدریس کا کمال یہ ہے کہ دقیق اور مغلق مسائل کو بھی اس پیرائے میں سمجھایا جائے جو طالب علم کو سمجھ میں آجائے، یہ آسان کام نہیں۔ اگر کسی مدرس میں یہ خوبی ہے تو اس کے تلامذہ میں پڑھنے لکھنے کا ذوق ہوگا، انہیں علم کی لذت ملے گی اور پھر وہ بغیر زجر وتوبیخ اور زدوکوب کے پڑھنے میں مشغول رہیں گے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ اس خاص وصف میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ منفرد تھے، جس کا نتیجہ ہے کہ آج جہاں کہیں بھی علم کی شمع روشن ہے ان

سب کا سلسلہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے منبع نور سے ملتا ہے۔

بہر حال! یہ حضرات محدث کبیر اور ان کے صاحبزادہ والا شان اعز ارشد مولانا علاء المصطفیٰ زید مجدہم ناظم اعلیٰ جامعہ امجدیہ کا ہم سب پر احسان ہے کہ انہوں نے ہماری غفلت پر ہمیں چونکا دیا، جس کے نتیجے میں ہم سب نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق چند پھول اس سیمینار کے موقع پر پیش کئے۔ جن سب کا ایک حسین گلدستہ بنا کر قوم کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔

بارگاہ امجدی سے بلاواسطہ فیض حاصل کرنے والوں میں چونکہ میں تقریباً سب سے معمر ہوں، اس لئے میں ان تمام اہل قلم حضرات کا مشکور ہوں جنہوں نے اس سیمینار میں حصہ لیا، مقالات لکھے، تشریف لائے، اور سب کے لئے دعا گو۔ اور سب سے زیادہ اعز ارشد مولانا علاء المصطفیٰ سلمہ کو دعا کا حق دار سمجھتا ہوں، جنہوں نے سیمینار کے انعقاد اور اس کے انتظام وانصرام، شرکاء کی مہمان داری وغیرہ سارے بار کو اپنے کندھوں پر لیا، اور اس کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

بڑی ناحق شناسی ہوگی اگر میں عزیز سعید مولانا آل مصطفیٰ سلمہ کی مساعی جمیلہ کا ذکر نہ کروں جو انہوں نے اس سیمینار کے انعقاد کے سلسلے میں انجام دی ہیں۔ اور اب مولانا فیضان المصطفیٰ سلمہ نے سارے مقالات کو یکجا مرتب کرکے اس صحیفہ میں جمع کیا اور طباعت واشاعت کے لئے انہوں نے کوئی کمی نہیں کی۔ مولیٰ عزوجل ان سب لوگوں کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

محمد شریف الحق امجدی

برکات منزل، برکات نگر، گھوسی، مئو

۲۵ رمضان ۱۴۲۱ھ

(صدر الشریعہ حیات وخدمت: ص ۸ تا ۱۱)

پیغام

سیدین نمبر

خانقاہ برکاتیہ گنگا جمنا کے دوآبے کے درمیان ضلع ایٹہ کے مشہور قصبہ مارہرہ مطہرہ میں واقعہ ہے۔ یہ خانقاہ ۱۱۱۸ھ میں سلطان الواصلین حضور سیدنا شاہ برکت اللہ قدس سرہ نے قائم کی تھی۔ اس وقت سے لے کر آج تک یہ خانقاہ عوام وخواص، علما ومشائخ کا مرکز اعظم رہی۔ اپنے وقت کے سربرآوردہ علما ومشائخ نے یہاں گردنیں خم کیں۔ ان سب کا تذکرہ ایک دفتر چاہتا ہے۔ ان میں دو حضرات سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ایک حضرت مولانا عبد المجید عین الحق بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہے جن کے بارے میں ان کے مرشد حق سند الواصلین حضرت شمس الدین مولانا سید آل احمد اچھے میاں قدس سرہ نے یہ فرمایا تھا کہ:

اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے پوچھے گا کہ میرے لئے کیا لایا ہے تو میں مولانا عبدالمجید کو پیش کردوں گا۔

دوسرے آیۃ من آیات رب العالمین، معجزۃ من معجزات خاتم النبیین، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات گرامی ہے، جن کے بارے میں ان کے مرشد برحق خاتم الاکابر حضور سیدنا مولانا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ نے فرمایا تھا کہ:

اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے دریافت فرمائے گا کہ میرے لئے کیا لائے ہو؟ تو مولانا احمد رضا صاحب کو پیش کردوں گا۔

کسی مرشد کا اپنے مرید کے بارے میں جملہ مذکورہ کہنا کوئی معمولی بات نہیں۔ رب العالمین کی بارگاہ میں اس کے دربار اعظم کے موقع پر جو تحفہ پیش کیا جائے گا وہ تحفہ پیش کرنے والوں کا سب سے قیمتی ہیرا ہوگا۔

اگر سلسلہ برکاتیہ میں کوئی مرید نہ ہوتا اور یہی دونوں بزرگ ہوتے تو اس بات کے

ثبوت کے لئے کافی تھا کہ یہ خانقاہ اپنے وقت میں سب سے ممتاز ہے۔

حضرت مخدوم صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے صرف ایک مرید اور خلیفہ تھے، حضرت شمس پانی پتی قدس سرہ۔ جب حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ حضرت مخدوم صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مخدوم نے ان سے پوچھا: کس کے مرید ہو؟ حضرت امیر خسرو نے عرض کیا: حضرت نظام الدین اولیا کے۔ حضرت مخدوم نے دریافت فرمایا کہ ان کے کتنے مرید ہیں؟ حضرت امیر خسرو نے عرض کیا: جتنے آسمان میں تارے ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا: ہمارا تو بس ایک شمس ہے۔

یہ اس وقت کی بات تھی۔ آج اگر سلسلہ نظامیہ اور سلسلہ صابریہ کے مریدین کی مردم شماری کی جائے تو دونوں قریب قریب برابر ہوں گے۔ چنانچہ بدایوں شریف کے حضرت مولانا عبد المجید عین الحق رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے وارثین کے ذریعہ سلسلہ برکاتیہ کی خوب خوب اشاعت ہوئی۔ اور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور ان کی اولاد واحفاد اور خلفا کے ذریعہ سلسلہ برکاتیہ کی اشاعت اتنی کثیر ہوئی ہے کہ اس کو شمار کرنا قریب قریب محال ہے۔

مگر سلسلہ برکاتیہ صرف انہی دونوں بزرگوں میں منحصر نہیں بلکہ خود خانقاہ شریف کے سجادگان اور خاندان برکات کے دیگر خلفا کے مریدین کی تعداد بھی لاکھوں لاکھ سے کم نہیں۔ ماضی بعید کے بزرگوں کے مریدین کی تعداد کا اندازہ لگانا اب ممکن نہیں۔ میں نے ایک محتاط تخمینہ لگایا ہے۔ اب تو صرف حضرت احسن العلماء قدس سرہ کے مریدین کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ جس کا شمار آسان نہیں۔

اس خانقاہ کی عظمت وشوکت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ شاہان مغلیہ نے چوبیس گاؤں اس خانقاہ پر وقف کئے تھے، اور ماہانہ اور سالانہ نذرانہ الگ تھا۔ جس کا کچھ حصہ اب بھی جاری ہے۔ غالبًا کاشف الاستار شریف میں ہے کہ سلطان محی الدین اورنگ زیب جب دہلی سے کھجوہ اپنے بھائی شجاع کے جارحانہ اقدام کی مدافعت کے لئے جارہے تھے تو ان کا گزر مارہرہ مطہرہ کے قریب سے ہوا۔ یہ زمانہ سید الکاشفین شیر حق سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔ سلطان نے حضرت کی خدمت میں قاصد بھیجا کہ میں زیارت اور دعا کا خواستگار

ہوں۔ حضرت اگر تکلیف فرما کر میری قیام گاہ تک قدم رنجہ فرمائیں تو کرم ہوگا۔ سرکار حضرت حمزہ نے فرمایا کہ خواہش تمہاری ہے اور لائے میں تم سے ملنے کے لئے آؤں۔ سلطان اس جواب سے بہت نادم ہوا۔ دعا کی درخواست کے ساتھ نذور فتوح بھی حاضر کیں۔

تاج العلماء زین الاصفیا، حضرت سید محمد میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خاندان کے بزرگوں کی مفصل سوانح عمری لکھی ہے، مگر وہ پوری طبع نہ ہوسکی اور میں اب اس حال میں ہوں کہ اس کے مسودے کا مطالعہ نہیں کرسکتا۔ ورنہ میں دنیا کو بتادیتا کہ خانقاہ برکاتیہ کے فیوض وبرکات پورے ہندوستان پر کس طرح چھائے ہوئے تھے۔ حافظے میں جو کچھ محفوظ ہے وہ خود اتنا کثیر ہے کہ ان سب کو ضبط تحریر میں لانا اس وقت متعذر ہے۔

بحمدہ تبارک وتعالیٰ اس وقت بھی اس عظیم خانقاہ کا جاہ وجلال موجودہ سجادگان کی بدولت باقی ہے۔ اس کی تفصیل آپ میرے مضامین میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ مختصر یہ کہ میں باوجود نا اہلی، عدیم الفرصتی اور معذوری کے یہ حقیر نذرانہ اپنے ان سرکاروں کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہوں۔

می توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول

اے کہ در ساختۂ قطرۂ بارانی را

حضرت احسن العلماء قدس سرہ کے عرس چہلم کے موقع پر میں نے طے کرلیا تھا کہ ماہنامہ اشرفیہ کا ”سیدین نمبر“ نکالا جائے۔ پھر امین شریعت وطریقت حضرت امین میاں صاحب سے استصواب کے بعد اسی سال عرس قاسمی پر اس کا اعلان بھی کردیا۔ تمام حاضرین سے گزارش بھی کردی کہ اس سلسلہ میں جس کو جو کچھ معلوم ہو تحریر کرکے مجھے بھیج دیں۔ ارادہ یہ تھا کہ ایک ہی سال میں اسے مکمل کرکے شائع کردیا جائے۔ مجھے افسوس ہے کہ سوائے چند حضرات کے جیسا کہ چاہئے تعاون نہیں مل سکا۔ مگر نقیب اہل سنت عزیز اسعد حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی انتھک کوششوں اور پیہم تگ ودو سے یہ وقیع اور بیش قیمت نمبر کتابت کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ مولیٰ عزوجل مولانا کے علم وعمل اور عمر واقبال میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے اور انہیں دارین میں وہ عطا فرمائے جو اس کی

شان کریمی کے لائق ہے۔

میں اب چراغ سحری ہو، ضعف پیری بڑھتا جا رہا ہے، بصارت پہلے ہی سے کمزور ہے، پکے پھل کا کیا اعتبار کب ٹپک پڑے؟

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں اپنے سرکاروں کے تعارف کا حق ادا نہیں کر سکا، لیکن میرے سرکار میری مجبوریوں اور کمزوریوں کو جانتے ہیں۔ اس لئے میری کوتاہیوں کو درگزر فرما کر یہ چند ٹوٹے پھوٹے بے ربط جملے قبول فرمائیں گے۔ ع:

زچشم آستیں بردار گوہر را تماشہ کن

محمد شریف الحق امجدی

خادم الافتاء جامعہ اشرفیہ مبارک پور

۱۳؍ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ

تقریظ

رادُّ المہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ رحمۃ للعلمین وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین

جامعہ اشرفیہ، جماعت سابعہ کے طلبہ کی جانب سے ملک وقوم کی خدمت میں یہ ایک بہت ہی وقیع تحفہ ہے۔ یہ اسی سلسلۃ الذہب کی زریں کڑی ہے جو برسہا برس سے، اشرفیہ میں متوارث چلا آرہا ہے کہ سال بہ سال علمائے اہل سنت کی اہم نادر تصانیف کو منظر عام پر لایا جائے۔ اپنے پیش رو بھائیوں کی سنتِ حسنہ کو زندہ رکھنا، زندہ قوموں کی نشانی ہے۔ اس اہم ونادر کتاب کی اشاعت اس کی دلیل ہے کہ اشرفیہ کے طلبہ زندہ دل ہیں، اور قوم کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں، اور زندہ رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ حی وقیوم انہیں زندہ رکھے۔ اور اپنی قوم کو زندہ رکھنے کی انہیں توفیق مزید در مزید عطا فرماتا رہے۔

زیر نظر کتاب ''رادُّ المہند'' مناظر اعظم شیر بیشۂ سنت حضرت علامہ ابو الفتح عبید الرضا حشمت علی خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بہت ہی معرکۃ الآرا اور انتہائی اہم کتاب ہے۔ انگریزوں کی شہہ پر علمائے دیوبند نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا جو منحوس سلسلہ بارہویں صدی کے آغاز سے شروع کیا تھا، اس پر سب سے مستحکم، سب سے مضبوط بند ''حسام الحرمین'' ہے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے جب دیکھا کہ ہندوستان کے علمائے اہل سنت کی افہام وتفہیم کا کوئی اثر اساطین دیوبند قبول نہیں کرتے تو ۱۳۲۴ء میں علمائے حرمین کی بارگاہ میں استغاثہ پیش فرمایا۔ جس کے نتیجے میں علمائے حرمین طیبین نے

بالاتفاق مکمل طور پر، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تائید فرمائی۔ علمائے حرمین طیبین کی انہیں تائیدات کو حسام الحرمین کے نام چھپوادیا گیا، اس پر اساطین دیوبند کے ہاتھوں سے طوطے اڑ گئے۔ ان کی بنیادیں ہل گئیں۔ کہیں پناہ نہیں ملتی تھی۔ آخر اپنی آبرو بچانے کے لئے پوری برادری نے مل جل کر ایک سازش کی "تحذیر الناس" براہین قاطعہ، حفظ الایمان کی کفری عبارتوں اور گنگوہی صاحب کے اصل کفری فتویٰ کے بجائے اپنی طرف سے ایک مضمون لکھ کر ان کی طرف منسوب کیا، اور اس پر پہلے اپنے گھر کے مولویوں سے لکھوایا پھر حرمین طیبین لے گئے، اور وہاں کے ذمہ دار اور معتمد علماء کے بجائے چند آفاقیوں سے یعنی وہ لوگ جو دوسرے ملکوں سے وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے، تصدیق کرائیں، پھر اسے مولوی خلیل احمد انبیٹھی کی جانب سے "المہند" کے نام سے چھپوایا۔ یہ کتاب دیوبندیوں کی جعل سازی، فریب کاری کی اہم دستاویز ہے۔

زیر مطالعہ کتاب "راد المہند" میں اسی کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سنی دیوبندی اختلافات میں یہ کتاب نشان منزل کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو لوگ بھی اس سلسلے میں حقیقت واقعیہ پر آگاہی چاہتے ہوں، ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

اس کتاب میں آج کل کے ذوق کے اعتبار سے لہجہ کچھ سخت اور الفاظ تلخ و ترش ہیں، مگر ناظرین ذہن میں یہ بٹھا کر اسے مطالعہ کریں کہ خطاب گستاخان بارگاہ الوہیت و رسالت سے ہے۔ کیا آپ کا ایمان اس کی اجازت دیتا ہے کہ گستاخان رسول و خدا کو، حضور، حضرت، قبلہ، کعبہ کرکے خطاب کیا جائے؟ ایسے گستاخوں کا شریعت میں جو حکم ہے کہ یہ کافر مرتد ہیں، اسے ظاہر نہ کیا جائے؟ اور اگر ظاہر کیا جائے اور ضرور ظاہر کیا جائے تو اس کے لئے الفاظ کیا ہوں گے اسے کوئی صاحب بتائیں۔

پھر ہمارے یہ حریف گالی گلوچ کے ایسے عادی ماہر ہیں کہ گالی دیئے بغیر انہیں بات کرنا مشکل ہے۔ مولوی حسین احمد ٹانڈوی نے اپنے چند ورق کے رسالے "الشہاب الثاقب" میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کو صرف چھ سو چالیس بازاری گالیاں لکھیں۔ ظاہر ہے ایسے بزرگوں سے جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا "الولد المرافق"

خطاب کرے گا تو کہاں تک اپنے قلم کو قابو میں رکھ سکے گا؟

"فَمَنِ اعْتَدیٰ عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدیٰ عَلَیْکُمْ" (بقرہ:۱۹۴)

جوتم پر زیادتی کرے تم بھی ان پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے کی ہے۔

دِنَاهُمْ کَمَا دَانُوْا۔ (جیسے کو تیسا) دنیا کا اہم تمدنی قانون ہے۔

اس کتاب* کی اشاعت ناموس رسالت کی حفاظت کے سلسلے میں اتنی اہم خدمت ہے جس کی جگہ سر فہرست ہے، مجھے یقین کامل ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کی وجہ سے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی روح مبارک اتنی خوش ہوگی کہ اپنے فیض بے پایاں سے شائع کنندگان کے سینوں کو بھر دے گی۔

میری دعا ہے کہ رب قدیر ان حوصلہ مند ہونہار طلبہ کو علم وعمل کی دولت سے مالا مال فرمائے، عالم بافیض بنائے اور انہیں ہمیشہ شاد و آباد رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین بحرمة سيد المرسلين عليه وعليهم الصلوٰة والتسليم الىٰ يوم الدين.

محمد شریف الحق امجدی

خادم الافتا۔ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

۱۸ ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ ۱۳ جنوری ۱۹۸۵ء

* (راڈ المہند)

تقدیم

مناظرۂ ادری

الحمد للمتوحد . بجلاله المتفرد

وصلوته دوماً علیٰ . خیر الانام محمد

وعلی آلـه وصحبه

امابعد!

جامعہ اشرفیہ مبارک پور عربی یونیورسٹی کے طلبہ کا یہ ذوق قابل مبارک باد ہی نہیں بلکہ قابل تقلید ہے کہ وہ سال بہ سال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے نایاب رسائل چھپواتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اب تک دسیوں رسائل چھپوا چکے ہیں۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا رسالہ علمی گنجینہ ہوتا ہے۔ ان کی جتنی بھی اشاعت ہو کم ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مرور زمانہ کے ساتھ نئی نئی ضرورتیں بھی پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے پیش نظر اس کی بھی شدید ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے علاوہ دوسرے علمائے اہل سنت کی بھی تصانیف منظر عام پر لائی جائیں۔ امسال جماعت رابعہ کے ہوش مند طلبہ نے اس ضرورت کو محسوس کیا۔ اس کے پیش نظر آج سے پچاس سال پہلے ہونے والے ایک بہت ہی اہم مناظرہ کی روداد شائع کر رہے ہیں۔ یہ مناظرہ ضلع مئو کے قصبہ ادری میں ہوا تھا۔ جس میں اہل سنت کے مناظر حضرت شیر بیشۂ سنت ابوالفتح مولانا حشمت علی خاں صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اور دیوبندیوں کی طرف سے مولوی منظور سنبھلی مناظر تھے۔ حضرت شیر بیشۂ سنت تنہا تھے۔ اور سنبھلی صاحب کی امداد کے لئے ضلع اعظم گڑھ کے ڈیڑھ سو دیوبندی اور غیر مقلد جمع ہو گئے تھے۔ یہ مناظرہ تین دن تک ۲۴؍

۲۵/۲۶؍ جمادی الآخرہ ۱۳۵۲ھ بروز یک شنبہ، دو شنبہ، سہ شنبہ، مسلسل ہوتا رہا۔ اس مناظرے میں کس کی فتح ہوئی، کس کی شکست ہوئی، یہ فیصلہ ناظرین پر چھوڑتا ہوں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس مناظرے سے پہلے دیوبندیت کی ناؤ سیلاب کے دھارے کی طرح پورے ضلع میں بڑھ رہی تھی۔ اس مناظرے سے دفعۃً رک گئی۔ اور دیوبندیوں پر ایسی دھاک بیٹھ گئی کہ اس کے بعد اس ضلع میں بہت کچھ ہوا، مگر کبھی دیوبندیوں میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اہل سنت سے مناظرہ کریں۔

مناظرہ کا فائدہ

دیوبندیوں کی خصوصیت سے یہ عادت ہے کہ اپنی پرائیویٹ مجلسوں میں، اپنے جلسوں میں اپنے اصل عقائد جو تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان وغیرہ میں مذکور ہیں، کبھی نہیں بیان کرتے۔ اگر کوئی پوچھتا بھی ہے تو صاف مکر جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں دیوبندی عوام بھی اصل حال سے واقف نہیں ہوتے۔ مدت العمر اصل اختلاف سے بے خبر رہتے ہیں۔ لیکن مناظرے میں فریقین کے عوام وخواص بھی شریک ہوتے ہیں۔ طرفین کے مناظرین کے بیانات، اعتراضات وجوابات، ثبوت وصفائی، رد وکد سنتے ہیں۔ اس طرح دیوبندیوں کے اختلاف کے اصل خدوخال عوام کے سامنے آجاتے ہیں، انصاف پسند سمجھدار لوگوں کے لئے حق وباطل کا سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جن کی قسمت میں ہدایت نہیں وہ اندھی عقیدت کے نشے میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے بعد بھی اپنی جگہ اڑے رہتے ہیں۔ مگر اس کا علاج کسی کے پاس نہیں جب کہ ابوالحکم کہلانے والا چاند کو دو ٹکڑے دیکھ کر بھی ایمان سے محروم رہا تو صرف دلائل وبراہین سے حق نہ تسلیم کرنے والوں کی کیا شکایت؟

دیوبندیوں کی یہ پرانی ترکیب ہے کہ ہمیشہ اپنے پیشواؤں کی فرضی کرامتوں، جھوٹے افسانوں، من گڑھت خوابوں کو عوام میں پھیلا کر گمراہ کرتے ہیں۔ جہاں کہیں اس زہریلی ترکیب کا اثر بڑھ رہا ہو، وہیں اگر ایک مناظرہ ہوتا ہے تو دیوبندیوں کی آندھی سے

پھیلے ہوئے گردوغبار صاف ہوجاتے ہیں۔ خود اسی ادری کے مناظرہ کا یہی اثر ہوا۔ ضلع میں دو ایک علمائے اہل سنت تھے۔ مثلاً حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ، یہ ہمیشہ باہر رہے، اور دیوبندیوں وہابیوں کے مولوی قصبہ قصبہ، دیہات دیہات کثیر تعداد میں موجود تھے۔ اور رات ودن وہابیت، دیوبندیت پھیلانے میں مصروف تھے۔ یک طرفہ کاروائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ضلع کے کئی قصبات میں وہابیت چھا گئی۔ خود ادری میں جہاں مناظرہ ہوا، دیوبندی اکثریت کو اپنا ہموا بنا چکے تھے، مگر مناظرہ ہوتے ہی یہ سیلاب جہاں کا تہاں رک گیا۔ کتنے مذبذبین کو ہدایت نصیب ہوئی، کتنے وہابی سنی ہوگئے۔ غرض کہ جو شخص دیانت داری کے ساتھ حق وباطل کو پہچاننا چاہتا ہو، اس کے لئے مناظرہ بہت مفید ذریعہ ہے۔

اس سے مجھے انکار نہیں کہ ہر مناظرے کے درمیان میں بھی اور بعد میں بھی دیوبندیت کی طرف سے یہ بڑے زور وشور سے پروپیگنڈہ ہوتا ہے کہ سنی مناظر، دیوبندی مناظر کی ایک بھی بات کا جواب نہ دے پائے۔ ہمیشہ دیوبندی فتح کا اشتہار چھاپتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی مناظرہ ہونے سے پہلے ہی فتح مبین کا اشتہار چھاپ کر دور دراز مقامات پر بھیج بھی دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں جو مناظرے میں شریک نہیں ہوتے وہ شبہہ میں پڑجاتے ہیں۔ اس کا علاج روداد مناظرہ ہے، جس سے ہر پڑھا لکھا شخص بآسانی معلوم کرسکتا ہے کہ کس کی فتح ہوئی، کس کی شکست۔

دیوبندی بھی روداد چھاپتے ہیں، اور حسب عادت اہل سنت کے اہم اعتراضات اور دیوبندیوں کے اعتراضات کے جوابات غائب کردیتے ہیں۔ اور ہوائی لن ترانیوں، بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ اپنی فتح درج کرتے ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ فریقین کی روداد مناظرہ پڑھی جائے، پھر دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہوجائے گا۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ ادری کے اس مناظرے کی روداد دیوبندیوں نے چھاپی ہے یا نہیں، لیکن دوسرے بہت سے مناظروں کی رودادیں موجود ہیں۔ مثلاً بریلی شریف کے مناظرے کی طرفین کی رودادیں موجود ہیں۔ کوئی بھی دونوں رودادوں کو پڑھ کر بآسانی معلوم کرسکتا ہے کہ اس مناظرے کا کیا انجام ہوا۔ مثلاً بریلی شریف میں یہی سنبھلی صاحب مناظر تھے۔ ابتدا ہی میں ایک موقع پر کہہ دیا کہ تعلیق

بالمحال ناجائز ہے، اس کی ان سے تحریر مانگی گئی بمشکل انہوں نے تحریر لکھی اور تعلیق کو تالیق لکھ دیا، یہ کہنا تو گستاخی ہوگی کہ یہ جہالت کا نتیجہ ہے مگر یہ تو سبھی کو ماننا ہی پڑے گا کہ یہ بدحواسی کا ضرور ثمرہ ہے۔ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اصل تحریر کی میں نے زیارت کی ہے۔

اہل سنت کی روداد میں اس تحریر کا ذکر بھی ہے، اور اس کی اصل کے مطابق نقل بھی چھپی ہے، اور تعلیق بالمحال کے ناجائز ہونے کی جو دھجیاں بکھیری گئی ہیں وہ بھی موجود ہیں لیکن دیوبندی روداد سے سب غائب ہیں۔ اس مناظرہ کا موضوع تھا ''حفظ الایمان'' کی کفری عبارت، سنبھلی صاحب نے جو اس کی تاویل کی ان کی روداد میں ہے، اور اہل سنت کے مناظر کے جوابات غائب۔ مگر اہل سنت کی روداد میں سنبھلی صاحب کی تاویل بھی ہے، اور تاویل کے جوابات بھی ہیں۔ اہل سنت کی روداد میں اس کفری عبارت کی تاویل کے سلسلے میں دیوبندی مولویوں کے متعدد تعارض موجود ہیں۔ مگر سنبھلی صاحب کی روداد میں نہ وہ تعارض موجود ہیں نہ اس کا کوئی جواب۔

دیوبندیوں کے اعتراضات کے جوابات اہل سنت کے مناظر نے دیئے، مگر اہل سنت کے اعتراضات کے جوابات دینے سے دیوبندی مناظر عاجز رہا۔ اب ایک پہلو یہ رہ جاتا ہے کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے دوران مناظرہ اہل سنت نے نہ وہ اعتراضات کئے کہ وہ روداد میں شائع کئے جائیں، نہ وہ جوابات دئے کہ ان کا ذکر روداد میں ہو، اس لئے آپ اتنا کریں کہ اہل سنت کی روداد میں جو جوابات و اعتراضات مخالف کی روداد میں نہیں ان کو لکھ کر بذریعہ ڈاک مناظر کے پاس یا کسی بھی دیوبندی مولوی کے پاس بھیج دیجئے، انشاء اللہ قیامت تک جواب نہیں آئے گا۔

اس سے ایک منصف متلاشی حق کے لئے فیصلہ آسان ہوگا کہ حق پر کون ہے، باطل پر کون ہے؟ ادری کے اس مناظرے کا موضوع ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم جمیع ماکان وما یکون'' ہونا تھا۔

خصوصیات

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اس مناظرے میں حضرت شیر بیشۂ سنت بالکل اکیلے تھے کوئی سنی عالم ان کے تعاون کے لئے نہ تھا۔ برخلاف دیوبندیوں کے کہ سنبھلی صاحب کی امداد واعانت کے لئے ڈیڑھ سو مولوی موجود تھے جن میں ان کے بڑے بڑے نامی گرامی مولوی مثلاً مولوی حبیب الرحمٰن مئووی، عبداللطیف مئووی یہ دونوں اس درجے کے دیوبندی مولوی ہیں کہ سنبھلی صاحب کے استاذ بھی ہیں۔ علاوہ ازیں مئو کے غیر مقلد مولوی جو اپنی مقامی مصلحتوں کے پیش نظر دیوبندیوں سے لڑتے بھڑتے رہتے ہیں وہ بھی دیوبندی مولویوں کے دوش بدوش سنبھلی صاحب کی امداد کے لئے موجود تھے۔ اس میں یہ ثابت کردیا کہ دیوبندی اور غیر مقلد دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ ان کا آپس کا اختلاف ایسے ہی ہے جیسے دو بھائیوں میں باپ کی میراث کے بٹوارے میں ہوتا رہتا ہے۔

اس وقت حضرت شیر بیشۂ سنت کی عمر مبارک بمشکل ۳۵ سال رہی ہوگی۔ اب آپ روداد مناظرہ پڑھئے اور دیکھئے کہ اکیلے تنہا اس شیر نے ڈیڑھ سو وہابیوں، دیوبندیوں کے متحدہ محاذ کے اپنے بے پناہ علم، ناقابل تردید دلائل سے کس طرح پرخچے اڑا کر رکھ دیئے۔ یہ ڈیڑھ سو وہابی مولوی جن میں وہابیت کے دل ودماغ ہی نہیں بلکہ سر سے پاؤں تک سارے جوارح موجود تھے۔ اور صرف تماشائی ہی نہیں تھے بلکہ ہر ممکن مدد بھی کرتے تھے، کبھی کانا پھوسی کر کے کبھی پرچوں سے کبھی کتابوں کی عبارتیں دیکھا کر، مگر شیر بیشۂ سنت نے تن تنہا ہی ان ڈیڑھ سو مولویوں کی ساری تدبیریں رائیگاں کردی اور ثابت کردیا "الحق یعلو ولا یعلیٰ ان الباطل کان زھوقا" حضرت شیر بیشۂ سنت نے بالکل صحیح فرمایا:

سگ ہوں میں عبید رضوی غوث ورضا کا
ہیں بھاگتے آگے سے مرے شیر ببر بھی

بہر حال! آپ حضرات پوری روداد کا مطالعہ کریں، اس سے ایک طرف مذہب اہل

سنت وجماعت، مسلک اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کی حقانیت کا اذعان کامل حاصل ہوگا، تو دوسری طرف دیوبندیت کے بطلان کا یقین اکمل۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح ہوجائے گا کہ حضرت شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ عزوجل نے کیسا بے پناہ علم عطا فرمایا تھا۔ اور دوسری طرف یہ بھی ظاہر ہوجائے گا کہ خداوند قدوس جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے۔ اور علم خدا کا نور ہے اور یہ نور گستاخ رسول کو نہیں ملتا۔ ڈیڑھ سو مولویوں نے کیسی کیسی فاش غلطیاں کی ہیں، اسے روداد میں دیکھئے۔ مغیبات کا تین دن تک صحیح تلفظ نہیں ادا کرسکے۔

ضروری تنبیہ

روداد میں کہیں کہیں آپ کو حضرت شیر بیشۂ سنت کی تقریر میں کچھ ایسے کلمات ملیں گے جن کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہ بہت سخت ہیں۔ لیکن ہم ناظرین سے گزارش کریں گے کہ کسی شخص کے بارے میں حکم شرعی بیان کرنا مذہبی فریضہ ہے، خواہ وہ کسی کو پسند آئے یا ناپسند۔ آپ حضرات براہین قاطعہ، حفظ الایمان کی عبارتیں دیکھیں، ان میں حضور اقدس سرکار لولاک سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید توہین کی ہے، اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنی سی توہین کرنے والا مسلمان نہیں، کافر ہے۔ علاوہ ازیں ایک عاشق رسول گستاخ رسول کو قبلہ، کعبہ، حضور، حضرت نہیں کہہ سکتا۔ وہ جب اس کا ذکر کرے گا تو اسی لب ولہجہ میں ذکر کرے گا، جو گستاخ رسول کے شایانِ شان ہے۔ نیز یہ کہ دنیا کا مسلم قانون ہے کہ دِنَاهُمْ كَمَا دَانُوا۔ جیسے کو تیسا۔ دیوبندیوں نے علمائے اہل سنت کو کس لب ولہجہ میں اور کن کلمات سے یاد کیا ہے، اسے دیکھنا ہو تو براہین قاطعہ اور الشہاب الثاقب وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ الشہاب الثاقب میں جو ۹۰ صفحے کا رسالہ ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کو صرف چھ سو چالیس نہایت غلیظ بازاری گالیاں لکھی ہیں۔ اور یہ گالی لکھنے والے سنبھلی صاحب کے کلاس کے مولوی نہیں دیوبندیوں کے سب سے بڑے شیخ دیوبند حسین احمد ٹانڈوی صاحب ہیں۔ اس ماحول میں حضور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قدس سرہ کے جانثار

ان کے ولد مرافق حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کیا حال ہوگا۔ پھر بھی آپ روداد کو پڑھیے، سوائے ان مواقع کے جہاں حکم شرعی بیان کرنا تھا یا سمجھانے کے لئے کوئی تمثیل ذکر کرنی تھی کہیں کوئی نہیں دکھا سکتا کہ دیوبندیوں کی شان کے خلاف کوئی کلمہ ہو۔

مثلاً دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ حفظ الایمان کی عبارت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہیں لیکن جب اسی عبارت کو بعینہٖ تھانوی صاحب یا سنبھلی صاحب پر چسپاں کر دیا جاتا ہے تو دیوبندی چیختے چلاتے ہیں کہ اس میں ہمارے پیشواؤں کی توہین ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ تھانوی صاحب کی ذات مقدسہ پر اگر علم کا حکم کرنا بقول سنبھلی صاحب صحیح ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس علم سے مراد کل علوم ہیں یا بعض اگر بعض علوم مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی کیا تخصیص ایسا علم تو ہر بدھو، جمن، بچے، پاگل، پسو، کھٹمل، سور، گدھے کو بھی حاصل ہے۔ تو دیوبندی چیخنے لگتے ہیں کہ ہمارے حکیم الامت کی توہین کر دی مگر منصف پر سارا بھرم کھل جاتا ہے کہ بعینہٖ وہی عبارت اگر تھانوی صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لکھیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے توہین نہیں اور ہم تھانوی صاحب کے لئے وہی عبارت لکھیں تو تھانوی صاحب کی توہین ہے۔ یہ عداوت رسول کی ترنگ اور تھانوی صاحب کی محبت کا خمار نہیں تو اور کیا ہے؟ اس تمثیل سے ہر ذی فہم پر روشن ہو جاتا ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت میں یقیناً بلاشبہہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے مگر چوں کہ دیوبندیت کی بنیاد ہی توہین رسالت پر قائم ہے، اس لئے دیوبندی اسے ایمان بنائے رکھے ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت کرنے والے ''جماعت رابعہ'' کے طلبہ اس حیثیت سے قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے بہت ہی اہم اور عظیم کتاب کو صرف اپنی کوششوں اور قربانیوں سے شائع کیا ہے۔ ایام طالب علمی میں شعور کی یہ بیداری بتا رہی ہے کہ یہ طلبہ اپنے سینے میں بہت ہی باحوصلہ دل رکھتے ہیں۔ جس سے اندازہ ہے کہ آئندہ چل کر یہ دین کی عظیم خدمت انجام دیں گے۔

میری دعا ہے کہ مولیٰ عزوجل ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ انہیں دارین میں

اس پر اجر عظیم عطا فرمائے، ان کو علم نافع وافر عطا فرمائے ان سے ہمیشہ اپنے عظیم دین کی نمایاں ومقبول خدمات لے، ان کے فیض کو عام وتام بنائے، ان کی ہر موقع پر مدد فرمائے، آفات روزگار اور شرور حاسدین سے محفوظ رکھے۔ عوام وخواص میں ان کو ہر دل عزیز بنائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم

فقط

محمد شریف الحق امجدی

خادم دار الافتاء جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

۲۶/ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ ۱۰/اکتوبر ۱۹۸۲ء (بروز چہار شنبہ)

(مناظرۂ ادری)

مولانا حشمت علی خاں
ایک تحقیقی مطالعہ

مصنفہ: ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی

شیر بیشۂ سنت حضرت مولانا حشمت علی رضوی لکھنوی کی ذات گرامی اپنے معاصرین میں وہی حیثیت رکھتی ہے جو آفتاب دوسرے سیاروں میں۔ ایسی جامع شخصیت ایک عرصہ دراز کے بعد عالم کو میسر آتی ہے۔ اسی جہان محاسن وکمالات ذات گرامی کی خوبیوں، کارناموں، خصوصیتوں کا اجمال تعارف ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی صاحب نے پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب ایک صاحب طرز مصنف اور فاضل، مصباحی محقق ہیں۔ ان کی درجنوں کتابیں اور سیکڑوں مقالے منظر عام پر آچکے ہیں:

(۱) مصری مؤرخین (۲) تذکرہ علمائے بستی (۳) متنبی ایک تحقیقی مطالعہ (۴) انوار خیال (۵) دینی مدارس، مشکلات اور حل (۶) ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا آغاز وارتقا (۷) جغرافیہ سدھارتھ نگر (۸) اور مولانا حشمت علی لکھنوی ایک تحقیقی مطالعہ وغیرہ ان کی قیمتی فکری اور تحقیقی یادگاریں ہیں۔ جامعہ اشرفیہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم کے حصول اور علی گڑھ میں منصب تدریس سے وابستہ رہنے کے بعد فی الحال ہمدرد یونیورسٹی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے صدر ہیں۔

ان کی خواہش پر حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جامع ''کلمۂ تقدیم'' انہیں مرحمت فرمایا جس سے ڈاکٹر صاحب کی تصنیف کی قدر و قیمت دوچند ہوگئی۔ ۳۵۲ رصفحات پر مشتمل یہ کتاب دانش کدہ، اے بلاک ہمدرد کالونی نئی دہلی کے زیر اہتمام ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ اس پر ابتدائیہ اور پیش لفظ مصنف کا ہے، اور کلمات تکریم علامہ ارشد القادری اور کلمات تقریب مفتی عبدالمنان اعظمی دام ظلہ کے ہیں۔

۱۲ (مرتب)

تقریظ

اسلاف کے کارنامے اخلاف کے لئے عبرت وموعظت کے دفتر ہوتے ہیں۔ اسی لئے دنیا میں تاریخ وتدوین کی داغ بیل پڑی۔ اور عہد رسالت سے لے کر آج تک لاکھوں مشاہیر اسلام کے حالات زندگی قلم بند موجود ہیں۔

حضرت شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس عہد کے صف اول کی شخصیتوں میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ مگر جمود وتعطل کا برا ہوا کہ ہمارے کسی فرد کو اس کا خیال نہ ہوا کہ ان کی سوانح جمع کی جائے۔ ادھر ماضی قریب میں عزیز گرامی قدر مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی جو ایک نوجوان صاحب قلم ہیں۔ انہوں نے اس کمی کو محسوس کیا اور اپنی بساط بھر کوشش کی، اور یہ کتاب مرتب کر کے عوام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب جامع کمالات شخصیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر چہ مختصر ہے، مگر جب کچھ نہ ہو تو کچھ ہونا ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نامکمل اوراق کسی صاحب کو ایک جامع کامل سوانح عمری لکھنے پر آمادہ کریں۔ اور اسی بہانے حضرت کی شایان شان ایک سوانح وجود میں آئے۔ ع: ہر درد مند دل کو رونا قرار لائے

محب گرامی ڈاکٹر انجم مصباحی کی یہ کتاب حضرت شیر بیشۂ سنت قدس سرہ کی جامع شخصیت کی جامعیت کو اجاگر کرنے کے لئے ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں اجمالی طور پر جو باتیں مذکور ہیں، اگر انہیں مفصل کر دیا جائے تو اسی کوزے میں سمندری لہریں امنڈ سکتی ہیں جن کا نام حضرت شیر بیشۂ اہل سنت قدس سرہ کا کردار ہے۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت قدس سرہ اپنے اندر اوصاف علمیہ وعملیہ کی وہ جامعیت

رکھتے تھے کہ ان سب کا اجتماع ایک ذات کے اندر شاید و باید پایا جاتا ہو۔ خطیب ایسے شعلہ نوا کہ ہزار ہا ہزار کے مجمع کو والہ وشیدا بنا دیتے تھے۔ عالم تبحر ایسے کہ دقیق سے دقیق تر مسائل مستحضر رہتے تھے۔ مرشد طریقت ایسے کہ ہزاروں وابستگان برما، پاکستان، افریقہ، مدراس، بنگال، ہندوستان کے طول وعرض میں موجود ہیں۔ اخلاق اتنے وسیع کہ جو ایک بار ملا زندگی بھر ان کا دم بھرتا رہا۔ شریعت کی اتباع اتنی واثق کہ فرائض وواجبات کہاں ترک ہوتے مستحبات پر سفر وحضر میں بالالتزام عمل فرماتے۔ فراخ دل، سیر چشم ایسے کہ کبھی دولت دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھا۔ جود وسخا میں ایسے کہ جو آیا خرچ ہوا، کل کے لئے انبار رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ کمال جس نے انہیں کندن بنا کے چمکایا، جس نے دنیا کو مجبور کیا کہ انہیں شیر بیشۂ سنت کے لقب سے یاد کرے۔ وہ استقامت علی الحق، تصلب فی الدین، الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا جوہر واحقاق حق وابطال باطل کا وہ ولولہ تھا جس میں وہ منفرد تھے، حق کے اعلان اور باطل کے رد وابطال میں کبھی انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی کہ میرے ساتھ کوئی ہے یا نہیں ہے، شیر نیستاں کی طرح یکہ وتنہا دہاڑتے وگرجتے رہے اور ایوان باطل میں تہلکہ ڈالتے رہے۔ ساتھیوں کی پرواہ کیا کرتے؟ موذیوں کی ایذا رسانی، حاسدین کی ریشہ دوانی، ملامت گروں کی شدید سے شدید ملامت نے بھی کبھی نہ ان کے قدم میں ادنیٰ سی لرزش پیدا کی اور نہ زبان میں لوچ آنے دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت شیر بیشۂ سنت قدس سرہ اس کے حقیقی مصداق تھے۔

توحید تو جب ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

عزیز گرامی مولانا غلام یحییٰ انجم مصباحی ان نوجوان سعادت مند اہل قلم میں سے ہیں جنہوں نے کم عمری ہی میں ملک کے دانشوروں سے خراج تحسین حاصل کرلیا ہے۔ ان کے مقالات ہند وبیرون ہند کے مختلف معیاری رسائل وجرائد کی زینت بنتے رہتے ہیں، اور ملک میں اسلامیات کے موضوع پر ہونے والے کئی اہم سیمناروں میں شرکت کر کے اپنے مقالات بھی پیش کر چکے ہیں۔ مزید چھوٹی بڑی مطبوعہ وغیر مطبوعہ گیارہ کتابوں کے مصنف

بھی ہیں۔

حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کی جلیل القدر شخصیت پر قلم اٹھانے کے لئے ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی بڑے موزوں ترین شخص تھے۔ کیوں کہ ان کی شخصیت کا انہوں نے گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اور ان کے خلفاء و مریدین میں سے بعض دانشوروں سے ان کے مراسم ہیں، جن کے سامنے حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اب بھی کھلی کتاب کی طرح ہے۔ اس کے علاوہ ضلع سدھارتھ نگر کے جس علاقے سے ان کا وطنی تعلق ہے، اسی علاقے میں مذہب حق کی اشاعت حضور شیر بیشۂ سنت کی رہین ہے، مصنف کا بچپن اور جوانی کے لمحات انہیں کے مریدین اور خادمین کے درمیان گزرے۔ یہی وہ جذبات واحساسات ہیں، جن کے سبب یہ حضور شیر بیشۂ سنت کی پروقار شخصیت پر مبسوط اور اہم سوانح لکھنے کے اہل قرار پائے۔

عزیز القدر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی اشرفیہ کے ان چند فارغین میں سے ایک ہیں جن پر ادارہ جتنا ناز کرے کم ہے۔ یہاں جب تک وہ زیر تعلیم تھے، اپنی انفرادیت برقرار رکھے رہے۔ اور جب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے وابستہ ہوئے تو وہاں بھی اپنے تشخص کے ساتھ دس سال کی طویل مدت گزار دی۔ پہلے تو انہوں نے وہاں کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں اور پھر وہیں شعبہ دینیات (سنی) میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے۔ قدیم وجدید مشرقی علوم پر ان کی نظر ہے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو ان کو ان کے دوسرے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ چوں کہ انہوں نے ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی ہے، اس لئے مدارس کی دنیا سے ہٹ کر ریسرچ وتحقیق کا جو انداز ومعیار یونیورسٹی کے اندر پایا جاتا ہے وہ بھی ان کے یہاں بدرجہ اتم موجود ہے۔ زیر نظر کتاب کے صفحات اس کے بہترین شواہد ہیں۔ اس کتاب میں انجم صاحب نے الگ الگ عنوان کے تحت حضور شیر شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو موضوع قلم بنایا ہے اور ہر بحث میں انہوں نے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ جس سے ان کی دقت نظر اور وسعت مطالعہ کا پتا چلتا ہے۔

سیرت وسوانح کے موضوع پر مصنف کی یہ چوتھی کتاب ہے۔ اس سے قبل مصری

مورخین، ایک تنقیدی مطالعہ، تذکرۂ علمائے بستی، اور حشمتی ایک تحقیقی مطالعہ شائع ہو کر حلقہ علم وادب سے دادو تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

بارگاہ قاضی الحاجات میں استدعا ہے کہ اس کتاب کو بھی قبول عام کا درجہ حاصل ہو اور دوسری کتابوں کی طرح تحسین کی نظروں سے دیکھی جائے۔ (آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

محمد شریف الحق امجدی

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔ یوپی

(مولانا حشمت علی خاں، ایک تحقیقی مطالعہ)

تصدیق

مسئلہ مرغوب

مصنف: مولانا سید محمد قائم قتیل داناپوری

فاضل توریت وانجیل مولانا سید محمد قائم قتیل داناپوری سجادہ نشیں آستانہ چشتیہ نظامیہ داناپور صاحب نسبت خانقاہی بزرگ ہونے کے ساتھ عربی، فارسی، انگریزی، ہندی، سنسکرت، اردوزبان کے زبردست عالم، توریت وانجیل کے زبردست فاضل تھے۔ جب اپنی تقریروں میں قرآن حکیم اور توریت انجیل اور زبور کی تعلیمات کا مختلف زبانوں میں تقابلی جائزہ پیش کرتے تو مجمع عش عش کرا ٹھتا۔ ہزاروں عیسائی اور ہندو آپ کی تقریر سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ انگریزی زبان میں آپ کے کئی رسالے بھی میں نے دیکھے ہیں۔ بہترین شاعر تھے۔ اور مقبول مرشد طریقت۔ ایسی جامعیت کے ساتھ جب آپ سعودی دور حکومت میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے وہابی امام کی اقتدا میں کوئی نماز نہیں پڑھی۔ اپنی جماعت الگ کر کے نمازیں ادا کیں۔ یہ بات یہاں کے سعودی ریزہ خوار وہابیوں، دیوبندیوں، تبلیغیوں اور مودودیوں کو بہت ناگوار گزری اور آپ کے خلاف آپ کی واپسی سے پہلے ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ طرح طرح کی افواہیں، طنزیہ مضامین، دل آزار تلخ گفتگو۔ جب پانی سر سے اونچا ہوا تو آپ نے آنے کے بعد وہابیہ کی اعتقادی گمراہی، عملی بے راہ روی، ظلم وبربریت کی مشاہداتی کیفیات پر مشتمل ایک رسالہ "مسئلہ مرغوب" تحریر فرمایا اور ہندوستان کے جید علما سے تصدیق کرانے کے بعد اسے شائع کیا۔ کتاب کے شائع ہوتے ہی سارے حوصلے پست، ساری زبانیں گنگ اور ساری طرف

داریاں اور طنز آمیزیاں دفن ہوگئیں۔ پوری کتاب قابل مطالعہ ہے، اور نایاب۔ اس کی نئی اشاعت بھی اب ہونی چاہئے۔ حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ جب بریلی شریف میں رضوی دارالافتاء کے مفتی کے منصب پر فائز تھے تو آپ نے یہ مبسوط تصدیقی کلمات ۱۶؍رمضان ۱۳۸۳ھ کو تحریر فرمائے۔ حضرت نے جس تحقیقی انداز میں وہابیوں کے عقائد باطلہ کی خبر لی ہے، اور حرف گیروں پر گرفت فرمائی ہے وہ قابل دید ہے۔

اس کتاب پر تقریباً ۸۰ علمائے اہل سنت کی تصدیق موجود ہے۔ جس میں سید الکریم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی قدس سرہ کے کلمات کریمہ بھی ہیں۔ آستانہ چشتیہ نظامیہ داناپور نے اسے دوبارہ ہزار ہزار کی تعداد میں شائع کیا۔ حضرت کی تصدیق صفحہ ۶۱ تا ۷۲ بارہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ۱۲ (مرتب)

تصدیق

میں نے رسالہ "مسئلہ مرغوب" مصنفہ حضرت مولانا الحاج سید محمد قائم صاحب داناپوری دامت برکاتہم القدسیہ سجادہ نشین آستانہ چشتیہ نظامیہ دیکھا۔ بہت خوب لکھا ہے۔ اس میں نجدیوں کے عقائد باطلہ وافعال خبیثہ بطور نمونہ "مشتے از خروارے" تحریر فرمایا ہے۔ انتہائی حیرت بلکہ بہت ہی افسوس ہے ان مدعیانِ اسلام وسنیت پر جنہوں نے نجدی اماموں کی اقتدا کر کے اپنی نمازیں برباد کر کے حرم الٰہی میں ترک صلوٰۃ کے مرتکب ہوئے اور اس سے بدرجہا زائد افسوس اس کا ہے کہ جن برادرانِ باخدا نے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واسلاف کرام کے دشمن کے پیچھے نمازیں نہ پڑھیں تو اسے نشانہ ملامت بنایا۔ ان کے خلاف محاذ قائم کیا۔ اور ان سے زیادہ حیرت اس ناصح پر ہے جس کا حوالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۲؍ پر ہے کہ انہوں نے کہا: اے محمد قائم! تو نجدی جماعت میں نماز پڑھ، فی رکعت لاکھ رکعت کا ثواب ملے گا۔ جب کہ مولانا موصوف حرم شریف میں علمائے اہل سنت کی جماعت میں نماز پڑھتے تھے پھر بھی یہ نصیحت اب سوائے اس کے اس کی کیا تاویل کی جائے کہ ان ناصح صاحب کے زعم میں ایک رکعت پر لاکھ رکعت کا ثواب مسجد حرام کی خصوصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ نجدی جماعت کی وجہ سے ہے۔ اگر یہی بات ہے تو نجدیوں کے وجود کے پہلے کے لوگ اس فضیلت سے محروم رہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم...

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

اسی طرح ایک اور ناصح صاحب کی نصیحت صفحہ ۱۰؍ پر یوں منقول ہے کہ نماز فاسق وفاجر کے پیچھے بھی ہو جاتی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ جسے مسائل شرعیہ میں درک نہیں وہ خواہ

مخواہ علماء کے منہ کیوں لگتا ہے۔ فقہا تو یہ تصریح فرماتے ہیں: فاسق کو امام بنانا ناجائز وگناہ، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے، جس نے فاسق کی اقتدا کی وہ گنہگار رہا۔ چنانچہ غنیۃ میں ہے:

لَوْ قَدَّمُوْا فَاسِقًا يَاْثِمُوْنَ بِنَاءً عَلٰى اَنَّ كَرَاهَتَهٗ تَحْرِيْمٌ.

درمختار میں ہے:

كُلُّ صَلٰوةٍ اُدِّيَتْ مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيْمِ تَجِبُ اِعَادَتُهَا.

نجدیوں کے دیوانے سوچیں کہ بالفرض اگر نجدی صرف فاسق ہی ہیں تو بھی ان کی اقتدا کرنے والے مسجد حرام شریف میں فاسق کی اقتدا کر کے لاکھ نیکی کے بجائے کتنے گناہ کے مرتکب ہوئے۔ یہ حکم تو اس تقدیر پر تھا کہ نجدی صرف فاسق ہی ہوتے ہیں حالانکہ نجدیوں کی بد مذہبی فسق سے آگے بڑھ کر حد کفر تک پہنچی ہوئی ہے۔ جس کے روشن بیانات علمائے اہل سنت کی تصانیف "الدرر السنیہ" مصنف علامہ زینی دحلان و "سیف الجبار" مصنفہ سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ فضل رسول صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہما میں مطالعہ کریں۔ نہ ان کی نماز نماز، نہ ان کے پیچھے کسی کی نماز درست، ان کے پیچھے نماز پڑھنے والے، نہ پڑھنے والے، قضا کرنے والے کے برابر۔

درمختار میں ہے:

وان انكر بعض ما علم من الدين ضرورة يكفر بها فلا يصح الاقتداء به اصلا.

اب جو لوگ کثرت جماعت کے شوق میں نجدی امام کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں وہ سوچیں کہ حرم الٰہی میں اپنی نمازیں ضائع کر کے تارک صلوٰۃ ہو کر بجائے ثواب کے کتنے عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے۔ ایسے ہی عقل کے اندھوں کے بارے میں ارشاد ہے: "عاملة ناصبة تصلى نارا حامية" اب عوام کی تسلی کے لئے نجدیوں کے کچھ عقائد فاسدہ مولوی حسین احمد ٹانڈوی کے قلم سے نقل کرتے ہیں تاکہ وہ ہزار ٹانڈوی کے شاگرد، مرید، معتقد جو نجدیوں کی اقتدا کرتے ہیں وہ دیکھیں کہ حرم الٰہی میں جا کر کس کے ہاتھ اپنی نمازوں کا سودا کرا کے آئے۔ مولوی حسین احمد ٹانڈوی اپنی مشہور کتاب "الشہاب الثاقب" میں

لکھتے ہیں:

صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدائے تیرہویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا۔ اور چوں کہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے اہل سنت وجماعت سے قتل وقتال، ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ اور ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا کیا۔ ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب ورحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکالیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا۔ اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گیے۔ الحاصل وہ ایک ظالم وباغی خونخوار فاسق شخص تھا۔ اس وجہ سے اہل عرب کو خصوصاً اس سے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے، اور اس قدر ہے کہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے، نہ مجوس سے نہ ہنود سے۔ غرض کہ وجوہات مذکورۃ الصدر کی وجہ سے ان کو اس کے طائفہ سے اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے۔ اور بے شک جب اس نے ایسی ایسی تکالیف دی ہیں تو ضرور ہونا بھی چاہئے۔ وہ لوگ یہود ونصاریٰ سے اس قدر رنج وعداوت نہیں رکھتے جتنی کہ وہابیہ سے رکھتے ہیں۔ (صفحہ ۴۲)

محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ عالم وتمام مسلمانانِ دیار مشرک وکافر ہیں، اور ان سے قتل وقتال کرنا، ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خاں نے خود اس کی سوانح میں ان دونوں کی تصریح کی ہے۔

حضرت! یہ دونوں بے شک نہایت عظیم الشان امر ہیں۔ بخلاف وہابیہ کے کہ تمام کو ادنیٰ شبہہ خیالی سے مشرک کافر کرتے ہیں اور ان کے اموال کو حلال جانتے ہیں۔ صفحہ ۴۴)

نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہ عقیدہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانے تک ہے جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین کی موت میں برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کو حیات ہے تو وہی حیات برزخ ہے جو آحادِ امت کو ثابت ہے۔ بعض ان کے، فقط جسم نبی کے قائل ہیں، مگر بلا علاقہ روح، اور متعدد لوگوں کی زبان سے

بالفاظ کریہہ کہ جن کا زبان پر لانا ناجائز ہے، دربارۂ حیات نبی علیہ السلام سنا جاتا ہے۔ اور انہوں نے اپنے رسائل وتصانیف صفحہ ۴۵ ر میں لکھا ہے:

زیارت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحضوری آستانہ شریفہ وملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت، حرام وغیرہ لکھتا ہے اس طرف نیت سے سفر کرنا محظور، ممنوع جانتا ہے۔ "لاتشدو الرحال الا الیٰ ثلاثة مساجد" ان کا مستدل۔ بعض ان میں کے سفر زیارت کو معاذ اللہ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں۔ اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو الصلوٰۃ والسلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پڑھتے۔ اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا وغیرہ مانگتے ہیں۔ (صفحہ ۴۶)

سفر برائے زیارت حضور اکرم علیہ السلام جائز ہے۔ بخلاف وہابیہ کے وہ اس کو حرام جانتے ہیں یہ عبادت یا مستحبات میں اعلیٰ درجہ کی مستحب ہے۔ تب تو سنن مؤکدہ کے طبقہ علیا میں سے ہوئی یا قریب بہ واجب ہے۔ تو جو جو حدیثیں اس باب میں وارد ہوئیں ہیں وہ سب قابل اعتبار وعمل ہیں۔ ان سب باتوں میں وہابیہ مخالف صریح ہیں اور وہ جملہ احادیث کو اس بارہ میں موضوع، اعلیٰ درجہ کی ضعیف جانتے ہیں جب سفر مدینہ کا کرے تو نزدیک وہابیہ کے مسجد ہی کی نیت کرے۔ کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کو سفر کرنا جائز نہیں، مگر بہ نیت مسجد شریف۔ (صفحہ: ۴۶ر۴۷)

شان نبوت وحضرت رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کراتے ہیں اور اپنے آپ کو مماثل ذات سرور کائنات خیال کرتے ہیں، اور نہایت تھوڑی فضیلت زمانہ تبلیغ کی مانتے ہیں اور اپنی شقاوت قلبی وضعف اعتقادی کی وجہ سے کہ ہم عالم کو ہدایت پر لا کر راہ پر لا رہے ہیں ان کا خیال ہے کہ رسول مقبول علیہ السلام کا کوئی حق اب ہم پر نہیں۔ اور نہ کوئی احسان اور فائدہ اس کی ذات کا بعد وفات ہے۔ اور اسی وجہ سے توسل، دعا میں آپ کی ذات پاک سے بعد وفات ناجائز کہتے ہیں۔ ان کے بڑوں کا مقولہ معاذ اللہ نقل کفر کفر نہ باشد کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اہم وزیادہ نفع دینے والی ہے۔ ہم اس سے کتے کو بھی دفع کر سکتے ہیں اور

ذات فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ بھی نہیں کر سکتی۔ (صفحہ: ۴۷)

اب آپ غور فرمائیں کہ کس طرح حضور علیہ السلام کی تعظیم کرنے کی ہدایت اس زمانہ بعد وفات ظاہر فرمائی۔ اور الفاظ موہومہ کو بھی باعث کفر قرار دیا ہے۔ آیا یہی طریقہ وہابیہ کا ہے؟ کیا یہی خیال نجدی کا ہے۔ ہرگز نہیں جس کا جی چاہے، ان کے الفاظ ان کے کلمات زبانی یا تحریرات سے سنے اور دیکھے کہ کس قدر گستاخی و بے ادبی ان کی گفتگو میں پائی جاتی ہے۔ (صفحہ: ۵۰)

کیا یہی حال وہابیہ خبیث کا ہے۔ کیا یہی الفاظ ان کی گندی زبان سے نکلتے ہیں۔ کیا اس قسم کی لطیف اور دل آویز تحریرات ان کے ناپاک قلموں سے شائع ہوئیں ہیں۔ ہرگز نہیں وہ خبثا اس قسم کی گفتگو کو معاذ اللہ بد دینی و شرک خیال کرتے ہیں۔ ان مضامین وہابیات وخرافیات میں مندرج کرتے ہیں۔ (صفحہ: ۵۳۲)

کیا وہابیہ خبیثہ ان افعال کو جائز کہتے ہیں؟ کیا ان کو وہ شرک و کفر و بدعت نہیں کہتے جو وہابیہ خبیثہ کہتے ہیں۔ (صفحہ: ۵۴)

جس نے وہابیہ کے خیالات وعقائد پر نظر ڈالی ہوگی، واضح طور پر معلوم کرے گا کہ مثل اس عبارت کا ہرگز وہابیہ کا عقیدہ نہیں۔ وہ اس قسم کے عقائد کو کفر سے کم شمار نہیں کرتے۔ یہ مقدس اکابر ہمیشہ اولیاء وانبیائے عظام کے توسل کرتے رہتے ہیں، اور اپنے مخلص کو اس کی ہدایت کرتے رہتے ہیں۔ جس کو وہابیہ مثل شرک ناجائز وحرام جانتے ہیں۔ (صفحہ: ۵۲)

برائے خدا آپ انصاف فرمائیں کہ آیا وہابیہ اس قسم کے الفاظ کہنا جائز رکھتے ہیں یا نہیں جو حضرات پورے قصیدے پر نظر فرمائیں گے وہ بخوبی معلوم کریں گے کہ یہ اکابر بالکل از سرتا پا مخالف ومبائن عقیدۂ وہابیہ کے ہیں۔ ان کے نزدیک توسل انبیا علیہم السلام جائز نہیں اولیاء سے تو در کنار۔ پھر الفاظ "بحق فلان" کا استعمال اور زیادہ ان کے یہاں مکروہ ہے۔ علاوہ ازیں اس قسم کے مدائح وہ جائز نہیں رکھتے۔ (صفحہ: ۵۶/۵۷)

وہابیہ کے متعدد رسالے اس بارے میں شائع ہو چکے ہیں، جس میں وہ صراحتاً توسل از حضرت سرور کائنات علیہ السلام کو نیز توسل با اولیا کو منع کرتے ہیں، جس کا جی چاہے تحقیق

کر لے۔ (صفحہ: ۵۷)

وہابیہ اشغال باطنیہ واعمال صوفیہ، مراقبہ ذکر وفکر وارادت ومشیخت وربط القلب بالشیخ وفنا وبقا وخلوت وغیرہ اعمال کو فضول ولغو وبدعت وضلالت شمار کرتے ہیں۔ اور ان اکابر کے اقوال وافعال کو شرک وغیرہ کہتے ہیں۔ اور ان سلاسل میں داخل ہونا بھی مکروہ مستقبح بلکہ اس سے زیادہ شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے دیار نجدی کا سفر کیا ہوگا۔ یا ان سے اختلاط کیا ہوگا۔ اس کو بخوبی معلوم ہوگا۔ فیوض روحیہ ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ (صفحہ: ۵۹/۶۰)

وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالۃ جانتے ہیں۔ ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظ خبیثہ استعمال کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت وجماعت کے مخالف ہوگئے۔ چنانچہ غیر مقلدین ہند، اسی طائفہ شنیعہ کے پیرو ہیں۔ وہابیہ نجد عرب اگرچہ بوقت اظہار دعویٰ حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن عمل در اصل ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے۔ ان کا بھی مثل غیر مقلدین کے اکابر امت کی شان میں الفاظ گستاخانہ بے ادبانہ استعمال کرنا معمول بہ ہے۔ (صفحہ: ۶۲/۶۳)

اس رسالہ میں وہابیہ کے ان خیالات وکلمات کا ابطال کیا ہے جو وہ عقائد اہل سنت وجماعت مسئلہ تراویح میں استعمال کرتے ہیں۔ اور بیس رکعت کو بدعت عمری وغیرہ الفاظ شنیعہ کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اوقاف القرآن کے بارے میں علمائے طائفہ وہابیہ نے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ اور جملہ مفسر طائفہ سنیہ کو اہل بدعت وجور قرار دیا تھا۔ اکثر وہابیہ نے مذہب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر در بارہ مسئلہ عدم جواز جمعہ فی القریٰ اعتراضات سخت کئے تھے۔ (صفحہ: ۶۳)

علاوہ اس کے اور بھی رسائل ان اکابر کے رد وہابیہ میں شائع ہو چکے ہیں، جن کو ہر کوئی ملاحظہ کرسکتا ہے۔ علاوہ ازیں ان مذکورۃ الصدر کے اور بھی مسائل ہیں جن میں وہابیہ اہل سنت کے مخالف ہوگئے۔ مثلا

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ استوائے ظاہری اور

جہات وغیرہ ثابت کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ثبوت جسمیت وغیرہ لازم آتا ہے۔ (صفحہ:۶۴)

وہابیہ خبیثہ یہ صورت نہیں نکالتے۔ اور جملہ انواع کو منع کرتے ہیں۔ چنانچہ وہابیۂ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا ہے کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ کو سخت منع کرتے ہیں۔ اور اہل حرمین پر سخت نفریں اس ندا اور خطاب پر کرتے ہیں۔ اور ان کا استہزاء اڑاتے ہیں۔ اور کلمات بے جا استعمال کرتے ہیں۔ (صفحہ:۶۵)

وہابیہ نجدیہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ استعانة لغیر اللہ ہے۔ اور یہ شرک ہے اور یہ وجہ بھی ان کے نزدیک سبب مخالفت کا ہے۔ (صفحہ:۶۵)

ندا بلفظ یا رسول اللہ اور خطاب حاضرین مسجد نبوی وبارگاہ مصطفوی کے واسطے جائز ومستحب فرماتے ہیں۔ اور وہابیہ وہاں بھی منع فرماتے ہیں۔ دو وجہ سے اولاً یہ کہ استعانت لغیر اللہ ہے۔ اور دوم یہ کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے واسطے حیات فی القبور ثابت نہیں۔ بلکہ وہ مثل دیگر مسلمین کے متصف بالحیوٰۃ البرزخیہ اسی مرتبہ سے ہیں۔ پس جو حال دیگر مومنین کا ہے وہی ان کا ہے۔ یہ جملہ عقائد ان کے ان لوگوں پر بخوبی ظاہر وباہر ہیں۔ جنہوں نے دیار نجد وعرب کا سفر کیا ہو۔ یا حرمین شریفین میں رہ کر ان لوگوں سے ملاقات کی ہو یا کسی طرح ان کے عقائد پر مطلع ہو۔ یہ لوگ جب مسجد نبوی شریف میں آتے ہیں تو نماز پڑھ کر نکل جاتے ہیں۔ اور روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام ودعا وغیرہ پڑھنا مکروہ وبدعت شمار کرتے ہیں۔ انہیں اقوال خبیثہ واقوال وہابیہ کی وجہ سے اہل عرب کو ان سے نفرت بے شمار ہے۔ (صفحہ:۶۵/۶۶)

وہابیہ خبیثہ کثرت درود وسلام و درود بر خیر الانام اور قراءت دلائل الخیرات وقصیدہ بردہ یا قصیدہ ہمزیہ وغیرہ اور ان کے پڑھنے اور اس کے استعمال کرنے ورد بنانے کو سخت قبیح ومکروہ جانتے ہیں اور بعض اشعار قصیدہ بردہ میں شرک وغیرہ کی طرف نسبت کرتے ہیں: مثلاً:

یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ
سواک عند حدوث الحادث العمم

اے افضل المخلوقات! میرا کون ہے، جس کی میں پناہ پکڑوں بغیر تیرے بروقت نزول حوادث۔ (صفحہ:۶۶)

وہابیہ تمباکو کو کھانے اوراس کے پینے کو حقہ میں ہو یا سگار میں یا چرٹ میں اور اس کے ناس لینے کو حرام اور اکبر الکبائر میں سے شمار کرتے ہیں۔ ان جہلا کے نزدیک معاذ اللہ! زنا اور سرقہ کرنے والا اس قدر ملامت نہیں کیا جاتا جس قدر تمباکو کا استعمال کرنے والا کیا جاتا ہے۔ اور وہ اعلیٰ درجہ کے فساق وفجار سے وہ نفرت نہیں کرتے جو تمباکو کے استعمال کرنے والے سے کرتے ہیں۔ (صفحہ:۶۶)

وہابیہ امر شفاعت میں اس قدر تنگی کرتے ہیں کہ بمنزلہ عدم کے پہنچا دیتے ہیں۔

وہابیہ سوائے علم احکام الشرائع جملہ علوم اسرار وحقائق وغیرہ سے ذات سرور کائنات خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خالی جانتے ہیں۔ (صفحہ:۶۷)

وہابیہ نفیس ذکر ولادت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیح وبدعت کہتے ہیں اور علی ہذا القیاس اذکار اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی برا سمجھتے ہیں، جن میں وہابیہ نے علمائے حرمین شریفین کے خلاف کیا تھا، اور کرتے رہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے جب کہ وہ غصب کرکے حرمین شریفین پر حاکم ہوگئے۔ ہزاروں کو تیغ کرکے شہید کیا۔ اور ہزاروں کو سخت ایذائیں پہنچائیں۔ بارہا ان سے مباحثے ہوئے۔ (صفحہ:۶۸،۶۷)

نجدیوں کے عقائد کی تفصیل ہم نے قصداً مولانا ناندوی کے قلم سے نقل کی کہ علمائے اہل سنت کی تصانیف سے نقل کرتے تو نجدیوں کے بہی خواہ یہ کہہ کے اڑا دیتے ہیں کہ یہ افترا ہے۔ ہر منصف طالب حق سے درخواست ہے کہ نجدیوں کے یہ عقائد دیکھیں اور اپنے ایمان سے پوچھیں کہ ایسے گندے گھناؤنے عقیدے والوں کے پیچھے نماز کیسے درست ہوگی۔

ان مذکورہ تمام عقائد پر تفصیلی بحث کے لئے کافی فرصت درکار ہے۔ ہم صرف دو باتوں پر حکم شرعی بیان کرکے فیصلہ عوام پر چھوڑتے ہیں کہ ان عقائد کے رہتے ہوئے وہ مسلمان رہے یا کافر ومرتد۔ اگر کافر ومرتد ہوئے تو پھر ان کی اقتدا میں نماز پڑھنی نہ پڑھنی برابر ہے یا نہیں۔

مولانا نانڈوی نے صفحہ: ۴۳ پر ابن عبدالوہاب بانی وہابیت کا یہ عقیدہ لکھا ہے کہ جملہ اہل عالم وتمام مسلمانِ دیار، مشرک وکافر ہیں۔ اوران سے قتل وقتال کرنا ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے۔

صفحہ: ۴۴ پر لکھا ہے بخلاف وہابیہ کے تمام ادنیٰ شبہہ خیال سے کافرومشرک کرتے ہیں۔ اور اموال کوحلال جانتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نجدی اپنے سوا تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافرومشرک مباح الدم جانتے ہیں۔ تمام مسلمان تو تمام مسلمان جو کسی ایک مسلمان کو کافر کہے بحکم ظواہر حدیث خود کافر اور نجدیوں کا ظواہر احادیث پر عمل کا دعویٰ ہے۔ لہذا اپنے وتیرہ سے وہ خود کافر ہوئے۔ سنئے! امام مالک، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: واللفظ للمسلم أيما امرى قال لأخيه كافر فقد باء بها احدهما ان كان كما قال والا رجعت اليه.

یعنی جوشخص کسی کلمہ گوکوکافر کہےتو ان دونوں میں ایک پر بلاضرور پڑے گی۔ اگر جسے کہاوہ حقیقۃً کافر جب تو خیر! ورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پلٹے گا۔

صحیح بخاری شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا قال لأخيه يا كافر فقد باء بها احدهما.

جب کوئی اپنے بھائی مسلمان کوکافر کہےتو ان دونوں میں ایک کا رجوع اس طرف بلا شبہہ ہوگا۔

امام احمد وبخاری ومسلم حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ليس من دعا بالكفر او قال عدوت الله وليس كذلك الا حار عليه ولا يرمي رجلا بالفسق ولا يوميه وبالكفر الا ارتدت عليه ان لم يكن صاحبه كذالك.

جو شخص کسی کو فسق یا کفر کا طعن نہ کرے گا مگر یہ کہ الٹا پھرے گا اگر جس پر طعن کیا تھا ایسا نہ ہوا۔

امام حبان اپنی صحیح التقاسیم والانواع میں بسند صحیح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما اکفر رجل اصلا الا باء بها احدهما ان كان كافرا والا كفر بتكفيره.

کبھی ایسا نہ ہوا کہ ایک شخص دوسرے کی تکفیر کرے اور وہ دونوں اس سے نجات پا جائیں۔ بلکہ ان میں ایک پر ضرور پڑے گی اگر وہ کافر تھا تو وہ بچ گیا ورنہ اسے کافر کہنے سے یہ خود کافر ہوا۔

اس پر جماہیر فقہا کے قول پر بھی مسلمان کو کافر کہنے والا کافر ہے، بلکہ اگر مسلمان کو کافر اعتقاد کر کے کافر کہا تو مذہب مختار للفتوی پر کافر۔ علماء فرماتے ہیں: جب اس نے اپنے اعتقاد میں مسلمان کو کافر سمجھا تو اس نے دین اسلام کو کفر ٹھہرایا۔ اور جو ایسا کہے وہ کافر ہے۔

عالمگیری میں ہے:

المختار للفتوىٰ فى جنس هذه المسائل ان القائل بمثل هذه المقالات ان كان اراد الشتم ولا يعتقده كافرا لا يكفر وان كان يعتقده كافرا فخاطبه بهذا بناء على اعتقاده انه كافر يكفر كذا فى الذخيرة. (۲/۲۷۸)

شامی میں تحریر ذخیرہ پر اتنا زائد ہے:

لانه لما اعتقد المسلم كافرا فقد اعتقد دين الاسلام كفرا. (۲/۱۱۶)

درمختار میں ہے:

عزر الشاتم بيا كافر وهل يكفر؟ ان اعتقد المسلم كافرا نعم والا لا، وبه يفتىٰ. (۲/۱۱۶)

علامہ ابراہیم خلاطی نے فرمایا:

المختار فى جنس هذه المسائل ان القائل ان اراد الشتم لا يكفر وان اعتقد كفر المخاطب يكفر لانه لما اعتقد المسلم كافرا فقد اعتقد دين

الاسلام کفرا ومن اعتقد ھذا فھو کافر۔

نجدی یقینی طور پر اپنے اعتقاد میں تمام مسلمانوں کو کافر ومشرک کہتے ہیں اور اپنی تصانیف میں لکھتے ہیں، اس کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ جمیع مسلمین کے قتل کو مباح اور ان کے اموال کو غنیمت جانتے ہیں۔ لہٰذا بحکم ظواہر حدیث وبقول جماہیر فقہا ہی نہیں بلکہ مذہب مختار ومفتیٰ بہ پر ان کا کافر ہونا لازم ہے۔ یہ بر سبیل الزام ہے۔ ورنہ ہمارا اس باب میں مسلک متکلمین کا ہے۔ تاہم عدم صحت نماز کا حکم فقہی ہے، اور ان کے پیچھے نماز ایسی جیسی یہودی یا نصرانی یا مجوسی یا ہندو کے پیچھے۔

اسی مولانا ٹانڈوی نے صفحہ: ۷۴ر پر نجدیوں کے بارے میں یہ لکھا ہے:

شانِ نبوت وحضرت رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں، اور اپنے آپ کو مماثل ذات سرور کائنات خیال کرتے ہیں، اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمانہ تبلیغ کی مانتے ہیں۔

”ان کے بڑوں کا مقولہ ہے۔ معاذ اللہ! نقل کفر کفر نہ باشد کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذات سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے۔ ہم اس سے کتے کو بھی دفع کر سکتے ہیں۔ اور ذات فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ بھی نہ کر سکتے۔ اور یہ مسئلہ اجلی ضروریات دین سے ہے۔ ایسا کہ ہر عالم، جاہل جانتا ہے کہ شان نبوت میں ادنیٰ سی گستاخی کفر صریح ایسی کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر“۔

چنانچہ شامی ابن سحنون مالکی قدس سرہما سے ناقل وہ فرماتے ہیں:

اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر۔

شان نبی میں گستاخی کرنے والا ایسا کافر ہے کہ جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر۔

مولانا ٹانڈوی کے بیان کے مطابق جب اجماع امت نجدی کو ایسا مرتد کہے جو ان کے کفر وارتداد میں شک کرے وہ بھی کافر۔ انصاف شرط ہے۔ ہم کچھ کہتے تو یار لوگ ہنسی میں اڑا دیتے۔ یہ ایسے شخص کا بیان ہے جو نجدیوں کے مقتدیوں کے نزدیک مسلم الثبوت ہے۔

اس کے بیان کے مطابق احکام شرع کی روشنی میں مسلمان دیکھیں کہ نجدی کس طرح اس قابل نہیں کہ انہیں امام بنایا جائے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ اگر کوئی پڑھے گا تو جس طرح دیگر کفار کے پیچھے نماز، نماز نہیں قضا کے برابر ہے۔ اسی طرح نجدیوں کے پیچھے بھی۔ گئے تھے کثرت جماعت ثواب لینے اور نماز بھی کھو آئے، الٹے ترک صلوٰۃ کا وبال گلے پڑا۔ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد قائم صاحب نے نجدیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھی تو کوئی جرم نہ کیا بلکہ جرم عظیم سے بچے، مجرم وہ ہیں جنہوں نے نجدیوں کی اقتدا میں نمازیں پڑھنے کے بجائے ضائع کیں۔ قابل ملامت یہ ہیں نہ کہ مولانا موصوف، وہ تو قابل صد ستائش ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد شریف الحق امجدی

خادم رضوی دار الافتاء بریلی شریف۔ ۱۶؍ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ

(مسئلہ مرغوب، مطبوعہ آستانہ چشتیہ نظامیہ داناپور۔ محلہ شاہ ٹولی ضلع پٹنہ

بار دوم: ایک ہزار۔ صفحہ ۶۱ تا ۷۲)

(مقدمہ)

الفیضان

الحمد لولیہ والصلوٰۃ علیٰ نبیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ

اللہ عزوجل کے محبوبان بارگاہ سے ان کی حیات ظاہری میں بھی اور دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی استعانت واستمداد اس دور کا بہت متنازعہ فیہ مسئلہ بن چکا ہے۔ ابن عبد الوہاب نجدی کی وہابی تحریک سے متاثر افراد اسے ناجائز وحرام بلکہ شرک تک کہتے ہیں۔ اس میں اس طبقے کو اتنا غلو وتشدد ہے کہ انبیائے کرام واولیائے عظام سے استعانت کرنے والے مسلمانوں کو ابوجہل کے برابر مشرک جانتے ہیں۔ اسی بنا بر وہابیوں کی شاخ کے تمام فرقے والے ان مسلمانوں کے ساتھ مشرکین ہی جیسا سلوک کرتے ہیں بلکہ اس سے بدتر جس کا ثبوت نجدیوں کے وہ سفاکانہ سلوک ہیں جو انہوں نے حرمین طیبین پر اپنے تغلب کے وقت کئے۔ اور ہندوستان کے طول وعرض میں ہونے والے وہابی، سنی فسادات ہیں۔ انہیں لوگوں کی نشان دہی اس حدیث میں کی گئی ہے۔

یقتلون اھل الاسلام ویدعون اھل الاصنام، اولئک ھم شر البریۃ۔

مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو کچھ نہ کہیں گے یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں۔

ان کے برخلاف پوری دنیا کے مسلمانوں کی اکثریت کا یہ عقیدہ وعمل ہے کہ انبیائے کرام واولیائے عظام سے امداد واستعانت بلاشبہ جائز ومستحسن، سلف سے لے کر خلف تک پوری امت کا معمول بہ اور حل مشکلات کے لئے مجرب ہے۔

زیر نظر کتاب ''الفیضان'' اسی موضوع پر ہے۔ کوئی صاحب ہیں جنہوں نے وہابی عقائد کی ترجمانی کرتے ہوئے بزعم خویش دلائل شرعیہ سے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی

ہے کہ انبیائے کرام واولیائے عظام سے استعانت شرک ہے۔ اس کے جواب میں عزیز گرامی قدر جناب مولانا محمد بشیر صاحب نے یہ کتاب لکھی ہے اور حق یہ ہے کہ انہوں نے جواب کا حق ادا کردیا ہے۔ استعانت کے جواز کو قرآن واحادیث اور امت کے علمائے معتمدین کے اقوال سے ثابت بھی کیا ہے، اور مخالفین کے فریب کارانہ استدلالات کی دھجیاں بھی بکھیر دی ہیں، اس کتاب میں اس موضوع پر اتنا مواد ہے کہ اس پر مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں اور میں اب لکھنے پڑھنے سے معذور بھی ہوں مگر خیر الاذکیا، جناب مولانا عبید اللہ خاں صاحب عزیزی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور محب عزیز مولانا الحاج حفیظ اللہ خاں صاحب استاذ مدرسہ فاروقیہ مدھ نگر ضلع گونڈہ اور خود مصنف کے اصرار پیہم سے مجبور ہوکر یہ چند سطریں لکھوا رہا ہوں۔

اس مسئلے کے چند پہلو ہیں۔ اول انبیاء واولیاء سے ان کی حیات ظاہری میں استعانت۔ دوم بعد وصال ان سے استعانت۔ سوم اس معنی کر استعانت کہ ان کے توسل سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا کی جائے یا یہ کہ خود ان سے یہ درخواست کی جائے کہ آپ ہمارا یہ کام کردیں۔ قرآن واحادیث سے کیا ثابت ہے اور امت کا کیا معمول رہا ہے۔

زیر نظر کتاب میں آپ کو ہر پہلو پر کافی وشافی دلائل مل جائیں گے۔ یہاں ایک خاص نکتہ قابل لحاظ ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے یعنی جب تک کسی اعتقاد یا قول یا فعل کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی تصریح نہ ہو تو وہ اعتقاد رکھنا یا وہ بات کہنی یا وہ عمل کرنا جائز رہتا ہے۔ اہل سنت وجماعت انبیاء واولیائے کرام سے استعانت کو جائز جانتے ہیں اور کرتے ہیں اس کے ثبوت جواز کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ قرآن واحادیث میں اس کی کوئی ممانعت نہیں جو لوگ اسے ناجائز وشرک کہتے ہیں ان کے ذمہ لازم ہے کہ قرآن کی ایک آیت پیش کریں ایک حدیث پیش کریں جس میں فرمایا گیا ہو کہ انبیاء واولیاء سے استعانت ناجائز وحرام وشرک ہے، اور ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ مرتے مرتے مرجائیں گے مگر کوئی آیت کوئی حدیث ایسی نہیں پیش کرسکیں گے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ

اُعِدَّتْ لِلْکٰافِرِیْنَ ○

یہ تو بر سبیل تنزل تھا ورنہ قرآن واحادیث سے نہایت صراحت کے ساتھ ثابت ہے کہ انبیائے کرام سے اولیائے عظام سے استعانت بہر حال جائز اور معمول بہ ہے۔ ان غریبوں کو جب کوئی ٹھکانہ نہیں ملتا تو عوام کو بھڑکانے کے لئے ان آیتوں کو پیش کرتے ہیں جو بت پرستوں اور بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ حالانکہ ہر ذی علم مسلمان جانتا ہے کہ بت پرستوں اور اہل سنت کے اعتقاد میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

بت پرست بتوں کو معبود جانتے ہیں اور انہیں معبود سمجھ کر ان سے حاجتیں طلب کرتے ہیں یا ان سے توسل کرتے ہیں عبادت میں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان کے اعتقاد کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

وَمَانَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی ○ (سورہ زمر آیت ۳پ ۲۳)

ہم ان کو صرف اس غرض سے پوجتے ہیں کہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں۔

مسلمانان اہل سنت انبیاء کرام واولیائے عظام کی نہ عبادت کرتے ہیں نہ انہیں معبود جانتے ہیں بلکہ معبود برحق جل مجدہ کے بندے مگر محبوب بندے اعتقاد کرتے ہیں، انبیائے کرام واولیائے عظام کا محبوب بندہ ہونا اور صاحب تصرف ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ امام بخاری سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا وان سئلنی لاعطینہ ولان استعاذنی لاعیذنہ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۹۷)

اللہ عزوجل فرماتا ہے: بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں میں اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے میں اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو اسے ضرور ضرور دیتا ہوں اور اگر میری پناہ مجھ سے مانگے تو اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات جلد دوم میں فرمایا:

ودر بعضے روایات "وفواده الذی یعقل به ولسانه الذی یتکلم به" ودر آخر ایں حدیث در بعضے روایات ایں نیز زیادہ می کنند کہ "فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یمشی"

اور بعض روایتوں میں آیا ہے اور اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے، اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور اس حدیث کے آخر میں بعض روایتوں میں یہ بھی زیادہ کرتے ہیں پس وہ بندہ مجھی سے سنتا ہے، مجھی سے دیکھتا ہے، مجھی سے پکڑتا ہے مجھی سے چلتا ہے۔

اللہ عزوجل آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، دل، زبان تمام جسم وجسمانیات سے منزہ ہے، اور اس سے اور زیادہ منزہ ہے کہ کسی بندے کا کان آنکھ ہاتھ پاؤں وغیرہ ہو۔ "تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا" پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔ امام فخر الدین رازی اپنی مشہور ومعروف تفسیر میں فرماتے ہیں:

وکذلک العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول اللہ تعالیٰ کنت له سمعا وبصرا فاذا صار نور جلال اللہ سمعا له یسمع القریب والبعید واذا صار ذلک النور بصرا یبصر القریب والبعید واذا صار ذلک النور یدا له قدر علی التصرف فی السهل والصعب والقریب والبعید۔ (سورہ کھف)

بندہ جب طاعات پر ہمیشگی کرتا ہے تو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں اس کا کان اور آنکھ ہو جاتا ہوں۔ نور جلال الٰہی جب بندے کا کان ہو جاتا ہے تو قریب اور دور کی آواز سنتا ہے، اور وہ نور جب اس کی آنکھ ہو جاتا ہے تو نزدیک دور دیکھتا ہے اور جب وہ نور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو نرم وسخت قریب وبعید پر تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو یہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے

ہیں جنھیں وہ اپنا محبوب بنالیتا ہے، انہیں محبوب بندوں کو انبیاء واولیاء کہا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ اللہ کے محبوب بندے جیسے نزدیک دیکھتے ہیں ویسے ہی دور بھی دیکھتے ہیں، جیسے سامنے کی چیز دیکھتے ہیں ویسے ہی چھپی ہوئی چیزوں کو بھی دیکھتے ہیں، جیسے قریب کی آواز سنتے ہیں ویسے ہی پست آواز بھی سنتے ہیں، جیسے قریب کی چیزوں میں تصرف کرسکتے ہیں ویسے ہی دور کی چیزوں میں بھی تصرف کرنے پر قادر ہیں۔

بحث کی بنیاد یہی چیز ہے کہ اللہ عزوجل نے انبیائے کرام واولیائے عظام کو مافوق الفطرۃ قوتیں عطا فرمائی ہیں یا نہیں۔ اگر عطا فرمائی ہیں تو پھر ان سے استمداد واستعانت بلا شبہ جائز و مستحسن ہے۔ اور اگر عطا نہیں کی ہیں تو پھر ان سے استمداد واستعانت لغو و بے کار بات ہوگی۔

بخاری شریف کی حدیث مذکور اس پر نص ہے کہ اللہ عزوجل نے انبیائے کرام واولیائے عظام کو عام انسانوں سے بالاتر ایسی قوتیں عطا فرمائی ہیں کہ وہ خرق عادت پر قادر ہیں۔ اس لئے ان سے استمداد واستعانت بلاشبہ جائز و مستحسن۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے ثابت ہے کہ اللہ عزوجل نے انبیائے کرام واولیائے عظام کو مافوق الفطرۃ، عام انسانوں سے بالاتر قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ارشاد ہے:

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ۝ (انبیاء: آیت ۸۱)

اور ہم نے سلیمان کے بس میں تیز ہوا کر دیا، جو اس کے حکم سے اس زمین کی طرف جاتی جس میں ہم نے برکت رکھی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۝ (سبا: آیت ۱۲)

اور سلیمان کے بس میں ہوا کر دی جس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینے کی راہ۔

ہوا کا بس میں ہونا، فوق الفطرۃ قوت ہے۔ بنص قرآن یہ حضرت سلیمان علیہ السلام

کے لئے ثابت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول منقول ہے:

اِنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ (آل عمران : آیت ۴۹)

میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی صورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہوجاتی ہے اللہ کے حکم سے، اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کرر کھتے ہو بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

یہ سب قوتیں مافوق الفطرۃ ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھیں۔ انبیائے کرام کو عام انسانوں سے بالاتر مافوق الفطرۃ جو قوتیں حاصل تھیں اس کے یہ چند نمونے ہیں۔

اولیائے کرام کو بھی یہ قوتیں حاصل تھیں۔ یہ بھی قرآن سے ثابت ہے۔ جب ملکہ سبا بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے لئے چلیں جس دن وہ پہنچ رہی تھیں اور دربار سے صرف ایک فرسنگ کا فاصلہ رہ گیا تھا اس دن دربار منعقد کرنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے درباریوں سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کوئی ان کا تخت ملک سبا سے لاکر دربار منعقد ہونے سے پہلے پہلے یہاں رکھ دے، اس پر ایک سرکش جن نے عرض کیا کہ میں دربار برخواست ہونے سے پہلے پہلے لاسکتا ہوں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک امتی ولی نے عرض کیا:

اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ ○ (نحل: آیت ۴۰)

میں اسے خدمت اقدس مین ایک پل مارنے سے پہلے حاضر کردوں گا۔

اور اس ولی نے جس کا نام آصف بن برخیا تھا ایک پل کے اندر اندر یہ تخت لاکر

حاضر کردیا۔

ہزاروں میل کی دوری سے ایک پل کے اندر اندر تخت لاکر حاضر کرنا بلاشبہ مافوق الفطرۃ قوت ہے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک امتی کو حاصل تھی، اس پر قرآن شاہد ہے جب قرآن اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ انبیائے کرام و اولیائے عظام کو مافوق الفطرۃ قوتیں حاصل ہیں تو ان سے استمد اد و استعانت کے جواز و استحسان پر کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ رہ گئی کہ بعد وصال ان کی یہ قوتیں سلب ہو جاتی ہیں، ایک بیہودہ بکواس ہے۔

حدیث میں ہے:

وانما مثل المومن حين تخرج نفسه كمثل رجل كان فى سجن فاخرج منه فجعل يتقلب فى الارض ويفسح فيها . (مسند احمد: ص ۲۰۲ ج ۲ بحواله امام احمد رضا اور علم حديث دوم ص ۹۹)

اور مومن کی جب روح نکل جاتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قید میں ہو پھر اس سے نکالا جائے تو وہ زمین میں جہاں چاہے بافراغت چلتا پھرتا ہے۔

دوسری حدیث میں:

فاذا مات المومن يخلى سربه يسرح حيث شاء . (ايضا) رواه عبد الله بن مبارك وابو بكر بن ابى شيبة .

جب مسلمان مرتا ہے تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے سیر کرے۔

یہ دونوں حدیثیں اس پر نص ہیں کہ مومن کی قوت بعد موت بہ نسبت دنیوی زندگی کے بڑھ جاتی ہے۔ انہیں احادیث کے مطابق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ'' جلد اول باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں:

حجة الاسلا امام محمد غزالى گفته هر كه استمداد كرده شود بوئے درحيات استمداد كرده مى شود بوئے بعد از وفات ويكے از مشائخ عظام گفته است ديدم چهار كس را از مشائخ كه تصرف مى كنند در قبور خود مانند تصرفهائے ايشاں درحيات خود يابيش ترشيخ معروف كرخى وشيخ عبد القادر جيلانى ودو كس ديگر را از اوليا شمرده ومقصود حصر نيست

آنچه خود دیده ویافته است گفته وسیدی احمد بن مرزوق که از اعاظم فقها وعلما ومشائخ دیار مغرب است . گفت که روزے شیخ ابو العباس حضرمی از من پرسید که امداد حی قوی تر است یا امداد میت من بگفتم قومے می گویند که امداد حی قوی تر ست ومن می گویم کی امداد میت قوی تر است پس شیخ گفت نعم زیرا که وے در بساط حق است ودر حضرت اوست، ونقل دریں معنی ازیں طائفہ بیش تر ازاں است که حصر واحصا کرده شود ویافته نمی شود در کتاب وسنت واقوال سلف صالح که منافی ومخالف ایں باشد ورد کند ایں را .

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے کہا ہے کہ جس سے زندگی میں مدد طلب کی جاتی ہے اس سے اس کے وفات کے بعد مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ مشائخ میں سے ایک نے کہا ہے کہ میں نے مشائخ میں سے چار شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی قبروں میں ویسے ہی تصرف کرتے ہیں جیسے اپنی زندگی میں یا کچھ اور زیادہ شیخ معروف کرخی وشیخ عبد القادر جیلانی اور دوسرے حضرات کو اور مقصود حصر نہیں ہے جو خود دیکھا اور پایا کہا اور سیدی احمد بن مرزوق نے جو عظمائے فقہا وعباد ومشائخ مغرب میں سے ہیں فرمایا کہ ایک دن شیخ ابو العباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے یا فوت شدہ کی۔ میں نے کہا: ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ فوت شدہ کی امداد زیادہ قوی ہے تو شیخ نے فرمایا: ہاں اس لئے کہ وہ بارگاہ حق میں ہے اور اس کے حضور میں اس گروہ سے اس معنی کی نقل حصر واحصار کی حد سے باہر ہے۔ کتاب وسنت اور اقوال سلف میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو اس کے منافی ہو اور اس کو رد کردے۔

اسی لیے مسلمانوں کا عہد صحابہ سے یہ دستور رہا ہے کہ مصیبتوں کے وقت محبوبان بارگاہ کے مزارات پر ان کی ارواح سے استعانت کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے:

اصاب الناس قحط فی زمن عمر بن الخطاب فجاء رجل (بلال بن حارث مزنی صحابی) الی قبر النبی صلی اله علیه وسلم فقال یا رسول الله

استسق الله لامتک فانهم قد هلکوا فاتاه رسول الله صلی الله علیه وسلم فی المنام فقال ائت عمر فاقرأه السلام واخبرهم انهم سیسقون . (دلائل النبوة للامام البیهقی وابو بکر بن شیبه فی مصنفه .

(المواهب اللدنیه : جلد ۴ ص ۲۷۶)

عہد فاروق میں ایک بار قحط پڑا۔ ایک صاحب یعنی حضرت بلال بن حارث مزنی صحابی رضی اللہ عنہ نے مزار اقدس پر حاضر ہوکر عرض کی یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ سے پانی مانگئے کہ وہ ہلاک ہوئی جاتی ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابی کے خواب میں تشریف لائے، ارشاد فرمایا: عمر سے جا کر سلام کہو اور لوگوں کو خبر دے دو کہ جلد پانی برسنے والا ہے۔

شاہ ولی اللہ ''قرۃ العینین'' میں یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں۔ رواہ عمر فی الاستیعاب امام قسطلانی نے مواہب میں فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب الکرامات میں ایک حدیث منقول ہے:

قحط اهل المدینة قحطا شدیدا فشکوا الی عائشة فقالت انظروا قبر النبی صلی الله علیه وسلم فجعلوا منه کوا الی السماء حتی لا یکون بینه وبین السماء سقف ففعلوا فامطروا مطرا حتی نبت العشب وسمنت الابل حتی تفتقت من الشحم فسمی عام الفتق . (مشکوٰۃ: ص ۵۴۵ . مجلس برکات جامعه اشرفیه مبارکپور)

اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی تکلیف بیان کی، انہوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر حاضر ہو۔ اس کی چھت میں ایک سوراخ بناؤ تاکہ قبر انور اور آسمان کے مابین کوئی آڑ نہ رہے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا بہت کافی بارش ہوئی اتنی گھاس اُگی کہ اونٹ اسے چر چر کر اتنے موٹے ہوگئے کہ چربی کی زیادتی سے ان کی کھالیں پھٹ گئیں اسی وجہ سے اس سال کا نام ''عام الفتق'' رکھا گیا۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:

قبر موسیٰ الکاظم تریاق مجرب لا جابۃ الدعاء. (لمعات: ص ۲۳۳)

حضرت اماموسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی قبر دعا قبول ہونے کے لئے مجرب تریاق ہے۔

اصل مسئلہ کو سمجھنے کے لئے جس پہلو پر غور کی حاجت تھی میں نے سب کی نشان دہی کردی ہے اور سب پر ہلکی سی روشنی ڈال دی ہے۔ اب آپ پوری کتاب کا مطالعہ کریں آپ کو کوئی تشنگی باقی نہیں رہے گی۔ مصنف نے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ کتاب کے مصنف جناب مولانا محمد بشیر صاحب اہل سنت وجماعت کے بہت بابرکت علما میں سے ہیں۔ ذی استعداد، ذہین فطین، عالم باعمل ہیں۔ خوش اخلاق، ملنسار، خوش گفتار، خوش کردار، مخلص، دیندار، خداترس، ملت کا درد رکھنے والے افراد میں سے ہیں۔ ایک مدت تک ان کے فیض سے ہندوستان مستفیض ہوتا رہا، اور اب ماریشش جنوبی افریقہ میں مقیم ہیں۔ اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے عوام وخواص میں ہر دلعزیز وباوقار ہیں۔ وسعت معلومات کے ساتھ بہت عمدہ خطیب ہیں، اور اس کتاب نے ثابت کردیا کہ ایک اچھے مصنف بھی ہیں۔

میری دعا ہے کہ مولیٰ عزوجل ان کو صحت وعافیت کے ساتھ مدت مدید تک قائم ودائم رکھے۔ ان کے فیض کو عام وتام کرے اور اس کتاب کو مقبول انام بنائے اور اسے ہدایت کا ذریعہ کرے۔ مصنف کو اس کا بہترین صلہ دارین میں عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم.

محمد شریف الحق امجدی

جامعہ اشرفیہ مبارکپور بوقت دس بجے شب پندرھویں شب

ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹ر فروری ۱۹۸۱ء

☆☆☆

الاقوال القاطعۃ فی رد مؤید الوہابیۃ

مرتبہ: مولانا محمد مظہر حسن قادری برکاتی بدایونی

مولوی خلیل احمد بجنوری ثم بدایونی شروع شروع بہت متصلب سنی بنتے تھے۔ اور حضرت تاج العلماء محمد میاں قدس سرہ سے سلسلہ برکاتیہ میں بیعت وارادت بھی رکھتے تھے۔ لیکن ان ایام میں بھی اہل سنت کے اکابرین کی تنقیص وتجہیل اور دیابنہ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے۔ سب ان کے اس متضاد طرز عمل پر حیرت زدہ تھے۔ اس کا راز اس وقت کھلا جب انہوں نے دیوبندیوں کی تکفیر سے کف لسان اور ان کی حمایت اور اہل سنت کی تردید میں ایک کتاب لکھی "انکشاف حق"

ان کے باطنی خیالات کے منظر عام پر آنے کے بعد علمائے اہل سنت نے ان کی افہام وتفہیم کی، مناظرہ فرمایا۔ اس میں حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ بھی شریک تھے، لیکن وہ جب اپنی اصلیت سے حق کی طرف پلٹنے پر آمادہ نہ ہوئے تو علمائے اسلام نے ان کا حکم شرعی جوان پر اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عائد ہوتا ہے، بیان فرمادیا۔

الاقوال القاطعہ فی رد مؤید الوہابیہ انہیں فتاوی اور تصدیقات کا مجموعہ ہے۔ نائب مفتی اعظم ہند فقیہ عصر شارح بخاری علیہ الرحمہ کی تصدیق سات صفحات پر پھیلی ہوئی ہے حضرت کی تصدیق کے بعد تاج العلماء، جانشین مفتی اعظم ہند علامہ مفتی اختر رضا خان قادری ازہری دام ظلہ الاقدس کی تصدیق جمیل ہے۔ مزید ایک سو اسی علمائے اہل سنت کی تصدیقات موجود ہیں۔ ۵۶ رصفحات کے اس رسالے کو مولانا محمد مظہر حسن قادری برکاتی بدایونی نے ترتیب دے کر اراکین بزم قاسمی برکاتی بدایوں کے زیر اہتمام غالباً ۱۹۸۱ء میں شائع کیا۔ ۱۲ (مرتب)

تصدیق

الاقوال القاطعہ فی رد مؤدی الوہابیہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مولوی خلیل احمد بجنوری ثم بدایونی کے بارے میں جو عرصہ دراز تک حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ کے فتاویٰ مبارکہ کے مطابق اشرفعلی تھانوی، خلیل احمد انبیٹھوی، رشید احمد گنگوہی اور قاسم نانوتوی کو کافر مرتد جانتے تھے۔ اور برملا اپنی تحریروں، اپنی تقریروں میں ان سب کے کافر مرتد ہونے کا اعلان کرتے تھے۔ اور ان کے حامیوں سے ہمیشہ مناظرہ ومقابلہ کرتے تھے۔ ان سے میل جول، سلام کلام، نشست وبرخاست کو حرام قطعی جانتے تھے۔ اور اس پر بہت شدت کے ساتھ عمل پیرا تھے بلکہ وہابیوں دیوبندیوں سے میل جول رکھنے والے سنی مسلمان کو بھی اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتے تھے۔ اس قدر تشدد کے باوجود ہمیں سخت حیرت ہوتی ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کو وہابیوں کے مدرسہ میں تعلیم دلاتے تھے۔ اب کچھ دنوں سے انہوں نے اپنا مذہب تبدیل کرلیا ہے۔ اپنی نجی مجلسوں میں بلا استثنا تمام علمائے اہل سنت کی بھرپور غیبت کرتے رہتے ہیں۔ افترا اور بہتان باندھنے سے بھی باز نہیں آتے۔ اس کے برخلاف علمائے دیوبند کی بہت لمبی چوڑی تعریفیں کرتے ہیں۔ ان کی تکفیر کے بارے میں کف لسان کرنے لگے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے بسط البنان اور خلیل احمد انبیٹھوی کا قول دیکھا ہے مواخذہ اخروی کے اندیشہ سے احتیاطاً ان کی تکفیر سے کف لسان کرتا ہوں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ بسط البنان کی مندرجہ ذیل عبارت حفظ الایمان کی کفری عبارت سے توبہ ورجوع ہے۔

میں نے یہ خبیث مضمون جو حسام الحرمین وتمہید وغیرہ میں میری طرف منسوب

کیا گیا ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچہ اور ہر پاگل اور ہر جانور اور ہر چوپائے کو حاصل ہے، کسی کتاب میں نہیں لکھا۔ اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں کبھی اس مضمون کا خطرہ نہیں گزرا۔ اور جو شخص ایسا اعتقاد رکھے۔ یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے، میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں، وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرور عالم فخر آدم و نبی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

اسی طرح مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا یہ قول پیش کرتے ہیں۔

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے جو بندہ پر الزام لگایا ہے بالکل بے اصل اور لغو ہے۔ میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر مرتد ملعون جانتے ہیں جو شیطان علیہ اللعن کیا کسی مخلوق کو بھی جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم میں بھی زیادہ کہے یہ کفر یہ مضمون براہین کی کسی عبارت میں نہ صراحۃً ہے نہ کنایۃً مجھ کو تو مدۃ العمر کبھی اس کا وسوسہ نہیں ہوا۔ (ملتقطا)

اور کہتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ جو کسی مسلمان کو کافر کہے وہ خود کافر ہے اور امام غزالی نے فرمایا ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے میں خطرہ ہے اس لئے میں مولوی اشرفعلی تھانوی وغیرہ کی تکفیر سے کف لسان کرنے لگا ہوں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مولوی خلیل احمد مذکور اپنے اس قول میں حق بجانب ہیں یا نہیں۔ وہ کافر ہیں یا مسلمان؟ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور ان سے مرید ہونا درست ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ بیعت ہو چکے ہیں، وہ کیا کریں۔ بینوا و توجروا

<u>خادمان بزم قاسمی برکاتی بدایوں</u>

حضرت علامہ الشیخ مولانا شاہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قادری امجدی نائب مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا ایمان افروز جواب:

الجواب:

مولوی اشرفعلی تھانوی نے اپنی کتاب ''حفظ الایمان'' صفحہ ۸ پر یہ لکھا ہے۔

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت

طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔

تھانوی صاحب نے اس عبارت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو ہر کس وناکس، بچوں، پاگلوں، جانوروں، چوپایوں کے علم سے تشبیہ دی یا ان کے برابر کردیا یہ بلاشک وشبہہ یقیناً حتماً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح شدید توہین ہے۔

اسی طرح مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ صفحہ ۵۱ ر پر پہلے یہ لکھا ہے کہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں تھی، اور شیطان اور ملک الموت کوزمین کا علم محیط حاصل ہے" پھر اس کے بعد یہ لکھا کہ "شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کے وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے، جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ اس کا صاف صریح یہ مطلب ہوا کہ انبیٹھوی صاحب شیطان کی وسعت علم کو یعنی شیطان کے علم کے زائد ہونے کو نص یعنی قرآن وحدیث سے ثابت مانتے ہیں۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علم سے مطلقاً انکار کرتے ہیں۔ انکار ہی نہیں اس کو شرک بتاتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ انبیٹھوی صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ ابلیس لعین کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ یہ بلا کسی شک وتردد کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع واعلیٰ میں ناقابل برداشت کھلی ہوئی توہین ہے اور اس میں کسی مسلمان کو ادنیٰ سا تردد نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ادنیٰ سی توہین کرنے والا اسلام سے خارج اور کافر ہے۔ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

درمختار، درر، غرر، بزازیہ وغیرہ میں ہے:

من شک فی کفرہ وعذابہ کفر۔

شفاء قاضی عیاض اور شامی میں ہے:

اجمع المسلمون علی ان شاتمہ کافر، من شک فی کفرہ وعذابہ کفر۔

مولوی قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں صفحہ ۳ر پر یہ لکھا:

خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہونا عوام کا خیال ہے اس میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ یہ مقام مدح میں ذکر کے قابل نہیں۔ اس کو فضل وکمال میں کچھ دخل نہیں۔ اس میں اللہ کی طرف بیہودہ گوئی کا وہم لازم آتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نقص کا تو ہم ہوتا ہے۔ قرآن میں بے ربطی لازم آتی ہے۔

پھر صفحہ ۴ر پر لکھا:

خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں، اور انبیا بالعرض

پھر صفحہ ۱۶/ ۳۳ر پر لکھا:

اگر بالفرض آپ کے زمانے یا بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو جائے تو خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (خلاصہ عبارت)

ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ نانوتوی صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہیں ہیں۔ آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد بھی نبی پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ عقیدہ بلاشبہ کفر صریح ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر نبی ہونا ضروریات دین سے ہے۔ اور ضروریات دین کا انکار کرنے والا بلاشبہ کافر ہے۔

امام غزالی "کتاب الاقتصاد" میں فرماتے ہیں:

ان الامة فهمت من هذا اللفظ انه افهم عدم نبی بعده ابدا وعدم رسول بعده ابدا وانه ليس فيه تاويل ولا تخصيص ومن اوله بتخصيص فكلامه من انواع الهذيان لايمنع الحكم بتكفيره لانه مكذب لهذا النص الذى اجمعت الامة على انه غير مؤل ولا مخصوص.

یعنی تمام امت محمد یہ علی صاحبہا وعلیہا التحیۃ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا کہ وہ بتاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا۔ کبھی کوئی رسول نہ ہوگا اور تمام امت نے یہی مانا کہ اس لفظ میں نہ کوئی تاویل ہے کہ آخری نبی کے سوا ختم النبیین کے کچھ اور معنی گڑھئے۔ نہ اس عموم میں کوئی تخصیص ہے کہ حضور کے ختم نبوت کو کسی زمانہ یا زمین کے

کسی طبقہ میں خاص کیجئے۔ اور جو اس میں تاویل وتخصیص کو راہ دے، اس کی بات جنون یا نشہ یا سرسام میں بہکنے بڑبڑانے بکنے کے قبیل سے ہے۔ اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ وہ آیت قرآنی کی تکذیب کر رہا ہے جس میں کسی تاویل وتخصیص نہ ہونے پر امت مرحومہ کا اجماع ہو چکا ہے۔

انہیں وجوہ کی بنا پر علمائے حرمین طیبین وہندوسندھ نے ان لوگوں کے بارے میں یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں توہین کرنے اور ختم نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے ایسے کافر مرتد ہیں کہ جو ان کے کفریات پر مطلع ہونے کے بعد ان کو کافر مرتد نہ مانے، نہ کہے، ان کے کافر مرتد ہونے میں شک کرے، انہیں کافر کہنے سے کف لسان کرے وہ خود کافر ہے۔ الصوارم الہندیہ میں ہندوستان کے تمام علمائے اہل سنت کا یہ فتویٰ برسہا برس سے چھپ رہا ہے، جس میں علمائے بدایوں، علمائے رامپور، علمائے دہلی، علمائے لکھنؤ کی بھی تصدیقات موجود ہیں۔ خصوصیت سے حضرت مولانا مفتی عبد القدیر صاحب بدایونی ومولانا عبد الغفار صاحب رامپوری کی بھی تصدیقات موجود ہیں۔ اس تفصیل کی روشنی میں مولوی خلیل احمد بجنوری بدایونی جب کہ ان اکابر دیوبند کے ان کفریات پر مطلع بھی ہیں اور ان کے اعذار لنگ سے بھی واقف ہیں۔ علمائے اہل سنت نے ان سب کے جو رد کئے ہیں اس پر بھی واقف ہیں۔ پھر بھی اب ان کو کافر نہیں کہتے، بلاشبہہ یہ بھی حسب تصریح ائمہ امت وعلمائے ملت کافر مرتد ہیں۔ ان کا یہ بہانہ کہ میں نے جب سے بسط البنان اور انبیٹھوی کا وہ قول دیکھا ہے کف لسان کرتا ہوں۔ ناقابل قبول ہے۔ اولاً بسط البنان کا قصہ تو بسط البنان آج نہیں چھپی ہے۔ ۱۳۲۹ھ میں لکھی گئی ہے، اس وقت سے برابر حفظ الایمان کے ساتھ چھپ رہی ہے۔ یہ کف لسان اگر بسط البنان کی وجہ سے ہوتا تو شروع میں جب بسط البنان چھپی تھی اور مولوی صاحب مذکور نے دیکھا تھا اسی وقت سے کف لسان کرتے۔ برسہا برس تک بسط البنان دیکھنے کے باوجود بھی تھانوی کی تکفیر کرتے رہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تکفیر سے کف لسان کی وجہ بسط البنان نہیں ہے بلکہ ان کے دل کی بیماری ہے۔

ثانیاً: بسط البنان یا انبیٹھوی کا قول ان دونوں کا اپنی کفری عبارت کا انکار ہرگز

نہیں۔ تھانوی نے بسط البنان میں یا کہیں یہ کبھی نہیں لکھا ہے کہ حفظ الایمان کی وہ صفحہ ۸ روالی عبارت میری نہیں ہے۔ بلکہ اس نے بسط البنان میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ یہ عبارت میری ہے۔ یہی حال انبیٹھوی کے مذکورہ قول کا بھی ہے۔ اس لئے ان دونوں کو انکار بتا کر کف لسان کی بنیاد بنانا فریب اور دھوکہ ہے۔ تھانوی وانبیٹھوی کے سر یہ الزام ہے کہ حفظ الایمان وبراہین قاطعہ کی مذکورہ بالا عبارتیں کفر ہیں۔ تھانوی وانبیٹھوی نے کبھی کہیں نہ کہا ہے نہ لکھا ہے کہ یہ عبارتیں ہماری نہیں۔ پھر انکار کیسے ہوا؟ اس کو ہر عقل والا سوچے۔ ہاں اگر کہیں کبھی ان دونوں نے یہ کہا ہوتا یا لکھا ہوتا کہ یہ عبارتیں ہماری نہیں ہیں تو ضرور اس کو انکار کہا جاتا پھر اس پر غور بھی کیا جاتا۔ یہ کہہ دینا کہ یہ خبیث مضمون میں نے کبھی کہیں نہیں لکھا اس صورت میں کبھی بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ خبیث مضامین جن عبارتوں میں ہیں وہ ان کی زندگی سے لے کر اب تک برابر چھپ رہی ہیں۔ اور اس بات کا انہیں اقرار بھی ہے کہ یہ عبارتیں میری ہی ہیں۔ ان کفریات کا انکار نہیں بلکہ صراحۃً اقرار ہے۔ اور مولوی خلیل احمد بدایونی کا یہ کہنا کہ میں نے بسط البنان اور یہ قول دیکھ کر اور انہیں انکار سمجھ کر کف لسان کیا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان عبارتوں کو بلا کسی شک وتردد کے توہین رسول اور ضروریات دین کا انکار صریح مانتے ہیں۔ تو مولوی خلیل احمد بدایونی کے قول سے ان دونوں کا اقراری کافر ہونا ثابت ہے۔

ثالثاً: اگر بقول مولوی خلیل احمد بدایونی بسط البنان اور انبیٹھوی کا قول مذکور کفر سے انکار اور توبہ ہے تو لازم ہے کہ بقول مولوی خلیل احمد بدایونی دونوں اب پکے سچے مسلمان ہوگئے۔ پھر ان کے بارے میں تکفیر سے صرف کف لسان کے کیا معنی؟ ان کو تو کھل کر کہنا چاہئے کہ یہ دونوں پہلے کافر مرتد تھے۔ مگر اب خالص مسلمان ہیں۔

رابعاً: بلاشبہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی کسی کو کافر کہے اور وہ شخص کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہے اور علماء نے فرمایا کہ مسلمان کو کافر اعتقاد کر کے کافر کہنے والا کافر ہے۔ مگر یہ حکم کسی مسلمان کو کافر کہنے کا ہے۔ کسی شاتم رسول، گستاخ رسول کو کافر کہنے کا یہ حکم نہیں، جو احکام مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں، ان کو شاتمانِ رسول پر ڈھالنا یہ کسی کافر نواز کا

کام ہوسکتا ہے، کسی دیندار مسلمان کا نہیں ہوسکتا ہے۔ جب اکابر دیوبند کی شان رسالت میں گستاخی اور ضروریت دین کا انکار ان کی کتابوں سے ثابت ہے، تو انہیں کافر و مرتد کہنا کسی مسلمان کو کافر کہنا نہیں بلکہ کافر کو کافر کہنا ہے۔ مرتد کو مرتد کہنا ہے۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کا بھی مطلب یہی ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے میں خطرہ ہے، ان کے ارشاد کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ اگر کوئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ بھر کر گالیاں دے اور ضروریات دین کا کھلم کھلا انکار کرے پھر بھی اس کو صرف اس بنا پر کہ وہ کلمہ پڑھتا ہے، اپنے کو مسلمان کہتا ہے کافر نہ کہا جائے خود امام غزالی نے ایسے کلمہ گو متعدد فرقوں کی تکفیر کی ہے، جنہوں نے ضروریات دین کا انکار کیا۔

خامساً: بقول خلیل احمد بدایونی، تھانوی، اور انبیٹھوی کی تکفیر سے کف لسان بسط البنان اور انبیٹھوی کے اس قول کی بنا پر ہے۔ گنگوہی اور نانوتوی کی تکفیر سے کف لسان کی کیا وجہ ہے؟۔ گنگوہی جی براہین قاطعہ کے مصدق ہیں۔ اس لئے براہین قاطعہ کے کفر میں انبیٹھوی کے برابر کے شریک وسہیم۔

سادساً: انبیٹھوی، تھانوی، گنگوہی جی یہ سب کے سب نانوتوی کو تحذیر الناس کی کفری عبارتوں پر مطلع ہونے کے باوجود مسلمان جانتے تھے۔ گنگوہی صاحب کے یہ رفیق جانی تھے۔ اور تھانوی اور انبیٹھوی ان کو اپنا امام ربانی مانتے تھے۔ اس طرح یہ تینوں کافر ہوئے۔

سابعاً: مولوی خلیل احمد صاحب بدایونی اگرچہ یہ کہتے ہیں کہ میں ان کی تکفیر سے کف لسان کرتا ہوں۔ مگر ان کے اقوال سے ثابت ہے کہ ان چاروں کو پکا سچا مسلمان مانتے ہیں۔ اور ان کی تکفیر کو مواخذۂ اخروی کا موجب بتاتے ہیں۔ اور علمائے اہل سنت بسط البنان اور انبیٹھوی کے اس قول کے باوجود ان سب کو کافر مرتد کہتے ہیں۔ تو مولوی خلیل احمد صاحب بدایونی کے بقول سارے علمائے اہل سنت کافر ہوئے۔ مولوی خلیل احمد صاحب بدایونی سے کوئی پوچھے کہ شاتمانِ رسول ضروریات دین کے منکرین کو مسلمان مان کر اور علمائے اہل سنت کو کافر مان کر وہ خود کیا ہوئے؟ بلا شبہ یہ ان وہابی شاتمان رسول کے زبردست حامی اور طرف دار ہوئے۔ اور علمائے اہل سنت کے پکے دشمن۔ نہ صرف علمائے

اہل سنت کے بلکہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دشمن ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

عدوک ثلاثۃ: عدوک، وعدو صدیقک، و صدیق عدوک.

تیرے تین دشمن ہیں۔ ایک وہ جو براہِ راست تمہارا دشمن ہو۔ دوسرے تیرے دوست کا دشمن ہے۔ تیسرے دشمن کا دوست۔

علمائے اہل سنت سے ان کی دشمنی اور علمائے دیوبند سے ان کی دوستی کھلی ہوئی ہے۔ اور جب یہ شاتمانِ رسول دیوبندی مولویوں کے دوست ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاشبہ دشمن ہوئے۔ ایسے شخص سے اس کی کیا شکایت کہ یہ علمائے اہل سنت کی غیبت کرتا ہے اور دیوبندی مولویوں کی تعریف وتوصیف کرتا ہے۔ یا اپنے لڑکوں کو وہابیوں دیوبندیوں کے مدرسہ میں تعلیم دلائی، یا دلاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مولوی خلیل احمد صاحب بجنوری ثم بدایونی کا ان چاروں کی تکفیر سے کف لسان کرنا اور ان کی تکفیر کو مواخذۂ اخروی کا سبب بتانا یہی نہیں، بلکہ ان کو حقیقت میں مسلمان ماننا کفر خالص ہے۔ جس کی وجہ سے یہ خود کافر و مرتد ہو گئے۔ اگر بیوی والے ہیں تو ان کی بیوی ان کے نکاح سے نکل گئی۔ ان کے سارے اعمال رائیگاں ہو گئے۔ ان کی اپنے پیر سے بیعت فسخ ہو گئی۔ خلافت سوخت ہو گئی۔ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب نہ ان کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے نہ ان سے میل جول جائز، نہ ان سے بیعت ہونا جائز۔ اور جتنے لوگ ان سے اب تک مرید ہو چکے ہیں ان سب کی بیعت ختم۔ ان سب پر ضروری ہے کہ وہ صحیح العقیدہ سنی شیخ سے بیعت ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

محمد شریف الحق امجدی

خادم الافتاء: جامعہ اشرفیہ مبارک پور

نزیل بدایوں، مورخہ ۳۰ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ روز یکشنبہ

(الاقوال القاطعہ فی رد مؤید الوہابیہ)

اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں

مصنف: مفتی احمد یار خاں نعیمی

المجمع العلمی

المجمع العلمی جامعہ اشرفیہ کے فارغ طلبہ کا قائم کردہ تصنیفی اور اشاعتی ادارہ ہے، جو دس پندرہ سال پہلے قائم ہوا۔ اس نے قلیل عرصے میں محدود وسائل کے باوجود قیمتی لیٹریچر قوم کے سامنے پیش کیا۔

(۱) نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثوب (۲) خصائص مصطفےٰ (۳) ارشادات اعلیٰ حضرت (۴) رہبر ورہنما (۵) پردہ کیا ہے (۶) تمہید ایمان (۷) الغیرۃ الوضیہ (۸) مروج النجالخروج النساء (۹) کلک رضا (۱۰) اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں۔ ان کی اشاعتیں قابل قدر کاوشیں ہیں۔

مفتی احمد یار خاں نعیمی قدس سرہ نے یہ کتاب مودودی جماعت کی مشہور کتاب ''اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں'' کی فریب کاریوں کی وضاحت کے سلسلہ میں تحریر فرمائی، اور ان چاروں اصطلاحوں، الٰہ، عبادت وغیرہ کے بارے میں اسلامی موقف کی وضاحت بڑی خوبی کے ساتھ کی ہے۔

حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ نے اس کتاب کے بنیادی عناصر کی تائید بڑے واضح اور مختصر انداز میں فرمائی ہے، جس سے بیک نگاہ اسلامی موقف سامنے آجاتا ہے۔ گویا سمندر کو کوزے میں بند کردیا ہے۔ یہ کتاب المجمع العلمی نے دسمبر ۱۹۹۰ء میں گیارہ سو کی تعداد میں شائع کی۔ اس سے پہلے اور بعد ہندو پاک میں اس کے بیسیوں ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ ۱۲

(مرتب)

تقریظ جمیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا لربنا المعبود ومصلیا ومسلماً علیٰ نبینا المحمود وعلیٰ آلہ وصحبہ وعلیٰ من تبعہ الی الیوم الموعود۔

المجمع العلمی ہزاری باغ جامعہ اشرفیہ کے فارغین اور طلبہ نے دین کی اشاعت کے لئے قائم کیا ہے۔ بحمدہ تعالیٰ یہ تنظیم اپنے کام میں کامیابی سے منہمک ہے۔ اور اس نے اپنے علاقے میں دینی ملی، علمی بیداری کافی حد تک پیدا کردی ہے۔ اس وقت یہ حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیر مطالہ کتاب ''اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں'' شائع کررہی ہے۔ یہ کتاب بہت اہم اور بہت مفید ہے، جو لوگ شکوک وشبہات میں گرفتار کردیئے گئے ہیں، وہ لوگ اگر نیک دلی سے اس کا مطالعہ کریں گے تو یقیناً ان کے شکوک وشبہات دور ہوجائیں گے۔ محبوبانِ بارگاہ حضرات انبیائے کرام واولیائے عظام سے استعانت عہد صحابہ سے رائج ومعمول ہے۔ مگر آج کچھ لوگ ان آیات کو جو بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، دلیل بنا کر اسے شرک کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام سے لے کر آج تک تمام مسلمان مشرک ہیں۔

جو آیتیں کفار ومشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرنا گمراہوں کا قدیم طریقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کو اسی بنا پر تمام مخلوق سے زیادہ بدتر مانتے تھے۔

بخاری میں ہے:

وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ، وقال انھم انطلقوا الی آیات

نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المومنین .

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کو تمام مخلوق سے بدتر جانتے تھے، جو آیتیں کافروں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں یہ انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرنے لگے۔

حالانکہ بتوں اور محبوبانِ بارگاہ میں ایک کھلا ہوا فرق موجود ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوبوں کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ اور بت جماد محض اور پتھر ہیں۔

بتوں کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ (سورۂ فاطر)

کھجور کی گٹھلی کے اوپر جو جھلی ہے اس پر بھی بت مالک نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیْٓ اَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۝ (آل عمران ۴)

میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی صورت بناتاوں پھر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہوجاتی ہے اللہ کے اذن سے۔ اور مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفا دیتا ہوں، اور اللہ کے اذن سے مردے جلاتا ہوں۔

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاِنِّیْ اُعْطِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ

مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کل کنجیاں دی گئیں ہیں۔

مسند امام احمد کی ایک روایت میں ہے ”مقالید الدنیا“ یعنی دنیا کی کل کنجیاں دی گئیں۔

اسی لئے علامہ ابن حجر مکی نے جوہر منظم میں فرمایا:

ھو صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ الاعظم، جعل خزائن کرمہ وموائد نعمہ طوع یدیہ وارادتہ یعطی من یشاء .

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب اعظم ہیں۔ اللہ نے اپنے کرم کے کل خزانے، اپنی نعمتوں کے تمام دستر خوان حضور کے ہاتھ میں دے دیے ہیں جسے چاہیں عطا فرمائیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے، معبود بناتے تھے اور مسلمان محبوبان بارگاہ کی پرستش اور عبادت نہیں کرتے، انہیں معبود نہیں بناتے، بلکہ انبیائے کرام و اولیائے عظام کو اللہ کا بندہ مانتے ہیں۔ اور اللہ عزوجل کی دی ہوئی قوت اور قدرت سے انہیں مختار مانتے ہیں۔ اس لئے ان سے مدد مانگنا شرک وکفر کیا ہوگا، حرام بھی نہیں۔ بلکہ مستحسن اور پوری امت کا معمول ہے۔ اللہ عزوجل نے انہیں قوت واختیار اسی لیے دیا ہے کہ ان سے مدد مانگی جائے۔ پھر اسے کفر، شرک کہنا اللہ عزوجل پر در پردہ اعتراض ہے کہ اللہ عزوجل نے انہیں یہ قدرت واختیار کیوں دیا۔ مفتی احمد یار خاں صاحب نے اسے انتہائی آسان، سہل انداز میں تحریر فرمایا ہے کہ جو بھی طالب انصاف پڑھے گا اس کا ایمان تازہ ہوجائے گا۔

المجمع العلمی کے ارکان کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ ایزد متعال ان کی یہ اور تمام دینی خدمات قبول فرمائے۔ اور انہیں اسلام و مسلمین کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور آئندہ بھی مزید اس سے بھی اہم خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بجاہ حبیبہ الامین المکین، علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

محمد شریف الحق امجدی

خادم الافتاء جامعہ اشرفیہ مبارک پور

۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ ۳۰ر نومبر ۱۹۹۰ء شب شنبہ

(اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں)

تقریظ

فتاویٰ برکاتیہ

مصنفہ: فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ

فتاویٰ برکاتیہ، تاجدار سلسلہ برکاتیہ سیدنا صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت گرامی سے منتسب، فقیہ ملت علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو ۵۱۲ر صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس سے قبل آپ کے فتاویٰ کا گراں قدر مقبول عام مجموعہ ''فتاویٰ فیض الرسول'' کے نام دو جلدوں میں منظر عام پر آچکا ہے۔

حضرت فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی اخلاص، علم، عمل، اور فیض کی بے شمار برکتوں کا مصدر ہے۔ آپ کا بنیادی وصف اخلاص عمل ہے، اس لئے آپ کی تحریر میں شگفتگی، سادگی اور روانی ہوتی ہے، جس کا سارا زور قاری کی تفہیم پر ہوتا ہے۔ آپ کی ایک درجن سے زائد درج ذیل تصانیف ہند وبیرون ہند مختلف زبانوں میں پھیل چکی ہیں۔

(۱) انوار الحدیث (۲) فقہی پہیلیاں (۳) بزرگوں کے عقیدے (۴) خطبات محرم (۵) انوار شریعت (۶) تعظیم نبی (۷) غیر مقلدوں کے فریب (۸) احکام نیت (۹) حج وزیارت (۱۰) معارف القرآن (۱۱) علم اور علماء (۱۲) باغ فدک اور حدیث قرطاس (۱۳) سید الاولیاء سید احمد کبیر رفاعی (۱۴) محققانہ فیصلہ (۱۵) ضروری مسائل (۱۶) گلدستۂ مثنوی (۱۷) بدمذہبوں سے رشتے (۱۸) نورانی تعلیم، چھ حصے۔

شارح بخاری، فقیہ عصر، نائب مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے حضرت فقیہ ملت علیہ الرحمہ کی پر اصرار خواہش پر مصروفیات کے ہجوم میں یہ تقریظی کلمات رقم فرمائے۔ حضرت کو فقیہ ملت سے کئی طرح کا تعلق خاطر ہے، جس میں سب سے بڑی نسبت یہ ہے کہ دونوں حضرات حضور صدر الشریعہ قدس سرہ کے اسیر ہیں۔ (مرتب)

تقریظ جلیل

فتاویٰ برکاتیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

فتاویٰ فیض الرسول کی دو جلدیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں جو کتاب الطہارت سے کتاب الفرائض تک فقہ کے جملہ ابواب پر مشتمل ہیں، جس کو دار العلوم فیض الرسول کے ناظم اعلیٰ، صاحبزادۂ شعیب الاولیاء حضرت علامہ شاہ غلام عبد القادر صاحب قبلہ علوی مدظلہ العالی نے اپنے اہتمام سے دار الاشاعت فیض الرسول براؤں شریف سے بڑی آب وتاب کے ساتھ چھپوایا ہے۔ موصوف نے دونوں جلدیں اس خادم کو عطا فرمائی تھیں لیکن میں اب جس حال میں ہوں اس کے پیش نظر ان کا مطالعہ نہیں کر سکا۔ ہاں! جستہ جستہ بہت فتوے مطالعے میں آئے ہیں۔

فقیہ ملت حضرت علامہ شاہ مفتی جلال الدین احمد امجدی دامت برکاتہم کے فتاویٰ کا اب تیسرا مجموعہ صاحب البرکات، حضرت سید شاہ برکت اللہ رحمۃ اللہ علیہ بانی سلسلۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی یاد میں بنام "فتاویٰ برکاتیہ" شائع ہونے جارہا ہے۔ مفتی صاحب نے بار بار تقاضے کئے کہ میں ان کے فتاویٰ پر اپنی رائے ظاہر کردوں، ان کے ارشاد کی تعمیل، کثرت کار وہجوم افکار میں پھنسے رہنے کی وجہ سے نہیں کر سکا۔ پھر انہوں نے عزیز اسعد مولانا مفتی محمد نسیم صاحب نائب مفتی واستاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو اس کام کے لئے مجھ پر مسلط فرمادیا، اور یہ اس طرح تقاضے پر تقاضے کرتے رہے گویا قرض وصول کر رہے ہیں۔ مولیٰ عزوجل ان مخلص احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ یہ لوگ مجھ ناکارے کی رائے کا کچھ وزن

محسوس کرتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے فتاوے کسی رائے کے محتاج نہیں۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

بحمدہ تبارک وتعالیٰ اس خادم کا تعلق پوری دنیا سے ہے، اس وسیع تعلق کو سامنے رکھ کر میں بلاخوف لومۃ لائم کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب کے فتاوے مستند اور معتمد ہیں۔ اس زمانے میں سب سے زیادہ قابل رحم، مفتی غریب ہے، جب کہ یہ کام دینی خدمات میں سے سب سے اہم ہے۔ اسی لئے فقہائے اسلام نے فرمایا کہ جو عالم ایسا مرجع فتویٰ ہو جسے سنن مؤکدات پڑھنے کا موقع نہ ملے تو سوائے سنت فجر کے دیگر سنن مؤکدات مؤکدہ نہیں رہ جاتیں۔

عالمگیری میں ہے:

قال مشائخنا العالم اذا صار مرجعا فی الفتاویٰ یجوز لہ ترک سائر السنن لحاجۃ الناس الی فتواہ الا سنۃ الفجر کذا فی النہایۃ. (جلد ۱. ص۹۸)

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ بے علم عوام کو حکم ہے کہ جو تم نہ جانتے ہو علماء سے پوچھو۔ ارشاد ہے:

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ ٥ (سورۂ نحل: آیت ۴۳)

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

علماء نے فرمایا ہے: اگر کوئی تلاوت کر رہا ہے اور اذان کی آواز آوائی تو تلاوت روک کر اذان غور سے سنے اور اس کا جواب دے۔ لیکن اگر فقہا علمی مذاکرے میں ہوں تو ان کے لئے وہ حکم نہیں۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

ویجب من سمع الاذان ولو جنبا لا حائضا. (الی ان قال) وتعلیم علم وتعلمہ بخلاف القرآن.

اس کے تحت شامی میں ہے:

ای شرعی فیما یظهر ولذا عبر فی الجوهرة بقراء ة الفقه.

جواذان سنے وہ جواب دے، اگرچہ جنبی ہو، حائضہ جواب نہ دے اور وہ جو علم کی تعلیم دینے یا تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہے۔ قرآن کی تلاوت کرنے والا جواب دے، علم سے مراد علم شرعی ہے، اس لئے جوہرہ میں قراءت فقہ فرمایا۔

ایک شخص سے نماز میں کوئی غلطی ہوگئی، جس سے نماز فاسد ہوگئی۔ اس نے کسی مفتی سے فتویٰ پوچھا: مفتی نے فتویٰ دینے میں دیر کی اس اثنا میں اس شخص کا انتقال ہوگیا۔ اس غریب کے ذمہ ایک وقت کی نماز رہ گئی۔ اس کا سبب فتوے کی تاخیر ہوا۔ ایک شخص سے کفر سرزد ہوا، اس نے عالم سے فتویٰ پوچھا، فتویٰ دینے میں دیر ہوگئی، اور وہ مرگیا یہ کتنا عظیم سانحہ ہوا۔ اسی سے مفتی کی اہمیت ظاہر ہوگئی۔

لیکن یہ کام جتنا مشکل ہے لوگوں نے اس کو اتنا ہی آسان سمجھ لیا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ دیکھ کر کوئی بھی فتویٰ لکھ سکتا ہے۔ لیکن یہ وہی لوگ کہتے ہیں جو اس بحر ناپیدا کنار کا ساحل پر کھڑے ہو کر نظارہ کرتے ہیں۔

کجا دانند حال ما سبک ساران ساحلہا

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ فتاویٰ فیض الرسول کی جلدیں جو پہلے چھپ چکی ہیں، وہ آپ کے سامنے ہیں ان کے سوالات پڑھ کر بغیر اس کا جواب پڑھے ہوئے یہ کہنے والے بہار شریعت وفتاویٰ رضویہ سے اس کا جواب نکال لیں۔

یہ صحیح ہے کہ بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ نے مفتی کا کام بہت آسان کر دیا ہے۔ لیکن آسانی کے باوجود فتویٰ نویسی کی دشواری اپنی جگہ قائم ہے فقہائے کرام نے اپنی خداداد فراست، بصیرت وذہانت سے ہزاروں کلیات اور لاکھوں جزئیات اپنے صحائف میں تحریر فرمادیے ہیں مگر نئے نئے مسائل اور اور مسائل کی نئی نئی شکلیں ایسی رونما ہوجاتی ہیں کہ ذہین سے ذہین آدمی کو کلیات سے یا جزئیات سے حکم نکالنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

پھر اس زمانے میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ بحمدہ تبارک وتعالیٰ مدارس دینیہ کی کثرت ہے، اور ہر مدرسے والے دار الافتاء کا بورڈ لگائے ہوئے ہیں، اور مفتی بیٹھائے

ہوئے ہیں، ان میں سے اکثر کے فتاویٰ دیکھ کر رونا آتا ہے، کسی دل جلے نے مکاتب اسلامیہ کا حال دیکھ کر کہا تھا:

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا
کار طفلاں تمام خواہد شد

اور اب مجھے اپنے زمانے کا حال دیکھ کر کہنا پڑتا ہے:

گر ہمیں مکتب و ہمیں مفتی
کار افتا تمام خواہد شد

عوام بیچارے الگ پریشان ہوتے ہیں کہ آخر فلاں بھی تو مفتی ہے اس نے یہ فتویٰ دیا ہے۔

فتویٰ نویسی کی بنیادی شرط خدا ترسی ہے، اس کے مفقود ہونے کی وجہ سے یار لوگوں نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ کسی نے کوا کھانے کو ثواب لکھ دیا۔ کسی نے بکرے کے خصئے کھانے کو جائز کہہ دیا۔ کسی نے منی آرڈر کی اجرت کو سود کہہ دیا۔ کسی نے ہندوستان کو دارالحرب کہہ دیا۔ کسی نے حرام کی یہ تعریف کی۔ حرام وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے۔ اور اس کا بے عذر چھوڑنے والا فاسق اور عذاب الٰہی کا مستحق ہے۔ اور مکروہ تحریمی کا حکم یہ لکھ دیا۔ اس کا بغیر عذر ترک کرنے والا گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے۔ (بہشتی زیور)

اس ماحول میں حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کی اشاعت ایک اہم دینی فریضہ تھا، جسے دارالعلوم فیض الرسول نے ادا کیا۔ اور اب کتب خانہ امجدیہ بستی آپ کے فتاویٰ کا تیسرا مجموعہ چھاپ کر یہ اہم دینی فریضہ انجام دیئے جا رہا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ صرف عوام ہی کے لئے مفید نہیں بلکہ علمائے کرام حتی کہ موجودہ دور کے مفتیان عظام کے لئے بھی اعلیٰ درجے کے رہنما ہیں۔ فتویٰ لکھنے میں یہ چند باتیں ضروری ہیں۔

ا۔ سوال کو کما حقہ سمجھنا۔

۲۔ سوال کے لب ولہجہ، سیاق وسباق سے یہ پہچان لینا کہ سائل کا منشا کیا ہے۔ یہ

سب سے اہم کام ہے، جو شخص بہت دقیق تنقیدی نظر نہ رکھتا ہو وہ اس کو شاید ہی جان سکے، یہ بہت ماہر حاذق کا کام ہے۔

۳۔ مفتی مخلص ہو۔

۴۔ انتہائی ذہین وفطین ہو۔

۵۔ زبان عرب کا پورا پورا ماہر ہو۔ عبارت النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص وغیرہ کے ذریعہ فقہی عبارتوں کے جملہ معانی سمجھنے کا ملکہ رکھتا ہو۔

۶۔ متداول کتب فقہ کا کامل مطالعہ کئے ہوئے ہو، اور اس کے حافظے میں فقہ کے اکثر کلیات وجزئیات محفوظ ہوں۔

۷۔ کسی سے مرعوب نہ ہو۔

۸۔ اتنا جری ہو کہ بلا خوف لومۃ لائم حق بات کہنے کی جرأت رکھتا ہو۔ مزاج پر غصہ غالب ہو اور نہ لینت۔ (نرمی)

۹۔ سوال کے بارے میں جب تک پورا اطمینان خاطر نہ ہو جائے حکم صادر نہ کرے۔

۱۰۔ جو بھی حکم دے اس کی قوی دلیل پہلے ذہن نشیں کر لے۔

۱۱۔ متشابہ مسائل میں امتیاز پر قادر ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کسوٹی پر میں نے حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کو پرکھا تو بحمدہ تبارک وتعالیٰ انہیں پورے طور پر کامل پایا۔

میرے برادر خواجہ تاش، فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین احمد صاحب علم وفضل، خشیت وتقویٰ اور اتباع شریعت میں یکتائے عصر ہیں۔ ان سب خوبیوں میں سب سے بڑی خوبی اور کمال یہ ہے کہ وہ دینی معاملے میں نہ مداہنت کرتے ہیں اور نہ کسی بڑے سے بڑے شخص سے مرعوب ہوتے ہیں، اور نہ ناقدین کی بے جا تنقید کی پرواہ کرتے ہیں۔

ممبئی میں جب سے مساجد بنی ہیں، رواج ہے کہ مساجد میں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ ایک بار حضرت مفتی صاحب کے کسی محب کا انتقال ہوا، ان سے درخواست کی گئی کہ آپ نماز جنازہ پڑھائیں۔ حسب عادت وحسب رواج جنازہ مسجد میں رکھا گیا انہوں نے حکم

شرعی بیان فرمایا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد چہارم ۵۷۔ بہار شریعت جلد چہارم ۱۵۸)

میں مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ لوگوں نے مفتی صاحب پر کئی طرح سے بڑا دباؤ ڈالا مگر وہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھانے سے برابر انکار کرتے رہے۔ آخر کار لوگ مسجد سے جنازہ نکالنے پر مجبور ہو گئے اور اسے باہر لائے تو آپ نے نماز پڑھائی۔ اس پر ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا جس کی قیادت ایک ایسے شخص کر رہے تھے، جنہیں بعض اجلہ علمائے کرام بھی ولی مانتے تھے، جس سے بہت بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ بے پڑھے لکھے عوام نے جو جی میں آیا حضرت مفتی صاحب کو کہا۔ لیکن انہوں نے کسی بات کی پرواہ نہیں کی۔ اس زمانے میں ایسی استقامت کی مثالیں شاید و باید ہی کہیں ملتی ہیں۔ اور ایک مفتی کی یہی شان ہونی چاہئے، جو آج کل قریب قریب مفقود ہے۔

میری دعا ہے کہ رب قدیر حضرت مفتی صاحب کو اسلام اور سنیت کی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے ظل ہمایوں کو دراز سے دراز تر فرمائے، اور ان کے فیض کو عام و تام کرے۔ آمین

محمد شریف الحق امجدی

۱۴ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ ۱۲ مئی ۱۹۹۸ء

(فتاوٰی برکاتیہ)

☆☆☆

تقدیم

صحیفہ فقہ اسلامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجلس شرعی کا قیام! جس کو آج تین سال ہوا اس اثنا میں اس مجلس کے زیر اہتمام دو اجتماعات ہوئے جس میں ہماری جماعت کے تقریباً سبھی معتمد مفتیانِ کرام اور علمائے عظام نے شرکت فرمائی۔

ہر اجتماع میں آٹھ آٹھ نشستیں ہوئی تھیں، اور ہر نشست چار چار گھنٹے کی۔ صبح ۹ ربجے سے ایک بجے تک اور بعد مغرب ۶ ربجے سے ۱۰ ربجے تک۔ اس طرح ہر اجتماع میں بیس گھنٹے مذاکرات ہوتے رہے۔ اب تک مجلس شرعی میں مندرجہ ذیل کئی موضوعات زیر بحث آچکے ہیں۔

۱۔ الکحل آمیز دواؤں کا استعمال

۲۔ بیمہ پالیسی کے دونوں شعبے (بیمہ اموال، بیمہ زندگی)

۳۔ مشترکہ سرمایہ کاری کا نظام کار اور اس کی شرعی حیثیت

۴۔ چیک کی خرید وفروخت

۵۔ دوامی اجارہ (پگڑی کا مسئلہ)

۶۔ دیون اور ان کے منافع پر زکوۃ

ان میں سے کئی موضوع پر فیصلے بھی ہو چکے ہیں، جس کی پوری تفصیل اس صحیفے میں آپ مطالعہ کریں گے۔ جس وقت مجلس شرعی کا قیام عمل میں آیا تھا، ہم کچھ پس وپیش میں مبتلا تھے کہ معلوم نہیں ہمارے مفتیانِ کرام، علمائے عظام ہمارا ساتھ دیں گے یا نہیں۔ لیکن مجلس شرعی کے دو اجتماع نے ثابت کر دیا کہ مجلس شرعی کا قیام وقت کی بہت اہم ضرورت تھی اور یہ سارے علمائے اہل سنت وخواص اہل سنت کے دل کی آواز تھی۔ ہماری دعوت پر جس

حوصلے اور تیاری کے ساتھ ملک کے طول وعرض سے مندوبین نے شرکت کی وہ ہمارے لئے بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔

اس سلسلے میں دو بنیادی باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک اخراجات کا بار کون اٹھائے۔ دوسرے موضوع کی تعیین اور سوالات کی ترتیب وترسیل۔ لیکن خوشی ہے کہ پورے ملک میں یہ قرعۂ فال بھی جامعہ اشرفیہ ہی کے نام نکلا کہ اس نے سارے مندوبین کے آمد ورفت کے اخراجات کے علاوہ ان سب کے شایانِ شان طعام وغیرہ کا بھی بندوبست اپنے سر لے لیا۔ اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی دقت نہیں پیش آئی، اور آئندہ بھی جامعہ اشرفیہ اسی حوصلے اور وسعت قلبی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دینے کو آمادہ ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ آمادہ رہے گا۔

سوالات کی ترتیب وترسیل کا مسئلہ بظاہر بہت آسان معلوم ہوتا ہے کیوں کہ مشہور بھی ہے کہ سوال کرنا کچھ مشکل نہیں۔ ایک عامی کے لئے یہ بات تو صحیح ہے وہ بھی ایک عام بات کے لئے مگر جب اس کا تعلق حکم شرعی سے ہو اور وہ بحث کے لئے علما کی جماعت میں پیش کیا جانے والا ہو تو سوال مرتب کرنے والے کی پیشانی پر پسینہ چھوٹنے لگتا ہے۔ اس قسم کے مباحث کے لئے جو سوالات مرتب کئے گئے، ان میں اس کا خاص لحاظ رکھا گیا کہ اس موضوع کے کسی گوشے کو تشنہ نہ چھوڑا جائے۔

ایک موضوع میں کتنے احتمالات نکلتے ہیں اسی کی تفصیل پر اہل علم غور کریں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتنی ذہنی بیداری وتیقظ کو چاہتا ہے۔ پھر یہ بھی ضروری تھا کہ ہر احتمال کے متعلق مثبت اور منفی ہر پہلو پر روشنی بھی ڈال دی جائے اور اس کے مؤید کچھ مواد مل سکیں تو انہیں بھی درج کر دیا جائے۔

اس تفصیل کی روشنی میں سوالات کی ترتیب کے وقت صرف غور وفکر ہی کافی نہیں تھا بلکہ کافی مطالعہ، ہزاروں صفحات کی ورق گردانی ضروری تھی۔ اس سلسلے میں بھی ہمیں خوشی ہے کہ اس کام کو عزیز اسعد جناب مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب نے بہت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ہر موضوع کے متعلق ان کے ترتیب دیئے ہوئے سوالات کو پڑھئے تو آپ خود دنگ رہ جائیں گے۔ پھر ان سوالات کی ترتیب میں صرف کتب فقہ ہی کا مطالعہ کافی نہیں

تھا بلکہ دوسری جدید معلوماتی کتابوں کا بھی مطالعہ ضروری تھا۔ مثلاً انگریزی دواؤں میں اسپرٹ ہوتا ہے، الکحل ہوتا ہے۔ اسپرٹ، الکحل کی حقیقت کیا ہے؟ بیمہ کمپنی کے اصول کما حقہ مرتب نہیں ہو سکتے تھے مگر موصوف نے اس منزل کو بھی بہت خوبی سے طے کیا۔ ان کی مہیا کی ہوئی معلومات کی روشنی میں بحث کرنا پھر حکم لگانا زیادہ مشکل نہیں رہا۔

مقالات آپ حضرات کے پیش نظر ہیں۔ ہمارے علمائے کرام نے مقالات کے لکھنے میں کتنی عرق ریزی کی ہے، اس کو آپ حضرات خود ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ بادی النظر میں مقالوں کو پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوگا کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں انگلی رکھنے کی جگہ نہیں۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ ہمارے مقالہ نگاروں نے جی لگا کر اور ایک حکم شرعی معلوم کرنے میں انہیں جتنی وسعت تھی اس میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بمصداق فوق کل ذی علم علیم اور بمصداق رب حامل فقه الی من هو افقه منه صورت حال کچھ اور ہو۔

فقہائے کرام نے اپنی خداداد بصیرت، قوت اجتہاد واستنباط سے قرآن وحدیث سے ہزاروں کلیات اور ہزاروں جزئیات استخراج کر کے تحریر فرما دیئے ہیں جو فقہ کی سیکڑوں کتابوں میں درج ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایک شخص جب دیانتداری سے کتب فقہ کا مطالعہ کرتا ہے تو انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ ان حضرات نے کتنی جانفشانی اور کتنی کدوکاوش کے بعد اس خدمت کو سر انجام دیا ہے۔ جس کی وجہ سے بعد میں آنے والوں کے لئے کتنی آسانیاں ہو گئی ہیں۔ اس کے باوجود نئے واقعات کا حکم اخذ کرنا اب بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ کلیات سے جزئیات کا استخراج، پھر جزئیات کا کلیات پر انطباق، پھر جزئیات کا آپس میں اشتباہ، اور اشتباہ کے ازالہ کی وجوہ معلوم کرنا آسان کام نہیں۔ ان سب کو وہی سمجھ سکتا ہے جو خدمت افتا میں مصروف ہے۔

پھر اس سلسلے میں کئی باتیں اور بھی ہیں۔ تمام کلیات یا جزئیات کسی ایک ہی کتاب میں درج نہیں۔ ہر مصنف نے کوشش یہی کی کہ اپنی کتاب کو کامل اور جامع بنائے مگر انسان

بہر حال انسان ہے، کامل استقصاء کون کر سکتا ہے؟ پھر سب کو یہ توفیق نہیں کہ فقہ کی متداول کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرے۔ اور اگر کوئی بالاستیعاب مطالعہ بھی کرے تو اس کو فقہ کی کتنی کتابیں میسر ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ کا ذکر اس باب میں نہیں ہوتا جو اس کے مناسب ہے، کسی غیر مناسب باب میں ذکر ہوتا ہے۔ خود میرے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا ہے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے "لمعۃ الضحیٰ" میں داڑھی کے سلسلے میں فتح القدیر کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے:

اما الاخذ منها وهي دون ذلك فلم يبحه احد.

کتب فقہ میں اس کو کتاب الحظر والاباحۃ یا کتاب الکراہیۃ میں ہونا چاہئے۔ میرے پاس سوال آیا کہ یہ عبارت فتح القدیر میں کہاں ہے، میں نے فتح القدیر کی پوری کتاب الکراہیۃ پڑھ ڈالی۔ اس میں نہیں ملی پھر خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کہ جنایات احرام میں مذکور ہو میں نے کتاب الحج کا باب الجنایات پورا پڑھا۔ پھر پوری کتاب الحج پڑھ ڈالی مگر نہیں ملی۔

کام اتنا زیادہ میرے سر رہتا ہے کہ میں نئے سرے سے پھر فتح القدیر پڑھنے کی فرصت نہیں پاتا تھا۔ سوچتا رہا کہ آخر یہ مسئلہ کہاں ہو سکتا ہے۔ خیال آیا کہ ہدایہ کی کتاب الصوم میں السنۃ فیہا القبضۃ میں یہ عبارت ہے۔ یہ خیال آتے ہی فتح القدیر اس مقام پر دیکھا تو یہ عبارت ملی۔ اب سوچئے کہ داڑھی کا روزے سے کیا تعلق؟ کسی کا ذہن جا سکتا ہے کہ داڑھی کتنی مقدار رکھنی مسنون ہے، اس کا ذکر کتاب الصوم میں ہوگا۔ اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جو اپنے باب کے سوا دوسرے ابواب میں مذکور ہیں۔ اس لئے کسی حکم شرعی کو معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دستیاب کتب فقہ کا بالاستیعاب مطالعہ کرے اور اس کو ذہن میں محفوظ رکھے۔

حضور صدر الشریعہ قدس سرہ نے ایک بار فرمایا کہ میں نے شامی اور عالمگیری کا پانچ بار مطالعہ کیا ہے، اور کنز کی شروح بحر الرائق، النہر الفائق، تبیین الحقائق کا دو بار اور ہدایہ کا مع اس کے تمام شروح کے بشمول بنایہ ایک بار۔ مزید تقریباً پچاس کتب فقہ کا بالاستیعاب بغور

مطالعہ کیا ہے یہ کتابیں مختصر سی نہیں ان میں صرف مبسوط امام سرخسی کی تیس جلدیں ہیں۔

جب کہ حضرت صدر الشریعہ کے حافظے کا عالم یہ تھا کہ فرماتے تھے: جس کتاب کو یاد کرنے کی نیت سے ایک بار بغور مطالعہ کرلیا تو زندگی بھر اس کے مضامین محفوظ رہے۔ ایسا قوی الحافظہ بزرگ جب شامی اور عالمگیری کا پانچ پانچ بار مطالعہ کرے گا تو اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ ان کتابوں کے ابحاث اور جزئیات وکلیات پر ایسا کامل احاطہ رکھے بوقت ضرورت استحضار میں دشواری نہ ہو۔

آپ اس زمانے میں تلاش کریں گے تو شاید ہی کوئی بزرگ ملیں جس نے شامی اور عالمگیری وغیرہ کا ایک بار بھی کامل مطالعہ کیا ہو۔ پھر ہر ذہن اخاذ نہیں۔ اور اگر کوئی ذہن اخاذ ہے تو دوسرے کا ذہن اس سے بڑھ کر اخاذ ہے۔ نصوص کی دلالت ہمیشہ صریح نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ ایسی خفی ہوتی ہے کہ اس تک رسائی شاید و باید کسی کو ہوتی ہے۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ حضرت قتادہ جب کوفہ تشریف لائے تو ان کے گرد طالبین کی بھیڑ لگ گئی۔ حضرت امام اعظم بھی تشریف لے گئے لوگ سوال کررہے تھے حضرت قتادہ جوابات دے رہے تھے۔ حضرت امام اعظم نے بھی ایک سوال کیا کہ جس چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر اور چیونٹیوں سے کہا تھا اپنی بلوں میں چلی جاؤ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تم کو کچل نہ دے۔ یہ چیونٹی نر تھی کہ مادہ؟ یہ سوال سن کر حضرت قتادہ کچھ دیر خاموش سوچتے رہے، پھر فرمایا: میں نہیں جانتا تم بتاؤ کون تھی، نر تھی کہ مادہ۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا: وہ مادہ تھی۔ پوچھا کیسے معلوم۔ فرمایا: قرآن نے اس کے لئے مؤنث کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ فرمایا گیا: قالت نملة: کیا حضرت قتادہ نے قرآن مجید کی آیت نہیں پڑھی تھی؟ کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ قالت مؤنث کا صیغہ ہے،، لیکن یہ قوت اخذ کی بات ہے، اسی کو حدیث میں فرمایا گیا:

فلیبلغ الشاهد الغائب فرب مبلغ اوعیٰ من سامع ورب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الیٰ من هو افقه منه .

جو لوگ حاضر ہیں میری بات غائب تک پہنچادیں۔ بسا اوقات سننے والے کے بہ

نسبت جن تک بات پہنچائی جاتی ہے زیادہ یادرکھنے والا ہوتا ہے۔ اور بہت سے اصحاب فقہ فقیہ نہیں ہوتے ہیں مگر جس تک وہ بات پہنچاتے وہ زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں کبھی کسی مسئلے کا حل مختلف ہوتا ہے۔ بعض پر عمل کرنا آسان اور بلا جھجک قابل قبول ہوتا ہے۔ بعض پر عمل کرنا دشوار ہوتا ہے، یا اس میں کچھ جھجک ہوتی ہے۔

مثلا سیدنا امام اعظم ہی کا واقعہ ہے کہ ایک بار ایک شخص نے اپنے بیٹوں کی شادی کے موقع پر کوفہ کے سربرآوردہ علمائے کرام کی دعوت کی۔ سب حضرات تشریف لے گئے جن میں سفیان ثوری جیسے فقیہ اور محدث بھی تھے۔ دستر خوان بچھ گیا، کھانا چن دیا گیا تو صاحب خانہ حواس باختہ پریشان ہو کر یہ عرض کرنے لگا کہ حضرات سخت دشواری پیش آگئی ہے۔ میرے دونوں بیٹوں کی شادیاں دو حقیقی بہنوں سے ہوئی تھیں، عورتوں کی غلطی سے دلہن بدل گئی ہیں، اب کیا ہوگا؟ حاضرین میں اس وقت سب سے بزرگ اور معتمد حضرت سفیان ثوری تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایسا ہی حادثہ پیش آیا تھا، انہوں نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی بیوی سے تا عدت الگ رہے، اور ہر ایک مہر مثل اور مہر معین میں جو اقل ہو وہ ادا کرے۔

یہ حکم شرعی اپنی جگہ بالکل حق ہے۔ مگر اس میں عمل کرنے میں دشواری بھی ہے کہ شادی کے بعد بھی میاں بیوی، میاں بیوی ہوتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب نہ جائیں کیوں کہ شب باشی کے بعد ہر ایک کا دل دوسرے کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہوتا ہے۔ پوری مجلس پہ سناٹا چھایا تھا، حضرت امام اعظم خاموش تھے۔ آپ کا ابتدائی عہد تھا، مگر آپ کے علم کے انوار پھیلتے جارہے تھے۔ لوگوں نے حضرت امام اعظم سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ دونوں لڑکوں کو بلاؤ۔ دونوں لڑکے حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم نے جس عورت کے ساتھ رات گزاری ہے وہ تمہیں پسند ہے، دونوں نے کہا ہاں! فرمایا: دونوں ایک دوسرے کو طلاق دے دیں، اور فوراً نکاح کر دیا جائے۔ اس صورت میں عدت نہیں۔ اس لئے کہ اس کی بیوی اس کے لئے غیر مدخولہ تھی۔

ناظرین غور کریں! دونوں حکم شرعی اپنی جگہ پہ درست۔ لیکن حضرت امام اعظم رضی

اللہ عنہ نے اپنی خداداد قوت اجتہاد سے جو صورت استخراج کی وہ کتنی آسان اور بلا جھجک قابل قبول ہے۔

ہماری ان گزارشات کا مطلب یہ ہے کہ کتب فقہ میں ہزاروں کلیات، لاکھوں جزئیات کے اندراج کے باوجود کسی نئے واقعے کا حکم ان سے استخراج کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ یہ انہیں کا کام ہے جنہیں اللہ نے تفقہ فی الدین عطا فرمایا ہے۔

بحمدہ تبارک وتعالیٰ ہماری مجلس شرعی جہاں ایک طرف اہل سنت کے سوادِ اعظم کی نمائندہ جماعت ہے، وہیں وہ اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اپنی طاقت ووسعت اور وسائل کی فراہمی کے دائرے میں رہ کر مذکورہ بالا موضوعات پر پوری دیانت داری، خدا ترسی کے ساتھ بحث کر کے اور پھر تنقیح در تنقیح کر کے فیصلہ کیا ہے۔ اور ہمیں خوشی ہے کہ مجلس شرعی کے فیصلے کو بھی معتمد ذمہ دار حضرات کی تائید حاصل ہے۔ مجلس شرعی کے دوسرے اجتماع میں جو موضوعات پیش ہوئے مقالے سب پر لکھے گئے، لیکن شیئر بازاری کا مسئلہ ایسا پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے کہ اس کے باوجود کہ پہلے اجتماع میں بھی اس پر بحث ہو چکی تھی دوسرے اجتماع میں مقالات کے پڑھنے کے بعد جو وقت بچا وہ اسی کی نذر ہو کر رہ گیا، اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ پھر اس پر غور وخوض ہوگا اور اللہ عزوجل اس کے حل کی کوئی سبیل نکالے گا۔

میری دعا ہے کہ مولیٰ عزوجل ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم نے ایک اہم دینی ضرورت کی تکمیل کے لئے جس خلوص کے ساتھ ''مجلس شرعی'' قائم کیا ہے ہم آئندہ بھی اسی تن دہی اور لگن کے ساتھ کام کرتے رہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ مجلس شرعی کے بنیادی اعضا بھی خلوص وللّٰہیت کے ساتھ اپنی اپنی متعلقہ خدمات انجام دیتے ہیں اور اپنی وسعت بھر کوئی کمی نہیں کرتے۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو ہمیشہ اس قسم کی دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے، اور مجلس شرعی کو دوام واستحکام عطا فرمائے اور اس سے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔ آمین

(صحیفۂ فقہ اسلامی)

☆☆☆

تصدیق جلیل

نام کتاب: جدید بینک کاری اور اسلام

مصنف: مفتی محمد نظام الدین رضوی، استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

الحمد لله رب العالمين و الصلوٰة والسلام علىٰ رحمة للعالمين وعلىٰ آله وصحبه الطيبين الطاهرين وعلىٰ الائمة المجتهدين وعلىٰ من تبعهم وتبع تابعيهم باحسان الىٰ يوم الدين.

اس وقت میرے پیش نظر ایک بہت ہی اہم رسالہ ’’جدید بینک کاری اور اسلام‘‘ ہے، یہ عزیز گرامی وقار جناب مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی زید مجدہم نائب مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے رشحات قلم کا مرہون منت ہے۔

مدتِ دراز سے عوام کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا رہا ہے کہ بینکوں میں روپیہ جمع کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ جائز ہے تو بینکوں میں روپیہ جمع کرنے پر جو زائد رقم بنام سود ملتی ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں میرے ابتدائی دور سے لے کر اب تک خود میرے پاس ہزاروں سوالات آچکے ہیں، جن کے مجمل و مفصل جوابات بھی دیے گئے ہیں۔ آج سے تقریباً تیس سال پہلے میرا ایک فتویٰ قدرے مفصل ماہنامہ ’’پاسبان‘‘ الٰہ آباد میں چھپ چکا ہے، پھر چند سال پہلے جامعہ اشرفیہ کے ترجمان ماہنامہ ’’اشرفیہ‘‘ میں بھی چھپا ہے مگر چوں کہ ان رسائل کو سب مسلمان نہیں پڑھتے، اس لئے اس سلسلے میں سوالات کی رفتار اب بھی وہی ہے۔ اس خصوص میں چونکہ دیوبندی جماعت دہرا کردار ادا کر رہی ہے اس لئے قدرے خلفشار بھی رہتا ہے۔ دیوبندی جماعت کے مفتی صاحبان یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ:

حکومت اور غیر مسلموں کے بینکوں میں بھی روپیہ جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود ہے اس کا لینا حرام ہے۔ لیکن ان کے مذہبی اداروں نیز ان کے عوام و خواص کے سرمائے

بینکوں میں جمع ہیں، اور اس پر ملنے والی زائد رقم کو یہ لوگ لیتے بھی ہیں۔
یہ عجب دینداری ہے، فتویٰ کچھ، عمل کچھ۔ دوسری طرف بینکوں میں روپے جمع کرنا اس زمانے میں ضروری بھی ہے کہ گھروں میں روپے رکھنے پر چوری کا ظن غالب ہے، خدا ناترسی کی وجہ سے اب حال یہ ہوگیا ہے کہ بیویاں شوہروں کے روپے اور شوہر بیویوں کے روپے، اولاد ماں باپ کے روپے، بھائی بھائی کے روپے چرانے کے قصے آئے دن سننے میں آتے رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ باہر کے چور اور ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا ہے، مال کے ساتھ جان کے بھی لالے پڑے رہتے ہیں، ورنہ یہ بہت آسان تھا کہ لوگوں کو ہدایت کی جاتی کہ بینکوں میں روپے جمع نہ کریں بلکہ روپیوں کی چاندی اور سونا خرید کر گھر میں رکھ لیں، جس میں عظیم منفعت بھی ہے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس موضوع پر تفصیل کیساتھ لکھا جائے اور اس کے ہر پہلو پر ایسی واضح بحث کردی جائے کہ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے، بحمدہ تبارک وتعالیٰ مفتی صاحب موصوف نے اپنی خداداد ذہنی وعلمی توانائیوں سے بھرپور کام لے کر اس مسئلے کو اتنا مجلیٰ اور منقح کردیا ہے کہ ایک دیندار منصف کے لئے اس میں کلام کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ مولیٰ عزوجل انہیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس سلسلے میں یہ نکتہ کتاب کے مطالعے سے پہلے ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ سود حرام قطعی ہے، اس کے حلال ہونے کا قائل کافر، مرتد، اسلام سے خارج ہے، اس کا لینا بھی حرام، دینا بھی حرام، اس کا گواہ ہونا بھی حرام، اس کی دستاویز لکھنا بھی حرام۔

حدیث میں فرمایا گیا:

لعن اللہ اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال: ھم سواء.

اللہ عزوجل نے سود کھانے والے، اس کے کھلانے والے، اس کے گواہ اور کاتب پر لعنت فرمائی۔ اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔

یہ اتنا سخت حرام ہے کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.

اگر سود لینا نہیں چھوڑتے تو یقین کرلو کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کا۔

لیکن کیا چیز سود ہے، کیا نہیں؟ یہ عہد صحابہ ہی سے بہت پیچیدہ اور معرکۃ الآرہ رہا ہے حتی کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قبض ولم یفسرها لنا.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور ہمارے لئے سود کی کامل تفسیر نہیں فرمائی۔

احادیث میں صرف چھ چیزوں کے بارے میں تصریح ہے کہ ان میں سود ہے۔ سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور، نمک، تواب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان چھ چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز میں سود نہیں؟

اس کے جواب میں سارے فقہا بالاتفاق یہ فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور چیزوں میں بھی سود ہے۔ لیکن سود ہونے کی بنیاد کیا ہے، اس بارے میں ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف رہا اور بہت معرکۃ الاراء ابحاث ہوئی ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سود کی بنیاد، قدر و جنس میں اشتراک ہے یعنی بدلین ایک جنس کے ہوں اور ساتھ ہی دونوں مکیل ہو یا موزون ہوں، بناءً علیہ اختلاف جنس کی صورت میں سود نہیں۔ اسی طرح جو چیزیں مکیل و موزون نہیں ان میں بھی سود نہیں اگر چہ ایک ہی جنس کی ہوں، مثلاً گن کے بکتی ہوں یا گز سے ناپ کر بکتی ہوں، جیسے انڈا اور کپڑا، ایک ہی جنس کا کپڑا ایک گز کے عوض دو گز لینا سود نہیں، ایک ہی پرند کا انڈا ایک کے عوض میں دو لینا سود نہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علت ربوا، طعم اور ثمنیت ہے یعنی وہ سونا، چاندی ہو یا از قسم غذا ہو، اب ان کے یہاں ایک انڈا کے عوض دو انڈا لینا سود ہوگا مگر ایک ہی جنس کے ایک گز کپڑے کے عوض دو گز کپڑے لینا سود نہ ہوگا۔

اس تفصیل سے میری غرض یہ ہے کہ سود کی حرمت قطعی ہوتے ہوئے بھی اس کے جزئیات کا تعین بہت مشکل کام ہے، اور یہ کام نہ عوام کے بس کا ہے اور نہ غیر مسلم ماہرین معاشیات کا۔ اس لئے ہر وہ چیز جس کو غیر مسلم ماہرین معاشیات یا عوام سود کہیں یا سمجھیں

اس کا سود ہونا ضروری نہیں۔ اس نکتے کو اچھی طرح ذہن میں رکھ کر پوری کتاب پڑھیں پھر آپ پر روشن ہو جائے گا کہ حکومت اور غیر مسلموں کے بینکوں میں روپیہ جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے، وہ حرام ہے یا مباح وطیب۔

اس سلسلے میں عوام اہل سنت سے یہ خصوصی گزارش ہے کہ جس طرح قادیانی ایک الگ مذہب ہے اور رافضی ایک الگ مذہب ہے، اسی طرح دیوبندی ومودودی بھی اہل سنت وجماعت کے علاوہ ایک الگ مذہب ہے، جس طرح قادیانی مولویوں یا رافضی مجتہد کا قول اہل سنت کے لئے سند نہیں، اسی طرح دیوبندی مولویوں، مودودی مسٹروں کے وہ اقوال جو مسلک اہل سنت کے خلاف ہوں عوام کے لئے لائق توجہ نہیں۔

اس کتاب کے مصنف جناب مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی زید مجدہم کا مولد ضلع دیوریا کا ایک غیر معروف گاؤں "بھوجولی پوکھرا ٹولہ" ہے۔ ۲/مارچ ۱۹۵۷ء کو ایک بجے شب میں ان کی پیدائش ہوئی، مقامی وغیر مقامی مختلف مکاتب ومدارس میں تحصیل علم کرتے رہے، مگر مولانا عزوجل نے ان کو کسی اور ہی کام کے لئے ازل ہی سے منتخب کرلیا تھا۔ اس لئے سعادت ازلی انہیں کھینچ کر اہل سنت کی سب سے عظیم اور سب سے زیادہ بافیض درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور لائی، یہاں انہوں نے شوال ۱۳۹۶ھ تا شعبان ۱۴۰۰ھ چار سال تک بہت محنت وجانفشانی کے ساتھ تعلیم حاصل کی، گورنمنٹی کالجوں اور اسکولوں سے سیکھ کر دینی درسگاہوں کے طلبہ بھی ترقی پسند بننے کے شوق میں اپنے اوقات کو ضائع کرتے رہتے ہیں۔ میں جب جامعہ اشرفیہ میں آیا تو میرے متصل ہی کمرے میں رہتے تھے، میں نے انہیں طالب علمی ہی کے زمانے سے دیکھا اور پرکھا۔

جب یہ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں فارغ ہو گئے تو ان کے سر پر ہوش مندی کے درخشاں ستارے کو میرے علاوہ اس وقت کے ارباب حل وعقد نے بھی دیکھا۔ میرے مبارکپور پہنچنے کے بعد دار الافتاء کا کام بہت آگے بڑھ گیا تھا، دار الافتاء میں بھی ایک آدمی کی ضرورت تھی، میری درخواست پر ارباب حل وعقد نے انہیں تدریس اور افتاء دونوں کام پر مشترک رکھا۔ اور اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ میں نے یا ارباب حل وعقد نے انہیں منتخب کرنے میں کوئی

غلطی نہیں کی تھی، بلکہ ایسا انتخاب کیا تھا جو بالکل صحیح اور بجا تھا۔ تدریس اور افتا دونوں شعبوں میں یہ ہر طرح کامیاب رہے۔ شعبہ افتا میں ان کی کامیابی کی دلیل یہ کتاب تو ہے ہی، ان کے ہزاروں فتاوی ہیں اور ان کی دوسری تصانیف بھی۔

اس وقت جب کہ میں بہ تقاضائے سن اضمحلال قویٰ وضعف بصارت کی وجہ سے نیز بعض شدید ترین ذہنی الجھنوں کی وجہ سے اہم فتاوی لکھنے سے معذور ہوں، یہی اس قسم کے تمام اہم فتاوی لکھتے ہیں، اور جو کچھ بھی لکھتے ہیں بہت غور وخوض، کامل مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں، جس سے مجھے ان پر مکمل اعتماد ہے، اور انشاء اللہ تعالیٰ رہے گا۔

دیوبندیوں نے ایک ادارہ ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کے نام سے قائم کیا ہے، جس کا مرکز دلی میں ہے، جس میں نئے مسائل پر ہر سال وہ ایک اجتماعی اجلاس کر کے بہت منظم طریقے سے سیمینار کرتے ہیں۔

اس سیمینار میں شرکت کا دعوت نامہ میرے نام بھی مسلسل آتا رہتا ہے، اور عزیز موصوف کے نام بھی آتا ہے، ابتدا میں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی، لیکن پھر خیال آیا کہ اس میں ہماری جماعت کے مفتی صاحبان کو بھی شریک ہونا چاہئے۔ چنانچہ ہم سب کی رائے سے اس کے تیسرے فقہی سیمینار میں عزیز موصوف شریک ہوئے جو دار العلوم سبیل الرشاد بنگلور میں ۸ر تا غایت ۱۱ر جون ۱۹۹۰ء کو ہوا تھا۔ جس میں تقریباً ڈھائی سو دیوبندی علماء شریک تھے، ان میں سے چند اہم شخصیتیں یہ ہیں: مولانا مجاہد الاسلام قاسمی قاضی اڑیسہ وبہار، مولانا برہان الدین سنبھلی ندوہ لکھنؤ مولانا تقی عثمانی کراچی پاکستان، اس سیمینار میں ایک بہت اہم شخصیت ڈاکٹر محروس المدرس کی بھی تھی جو بغداد شریف کے باشندے اور عراق شریف کے ماہر فقہ اسلامی تھے۔ اس سیمینار کا ایک اہم موضوع تھا:

''اسلامی بینکوں کے اخراجات کیسے پورے ہوں''

اس پر قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے ایک مقالہ لکھا تھا، جس میں انہوں نے یہ فیصلہ کر دیا تھا:

قرض کی وجہ سے ہونے والے واقعی اخراجات مقروض سے لینا جائز ہے۔ جیسے وہ

منی آرڈر، یا قاصد کے ذریعہ قرض ادا کرے، تو اسے منی آرڈر اور قاصد کے اخراجات کے واقعی اخراجات دینے پڑتے ہیں۔

تقریباً تمام علمائے دیوبند نے اس کی تائید کردی، جب عزیز موصوف اس پر بحث کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو اس دلیل کا تجزیہ کرکے اس کے سارے بخئے ادھیڑ دیئے۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ حاضرین میں جواب تک رائے نہ دے سکے تھے، وہ ان کے ساتھ ہوگئے۔ یہی نہیں بلکہ جو پہلے قاضی مجاہد الاسلام صاحب کی تائید کرچکے تھے، ان کی اکثریت رجوع کرکے ان کی ہم نوا ہوگئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی فیصلہ اس وقت تک نہ ہوسکا، اور اس پر مزید غور وخوض کرنے کے لئے اہم افراد کی ایک کمیٹی بنادی گئی جس کے ایک رکن عزیز موصوف بھی تھے۔

اس کمیٹی کی پہلی نشست میں مفتی احمد سعید پالن پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند اور دوسرے فضلا نے قاضی صاحب کے موقف کی تائید میں کچھ جزئیات پیش کیے، جن کا جواب انہوں نے فوراً دیا، یہ نشست بھی بغیر کسی فیصلے کے برخواست ہوگئی۔ اس کے بعد دوسری نشست میں عزیز موصوف نے بیع حقوق وبیع مرابحہ کے زیر عنوان لکھے ہوئے اپنے مقالات پڑھے جسے سن کر تمام حاضرین دم بخود ہوگئے۔ قاضی میسور مولانا سعود عالم قاسمی نے بالخصوص بیع مرابحہ والے مقالے کو بے حد سراہا۔

دوسرا مسئلہ اس سیمنار میں "بیع حقوق" پر منعقد ہوا تھا۔

اس عنوان پر ماہر فقہ اسلامی عراق ڈاکٹر محروس المدرس بغدادی صاحب نے عربی میں ایک مبسوط مقالہ پڑھ کر سنایا، اس میں انہوں نے مال کی تعریف کے ضمن میں اس پر بہت زور دیا تھا کہ مال کی ایک تعریف کے اعتبار سے مال کا مادی ہونا ضروری نہیں، اس لئے حقوق ومنافع بھی مال ہیں۔ لہذا ان کی بھی بیع صحیح ہے، ان کے اس مقالے کو تمام شرکائے سیمنار نے بہت زیادہ پسند کیا، اور بہت تعریف کی۔ لیکن عزیز موصوف نے تنہا اس پر یہ تنقید کی کہ مال کی یہ تعریف ظاہر الروایہ اور مذہب مختار کے خلاف ہے۔ جامع الرموز میں اس کی واضح صراحت موجود ہے، تو ان کی اس تنقید پر سوائے ڈاکٹر موصوف اور قاضی مجاہد الاسلام

کے کوئی کچھ بول نہ سکا۔ یہ لوگ کچھ بولے جن کے معقول جوابات عزیز موصوف نے دیے۔

اسی ادارے کا چوتھا فقہی سیمینار دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد دکن میں ۹ رلغایت ۱۲ راگست ۱۹۹۱ء میں منعقد ہوا، جس میں بھی اکابر علمائے دیو بند نے شرکت کی۔ خصوصیت کے ساتھ غیر منقسم ہندوستان کے دیوبندی جماعت کے سب سے بڑے محقق تقی عثمانی کراچی پاکستان بھی موجود تھے، اس سیمینار کا موضوع تھا:

''دوملکوں کی کرنسیوں کا اُدھار تبادلہ جائز ہے یا نہیں؟''

اس سیمینار میں سب سے پہلے مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنا مقالہ پڑھا، اس میں انہوں نے ثابت کیا کہ دوملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ جائز ہے، ان کے مقالے کی شرکائے سیمینار نے عام طور پر تائید کی۔

عزیز موصوف نے ان کے موقف کے خلاف دلائل و براہین سے بھر پور ایک محققانہ تقریر کی، جس پر مفتی تقی عثمانی صاحب نے کچھ دیر تبادلہ خیال کیا، اخیر میں وہ خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگے۔

قاضی مجاہد الاسلام نے جب یہ رنگ دیکھا تو یہ کہہ کر بات ختم کردی کہ اب اس مسئلے میں کتابوں کی طرف مزید مراجعت کرکے گفتگو ہوگی۔

پھر دو دن میں تقی عثمانی صاحب سے عزیز موصوف کی اس مسئلے پر دو مرتبہ گفتگو ہوئی جس سے متاثر ہوکر تقی عثمانی صاحب نے دار العلوم ندوۃ العلماء کے مدرس برہان الدین سنبھلی صاحب سے کہا کہ میں اپنے موقف سے رجوع کرتا ہوں اور ان کا یہ رجوع جلد مشتہر ہوگیا۔

لیکن سیمینار کی آخری نشست میں جب فیصلہ سنایا گیا تو عزیز موصوف کے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے بر بنائے ضرورت جواز کا حکم دیا گیا، جس کی سب نے تائید کردی۔ لیکن تنہا عزیز موصوف نے اسے تسلیم نہیں کیا، اور دلائل سے ثابت کردیا کہ ضرورت متحقق نہیں۔ مولانا برہان الدین نے عزیز موصوف کی تائید کی، مولانا تقی عثمانی چپ چاپ خاموش سنتے رہے، پورے مجمع میں سے کسی نے بھی ان کے دلائل کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس سیمینار میں جنرل انشورنس اور لائف انشورنس کے مسائل بھی زیر بحث آئے، شرکاء نے مختلف قسم کی

رائیں پیش کیں۔ پھر عزیز موصوف نے اپنی باری میں سب سے الگ تھلگ ایک منفرد رائے پیش کی، جسے ناقابل انکار دلائل و براہین اور شواہد سے ثابت کر دیا، جس پر تمام مجمع انگشت بدنداں تھا۔ ہر طرف سے صدائے تحسین بلند تھی۔

قاضی مجاہد الاسلام نے اسے تحریری شکل میں لکھنے کو کہا انہوں نے تحریر کر کے دے دیا جو مجلہ "فقہ اسلامی" میں شائع ہو چکا ہے۔

جون ۱۹۸۶ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تین روزہ سیمینار منعقد ہوا۔ جس کا موضوع تھا "مدارس اسلامیہ میں سائنس کی ضرورت" جس میں یونیورسٹی کے بہت سے پروفیسر و دانشور صاحبان شریک ہوئے۔ اس سیمینار میں عزیز موصوف کی تقریر کو سب نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ آخر نشست کی صدارت آنجہانی مولانا تقی امینی نے کی، یہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے صدر تھے۔ انہوں نے مدارس کے نصاب اور اساتذۂ مدارس کے خلاف آدھے گھنٹے تک تقریر کی۔ علی گڑھ کے اساتذہ میں سے کچھ نے پسند کیا اور کچھ نے ناپسند۔ شرکا میں جو علما تھے، ان سب نے اسے ناپسند کیا لیکن تقی امینی کے خلاف لب کشائی کی کسی کو جرأت نہ ہوئی، بالآخر عزیز موصوف نے بیس منٹ تک ایک سنجیدہ تقریر کی جس میں ان کی تمام باتوں کا جواب دیا، اور ان کے نامناسب انداز خطاب پر تنقید بھی کی، جس سے متاثر ہو کر انہوں نے سب سے معافی مانگی۔

اس کا اثر مندوبین پر یہ پڑا کہ سب نے ان کی تعریف و توصیف کی۔ سیمینار ہال سے باہر نکلنے کے بعد تمام شرکا نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ موصوف کی جرأت، زور بیان، طرز استدلال پر ہر چہار طرف سے داد و تحسین کی آوازیں آتی رہیں، اس کے بعد دو دن تک عزیز موصوف وہاں رہے، جس طرف سے گزرتے لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے، اور بڑی وارفتگی کے ساتھ داد دیتے۔

میں نے مفتی صاحب موصوف کے بارے میں یہ چند باتیں اس لئے ذکر کر دی ہیں کہ اب علما کے پہچاننے کا معیار بدل چکا ہے۔ اب سب سے بڑے عالم ہونے کی نشانی شعلہ بیانی یا پیر زادگی ہے، عوام تو عوام خواص تک حقیقی علما کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش نہیں

کرتے۔ حالانکہ علماء کی معرفت، ان کی قدر دانی، ان کی عزت، ان کا احترام دین کی بقا کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے میں نے ضروری جانا کہ عزیز موصوف کا تعارف کرادوں۔

عزیز موصوف کئی ایک اہم کتابوں کے مصنف بھی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ۔ کتاب وسنت کی روشنی میں (زیر تالیف)

۲۔ لاؤڈ اسپیکر کا شرعی حکم (مطبوعہ)

۳۔ عصمت انبیاء (مطبوعہ)

۴۔ عظمت والدین (مطبوعہ)

۵۔ کمیشن پر صدقات کی وصولی اور اس کا شرعی حکم (غیر مطبوعہ)

۶۔ مبارک راتیں (مطبوعہ)

۷۔ جدید بینک کاری اور اسلام

مسئلہ لاؤڈ اسپیکر پر عزیز موصوف نے جمہور اکابر واصاغر سے اختلاف رائے کیا ہے مگر یہ اختلاف نیک نیتی، مسلمانوں کی خیر خواہی، اور اپنی سمجھ کے مطابق دلائل وبراہین کی بنیاد پر کیا ہے۔ اس لئے اس میں بھی وہ مستحق ثواب ہیں۔ پھر اصل میں ان کی یہ کتاب علمائے معتمدین کے لئے لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں خود اس سے متفق نہیں مگر پھر بھی موصوف کی تحقیق وتطبیق اور دلائل وبراہین کی فراہمی کی جدوجہد پر تحسین ضرور پیش کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ ایزد متعال ان کو صحت وتوانائی عطا فرمائے، ان کی عمر کو دراز فرمائے، ان کے فیض کو عام وتام کرے، ان کے ذہن، قلم، زبان کو خطا سے محفوظ رکھے، اور صواب کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد شریف الحق امجدی

۲۱ر شوال ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۳ر اپریل ۱۹۹۳ء (شب چہار شنبہ)

(جدید بینک کاری اور اسلام، ص)

تقدیم

نام کتاب: شیئر بازار کے مسائل

مصنف: مفتی محمد نظام الدین رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اہم شعبہ مجلس شرعی کے پہلے سیمینار (منعقدہ: ۱/۵/۱۴۱۴ھ تا ۴/۵/۱۴۱۴ھ / ۱۸/۱۰/۱۹۹۳ء تا ۲۱/۱۰/۱۹۹۳ء) میں بحث کے لئے تین موضوعات منتخب کیے گئے تھے۔

۱۔ الکحل آمیز دواؤں کا حکم۔

۲۔ لائف انشورنس و جنرل انشورنس۔

۳۔ شیئر بازار کے مسائل۔

دو پہلے والے موضوعات پر پوری بحث و تمحیص ہوئی اور آخری فیصلے کے لئے انہیں "فیصل بورڈ" کے حوالے کیا گیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ فیصل بورڈ نے ان دونوں پر اپنا اخیر فیصلہ صادر فرما دیا، جس سے آپ حضرات کو بہت پہلے مطلع کیا جا چکا ہے۔

"شیئر بازار کا مسئلہ" طویل بھی ہے، اور بہت پر پیچ بھی۔ مجلس شرعی کے پہلے سیمینار کی آخری نشست میں اس پر تھوڑی سی بحث ہوئی مگر وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کو دوسرے سیمینار کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

مجلس شرعی کا دوسرا سیمینار ۱۸ تا ۲۱ رجب ۱۴۱۵ھ / ۲۳ تا ۲۶ دسمبر ۱۹۹۴ء کو ہوا، جس میں مسئلہ "شیئر بازار" پر کافی بحث ہوئی، لیکن ان سب کے باوجود کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا اور بالآخر تیسرے سیمینار کے لئے پھر اس کو ملتوی کر دیا گیا۔

قصہ اصل یہ ہے کہ دنیا میں سرمایہ داروں نے غریبوں کا خون چوسنے کے لئے

جو بہت سے طریقے ایجاد کر دیئے ہیں، ان میں سب سے خطرناک طریقہ ''سود'' ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے سود کے انسداد کی بھرپور کوشش فرمائی ہے، ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ (البقرہ: پ ۳)

ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے آسیب نے چھو کر مخبوط کر دیا ہو۔

اور فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۔ (البقرۃ: ۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم مسلمان ہو، پس اگر ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کا یقین کر لو۔

ایک ایمان والے کے لئے اس سے سخت وعید اور کچھ نہیں ہو سکتی اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لڑائی کی کسے ہمت ہے؟ احادیث کریمہ اس باب میں بہت کثرت سے وارد ہیں، اور سود خوار کے لئے جو دردناک عذاب مقرر ہے، وہ سب تفصیل سے مذکور ہے حتی کہ احادیث میں یہ بھی فرمایا گیا کہ:

سود کھانے والے کھلانے والے، اس کے کاتب اور اس کے گواہ پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی۔ (مشکوۃ المصابیح ص: ۲۴۴۔ رواہ مسلم)

غرضیکہ سودی کاروبار کے بالکلیہ استعمال کے لئے اسلام نے سخت سے سخت تر وعیدیں فرمائیں، اور اس کے لئے کسی قسم کی گنجائش نہیں چھوڑی حتی کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع قطعی ہے کہ جو سود کو حلال جانے وہ کافر ہے، مسلمان نہیں۔

لیکن عجیب بات ہے کہ اسلام نے سود کے خلاف جتنی سخت روش اختیار کی۔ دوسرے مذہب والے مثلاً ہندو نصاریٰ، یہود اس کے برخلاف سود کو رواج دینے میں نہایت

کوشاں رہے، اور اب یورپ نے اپنی سیاسی بازی گری اور چال بازی سے پوری دنیا پر اپنا معاشی نظام اس طرح مسلط کر رکھا ہے کہ اس کی کوئی امید نظر نہیں آتی کہ اس معاشی پھانسی کے پھندے سے دنیا کبھی نکل پائے گی، پھر اس نے قسم قسم کے نئے نئے عنوانات سے خوش نما نام دے دے کر سود اور جوئے کی ایسی ایسی قسمیں ایجاد کر دی ہیں کہ اس کے جال میں پوری دنیا گرفتار ہے۔

انہیں تباہ کن قسموں میں ''شیئر بازر'' بھی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں اس کی وبا اتنی عام ہے کہ عوام کو اس سے بچانا مشکل ہے۔ حد یہ ہے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ اس میں سودی لین دین ہے تو وہ ماننے کو تیار نہیں مگر اس گھپ اندھیرے میں کچھ اللہ والے ایسے بھی ہیں، جنھیں احساس ہوا اور انہوں نے علمائے کرام کی طرف رجوع کیا، جس کے نتیجے میں یہ مسئلہ مجلس شرعی کا موضوع بنا بحث و تمحیص اور سوال و جواب کا سلسلہ مستقل جاری ہے۔ یہ تو بہت آسان تھا کہ آنکھ بند کر کے اس کو حرام کہہ دیا جاتا، لیکن اس میں دو بڑی خرابیاں ہیں۔

(۱) ایک یہ ہے کہ اگر واقع میں یہ حرام نہیں تو ایک حلال کو حرام کہنے کا وبال سر پر ہوتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ عامۂ بلاد و امصار کے مسلمانوں کو بلا وجہ سود خور، فاسق و فاجر کہنا لازم آتا۔

اسی طرح یہ بھی بہت آسان تھا کہ اسے مطلقا جائز کہہ دیا جاتا جیسا کہ بعض اونچی دوکان والوں نے کیا ہے لیکن اس میں یہ سقم ہے کہ اگر واقع میں یہ حرام و سود ہے تو اسے حلال کہنا گویا سود کو حلال کہنا ہوا۔

اس لئے مجلس شرعی نے اس پر گفتگو کو جہاں تک ممکن ہوا، دراز کیا، اور فیصلہ کرنے میں تاخیر کی، صحیح فیصلہ دیر میں کرنا بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ جلدی فیصلہ کیا جائے اور غلطی کی جائے۔

ہمارے سامنے اشکال اصل یہ ہے کہ قرآن مجید نے سود کو حرام فرمایا۔ مگر سود کیا ہے؟ اس کی تفصیل ذکر نہیں فرمائی۔ احادیث میں صرف چھ چیزوں میں سود کا ذکر ہے۔ سونا، چاندی، کھجور، جو، گیہوں، نمک۔

ان چھ چیزوں کے علاوہ بقیہ چیزوں میں سود ہے یا نہیں ۔ اور ہے تو اس کا معیار کیا ہے، یہ منصوص نہیں ۔ اسی وجہ سے بہت سی چیزوں کے بارے میں ائمہ کے درمیان سود پائے جانے اور نہ پائے جانے میں اختلاف ہوگیا، جیسے ایک انڈے کے عوض دو انڈے لینا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک سود نہیں مگر حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے یہاں سود ہے۔

پھر سود کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک ربوا الفضل یعنی کسی جنس کے عوض اس جنس کو کم وبیش لینا دینا، دوسرے ربوا النسیہ، یعنی جنس کو جنس کے عوض بیچنے اور خریدنے میں ادھار لگانا۔ مثلا سونے کو چاندی کے عوض بیچا، یا خریدا تو اگر چہ کمی بیشی جائز ہے مثلا ایک تولہ سونا کے عوض کو ایک کلو چاندی خریدیں یا بیچیں، مگر یہ جائز نہیں کہ ادھار بیچیں یا خریدیں، بلکہ اسی مجلس میں مبیع وثمن دونوں پر قبضہ ہوجانا ضروری ہے ۔ ایک اشکال یہ بھی درپیش ہے کہ اب سونا چاندی کے سکوں کا رواج نہیں، پوری دنیا میں نوٹوں کا چلن ہے، تو نوٹ چک ہے یا ثمن اصطلاحی اس بارے میں بھی علما کے مابین اختلاف رہا۔

یہ تو ہم پر اللہ عزوجل کا فضل عظیم ہے کہ اس نے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو اس زمانے میں پیدا فرمایا، جنہوں نے نوٹ کے مسئلے کو منقح فرمادیا، اور اپنی معرکۃ الآرا کتاب کفل الفقیہ الفاهم میں دلائل قاہرہ سے ثابت فرمادیا کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے، چک یا سند حوالہ نہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے علمائے مکہ معظمہ کے استفتا پر عربی زبان میں یہ رسالہ لکھا ہے جسے پڑھنے کے بعد وہاں کے اجلہ علمائے کرام نے بے ساختہ یہ کہا:

لو راٰه ابو حنيفة لقرت عينه وجعله من اصحابه .

ترجمہ: اگر اس رسالے کے لکھنے والے کو امام اعظم ابو حنیفہ دیکھتے تو ان کی آنکھ ٹھنڈی ہوتی، اور وہ انہیں اپنے اصحاب میں شامل کر لیتے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فیض سے یہ مرحلہ جو سب سے کٹھن اور سخت تھا، طے ہوگیا، لیکن اب بحث پھر وہیں لوٹ کر آجاتی ہے کہ شیئر بازار کے کاروبار میں سود ہے یا نہیں؟

سود کا معاملہ اتنا سخت ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ان آخر ما انزلت آیة الربوا وان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبض ولم یفسرھا لنا فدعوا الربوا والریبة. (رواہ ابن ماجة والدارمی)

ترجمہ: سب سے آخری آیت (معاملات سے متعلق) آیت ربا نازل ہوئی، اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی مفصل تفسیر نہیں بیان فرمائی، اور اسی حال میں آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ لہٰذا تم لوگ سود کو بھی چھوڑ دو، اور سود کا جہاں شبہہ ہو اسے بھی چھوڑ دو۔ (ابن ماجہ و دارمی)

تو اگر شیئر بازار میں سودی لین دین تو نہ ہو لیکن سود کا کوئی احتمال وشبہہ بھی ہو اگر چہ بعید، تو اس سے بھی بچنا لازم ہے۔

مجلس شرعی کی میز پر یہ مسئلہ مزید غور وفکر کے لئے رکھا ہوا ہے، مگر اعز ارشد جناب مولانا مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہم نائب مفتی جامعہ اشرفیہ، مبارکپور نے اس مسئلہ پر اپنی بساط کے موافق سیر حاصل بحث کر کے ایک حکم شرعی بیان کر دیا ہے، جس کا خلاصہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ:

ترجیحی حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری ناجائز اور مساواتی حصص کے ذریعہ جائز۔

ان کا مقالہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پڑھئے، اور غور کیجئے۔ اگر آپ کو کہیں کوئی خلجان ہو تو اس کو دور کرنے کے لئے ہم ہر وقت تیار ہیں۔

یہ مقالہ باخصوص بلکہ مفتیان کرام کی خدمت میں اس لئے پیش کیا جا رہا ہے کہ انہیں مزید غور وفکر کا موقع ملے، اور ہمیں بھی رہنمائی حاصل ہو، اگر اس کے خلاف کسی صاحب کی کوئی رائے دلائل شرعیہ کے ساتھ ہمیں ملے گی، اور قابل قبول ہوگی تو ہمیں اسے تسلیم کرنے میں کوئی عار نہ ہوگا۔

اس سلسلے میں بعض حضرات کی یہ تنقید بھی سننے میں آئی کہ اب یہ لوگ ہر چیز کو جائز کر دیں گے۔ ایسے حضرات سے ہماری مودبانہ گزارش ہے کہ وہ مجلس شرعی کے مذاکرات میں تشریف لائیں اور اپنی رائے عالی سے ہمیں مستفیض فرمائیں، ہم ان کے مشکور ہوں گے۔

انشاء اللہ شرکت کے بعد یہ شبہ باقی نہ رہے گا۔

پھر ہم پر یہ مہربانی ہے کہ ہم نے ہر چیز کو جائز کر دیا۔ بیمہ پالیسی کے سلسلے میں ہم نے زندگی کے بیمے کی اجازت دی وہ بھی مشروط۔ اس کے علاوہ مکان، دکان، کے بیمہ کو ہم نے ناجائز کہا ہے۔

غور کیجئے کہ اگر ہمیں یہی کرنا ہوتا تو مسئلہ شیئر بازار کے سلسلے میں ہم اتنی تاخیر نہ کرتے۔ طویل طویل مقالے گھنٹوں پورے تیقظ وحاضر دماغی سے سننا، پھر قابل تنقید باتوں کو ذہن میں محفوظ رکھنا، پھر ان پر مثبت ومنفی پہلو سے بحث کرنا، اس ہفت خواں میں ہمیں پھنسنے کی کیا ضرورت تھی؟! اگر ہمارا مقصود یہی ہوتا کہ ہم ہر چیز کو جائز کر دیں۔

غور کیجئے! اس موضوع پر بحث کرنے کے لئے آٹھ گھنٹے ہم نے پہلی مجلس میں صرف کئے پھر دوسری مجلس کے بھی آٹھ گھنٹے اس کی نذر ہوئے اور ابھی کتنے نذر ہوں گے، نہیں کہا جاسکتاہ۔

ہم اوپر بتا آئے کہ فیصلے میں جلدی کرنے کے کیا مفاسد ہیں۔ اخیر میں ہم ایک حدیث لکھنے کے بعد آپ سے رخصت ہو رہے ہیں۔

بخاری شریف جلد ثانی صفحہ ۶۰۹ پر یہ حدیث مذکور ہے:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سواد بن غزیہ کو خیبر پر عامل بنایا تو وہ عمدہ قسم کی جنیب (کھجور) لائے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ واللہ یا رسول اللہ! ہم اس کا ایک صاع دو صاع کے عوض اور اس کا دو صاع تین صاع کے عوض لیتے ہیں۔ تو فرمایا: ایسا مت کر۔ سب کو درم کے عوض بیچ، پھر درم کے عوض جنیب خرید۔

اب ہر شخص غور کرے، دونوں کا حاصل ایک ہی ہے، لیکن چوں کہ کھجور کو کھجور کے عوض زیادتی کمی کے ساتھ بیچنا سود ہے۔ اس لئے سرکار نے اس سے روک دیا، اور روپیوں کے عوض کھجور بیچنا سود نہیں۔ اور پھر ان روپیوں سے عمدہ کھجور خریدنا بھی سود نہیں۔ صرف عقد کی نوعیت بدل دینے سے سود سے نجات مل گئی۔

نیز حضرت بریرہ والا قصہ سب کو معلوم ہے کہ ان کے پاس صدقے کا گوشت آیا تھا، جس کے بارے میں حضور نے فرمایا:

هو لها صدقة، ولنا هدية.

یہ گوشت بریرہ کے لئے صدقہ ہے اور اگر بریرہ یہ گوشت ہمیں دے دے، تو یہ اس کی طرف سے ہماری خدمت میں ہدیہ ہوگا۔

یہاں ناظرین غور کریں! گوشت وہی ہے مگر ایک معمولی حیلے سے اس کا حکم بدل گیا۔

ان احادیث کی روشنی میں اگر علمائے کرام بہ ضرورت کسی سخت مرحلے میں کسی دلیل شرعی کی روشنی میں، وہ بھی ایسے مسئلے میں جس میں دیار و امصار کے مسلمان مبتلا ہیں کوئی حیلہ شرعی یا حل نکالیں تو یہ قابل مذمت نہیں بلکہ اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ یہ مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے ہے تو قابل ستائش ہے۔

الدين النصيحة . دین سراسر خیر خواہی ہے

میں دعا کرتا ہوں کہ رب متعال عزیز موصوف کو اس سعی اور عرق ریزی پر دارین میں بہترین صلہ عطا فرمائے۔ اور ان کی صحت، قوت، ذکاوت، فطانت، تفقہ کو روز افزوں کرے، اور ان کے فیوض و برکات سے مسلمانوں کو تادیر مستفیض فرمائے۔ آمین۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم

محمد شریف الحق امجدی

خادم الافتا، دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور

۱۱ر شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

(شیئر بازار کے مسائل)

تقریظ

حدیث نبوی۔ چند مباحث ومسائل

مصنفہ: مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

حدیث نبوی کی تفہیم وتشریح اور اس کے متعلقات علوم وفنون کی تدوین وتصنیف ہمیشہ سے اسلامی دانشوروں کا خصوصی دلچسپ اور مقدس موضوع رہا ہے۔ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب نے بھی اس کاروان سعادت میں جگہ پالی ہے۔

ڈاکٹر صاحب، صاحب قلم اور وسیع المطالعہ ہیں۔ آپ کے قلمی رشحات مضامین کی شکل میں ہندوستان کے مختلف جرائد ورسائل میں چھپتے رہتے ہیں، لیکن باضابطہ کتابی شکل میں آپ کی یہ اولین تحقیقی کوشش ہے، جس پر آپ کو پٹنہ یونیورسٹی سے اختصاص (P.H.D) کی ڈگری تفویض ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب، حضرت شارح بخاری کے ہم وطن ہیں اور مزید سعادت یہ کہ آپ کو حضرت شارح بخاری کے دسترخوان فضل وکمال سے خوشہ چینی کا بھی شرف حاصل رہا ہے۔ حضرت کے یہ تقریظی کلمات اسی سلسلہ فیض کی ایک اہم کڑی ہیں۔

گھوسی ضلع مئو کے مشہور سنی ادارہ جامعہ شمس العلوم کے شعبہ تدریس سے وابستہ رہتے ہوئے، وعظ وتبلیغ، تصنیف وتالیف اور تحقیق وجستجو کا سفر جاری رکھنے والے ڈاکٹر محمد عاصم صاحب کی ۱۲۸ر صفحات پر مشتمل یہ کتاب بیت الحکمت گھوسی نے ۱۹۹۰ء میں اپنے زیر اہتمام شائع کی۔ ۱۲ (مرتب)

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

اردو میں "احادیث نبوی کے تراجم اور تشریحات" یہ کتاب عزیز گرامی وقار جناب مولانا ڈاکٹر محمد عاصم صاحب اعظمی کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر انہیں پٹنہ یونیورسٹی نے پی ایچ ڈی کی ڈگری دی ہے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس موضوع پر ہنوز کوئی کتاب یا کوئی مقالہ لکھا نہیں گیا، یہ موضوع بالکل جدید ہے، لیکن بہت اہم ہے۔ نوآموز انشا پرداز کے لئے کسی بھی نئے موضوع پر کوئی تحقیقی مقالہ لکھنا کتنا مشکل ہے، اسے وہی لوگ جانتے ہیں جو تصنیف وتالیف سے کچھ شغف رکھتے ہیں۔

کچھ لوگ ترجمہ کو بہت آسان سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ وہی کہہ سکتا ہے جسے اس پُر خار وادی کے الجھاؤ سے واقفیت نہیں۔ ترجمہ کے لئے ضروری ہے کہ مترجم ان دونوں زبانوں سے کما حقہ واقف ہی نہیں بلکہ دونوں کا ماہر ہو۔ ساتھ ہی اسلوب کلام سمجھنے اور اس کی خوبصورت تعبیر پر قادر ہو۔ پھر یہ معاملہ احادیث نبویہ میں جاکر اہم اور مشکل ہوجاتا ہے۔ اور تشریح کا درجہ اس سے بھی دشوار ہے۔ پھر ان سب پر تبصرہ اور تنقید مزید دشوار اور مشکل ہے۔

مولانا موصوف نے اس پُر پیچ وادی میں قدم رکھا، اور اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ وہ کامیابی کے ساتھ منزل تک پہنچ گئے۔ یہ ان کی ذاتی کوشش، فطری استعداد وصلاحیت کی بیّن دلیل ہے۔ اس مقالہ کا کچھ حصہ چھپ رہا ہے جس کے مباحث ضروری اور اہم ہیں۔

احادیث کریمہ کی بنیادی حیثیت ایمان کے جز کی ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اللہ عزوجل کی توحید اور اس کی ذات وصفات کی کماحقہ تصدیق اور اقرار کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی رسالت کی بھی کماحقہ تصدیق واقرار نہ کرلے اور رسالت کی تصدیق کو لازم ہے کہ ان کے تمام اقوال وافعال کو واجب التسلیم اور برحق مانے اسی لئے ارشاد فرمایا:

انما حرم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كما حرم الله.

(مشكوة : ۲۹/ابوداؤد. دارمی. ابن ماجه)

بے شک جن چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حرام فرمایا ویسی ہیں جنہیں اللہ نے حرام فرمایا۔

اسی لئے قرآن میں فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (سورة نساء: آيت ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اسی بنا پر قرآن کریم میں جگہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنے ارشادات کریمہ بغور سننے، سمجھنے، محفوظ رکھنے اور پھر دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد فرمایا:

نضر الله عبدا سمع مقالتى فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه. (مشكوة: ص ۳۰)

اللہ تعالی اس بندہ کو سرسبز وشادات رکھے، جس نے میرے ارشادات کو سنا اور یاد کیا، اور محفوظ رکھا اور دوسرے تک پہنچایا۔ بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں، اور بہت سے فقہ کے حامل سے زیادہ فقیہ وہ ہے جس تک اس نے پہنچایا۔

حجۃ الوداع کے تاریخی اجتماع میں اعلان عام فرمایا:

فليبلغ الشاهد الغائب فرب مبلغ اوعىٰ من سامع. (مشكوة: ۲۳۳)

حاضر وغائب کو پہنچادے، بہت سے وہ لوگ جنہیں حدیث پہنچائی جائے گی پہنچانے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے۔

لیکن اس دور میں یورپ سے آئے ہوئے الحاد و زندقہ کے سیلاب میں بہنے والے منکرِ حدیث ہو چکے ہیں، جسے بقدر ضرورت موصوف نے اس مقالہ میں تحریر کیا ہے۔ اور ان وساوس کا بھرپور رد کیا ہے، جس سے ان کے ہذیانات کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے مشکل مسئلہ احادیث کی صحت، ضعف اور موضوع ہونے کا ہے۔ اسلام دشمن عناصر نے مسلمان بن کر مسلمانوں کو کس کس طرح نقصان پہنچایا ہے، اس کی داستان بہت طویل ہے۔ انہیں میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جھوٹی حدیثیں گڑھ کر پھیلا دی جائیں اور ان نا خدا ترسوں نے ایسا کیا بھی، اور جب یہ سلسلہ چل پڑا تو بہت سے اللہ والے بننے والوں نے بھی حدیثیں وضع کر کے پھیلانی شروع کیں۔ مگر چوں کہ یہ دین قیامت تک باقی رہنے کے لئے آیا ہے، اس لئے اللہ عزوجل نے اپنے کچھ مخصوص بندوں کو اس کام میں لگا دیا۔ جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے ایسے اصول وضوابط سے کام لینے والے ماہر خدا ترس تلامذہ کا ایسا دستہ تیار کر دیا، جس نے اپنی خداداد صلاحیت اور استعداد سے کام لے کر احادیث کے چہرے سے غبار ہٹا کر مجلیٰ و مصفیٰ کر دیا ہے، اور لاکھوں احادیث کے دفتر سے موضوع احادیث کو نکال کر الگ کر دیا۔ ان کی کوششوں کی بدولت ہمارے لئے آسان ہو گیا ہے کہ کسی حدیث کو صحیح، حسن، ضعیف، موضوع کہہ سکیں۔

فاضل مقالہ نگار نے اس حصہ پر پوری بحث کی ہے۔ ایجاز و اختصار کے ساتھ اس کے ہر پہلو کو واضح کر دیا ہے۔ اس ایجاز اور جامعیت کے ساتھ موضوع کو احاطۂ تحریر میں لانا فاضل مقالہ نگار کا قابل داد کمال ہے۔

یہ اصول وضوابط جن سے کام لے کر محدثین نے احادیث کو پرکھا ہے۔ ان کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ منکرین حدیث کے ہذیانات سے لوگوں کے تذبذب کو دور کیا جائے، ورنہ آج ان اصولوں سے کام لینے کی نہ کسی میں اہلیت ہے، اور نہ اجازت، آج پوری امت پر یہی واجب ہے کہ محدثین نے جن احادیث کو صحیح "حسن، ضعیف، موضوع"

کہا، اسے مان لیں، محدثین نے اس مفت خواں کی سرگردانی سے فارغ کردیا۔ انہوں نے جرح ونقد کے ذریعہ ساری حدیثوں کی حیثیت کو واضح کردیا۔ اب کسی حدیث پر نقد وتبصرہ کی مزید گنجائش نہیں رہی۔ آج بہت سے ناخداترس دین میں رخنہ اندازی کے لئے محدثین کرام کی تصریحات کے خلاف بہت سی احادیث پر یک طرفہ جرح کرکے انہیں ردی کی ٹوکری میں ڈال رہے ہیں۔ حالانکہ وہ احادیث مقبول اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں۔ جن کے نظائر میں نے "نزہۃ القاری شرح بخاری" کے مقدمہ میں ذکر کردیے ہیں۔

خلاصہ کلام: یہ مقالہ اپنے موضوع پر عمدہ، ٹھوس اور مدلل ومبرہن ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انداز بیان بہت شستہ، دل آویز، سلیس عام فہم ہے۔ طرز خطاب بہت شیریں ہے۔ کہیں بھی نازک سے نازک وقت پر لہجہ میں درشتی اور تلخی نہیں آنے پائی ہے۔ یہ فاضل مقالہ نگار کی جبلی متانت وسنجیدگی، مرنجاں مرنج سرشت کا ثمرہ ہے۔

فاضل مقالہ نگار مشرقی یوپی کے مشہور مردم خیز قصبہ گھوسی کے چشم وچراغ ہیں، جس خاک پاک نے صدر الشریعہ جیسا فقیہ، اہل سنت کو دیا۔ جن کا فیض پوری دنیا میں موسلا دھار بارش کی طرح برس رہا ہے۔ یہ انہیں کا فیض ہے کہ چھوٹے سے قصبہ میں سو سے زائد علما ہیں جن میں بہت سے ایسے ہیں جو عالمی سطح پر مرجع عوام وخواص ہیں۔ موصوف کا حضرت صدر الشریعہ سے رشتہ بھی ہے۔ ان کے والد ماجد مولانا الحاج محمد سالم صاحب امجدی متدین عالم ہیں۔ اور حضرت صدر الشریعہ سے بیعت ہیں۔ فراغت کے پیر ومرشد کے حکم سے (پالی راجستھان) میں مدرس ہوئے۔ اور اب تک وہیں جلوہ فرما ہیں۔

فاضل مقالہ نگار کی پوری تعلیم دار العلوم اہل سنت مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں ہوئی۔ اور اسی ادارہ میں ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے کام کررہے ہیں۔ مدرسین، طلبہ اور اراکین سب میں ہر دل عزیز ہیں۔ کم سخن ہیں، لیکن جب بات کرتے ہیں تو بہت دلچسپ معلومات افزا، مزاج میں قدرے شگفتگی ہے۔ مطالعہ کے شوقین ہیں۔ جن کا ایک وقیع ذاتی کتب خانہ بھی ہے۔ موصوف نے ذوق مطالعہ سے تدریسی مصروفیات میں بھی گورکھ پور یونیورسٹی سے بی اے، ایم اے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی ٹی ایچ، ایم ٹی ایچ کی

ڈگریاں حاصل کیں۔ اور پٹنہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس دور میں ان کی ذات بہت غنیمت ہے۔ یہ مقالہ ان کا نقش اول ہے۔ مقالے کا ایک حصہ چھپ رہا ہے۔ خدا کرے اسے قبول خاص وعام حاصل ہو، تا کہ پورے مقالے کے چھپنے کی راہ نکل آئے۔

دعا ہے کہ مولی عزوجل اس کتاب کو مقبول فرمائے۔ اس سے اپنے بندوں کو نفع پہنچائے اور مصنف کو دارین میں اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور آئندہ مزید علمی کتابیں لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

محمد شریف الحق امجدی

۱۵ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ ۹ جولائی ۱۹۹۰ء بروز شنبہ

(حدیث نبوی۔ چند مباحث ومسائل)

تقدیم

تذکرۂ خلفائے راشدین

مصنفہ: مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ وصحبہ

تذکرۂ خلفائے راشدین آپ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ کتاب جناب مولانا محمد عاصم صاحب اعظمی زید مجدہم نے بڑی محنت اور کاوش سے لکھی ہے۔ اس کتاب کے بہت سے اہم مقامات مجھے پڑھ کر سنائے گئے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس کتاب کی تصنیف میں عزیز ممدوح نے کافی محنت کی ہے۔ واقعات کے جزئیات بہت تفصیل کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں۔ طرز بیان بہت دل آویز اور عام فہم ہے۔ مجھے امید ہے کہ میری طرح کتاب ہذا کا مطالعہ کرنے والا ہر قاری اس کو پسند کرے گا خلفائے راشدین کا عہد، اسلام کا زریں عہد ہے جس نے اسلام کو عرب کے باہر عجم اور روم، افریقہ، خراسان بلکہ بعض روایات کے مطابق ہندوستان کے مغربی صوبے بلوچستان تک پھیلایا۔ اور مغرب میں افریقہ کے اکثر ممالک تک پہونچایا۔ اس عہد مبارک میں اسلام کا اتنے وسیع علاقوں میں پہونچنا بہت حیرت انگیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خلفائے راشدین کی روحانیت کا کرشمہ اور ان کی کرامت ہے۔

زیادہ تر فتوحات عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں حاصل ہوئیں۔ اس لیے ظاہر بیں نظریں ان کے عہد کو اسلام کے لیے بہت مبارک تصور کرتی ہیں لیکن حقیقت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو کارنامہ انجام دیا وہ سب پر بھاری ہے اور حقیقت میں ساری

کامیابیوں کی کلید ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اگر چہ چھوٹے سے جنوبی حصہ کو چھوڑ کر سارا عرب حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ کے وصال فرماتے ہی عرب کے بہت بڑے حصے میں بڑے بڑے خلفشار پیدا ہو گئے ۔ایک کثیر طبقہ مرتد ہو گیا اور بہت بڑے طبقے نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت پیدا ہو گئے بلکہ بعض مسیلمہ کذاب، اسود عنسی عہد رسالت ہی میں دعوی نبوت کر چکے تھے۔

اس داخلی انتشار پر قابو پانا آسان کام نہیں تھا، مانعینِ زکوۃ سے قتال کرنے کا جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے فیصلہ کیا تو عام صحابہ کے علاوہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی اور عرض کیا کہ جو لوگ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں ان سے آپ قتال کریں گے جب کہ رسول اللہ نے فرمایا جس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اس نے اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیا۔ حضرت صدیق اکبر نے بڑے جوش سے فرمایا۔ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگر بکری کا چھوٹا بچہ یا جانور باندھنے کی رسی دیتے تھے اور اب نہ دیں گے تو میں ان سے بھی قتال کروں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا ہے انہوں نے اپنے جان مال محفوظ کر لیے ہیں وہیں یہ بھی فرمایا الا بحق الاسلام مگر اسلام کے حق کی بنا پر، اور زکوۃ حق اسلام ہے۔ بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کو تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت صدیق اکبر نے جو فیصلہ فرمایا وہی حق ہے۔

اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے تین فریقوں کا مسئلہ تھا مانعینِ زکوۃ کی اصلاح، مرتدین کی اصلاح اور جھوٹے مدعیان نبوت کا قلع قمع کرنا، تاریخ شاہد ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تینوں محاذ پر مکمل کامیابی حاصل کی۔ سب سے بڑا مسئلہ مسیلمہ کذاب کا تھا۔ اس کے ساتھ بہت بڑی جمعیت تھی جو بڑے بہادر اور جنگجو تھے۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت جلد اس کا بھی خاتمہ کرا دیا اور پورا عرب سچا پکا مخلص مسلمان ہو گیا۔ جب پورے عرب میں امن و امان قائم ہو گیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک طرف ایران پر حملہ کرایا، دوسری طرف روم پر، اور پھر یہ سلسلہ کامیابی کے ساتھ

دراز سے دراز تر ہوتا گیا۔ بالآخر ایران کی مکمل فتح اور قیصر روم کے قسطنطنیہ بھاگ جانے پر اور ایشیائے کوچک کے سارے علاقے فتح ہونے پر مختتم ہوا، یہاں تک کہ اسلامی مجاہدین ایک طرف افریقہ کی طرف بڑھے، دوسری طرف خراسان، ہندوستان، افغانستان کے حدود میں داخل ہوگئے۔

خلفائے راشدین کی سوانح میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عہد مبارک بہت نازک ہے۔ حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ انتہائی مظلومی بے دردی کے ساتھ بھوکے پیاسے روزے کی حالت میں شہید کئے گئے۔ شہید کرنے والے پیچھے سے نقب لگا کر اندر آئے اور حضرت عثمان غنی کو شہید کر کے اسی راستے سے بھاگ گئے۔ ان کی شہادت کے بعد مصر کے فتنہ پرور محاصرین سب کے سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، ان کی فوج میں شامل تھے، بظاہر ہونا یہ چاہیے تھا کہ مولی المسلمین امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے قاتلین عثمان سے قصاص لیتے۔ لیکن وہ غائب تھے ان کا کہیں سراغ نہیں ملتا تھا قصاص کس سے لیتے۔ اس لئے اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کردار بے داغ ہے۔ رہ گئے محاصرین جو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی فوج میں شامل تھے وہ قاتل نہیں تھے، اور نہ ان کا منصوبہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو شہید کرنے کا تھا۔ ان کا دو مطالبہ تھا یا تو مروان کو ہمارے حوالے کیجیے یا خلافت سے دست بردار ہوجایئے۔ جہاں تک کہ خلافت سے دست برداری کا مسئلہ تھا یہ انتہائی لچر پوچ مطالبہ اور اس سلسلے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت دی تھی ان سے فرمایا تھا۔ اللہ تعالی تم کو ایک کرتا پہنائے گا۔ لوگ اس کو اتروانا چاہیں گے تم نہ اتارنا اور عقلاً اور سیاستاً بھی یہ بات غلط تھی کہ بلا جرم خلافت سے معزولی کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ عام محاصرین نہ قتل کرنا چاہتے تھے، نہ ان کا منصوبہ شہید کرنے کا تھا۔ اس لیے ان سب سے قصاص لینا شرعاً وعقلاً غلط تھا، نہ وہ قتل کے مجرم تھے نہ اس کی سزا کے مستحق، بہر حال قاتلین کے مفرور اور روپوش ہوجانے کی وجہ سے مولی المسلمین امیر المومنین علی مرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ قصاص نہ لے سکے۔

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک ہی میں ''ابن سبا'' یہودی کی

خفیہ تحریک، اسلام کو تباہ کرنے کے لیے کافی پھیل چکی تھی۔ ان بد ذاتوں نے پورے بلاد اسلامیہ میں یہ پروپیگنڈہ کر ڈالا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا ہے اسی لیے قصاص نہیں لے رہے ہیں اور سب بلوائیوں کو اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ غلط پروپیگنڈہ کارگر ہو گیا جس کے نتیجے میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین جیسے خونیں معرکے رونما ہوئے۔ جنگ جمل میں تو باہمی گفت و شنید سے غلط فہمیاں دور ہو چکی تھیں اور طے ہو چکا تھا کہ کل دونوں لشکر واپس ہو جائیں گے جب فتنہ پروروں نے دیکھا کہ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا تو انہوں نے طے کیا کہ ہم میں سے کچھ حضرت علی کے لشکر میں شریک ہو جائیں اور کچھ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے لشکر میں اور صبح کو جب کہ ابھی اندھیرا ہی رہے آپس میں لڑ پڑیں اور یہ شور مچائیں کہ دونوں فریق نے غداری کی۔ اسی کے مطابق ان شورش پسندوں نے عمل کیا اور لڑائی ہو گئی۔

اس اختلاف میں اس نقطہ پر خصوصی طور سے غور کرنا ضروری ہے کہ ایسی صورت میں جب کہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنے والے سب حضرت علی کے ساتھ ہیں اور یہ لوگ یہ پروپیگنڈہ بھی کر رہے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی کو شہید کروایا ہے تو جو لوگ دور دراز کے علاقوں میں رہتے ہیں ان کا غلط فہمی میں پڑ جانا کوئی حیرت کی بات نہیں۔ اور اس مسئلہ کے ازالے کے لئے یہ مطالبہ کہ ان بلوائیوں کو اپنے لشکر سے نکال دیں بظاہر کوئی غلط مطالبہ نہیں، لیکن چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ نہ تو یہ لوگ قاتل ہیں اور نہ قتل کے خواہش مند تھے اور نہ ان کا منصوبہ قتل کا تھا۔ اس لیے ان کو لشکر سے الگ کرنا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

حق بات یہ ہے کہ مخالفین پر لازم تھا کہ پہلے مولی المسلمین امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے پھر قصاص عثمان کا مطالبہ کرتے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ قصاص لینا خلیفۃ المسلمین اور اس کے نائب کا کام ہے۔ جب اہل شام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ہی نہیں مانتے تھے تو ان سے قصاص کا مطالبہ کرنا ہی غلط تھا۔ لیکن جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا کہ جب میری امت میں تلوار رکھ دی

جائے گی تو قیامت تک نہیں اٹھائی جائے گی۔۔۔۔ وہی ہو کر رہا۔ چودہ سو سال سے پوری امت جنگ وجدال، اختلاف وشقاق میں مبتلا ہے۔ مولی المسلمین امیر المومنین رضی اللہ عنہ اپنے موقف میں حق پر تھے۔ خلیفہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو اہل حل وعقد کا منتخب ہو یا خلیفۂ سابق کا ولی عہد ہو۔۔۔۔ خلیفۂ برحق کی اطاعت نہ کرنا بغاوت ہے اور خلیفۃ المسلمین کا اولین فرض ہے کہ بغاوت کو فرو کرے۔ مولی المسلمین امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی مبارک خلافت کے پورے ایام بغاوت فرو کرنے میں صرف کر دیے، اللہ تعالی انہیں اسلام ومسلمین کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔

بہر حال جہاں تک مجھے معلوم ہے خلفائے راشدین کی سوانح مبارکہ پر اہل سنت کی کوئی جامع کتاب نہیں۔۔۔۔ جناب مولانا محمد عاصم اعظمی زید مجدہم نے اس کمی کو پورا فرمایا۔۔ مولی عزوجل انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو عوام وخواص میں مقبول فرمائے، آمین۔

محمد شریف الحق امجدی

۱۲ ربیع الاول شریف ۱۴۱۹ھ

۷/۷/۱۹۹۸ء

(خلفائے راشدین۔ از مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)

مقدمہ

تذکرہ سید سالار مسعود غازی

مصنف: مولانا بدر القادری مصباحی

ہندوستان کے بت کدے میں، اسلام کی شعاعیں آئیں اور آج تک باقی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب تک دنیا باقی رہے گی موجود رہیں گی۔ تاریخ داں اتنا جانتا ہے کہ ہندوستان کے شمالی مغرب میں سب سے پہلے محمد بن قاسم اس خاکدان شرک پر ۹۳ھ میں اسلام کو لے آئے۔ پھر تقریباً تین سو سال کے بعد سلطان محمود غزنوی نے اسلامی اقتدار کا جھنڈا ایسا گاڑا کہ آٹھ سو سال تک کوئی اسے اکھاڑ نہ سکا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام کا وجود ایک فاتحین کا مرہون منت نہیں بلکہ ان اللہ والوں کا ہے جنہوں نے اپنی کیمیا اثر صحبت سے دلوں کی دنیا بدل ڈالی۔ فاتحین کی تلواروں نے بھارت ورش کے سورماؤں کے سر ضرور خم کر لئے مگر ان کے دلوں سے بتوں کی خدائی نہیں نکال سکے۔ یہ اولیائے کرام کا کارنامہ ہے، جنہوں نے ہندیوں کے دلوں میں نور ایمان کی جوت جگائی۔

ہمیں یہ کہنا ہے کہ دونوں ٹھیک کہتے ہیں۔ فاتحین نے سر خم کرائے۔ عرفا نے دل جیتے۔ یوں اسلام پھیلا، مگر اسلام کی اشاعت کرنے والوں میں کچھ ایسے بھی مردان باخدا کا تذکرہ ملتا ہے جو بیک وقت دونوں ہتھیاروں سے لیس تھے۔ تلواروں کی کاٹ ایسی تھی کہ جو اس کی زد پر آیا دونیم ہوا، نگاہ ایسی پُر تاثیر کہ جس پر پڑی وہ بندہ بے دام ہو گیا۔ انہوں نے تلواروں کی دھار سے سروں کو جھکایا اور نگاہوں کی مقناطیست سے دلوں کو موم کیا۔ انہیں پاک نہاد افراد میں سید سالار مسعود غازی شہید قدس سرہ بھی ہیں۔

سلطان محمود غزنوی کو قنوج سے پورب آنے کا موقع نہیں ملا۔ مگر ان کے باحوصلہ

بھانجے نے گنگ وجمن عبور کر کے گھاگھرا پار کیا اور کوہ ہمالہ کے دامن بہرائچ میں آکر دم لیا۔

طرہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ کوئی حکومت قائم کی نہ کہیں دارالسلطنت بنایا۔ بلکہ رہنے کے لئے ایک جھونپڑا بھی نہیں ڈالا۔ پوری زندگی خیمہ وخرگاہ میں گزاری۔ اس کے باوجود اسلام کی جڑیں اتنی مضبوط کردیں کہ آج آٹھ سو سال سے زائد گزرنے کے باوجود اپنی جگہ قائم ہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ہندوستان کی متداول تاریخیں اس عظیم مجاہد کے تذکرے سے خالی ہیں اگر کہیں کوئی ذکر بھی ہے تو سراسر ضمنی طور پر۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ بادشاہوں کی تاریخ لکھنے والے بادشاہوں سے صلہ پاتے تھے۔ غازی میاں کا مؤرخ کس دربار سے زرمحنت وصول کرتا۔ غازی میاں نے کوئی سلطنت نہیں چھوڑی کہ ان کے وارثین خزانہ شاہی کے صرفہ سے ان کی تاریخ مرتب کراتے۔ یہ تو سورج کنڈے کے کنارے جنگل میں بے یارو مددگار اس طرح شہید کیے گئے کہ سارے رفقا کا بھی صفایا ہوگیا۔ چند خدام نے انہیں کس مپرسی کی حالت میں سپرد خاک کیا۔ مگر سنت الہیہ جاری ہے کہ وہ اپنے نام پر فدا ہونے والوں کو ضائع نہیں ہونے دیتا قدرت نے اپنی طرف سے ان کے زندہ جاوید رہنے کا وہ بندوبست کردیا کہ بڑے بڑے فریدوں کج کلاہوں کو بھی نصیب نہ ہوسکا۔ "فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً"

کیا غازی میاں کے آستانے پر فیروز شاہ تغلق، اورنگ زیب عالمگیر کی حاضری اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اگر فیروز اور عالمگیر، ہندوستان کے شہنشاہ تھے تو غازی میاں ان شہنشاہوں کے بھی شہنشاہ ہیں۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جس طبقہ کے ظالموں نے دھرم رکھشا کے نام پر غازی میاں کو شہید کیا اسی طبقہ کے لوگ سب سے زیادہ ان کے آستانے پر جبیں سائی کرتے ہیں۔ کیا دنیا کی پوری تاریخ میں کسی مظلوم کے خون میں یہ تاثیر پیدا ہوئی؟

دربار داری کرنے والے مؤرخین نے تو انہیں قابل اعتنا نہ جانا مگر جن کے سینوں میں غازی میاں نے ایمان کے انوار جگمگائے تھے انہوں نے غازی میاں کے احسان کو فراموش نہیں کیا۔ خود بھی یاد رکھا اور ان کی یاد بطور امانت اپنے وارثین کو سپرد کیا پھر انہوں نے

اپنے وارثین کو سپرد کیا۔ انشاء اللہ یہ سلسلہ قیامت تک یونہی جاری رہے گا۔

ہماری سب سے بڑے دینی درسگاہ "الجامعۃ الاشرفیہ" کے ترجمان ماہنامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر، موجودہ دور کے ابھرتے ہوئے صحافی "مولانا بدر عالم صاحب اعظمی" نے اہل قلم کی اس فروگذاشت کو بہ شدت محسوس کیا اور انہوں نے بڑی عرق ریزی، کدوکاوش سے کتب تاریخ کے متفرق اوراق پر جو منتشر مواد تھے ان کو اکٹھا کر کے یہ مختصر گلدستہ تیار کیا ہے۔ میرا وجدان کہہ رہا ہے کہ غازی میاں کی بارگاہ میں پیش کی جانے والی نذور میں، اس سے زیادہ وقیع اور کوئی نذر نہیں ہو سکتی۔

کاش کہ غازی میاں اپنی مزار مبارک کی چلمن سے جھانک کر اسے ایک نظر دیکھ لیں تو مولانا بدر عالم کی محنت وصول ہو جائے۔

ز چشمت آستیں بردار گوہر را تماشا کن

محمد شریف الحق امجدی

خادم الافتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور

۶ رذوقعدہ ۱۳۹۷ھ

(تذکرہ سید سالار مسعود غازی)

تقریظ

خطیب مشرق! حیات وخدمات

الحمد لولیه والصلوٰة والسلام علیٰ حبیبه واصحابه.

آپ کے ہاتھوں میں ''خطیب مشرق'' علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سوانح کے چند اوراق ہیں، جنہیں عزیز گرامی جناب مولانا ناصر انجم مصباحی زید مجدہم، استاذ دارالعلوم غریب نواز نے بہت محنت اور عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب ایسے وقت میرے پاس لائے کہ میں اختلاج اور دوران سر کی وجہ سے کسی کام کے لائق نہ تھا، مگر چوں کہ یہ الہ آباد سے اس کتاب پر میری رائے لکھوانے کے لئے شد رحال کرکے آئے تھے، اس لئے ہمت کرکے جستہ جستہ کہیں کہیں سے میں نے اسے پڑھا۔ عنوانات دیکھے اور ان کے تحت واقعات وشواہد پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے، اس کے پیش نظر یہ کہہ سکتا ہوں کہ جناب مولانا ناصر انجم مصباحی صاحب نے اپنی وسعت بھر اس کی پوری کوشش کی ہے کہ خطیب مشرق کی زندگی کے اہم پہلو اور ان کے حلیہ جمال کے تابناک نقوش اچھی طرح اجاگر ہوجائیں۔ اور میرا اندازہ ہے کہ وہ اس میں بہت حد تک کامیاب ہیں۔

اگر کسی کے حالات پر پہلے سے لکھی ہوئی کتابیں موجود ہوں تو ان کی سوانح عمری مرتب کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے، بخلاف کسی نامور، آفاق گیر شخصیت کی ابتدائی سیرت نگاری کے۔ چند کتابوں کو سامنے رکھ کر ان کو جمع کردینا، اتنا مشکل نہیں جتنا یہ کہ کسی شخص کی داستان حیات جو پوری دنیا سے متعلق ہو، جس کا رابطہ ایک عالم سے ہو جو مشائخ واساتذہ کا بھی محبوب ہو، ہم عصروں میں بھی عزیز ہو، جو اپنے چھوٹوں کا ملجا وماویٰ ہو، جو کروڑوں افراد کا مرجع عقیدت ہو، جس نے ملک کے کونے کونے میں فیض کے دریا بہائے ہوں۔

اس خصوصی نکتہ پر جب نگاہ ڈالی جائے تو مولانا ناصر انجم مصباحی زید مجدہم کا یہ کارنامہ بہت عظیم کارنامہ نظر آنے لگتا ہے۔ الفضل للمتقدم

علامہ نظامی نام تو ایک فرد واحد کا ہے مگر حقیقت میں وہ فرد واحد نہ تھے۔ پوری انجمن تھے، جو اپنے جلو میں علم وفضل، سیاست وتدبر، ارشاد وتبلیغ، کردار وگفتار، عزم محکم اور جہد مسلسل کی ایک دنیا آباد کئے ہوئے تھے۔ پیدا تو الہ آباد میں ہوئے مگر ان کے فیض کا بادل پوری دنیا پر مسلسل نصف صدی تک برستا رہا۔ شہر تو شہر، قصبات تو قصبات، دیہات تک جن سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ جس کے کام کی نوعیت ایک دو نہ ہو بلکہ وہ ہر میدان میں شہ سوار اور ہر طبقے کا قائد ہو۔ ایسی ہمہ گیر، پورے آفاق میں پھیلی ہوئی، پورے آفاق پر چھائی ہوئی شخصیت کی پہلی سوانح نگاری کے لئے سوانح نگار کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑے ہوں گے، کتنے ہفت خواں سر کرنے پڑے ہوں گے، یہ وہی جان سکتا ہے، جس نے اس وادی میں کبھی قدم رکھا ہوگا۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ فاضل سوانح نگار نے علامہ نظامی صاحب کے تعارف کا حق ادا کر دیا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ انہوں نے علامہ نظامی کی خدمت میں عقیدت وخلوص کا ایسا تحفہ پیش کیا ہے، جو سب پر بھاری ہے۔ بلکہ ہم اہل سنت پر عائد ایک فرض کفایہ کو ادا کر کے سبکدوش کر دیا ہے۔ یہ ان کا ہم سب پر احسان ہے۔

کتاب آپ کے پیش نظر ہے، اسے پڑھئے، تو آپ کو خود یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ مبنی بر حقیقت ہے، جس طرح یہ کتاب علامہ نظامی صاحب کی پہلی سوانح عمری ہے۔ اسی طرح سوانح نگار کی پہلی تصنیف ہے، مگر اس کے باوجود دل نشیں اسلوب بیان، حسن ترتیب، موضوع پر سیر حاصل گفتگو وغیرہ صوری ومعنوی اعتبار سے یہ کتاب بہت سے نقش ثانی سے بدرجہا بہتر ہے۔ میری دعا ہے کہ خدائے قادر وقیوم اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے اور طفیل میں اس کتاب کو عوام وخواص سب میں مقبول بنائے اور مصنف کو اس کی بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

علامہ نظامی صاحب کی سیرت مرتب ہوگئی، اور وہ بہت جلد منظر عام پر آبھی جائے گی۔ یہ ان کے عقیدت کیشوں پر ایک قرض تھا، جو ادا ہو گیا۔ مگر مجھے دو باتیں خصوصیت سے عرض کرنی ہیں۔

علامہ نظامی صاحب کی بے شمار یادگاروں میں سے ان کی دو سب سے عظیم واہم یادگاریں ہیں۔ ایک دار العلوم غریب نواز۔ دوسرے ان کی تصنیفات۔ انہوں نے یکہ وتنہا

دار العلوم غریب نواز قائم فرمایا۔ زمین خریدی، سنہ منزلہ فلک بوس عمارت بنوائی، اور انتہائی قابل، ذی استعداد، مخلص، قناعت پسند مدرسین بھی مہیا کیے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ دار العلوم غریب نواز تشنگانِ علوم دینیہ کا مرجع عقیدت ہے۔ اس دار العلوم کے فارغ علماء، حفاظ اور قراء ملک کے گوشے گوشے میں علم دین کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں۔ میری یہ آرزو ہے کہ ان کا یہ باغ صبح قیامت تک یوں ہی پھولتا پھلتا رہے۔ اور علامہ نظامی کا یہ چشمہ فیض رہتی دنیا تک تشنگان علوم دینیہ کا مرجع رہے۔ اب تک کے حالات سے میں پر امید ہوں کہ اس میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ علامہ نظامی صاحب کی مردم شناس نظروں نے اس کی نظامت کے لئے جناب مولانا انوار نظامی زید مجدہم کا انتخاب بلاوجہ نہیں کیا تھا۔ اب ان کے بعد ان کے جوہر کھل رہے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ انہوں نے علامہ نظامی صاحب کی امانت کا پورا پاس ولحاظ کیا، اوران کے بعد بھی اس کی آن بان شان کو جوں کا توں رکھا، اور انشاء اللہ آئندہ بھی یہی ہوگا۔ مجھے ان سے کچھ نہیں کہنا ہے البتہ علامہ نظامی صاحب کے کروڑوں عقیدت مندوں سے کہنا ہے کہ علامہ نظامی صاحب کی بارگاہ میں آپ کا انتہائی وقیع تحفہ یہ ہوگا کہ دار العلوم غریب نواز ان کی امیدوں کے مطابق دائم وباقی رہے۔

علامہ نظامی صاحب کی تصنیفات سے شکایت کی حد تک بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔ ان کی طباعت بند ہے۔ میری اپیل ہے کہ ان کے ارادت منداس طرف خصوصی توجہ دیں اور ایسی سبیل پیدا کریں کہ ان کی اشاعت کا غیر مختتم سلسلہ قائم ہوجائے۔ تصنیفات میں ان کے خون جگر کی آمیزش تو ہے ہی، یہ ان کے اعلیٰ دماغ وذہنی کاوشوں کے دُرّ شاہوار ہیں۔ انہیں ضائع کرنا ایک طرح سے علامہ نظامی صاحب کو ضائع کرنا ہے۔ اس لئے اس سے تغافل برتنا کسی طرح روا نہیں ہوسکتا۔ میری دعا ہے کہ علامہ نظامی صاحب کے متوسلین میری اس صدا کو صدا بصحرا نہ ہونے دیں گے۔ اللہ عزوجل توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین

محمد شریف الحق امجدی

۱۴ر صفر ۱۴۱۳ھ ۱۴ر اگست ۱۹۹۲ء

تقریظ

مدارِ نجات

مصنفہ: مولانا رضوان احمد شریفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لولیہ والصلوۃ والسلام علی حبیبہ وآلہ وصحبہ.

ہر واقف کار جانتا ہے کہ کلمہ گو طبقے میں متعدد فرقے پیدا ہو چکے ہیں جن میں سے ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور اپنے سوا دوسرے تمام فرقوں کو باطل پر۔ اگر یہ بات نہ ہوتو فرقوں کی تقسیم کا سوال ہی نہ ہو، اور مختلف فرقوں کے آپسی اختلافات عقائد سے متعلق ہیں۔ اگر ان سب کے عقائد مختلف نہ ہوتے تو پھر فرقہ بندی کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا۔

دوسری صدی ہجری ہی سے حنفی، مالکی، شافعی اور پھر تیسری صدی سے حنبلی مذاہب مدوّن ہو چکے تھے۔ اور ان چاروں اماموں کے مخصوص مقلدین اور پیروکار تھے۔ مگر یہ اختلافات فروعی مسائل تک محدود تھے، بنیادی عقائد میں سب متفق تھے اور سب اپنے کو اہل سنت وجماعت کہتے تھے۔ لیکن اس دور میں ایسے مختلف فرقے پیدا ہو گئے ہیں جن میں بنیادی عقائد کا بھی اختلاف ہے، اسی بنا پر ہر فرقہ اپنے کو حق پر سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو ناجی سمجھتا ہے اور دوسرے کو باطل پر سمجھتے ہوئے جہنمی کہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اختلاف کی اس نوعیت کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ ہر کلمہ گو حق پر ہے، اور سب ناجی ہیں حقائق کو جھٹلانا ہے۔ لیکن خصوصاً ہمارے علاقے میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو اپنے ظاہری تقدس کو استعمال کر کے یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ ہر فرقہ حق پر ہے اور ناجی ہے۔ کسی کی تکفیر یا تذلیل جائز نہیں، کسی کا رد کرنا درست نہیں۔ جب کہ یہ بات عقلی طور پر بھی حماقت ہے اور شرعی طور پر بھی باطل۔ اس لئے کہ حدیث صحیح میں فرمایا گیا:

ستفترق امتی علیٰ ثلث وسبعین فرقة کلهم فی النار الا واحدة .

بہت جلد میری امت میں تہتر فرقے پیدا ہوں گے، سوائے ایک کے سب جہنمی ہیں۔

جب حسب تصریح حدیث سوائے ایک کے سب جہنمی ہیں تو سب کو حق پر ماننا ان کے رد کو روکنا ان کے ساتھ بھائی چارگی کرنے کا حکم دینا اور سب کے پیچھے نماز پڑھنے پڑھانے کا حکم دینا، سب سے شادی بیاہ کرنا اور کرانا اور سب کی نماز جنازہ پڑھنا اور پڑھانا حقیقت میں اس حدیث پاک کو جھٹلانا ہے۔ گمراہ بدمذہبوں کے بارے میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا ہے:

ایاکم وایاهم لایضلونکم ولایفتنونکم . (مسلم، مقدمه)

اپنے آپ کو ان سے دور رکھو، ان کو اپنے سے دور رکھو، کہیں تم کو گمراہ نہ کردیں، کہیں تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

اور ارشاد فرمایا:

ولا تجالسوهم ولاتشاربوهم ولا تواکلوهم ولا تناکحوهم واذامرضوا فلا تعودوهم واذا لقیتم فلا تسلموا علیهم ولاتصلوا معهم ولا تصلوا علیهم .

نہ ان کے پاس اٹھو بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھاؤ پیو، نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرو۔ بیمار پڑ جائیں تو انہیں دیکھنے نہ جاؤ۔ ملاقات ہو جائے تو انہیں سلام نہ کرو، نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو اور نہ ان کی جنازے کی نماز پڑھو۔

نیز ارشاد فرمایا:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ هدم الاسلام .

جس نے کسی بدمذہب کی تعظیم کی اس نے اسلام ڈھانے پر مدد کی۔

اس لئے یہ کہنا کہ سب حق پر ہیں، سب ہمارے بھائی ہیں، اسلام کی روح کو مسخ کرنا ہے۔

ان فرقوں میں سب سے خطرناک اور چالاک دیوبندی فرقہ ہے۔ یہ اپنے آپ کو حنفی

بھی کہتے ہیں حتی کہ قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی بھی کہتے ہیں اور سنی بھی کہتے ہیں۔ اس لئے ناواقف مسلمان کو بہت جلدی شکار کر لیتے ہیں۔

پھر ان کا خطرہ اس طرح اور بڑھ جاتا ہے کہ کچھ سنی بننے والے، عالم، مفتی، پیر کہلانے والے بھی عوام کو یہی سبق دیتے ہیں کہ دیوبندی گمراہ نہیں، بدعقیدہ نہیں، صحیح العقیدہ مسلمان ہیں۔ ان سے شادی بیاہ کرو، ان کے پیچھے نماز پڑھو، آج کل چونکہ دنیاداری غالب ہے۔ اس لئے لوگ بہت جلد اس خوش نما فریب میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر کسی پیٹی میں ننانوے ٹماٹر اچھے ہوں اور ایک سڑا ہو تو یہ کبھی نہ ہوگا کہ ننانوے اچھے ٹماٹر اس ایک سڑے ہوئے ٹماٹر کو اچھا کر دیں یا اس سے متاثر نہ ہوں۔ ہوگا یہی کہ وہ ایک سڑا ہوا ٹماٹر ننانوے اچھے ٹماٹروں کو خراب کر دے گا۔ اب سوچئے اگر پیٹی میں بہتر سڑے ہوئے ہوں اور ایک اچھا ہو تو کیا حال ہوگا؟

نہایت واضح بات ہے کہ جب ان مختلف فرقوں کے درمیان ایسے بنیادی اختلافات ہیں جن کی بنا پر بہتر فرقے جہنم کے مستحق ہیں تو عقل مندی اور دینداری کا تقاضا یہ ہے کہ ٹھنڈے دل سے دیانت داری کے ساتھ یہ ذہن میں رکھ کر کہ ہمارے ساتھ ہمارا عقیدہ اور ہمارا عمل جائے گا ڈھونڈ کر نکالیں کہ وہ ایک فرقہ کون ہے، جو جنت میں جائے گا اور جنتی اور جہنمی دونوں فرقوں سے نذرانہ ملنے کی امید پر یا چندہ ملنے کی آس پر یکساں روابط رکھنا حقیقت میں ناجی فرقہ سے نکل کر بہتر گمراہ فرقوں میں داخل ہونا ہے۔

حضرت علامہ رضوان احمد صاحب نوری شریفی استاذ دارالعلوم اہل سنت شمس العلوم گھوسی نے جب یہ محسوس کیا کہ کچھ لوگ اس مسموم پروپیگنڈے سے متاثر ہو رہے ہیں کہ دیوبندی بھی حق پر اور سنی بھی حق پر ہیں، دونوں صحیح العقیدہ مسلمان ہیں، سب کے پیچھے نمازیں پڑھو، سب کا جنازہ پڑھو، سب سے شادی بیاہ کرو، تو اپنی غیرت ایمان کے تقاضے کی بنیاد پر بڑی عرق ریزی سے زیر نظر رسالہ لکھا ہے۔ انہوں نے بالاختصار دیوبندیوں کے ان عقائد کو تحریر کیا ہے۔ جن کو سن کر ہر مسلمان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے اللہ کے محبوب کی شان میں دیوبندیوں نے کیسی کیسی جسارتیں کی ہیں، پھر اس

کے بعد صلح کلیوں کے بارے میں بھی بہت عمدہ پیرائے میں بتایا ہے کہ صلح کلیت حقیقت میں الحاد کی شاخ ہے، اور مذہب کی روح کو فنا کرنے کی کوشش ہے۔

اس سلسلے میں جان بوجھ کر کھلے ہوئے دیوبندی بھی اور چھپے چھپائے سنیت کا لبادہ اوڑھنے والے دیوبندی بھی اسمٰعیل دہلوی کی تکفیر کا مسئلہ بار بار اٹھاتے ہیں جب کہ اس کا مکمل مفصل جواب علمائے اہل سنت بار بار دے چکے ہیں۔ (مثلاً: الموت الاحمر، اطیب البنان، العذاب الشدید، ناموس رسالت، احوال واقعی وغیرہ) لیکن اس کے باوجود دیوبندی بھی اور دیوبندیوں کے کارساز صلح کلی بھی اس کو بار بار چھیڑتے ہیں۔

چونکہ یہ مسئلہ کفر واسلام کا بہت دقیق ہے۔ بعض جگہ اس کی دقتوں کو عوام تو عوام علما بھی نہیں سمجھ پاتے اس چیز کو دیوبندی بھی جانتے ہیں لیکن یہ شاطر قوم اپنے اکابر کو کفر سے بچانے کے لئے ہر حربہ استعمال کرتی رہتی ہے۔ انہیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا، اور شرع میں اس کی کیا حیثیت ہے۔ ان کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ عوام کو الجھا کر اپنے اکابر کے کفریات سے توجہ ہٹا دی جائے، اس موضوع پر علامہ موصوف نے بہت سنجیدگی کے ساتھ بہت آسان طرز سے تحریر فرمایا ہے۔

امید ہے کہ جو لوگ اس باب میں واقعی ذہنی خلفشار میں مبتلا ہیں ان کو پورا اطمینان نصیب ہوجائے گا۔ مولیٰ تعالیٰ علامہ موصوف کو اسلام و مسلمین کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور اس رسالہ کو مسلمانوں کے لئے نفع بخش بنائے۔ آمین

محمد شریف الحق امجدی

۳/ذو قعدہ ۱۴۱۸ھ

(مدار نجات)

☆☆☆

تقریظ جلیل

فضل العلم والعلماء

مصنفہ: سند المحققین علامہ نقی علی خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے منفرد ہیں۔ انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ طلبہ جسب حیثیت اپنے صرفے سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا مجدد اعظم قدس سرہ کے رسائل چھپواتے رہتے ہیں۔ اگرچہ بعض دوسرے مدارس کے طلبہ بھی یہ کار خیر کرنے لگے ہیں مگر ایجاد اشرفیہ کے طلبہ ہی کی ہے۔

فلو قبل مبکاها بکیت صبابة
بسعدیٰ شفیت النفس قبل التندم
ولکن بکت قبلی فهیج لی البکاء
بکاها فقلت الفضل للمتقدم

اگر اس (کبوتری) کے رونے سے پہلے میں سعدیٰ کی محبت میں رویا ہوتا تو پشیمان ہونے سے پہلے اپنے نفس کو تشفی دے لیتا۔ لیکن وہ مجھ سے پہلے روئی، اور اس کے گریہ نے مجھے بھی رلا دیا تو میں نے کہا فضیلت اگلے کے لئے ہے۔

امسال فارغ التحصیل ہونے والے درجہ فضیلت کے طلبہ نے بجائے امام احمد رضا قدس سرہ کے ان کے والد ماجد اور استاذ، سند المحققین حضرت مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ”فضل العلم والعلماء“ کے چھپوانے کا قصد کیا، خواہ اعلیٰ حضرت کا رسالہ ہو یا ان کے والد ماجد کا۔ سب ایک ہی سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔

اس دور میں کچھ علمائے سوء نے، کچھ عالم کے بھیس میں جہلا نے، کچھ عوام کی دین سے غفلت اور دنیا میں انہماک نے، علم دین اور علماء سے بدظنی پیدا کر دی ہے۔ پھر ملک میں

ایک ایسا طبقہ پیدا ہو چکا ہے جس کا مشن علمائے دین سے مسلمانوں کو دور کرنا ہے اس لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ عوام کے سامنے علم دین اور علماء کے فضائل ومناقب جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں ان کی ضرورت واہمیت بتائی جائے۔

اس سلسلے میں ان طلبہ کا انتخاب ان کے حسن ذوق اور ان کی نبض شناسی کی اہم مثال ہے۔ پھر ان کا یہ ایثار قابل مبارک باد ہے کہ وہ اس رسالہ کو قیمتاً فروخت کرنے کے لئے نہیں چھپوا رہے ہیں بلکہ اشرفیہ سے جاتے وقت اپنا ایک تحفہ اور ہدیہ لوگوں کو دیتے ہوئے جا رہے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان طلبہ نے علم دین کو لوجہ اللہ حاصل کیا ہے، اور ان کا مقصود علم دین کی نشر واشاعت ہے۔

مولیٰ عزوجل اسے قبول فرمائے اور اس سے مسلمانوں کو نفع اور ہدایت بخشے۔ ان اولوالعزم ایثار پسند (پوری جماعت کے) طلبہ کے حق میں دعا ہے کہ اللہ عزوجل ان کو علمائے ربانیین کی صف میں جگہ عطا فرمائے، اور ان سے علم دین اور دین کی عظیم اور مقبول خدمات لے۔ انہیں دین کی خدمت کے صلہ میں فارغ البال اور شاد وآباد رکھے۔ آمین

بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ والصلوٰۃ والتسلیم الیٰ یوم الدین۔

صاحب کتاب کے تعارف کے لئے ان کے حالات زندگی پر کچھ لکھنا ضروری تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے مصنف کی مایۂ ناز تصنیف "جواہر البیان فی اسرار الارکان" کے ساتھ ان کے حالات تحریر فرمائے ہیں۔ میں نے ان عزیزوں کو یہی مشورہ دیا کہ اس کو نقل کر کے اس کتاب میں شامل کر دیں تا کہ اعلیٰ حضرت کے کلمات طیبہ کی اشاعت کی بھی سعادت سے آپ لوگ بہرہ ور ہو جائیں۔

محمد شریف الحق امجدی

(فضل العلم والعلماء)

شرف نامہ

شرف ملت سید محمد اشرف قادری برکاتی [illegible] دہلی

فقیہ اعظم ہند شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی برکاتی امجدی علیہ الرحمہ امجدی اسکول کے ممتاز عالم دین [illegible] کے [illegible] مفتی [illegible] تھے [illegible] شارح بخاری کی [illegible] "مقالات شارح بخاری" کی صورت میں ہونے جا رہا ہے۔

[illegible] کے سلسلے میں [illegible] معاصرین کے درمیان [illegible] ان کے مقالات کی [illegible] لیکن جب ان میں سے بعض [illegible] کی قدر و قیمت کا احساس دو گنا ہو گیا۔ مفتی صاحب [illegible] گوشہ خاصہ وقیع ہے۔ اس میں انہوں [illegible] قابل قدر ہے۔ یہ اوصاف مفتی صاحب [illegible] کی رو داد میں مفتی صاحب سے [illegible] بہت شفقت اور [illegible] زیادہ نظر آتے ہیں۔

[illegible] عزیز مکرم علامہ [illegible] احمد رضوی [illegible] سے منظر عام پر آ رہا ہے۔ علامہ [illegible] نے جامعہ اشرفیہ [illegible] جن کی خوشبو [illegible] کے مستحق ہیں۔ یہ فقیر [illegible] انہیں مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ رب العزت انہیں اپنی توفیقات سے سرفراز کرے۔ [illegible] (ملیگ) بھی خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنے [illegible] سے ہم کنار کیا۔ رب کریم ان کے نام کی معنویت ان پر سایہ فگن رکھے اور اس [illegible] سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ الحبیب الامین علیہ وعلیٰ آلہ اکرم الصلوٰۃ وافضل التسلیم!

سید محمد اشرف قادری برکاتی